اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ

سلسلۂ ''ایمانی خزائن'' میں شامل

رسائلِ قاسمیہ

جلداول

[آسان وعام فہم رسائل]

عالم اسلام کے عظیم رہنما ☆ تحریک ختم نبوت کے عظیم امام اور مجدد

امام اہل قرآن وحدیث ☆ امیر المؤمنین فی عقیدۃ ختم النبوۃ

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نوراللہ مرقدہ

کے

درج ذیل اہم ترین رسائل پر مشتمل

○ میلہ خداشناسی ○ مباحثہ شاہجہانپور ○ حجۃ الاسلام

○ تتمہ حجۃ الاسلام ○ تحفہ لحمیہ ○ اسرار الطہارۃ

آخر میں سوانح عمری از مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ

☆ مقدمہ از بندہ محمد سیف الرحمٰن قاسم عفی عنہ ☆

ناشر ادارہ تالیفات قاسمیہ پاکستان

ماشاءاللہ لاقوۃ الا باللہ

سلسلۂ ''ایمانی خزائن'' میں شامل

نام کتاب : مجموعہ رسائل قاسمیہ جلد اول [آسان و عام فہم رسائل]

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے درج ذیل رسائل پر مشتمل

○ میلہ خداشناسی ○ مباحثہ شاہجہانپور ○ حجۃ الاسلام ○ تتمہ حجۃ الاسلام ○ تحفہ لحمیہ

○ اسرارالطہارۃ ○ آخر میں سوانح عمری از مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ

○ مقدمہ از بندہ محمد سیف الرحمٰن قاسم عفی عنہ ○ عرض حال از بندہ محمد معاذ احمد غفرلہ

طبع اول ذوالحجۃ ۱۴۳۹ھ مطابق اگست ۲۰۱۸ء

تعداد : ۵۰۰

ناشر : ادارہ تالیفات قاسمیہ پاکستان

طالب دعا تاج محمد روی رحمۃ اللہ علیہ

فہرست مجموعہ رسائل قاسمیہ۔ جلد اول

[آسان و عام فہم رسائل]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض حال

[بقلم بندہ محمد معاذ احمد غفرلہ]

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدِ الَّذِیْ بُعِثَ اِلَی الْخَلْقِ کُلِّہٖ ، وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ ، وَبَعْدُ !

حضرت آدم علیہ السلام کی ساری اولاد عقائد میں متفق تھی۔ قوم نوحؑ نے شرک شروع کر کے عقائد میں اختلاف کی بنیاد رکھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کیلئے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ طوفان میں کفار کے غرق ہونے کے بعد پھر سے سب انسان امتِ واحدہ ہو گئے تھے مگر سیدنا نوح علیہ السلام کے بعد اختلاف کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ دنیا میں قیامت تک ختم نہ ہوگا۔

اختلاف میں مجرم کون؟

یاد رہے کہ حق و باطل کے اختلاف میں مجرم، حق کو ٹھکرانے والے اہل باطل ہی ہوتے ہیں خواہ وہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے بعد حق کا انکار کریں یا انبیاء علیہم السلام کی آمد سے قبل شرک پر متفق ہوں اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے بعد ان سے اختلاف ظاہر ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ فَاِذَا ھُمْ فَرِیْقٰنِ یَخْتَصِمُوْنَ" (النمل:۴۵) "اور ہم نے (قوم) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو تو اچانک وہ دو فریق ہو کر آپس میں جھگڑنے لگیں"۔ مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا: اِنَّکَ قَدْ اَتَیْتَ قَوْمَکَ بِاَمْرٍ عَظِیْمٍ فَرَّقْتَ بِہٖ جَمَاعَتَھُمْ (ابن ہشام ج ۱ ص ۳۱۳) "آپ اپنی قوم کے پاس ایک ایسی بڑی چیز لے کر آئے ہیں جس کے ساتھ آپ نے ان کی جماعت کے ٹکڑے کر دیئے"۔ اب بظاہر تو اختلاف انبیاء علیہم السلام کے آنے سے ہوا مگر اختلاف کے مجرم وہ مشرک ہی تھے جنہوں نے پہلے سے ثابت شدہ توحید سے اختلاف کیا ہوا تھا۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد:

باطل کے پیدا کردہ اختلاف کو ختم کرنے اور حق کی شمع کو روشن کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ انبیائے کرام علیہم السلام حق کی نشر و اشاعت کے ساتھ اس میں اٹھائے جانے والے اشکالات کا بذریعہ وحی الٰہی جواب بھی دیا کرتے تھے۔

علمائے اسلام انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں:

انبیاء کا سلسلہ حضور رسالت مآب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر تمام ہوا، اور قیامت تک کیلئے علوم نبوی کے وارث علمائے دین ٹھہرے، فرمایا: إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَإِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ (۱) ''بیشک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء وراثت میں دینا یا درہم نہیں چھوڑتے وہ تو وراثت میں علم ہی چھوڑتے ہیں تو جس نے علم (دین) کو لیا تو اس نے کامل حصہ لے لیا''۔ راقم کہتا ہے کہ اس حدیث پاک میں علماء کیلئے خدا ترسی اور زہد دنیا کا درس اظہر من الشمس ہے۔

دعوت کے انداز:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے بعد اسلام کی دعوت وارشاد کی ذمہ داری امت کے ذمہ ہے اور دعوت کے مختلف انداز ہیں۔ ایک دلائل و براہین کے ذریعے جسے قرآن کریم نے حکمت سے تعبیر کیا، اور دوسرے ترغیب و ترہیب، وعظ و نصیحت اور فضائل سنا کر جسے قرآن کریم نے موعظہ حسنہ کے عنوان سے معنون کیا، تیسرے: وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ یعنی بہترین اور شگفتہ انداز میں سامنے والے کے اشکالات کا جواب دے کر (دیکھئے تفسیر عثمانی ص ۳۷۲)

مثال سے وضاحت:

جس طرح ایک بادشاہ کو اپنی سلطنت بڑھانے کے لئے علاقوں پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ مفتوحہ علاقوں کو بغاوت و غداری سے پاک رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح علمائے اسلام کو اسلام کی تبلیغ و دعوت کے ساتھ اس کی نظریاتی طور پر حفاظت بھی ضروری ہوتی ہے تا کہ آئندہ نسلوں تک

---

۱) مشکوۃ ص ۳۴، ابوداود ج ۲ ص ۱۵۷ ح ۳۶۴۱، ترمذی ج ۲ ص ۹۳ عن ابی الدرداء۔ محمد سیف الرحمٰن

اسلام صحیح سلامت پہنچے اور من گھڑت عقائد ونظریات اور بدعات سے محفوظ رہے۔ ثابت ہوا کہ تبلیغ دین کو فقط دعوت اور اعمال حسنہ کے فضائل کے ذکر کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں بلکہ محض ذکر فضائل ہی کو انبیاء علیہم السلام کی سنت قرار دینے کو تنگ نظری کہا جائے تو بجا ہے۔

اسلامی سرحدوں کی حفاظت:

حضور ﷺ کے بعد امت نے جس طرح دعوت وتبلیغ کا کام سنبھالا اسی طرح علماء کی ایک جماعت ہمیشہ ایسی رہی جنہوں نے اسلام کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کا ذمے لیے رکھا۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بعد امام ابوحنیفہؒ، امام غزالیؒ، امام رازیؒ، مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ سب اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا ذکر خیر:

یہاں جو شخصیت بالخصوص زیر بحث ہے وہ ہے حجۃ الاسلام مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد اہل اسلام کو انتہائی برے حالات کا سامنا تھا کیونکہ ایک تو اسلامی تعلیم کے مراکز سرکاری سرپرستی سے محروم ہوئے وہ اس طرح کہ انگریز سے پہلے حکمرانوں نے مدارس کے اخراجات کیلئے زمینیں وقف کی ہوئی تھیں ۱۲۵۴ھ مطابق ۱۸۳۸ء میں انگریز نے ان تمام وقف شدہ زمینوں کو ضبط کرلیا، دوسرے انگریزی حکومت کی پشت پناہی میں عیسائیت کی تبلیغ کھلم کھلا ہونے لگی۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے تاریخ دیوبند از سید محبوب رضوی ص ۳۰۲ تا ۳۳۵)

ان پریشان کن حالات میں ایسے مذہبی میلے یعنی مذہبی جلسے بھی منعقد کئے گئے جن میں ہندؤں، عیسائیوں اور مسلمانوں کو اپنے اپنے مذہب کی حقانیت ثابت کرنے کیلئے دعوت دی گئی جس علاقے میں ان مباحثوں کا اعلان ہوا وہاں کے اہل اسلام نے اسلام کی ترجمانی کیلئے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو خاص طور پر مدعو کیا۔

ان مباحثوں میں جب یہ مرد قلندر اپنے مخصوص اور دلپذیر انداز میں اسلامی عقائد واحکام کو عقل کی رو سے ثابت کرتا تو پورا مجمع ہمہ تن گوش ہوجاتا، اول تو کسی کو ان کی تقریر پہ سوال کرنے کی جرات نہ ہوتی، اور اگر کوئی سوال کردیتا تو آپ فوراً سے پہلے اس کا جواب دینے کیلئے سٹیج پر پہنچتے۔

حضرتؒ کے بیان کی خصوصیت:

کوئی بات ناقص یا قابلِ اشکال تب ہوتی ہے جب اس کا کوئی پہلو مبہم رہ جائے اور ابہام یا اختصار کی وجہ سے ہوتا ہے یا طوالت و کثرتِ مضامین کی وجہ سے بھی۔ مولانا کو اللہ نے ایسا ملکۂ گفتار عطا کیا تھا کہ بات بالکل بنیاد سے شروع کرتے پھر نہایت ترتیب کے ساتھ اس کو آخر تک لے کر جاتے جس میں مضمون کا خلاصہ بھی ہوتا، تفصیل بھی اور دخلِ مقدر کا دفعیہ بھی۔ ایک عجیب بات یہ بھی تھی کہ اگر آپ کو زیادہ موقع ملتا تب بھی بات مکمل کر دیتے اگر وقت کم ہوتا تب بھی موضوع کو سمیٹ دیتے۔

ان موقعوں پر آپ کے بیانات کا اختتام عقیدۂ ختم نبوت پر ہوتا اور آپ اس کا اعلان کرتے کہ اب نجات فقط حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کی اتباع میں ہے۔ آپ کے بیان سن کر عیسائی پادری بول اٹھے کہ ہم نے تقریریں تو بڑے علماء کی سنی ہیں مگر ایسے بیانات کہیں نہ سنے تھے

ختم نبوت کا مظلوم مجاہد:

ان تمام حقائق کے باوجود اس بے مثال شخصیت پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ ختم نبوت کا منکر تھا ظاہر ہے کہ یہ نرا جھوٹ ہے یقین نہ آئے تو شاہجہانپور کے مباحثوں کی روئیداد پڑھیں۔ کیا منکرین ختم نبوت کے بیانات ایسے ہوتے ہیں؟ پھر مولاناؒ نے تو ختم نبوت کا اعلان بیشتر ایسے موقعوں پر کیا جن میں ختم نبوت کا موضوع زیرِ بحث ہی نہ تھا(۱) دیکھئے آپ کا رسالہ اسرار الطہارۃ۔

ختم نبوت کی بے مثال خدمت:

ان شاء اللہ ان رسائل کا مطالعہ کر کے آپ پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ غیر مسلموں کے سامنے میں ختم نبوت کا ایسا اثبات ایسے مضبوط، آسان اور دلنشین دلائل کے ساتھ نہ حضرتؒ سے پہلے کوئی کر سکا، اور نہ حضرتؒ کے بعد کوئی آپ سے بہتر انداز لا سکا۔ مباحثوں کی روئیداد سامنے ہے پڑھ کر معترض حضرات خود فیصلہ کر لیں۔

---

۱) مثلاً اثرِ ابن عباسؓ پر بحث کے دوران مولانا لکھنویؒ جیسی شخصیت نے ختم نبوت زمانی پر ایسی مفصل و مدلل بحث نہ کی حضرتؒ نے ختم نبوت کی تین قسمیں بتائیں زمانی، مکانی اور رتبی اور تینوں کو نبی ﷺ کیلئے ثابت کیا، مگر اپنی تحقیق کے منکر پر فتویٰ نہ لگایا، کافر کہا تو خاص ختم نبوت زمانی کے منکر ہی کو کہا۔ محمد سیف الرحمٰن

عالم اسلام کے عظیم رہنما:

یہ بات عین حقیقت ہے کہ آپ عالم اسلام کے عظیم رہنما تھے مگر افسوس کہ آپ کا تذکرہ محض ایک فلسفی (۱) کی حیثیت سے کیا جاتا ہے اور کتاب ''آبِ حیات'' کے مشکل ہونے کا سہارا لے کر آپ کی سب تصانیف کو نظر انداز کیا جاتا ہے جب کہ ان کے بعض دیگر رسائل انتہائی سہل اور مفید ہیں۔

مولانا کی کتب کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ:

مولانا کی کتب کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ طلبہ ان کی علمی تحقیقات سے محروم ہو گئے ☆ ان کی کتب پر نظر نہ ہونے کی وجہ سے ان پر الزام لگانے والوں سے بات کرتے ہوئے گھبراہٹ ہوتی ہے ☆ دیگر علماء کے بارے میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالے اور رسالے لکھے جاتے ہیں لیکن حضرت کی تحقیقات کے بارے میں مقالے اور رسالے نہیں لکھے جاتے ☆ ہم میں قدیم و جدید علم کلام کو سمجھنے والے اور اسلامی فلسفیانہ انداز سے بات کرنے والے افراد کا فقدان ہونے لگا۔ حالانکہ فلسفیانہ انداز میں عقائد و مسائل کو سمجھانا بھی فرض کفایہ کی طرح ہے کیونکہ بعض لوگ بات اسی انداز سے سمجھتے ہیں چنانچہ جدید نامور سکالرز کی شہرت کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کے سوالات کے جوابات عقل کی رو سے دیتے ہیں جیسے ڈاکٹر ذاکر نائیک، پروفیسر احمد رفیق اختر وغیرہ ان کی یہ بات ان کی شخصیت کو متنازع فیہ ہونے سے بری نہیں کر سکتی یہ ان کے لئے محض بطور شہرت کے سبب کے (اور لوگوں کی عقل کی طرف رغبت کے) ذکر کیا۔

---

۱) مولانا منطقی و فلسفی ہی نہیں حدیث تفسیر فقہ اور تقابل ادیان کے بہت بڑے امام ہیں، انہوں نے اپنے زمانے کے فتنوں کا رد تو کیا ہی ہے کمال یہ ہے کہ مرزا قادیانی کا فتنہ ان کے زمانے میں نہیں تھا کیونکہ مرزا پر سب سے پہلے کفر کا فتوی علمائے لدھیانہ کی طرف سے ۱۳۰۱ھ کو لگا (رئیس قادیاں ج ۲ ص ۲) اور مولانا کی وفات ۱۲۹۷ھ میں ہوئی، مگر مرزائیت کا جتنا رد ان کی تصانیف اور ان کی تقاریر میں پایا جاتا ہے اور علماء کے ہاں نہیں پایا جاتا (دیکھئے کتاب حق الیقین) تفسیر کے موضوع پر حضرت کی کتابوں میں اتنا مواد اور ایسا عظیم مواد ہے کہ ان کو بجا طور پر امام المفسرین کہا جا سکتا ہے (دیکھئے کتاب عمدۃ التفاسیر) خاص عقیدۂ ختم نبوت پر حضرت نے اتنا کام کیا کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں دی جا سکتی کہ ہندوؤں اور عیسائیوں کے نامی گرامی مناظرین میں ختم نبوت کا اعلان کیا اور وہ لوگ اعتراض نہ کر سکے۔ محمد سیف الرحمن قاسم

کبھی عقل پرستوں کا جواب عقلی دلائل سے دینا زیادہ مؤثر ہوتا ہے مگر اس میں خطرہ ہوتا ہے کہ انسان نقل کے خلاف نہ کہہ بیٹھے اس لئے اس بارے میں اکابر کا دامن تھامنا ضروری ہوتا ہے حضرت نانوتویؒ جیسے حضرات کی کتابیں اس بارے میں ہمارے لئے بہترین راہنما ہیں۔

حضرتؒ اپنی تصانیف میں زندہ ہیں:

کوئی مصنف علمی طور پر تب تک زندہ سمجھا جاتا ہے جب تک لوگ اس کی تصنیفات سے مستفید ہوتے رہیں کیونکہ وہ اس کے خیالات، جذبات واحساسات کی عکاسی کرتی ہیں۔آج مولانا نانوتویؒ ہم میں موجود نہیں مگر ان کی تصنیفات ہمارے پاس ہیں جو وقت کی اہم ضرورت اور اسلامی کلچر کے دفاع کیلئے سرمایہ ہیں

آتی رہے گی ہمیشہ ترے انفاس کی خوشبو — گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ:

راقم کے والد محترم جو راقم کے استاد بھی ہیں حضرتؒ کی کتابوں کا ذوق رکھتے ہیں انہوں نے حضرتؒ کی بعض آسان کتب کو منتخب کر کے راقم کو ان کے مطالعے کا اور ان کے لئے سوالات بنانے کا حکم دیا، راقم مولانا کی ذہانت، وسعت علمی ور ترتیب کلام سے بہت متاثر ہوا۔ اللہ تعالیٰ والد صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے جن کی شفقت سے مجھے ان کتب کے مطالعہ کی توفیق ہوئی۔ یہ چند سطریں بھی میں نے ان کے حکم سے لکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی دیگر کتب سے بھی استفادہ کی توفیق عطا فرمائے آمین

والد صاحب ان کتب کو مع سوالات شائع کرنا چاہتے ہیں۔ اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ کے تحت میری طالب علم بھائیوں سے التماس ہے کہ اپنا کچھ وقت ان کتابوں کو دیں خود بھی پڑھیں دوسروں کو بھی پڑھائیں اس انداز سے حضرت کی کتابوں کو پہلی مرتبہ شائع کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت کے علوم سے بہت بہت استفادے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم پر ہمارے بڑوں کا سایہ قائم رکھے آمین

فقط

بندہ محمد معاذ احمد

متعلم جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

۲۱ شوال ۱۴۳۹ھ ..... ۱۱:۴۰ ام بروز جمعرات ۵/۷/۱۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

[از محمد سیف الرحمٰن قاسم عفی عنہ]

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ ، اَمَّا بَعْدُ!

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہ علمائے اسلام میں نمایاں مقام رکھتے ہیں علم حدیث میں آپ کی سند پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے کیونکہ عرب و عجم میں، افریقہ و ایشیا میں ہر طرف آپ کے شاگردوں کے شاگرد علم دین پھیلا رہے ہیں آپ کی کتب میں اللہ تعالیٰ نے یہ برکت رکھی ہے کہ ان کو پڑھنے سے انسان کا ذہن کھل جاتا ہے وہ ذہین سے ذہین تر بن جاتا ہے۔

حضرت نانوتویؒ "فقیہ النفس" تھے:

آپ کی تحریریں اور تقریریں زیادہ تر اصول دین پر ہیں مگر آپ فروعی مسائل سے بھی گہری واقفیت رکھتے تھے آپ نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اسے پڑھ کر ماننا پڑتا ہے کہ آپ بلاشک فقیہ النفس تھے مثلاً آپ فرماتے ہیں: اہل اسلام کے نزدیک کعبہ کی طرف منہ ہونا چاہئے نیتِ استقبال کی بھی ضرورت نہیں (قبلہ نما طبع قدیم ص ۴، طبع جدید ص ۲۷، ۲۸) اور یہی بات ذمہ دار فقہاء نے لکھی ہے (دیکھئے فقہ حنفی کی مستند کتاب البحر الرائق ج ۱ ص ۲۷۶، فقہ شافعی کی مستند کتاب مغنی المحتاج ج ۱ ص ۱۴۹)

منفرد انداز سے اثبات رسالت و ختم نبوت:

آپ کی ایک خوبی یہ ہے کہ آپ نے ہندوؤں، عیسائیوں کے ساتھ مناظروں کے دوران توحید، رسالت اور ختم نبوت پر ایسے بیانات کئے، اور ایسی تحریریں لکھیں جن کی مثال نہیں ملتی (۱) آنحضرت ﷺ کی نبوت کو محققین ثابت کرتے آئے ہیں چنانچہ علامہ تفتازانیؒ لکھتے ہیں

---

۱) مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی کتاب مختارات من ادب العرب میں (باقی آگے)

"وأما نبوة محمد عليه السلام فلانه ادعى النبوة و أظهر المعجزة أما دعوة النبوة فقد علم بالتواتر وأما اظهار المعجزة فلوجهين أحدهما أنه اظهر كلام الله تعالىٰ وتحدى به البلغاء مع كمال بلاغتهم فعجزوا عن معارضته باقصر سورة منه ...... فدل ذلك قطعا على أنه من عند الله تعالىٰ وعلم به صدق دعوى النبی عليه السلام......(شرح العقائد ص١٣٥،١٣٦)

ترجمہ: "اور محمد علیہ السلام کی نبوت تو اس لئے کہ آپ نے نبوت کا دعوی کیا اور معجزہ ظاہر کیا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) آنحضرت ﷺ کی نبوت کے اثبات پر کئی مقالے نقل کئے ہیں جن میں ایک مقالہ حافظ ابن تیمیہ کا ہے۔ جس کا عنوان ہے: النبوة المحمدية و آياتها (مختارات من ادب العرب قسم النثر ج۱ص۱۱۴) ایک مصر کے مشہور عالم شیخ عبدہ کا ہے جس کا عنوان ہے: رسالة محمد ﷺ (ایضاً ج۱ص۱۳۲) ایک شیخ محمد بن اللیث کا ہے جس کا عنوان ہے: البعثة المحمدية (ایضاً ج۲ص۵۶) حضرت کا طریق کار ان سب سے آسان اور مضبوط ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ سے موازنہ:

ذیل میں حافظ ابن تیمیہؒ کا مقالہ دیا جاتا ہے آپ ان کا موازنہ حضرت نانوتویؒ کے ذکر کردہ طریق کار سے کر کے خود فیصلہ دیں کہ زیادہ آسان اور جاندار انداز کن کا ہے؟ پھر ایک کمال یہ کہ حضرتؒ نے ساتھ ہی توحید کا بھی ذکر فرمایا اور ختم نبوت کا بھی۔ ہماری کوتاہی ہے کہ ہم نہ حضرتؒ کے علوم سے استفادہ کرتے ہیں نہ دوسری زبانوں میں ان کو شائع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی نشر و اشاعت کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ بہر حال منفرد انداز میں اثبات نبوت اور اثبات ختم نبوت آپ کا خاصہ ہے۔ (مزید دیکھئے تکملہ دافع الوسواس ص۱۳۱ تا ۱۶۹) اب حافظ ابن تیمیہ کا مضمون ملاحظہ ہو

النبوة المحمدية و آياتها

وسيرة الرسول ﷺ من آياته وأخلاقه وأقواله وأفعاله وشريعته من آياته وأمته من آياته وعلم أمته ودينهم من آياته وكرامات صالح أمته من آياته (باقی آگے)

رہا دعوائے نبوت تو اس کا علم تواتر سے ہے اور رہا معجزہ کا اظہار تو وہ دو وجہ سے ہے ایک یہ کہ آپ نے کلام اللہ کو پیش کیا، اور اس کے ساتھ بلغاء کو چیلنج دیا جو بلاغت میں کمال کو پہنچے ہوئے تھے وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) وذلك يظهر بتدبر سيرته من حين ولد إلى ان بعث ومن حيث بعث إلى ان مات، وتدبر نسبه وبلده واصله وفصله فإنه كان من اشرف أهل الأرض نسبا من صميم سلالة إبراهيم الذى جعل اللّٰه فى ذريته النبوة والكتاب فلم يأت نبى بعد إبراهيم إلا من ذريته وجعل له ابنين إسماعيل وإسحاق وذكر فى التوراة هذا وهذا وبشر فى التوراة بما يكون من ولد إسماعيل ولم يكن فى ولد إسماعيل من ظهرت فيما بشرت به النبوات غيره، ودعا إبراهيم للذرية إسماعيل بأن يبعث فيهم رسولا منهم ثم من قريش صفوة بنى إبراهيم ثم من بنى هاشم صفوة قريش ومن مكة أم القرى وبلد البيت الذى بناه إبراهيم ودعا الناس إلى حجه ولم يزل محجوجا من عهد إبراهيم مذكورا فى كتب الأنبياء بأحسن وصف .

وكان من أكمل الناس تربية ونشأة، ولم يزل معروفا بالصدق والبر والعدل ومكارم الأخلاق وترك الفواحش والظلم وكل صنف مذموم مشهودا له بذلك عند جميع من يعرفه قبل النبوة وممن آمن به وممن كفر بعد النبوة، لا يعرف له شيء يعاب به لا فى أقواله ولا فى أفعاله ولا فى أخلاقه ولا جرت عليه كذبة قط ولا ظلم ولا فاحشة

وكان خلقه وصورته من أكمل الصور وأتمها وأجمعها للمحاسن الدالة على كماله، وكان أميا من قوم أميين لا يعرف لا هو ولا هم ما يعرفه أهل الكتاب التوراة والإنجيل، ولم يقرأ شيئا عن علوم الناس ولا جالس أهلها ولم يدع نبوة إلى أن أكمل اللّٰه له أربعين سنة، فأتى بأمر هو أعجب الأمور وأعظمها وبكلام لم يسمع الأولون والآخرون بنظيره وأخبرنا بأمر لم يكن فى بلده وقومه من يعرف مثله، (باقی آگے)

بلغاء قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کا مقابلہ کرنے سے بھی عاجز رہے..... تو یہ چیز قطعی طور پر اس کی دلیل ہے کہ یہ کلام اللہ کی طرف سے ہے اور اس سے نبی علیہ السلام کے دعویٰ کی صداقت معلوم ہوئی"۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ولم يعرف قبله ولا بعده لا في مصر من الامصار ولا في عصر من الاعصار من أتى بمثل ما أتى به ولا من ظهر كظهوره ، ولا من أتى من العجائب والآيات بمثل ما أتى به ولا من دعا الى شريعة أكمل من شريعته ولا من ظهر دينه على الاديان كلها بالعلم والحجة وباليد والقوة كظهوره ، م انه اتبعه أتباع الأنبياء وهم ضعفاء الناس ، وكذبه أهل الرياسة وعادوه وسعوا في هلاكه وهلاك من اتبعه بكل طريق كما كان الكفار يفعلون بالأنبياء وأتباعهم والذين اتبعوه لم يتبعوه لرغبة ولا لرهبة فإنه لم يكن عنده مال يعطيهم ولا جهات يوليهم إياها ، ولا كان له سيف ، بل كان السيف والمال والجاه مع أعدائه وقد آذوا أتباعه بأنواع الأذى وهم صابرون محتسبون لا يرتدون عن دينهم لما خالط قلوبهم من حلاوة الإيمان والمعرفة ۔

وكانت مكة يحجها العرب من عهد إبراهيم ، فتجتمع في الموسم قبائل العرب ، فيخرج إليهم يبلغهم الرسالة ويدعوهم إلى الله صابرا على ما يلقاه من تكذيب المكذب وجفاء الجافي وإعراض المعرض إلى أن اجتمع بأهل يثرب وكانوا جيران اليهود قد سمعوا أخباره منهم وعرفوه فلما دعاهم علموا أنه النبي المنتظر الذي تخبرهم به اليهود ، وكانوا قد سمعوا من أخباره ما عرفوا به مكانته ، فإن أمره كان قد انتشر وظهر في بعض عشرة سنة ، فآمنوا به وبايعوه على هجرته وهجرة أصحابه إلى بلدهم وعلى الجهاد معه ، فهاجر هو ومن اتبعه إلى المدينة وبها المهاجرون والأنصار ليس فيهم من آمن برغبة دنيوية ولا برهبة إلا قليلا من الأنصار ، أسلموا في الظاهر ثم حسن إسلام بعضهم ، ثم أذن له في الجهاد ، (باقی آگے)

مزید تفصیل آپ کو علم کلام کی دوسری کتب میں مل جائیں گی مگر جو طریق کار حضرت نانوتویؒ نے اختیار کیا وہ ان سب سے نرالا ہے حضرتؒ کا طریق کار آپ کو کتاب حجۃ الاسلام ص۳۱ تا ۵۸ میلہ خداشناسی ص۳۶ تا ص۳۹، مباحثہ شاہجہانپور ص۲۷ تا ۴۴، ۹۴ تا ۹۸، رسالہ اسرار الطہارۃ ص۴۷۴ سطر اخیر تا ص۴۸۱ سطر۲، انتصار الاسلام ص۵۵ سطر۱۵ تا ص۵۹ سطر۴،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ثم أمر به ولم يزل قائما بأمر الله على أكمل طريقة وأتمها من الصدق والعدل والوفاء، لا يحفظ له كذبة واحدة ولا ظلم لأحد ولا غدر بأحد، بل كان أصدق الناس وأعدلهم وأوفاهم بالعهد مع اختلاف الأحوال عليه من حرب وسلم، وأمن وخوف، وغنى وفقر، وقلة وكثرة، وظهوره على العدو تارة، وظهور العدو عليه تارة، وهو على ذلك لازم لأكمل الطرق وأتمها، حتى ظهرت الدعوة فى جميع أرض العرب التى كانت مملوءة من عبادة الأوثان ومن أخبار الكهان، وطاعة المخلوق فى الكفر بالخالق، وسفك الدماء المحرمة، وقطيعة الأرحام، لا يعرفون آخرة ولا معادا، فصاروا أعلم أهل الأرض، وأدينهم وأعدلهم وأفضلهم، حتى أن النصارى لما رأوهم حين قدموا الشام قالوا ما كان الذين صحبوا المسيح بأفضل من هؤلاء۔

وهذه آثار علمهم وعملهم فى الأرض وآثار غيرهم، يعرف العقلاء فرق ما بين الأمرين، وهو ﷺ مع ظهور أمره وطاعة الخلق له وتقديمهم له على الأنفس والأموال مات ولم يخلف درهما ولا دينارا ولا شاة ولا بعيرا له إلا بغلته وسلاحه ودرعه مرهونة عند يهودى على ثلاثين وسقا من شعير ابتاعها لأهله، وكان بيده عقار ينفق منه على أهله والباقى يصرفه فى مصالح المسلمين، فحكم بأنه لا يورث، ولا يأخذ ورثته شيئا من ذلك وهو فى كل وقت يظهر على يديه من عجائب الآيات وفنون الكرامات ما يطول وصفه۔ (باقی آگے)

ص ۶۱ سطر ۶ تا ۱۲، قبلہ نما ص ۱۰ تا ۲۰، اور اس کے دیگر مقامات میں ملے گا ان میں سے پہلے چار رسالے تو الحمد للہ اس مجموعہ میں موجود ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ويخبرهم بخبر ما كان وما يكون (۱)، ويامرهم بالمعروف وينهاهم عن المنكر، ويحل لهم الطيبات ، ويحرم عليهم الخبائث (۲)، ويشرع الشريعة شيئا بعد شيء، حتى أكمل الله دينه الذى بعث به، وجاء ت شريعته أكمل شريعة، لم يبق معروف تعرف العقول أنه معروف إلا أمر به، ولا منكر تعرف العقول أنه منكر إلا نهى عنه، ولم يأمر بشيء فقيل ليته لم يأمر به، ولا نهى عن شيء فقيل ليته لم ينه عنه، وأحل الطيبات لم يحرم شيئا منها كما حرم فى شرع غيره، وحرم الخبائث لم يحل منها شيئا كما استحله غيره۔

وجمع محاسن ما عليه الأمم، فلا يذكر فى التوراة والإنجيل والزبور نوع من الخبر عن الله وعن ملائكته وعن اليوم الآخر إلا وقد جاء به على أكمل وجه، وأخبر بأشياء ليست فى هذه الكتب فليس فى تلك الكتب إيجاب لعدل، وقضاء بفضل، وندب إلى الفضائل، وترغيب فى الحسنات إلا وقد جاء به وبما هو أحسن منه۔

وإذا نظر اللبيب فى العبادات التى شرعها وعبادات غيره من الأمم ظهر فضلها ورجحانها، وكذلك فى الحدود والأحكام وسائر الشرائع۔ (باقی آگے)

---

۱) اس سے مراد ماضی و مستقبل کی وہ باتیں ہیں جن کا علم اللہ نے بذریعہ وحی عیسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمایا جیسے انبیائے سابقین کے واقعات اور قیامت کے حالات۔ اس سے علم غیب مراد نہیں کیونکہ علم غیب کو ثابت کرنے کیلئے علم اور غیب دو لفظ درکار ہیں اور وہ یہاں نہیں پائے جاتے۔ قرآن کریم میں ان کی ہر ہر مخلوق سے حتی کہ نبی علیہ السلام سے بھی نفی ہے (دیکھئے سورۃ الانعام آیت ۵۰)

۲) یاد رہے کہ کسی چیز کو کسی چیز کو حلال یا حرام کرنا اللہ کا کام ہے نبی ﷺ کی نسبت اس اعتبار سے کہ آپ اسے پہنچانے والے تھے (دیکھئے حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۶۲)

ردعیسائیت پر علمائے اسلام نے مختصر اور مفصل بہت لکھا ہے اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے مگر حضرتؒ نے اختصار کے ساتھ جو کچھ لکھا، اور موجودہ انجیل سے آپ ﷺ کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وامته أكمل الأمم فى كل فضيلة فإذا قيس علمهم بعلم سائر الأمم ظهر فضل علمهم ، وإن قيس دينهم وعبادتهم وطاعتهم لله بغيرهم ظهر انهم أدين من غيرهم، وإذا قيس شجاعتهم وجهادهم فى سبيل الله وصبرهم على المكاره فى ذات الله ظهر أنهم أعظم جهادا واشجع قلوبا، وإذا قيس سخاؤهم وبذلهم وسماحة أنفسهم بغيرهم تبين أنهم أسخى وأكرم من غيرهم وهذه الفضائل به نالوها ومنه تعلموها ، وهو الذى أمرهم بها لم يكونوا قبله متبعين لكتاب جاء هو بتكميله كما جاء المسيح بتكميل شريعة التوراة فكانت فضائل أتباع المسيح وعلومهم بعضها من التوراة وبعضها من الزبور وبعضها من النبوات وبعضها من المسيح وبعضها ممن بعده كالحواريين ومن بعد الحواريين ،وقد استعانوا بكلام الفلاسفة وغيرهم حتى أدخلوا لما غيروا دين المسيح فى دين المسيح أمورا من أمور الكفار المناقضة لدين المسيح

واما أمة محمد ﷺ فلم يكونوا قبله يقرؤون كتابا بل عامتهم ما آمنوا بموسى وعيسى وداود والتوراة والإنجيل والزبور إلا من جهته فهو الذى أمرهم أن يؤمنوا بجميع الأنبياء ويقروا بجميع الكتب المنزلة من عند الله ونهاهم أن يفرقوا بين أحد من الرسل فقال تعالى فى الكتاب الذى جاء به : قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (136) فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ [سورة البقرة : 136، 137] وقال تعالىٰ :اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (باقی آگے)

رسالت اور ختم نبوت کو ثابت کیا وہ اپنا ہی مقام رکھتا ہے۔ رد عیسائیت کے بارے میں حضرت کا کلام آپ کو حجۃ الاسلام، میلہ خدا شناسی، مباحثہ شاہجہانپور اور اسرار الطہارہ میں ملے گا۔

معجزات کے ذکر میں حضرتؒ کی انفرادیت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر علماء نے بڑی بڑی کتابیں لکھیں جیسے امام بیہقیؒ کی **دلائل النبوۃ**، علامہ سیوطیؒ کی **الخصائص الکبری**، ہندوستان میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنے رفقاء کے ساتھ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری جلد دلائل و معجزات پر لکھی اس کا جو ایڈیشن ۱۹۴۷ء میں اعظم گڈھ سے چھپا وہ ۸۶۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ یقیناً انہوں نے بہت کچھ لکھا ہے، اور بڑی تحقیق اور محنت سے لکھا مگر حضرت نانوتویؒ کے ذکر کردہ نکات تک نہ پہنچ سکے (۱) کاش وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ○ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ [البقرۃ : 285، 286] (مختارات ج ۱ ص ۱۱۴ تا ۱۱۹)

۱) یہاں اس کی کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں

سید صاحبؒ نے اعجاز قرآنی پر تفصیلی کلام کیا قرآن کے فصیح و بلیغ ہونے پر ان دو آیتوں کو مع ترجمہ پیش کیا: **لسان الذی یلحدون الیہ أعجمی وھذا لسان عربی مبین** (النحل: ۱۰۳) ☆ **بلسان عربی مبین** [الشعراء: ۱۹۵] (سیرۃ النبی ج ۳ ص ۵۱۷) حضرت نانوتویؒ نے اعجاز قرآنی پر اور بالخصوص قرآن کی فصاحت و بلاغت پر حجۃ الاسلام طبع دیوبند ص ۴۰، ۴۱ طبع دہلی ص ۳۱ میں کلام کیا، سیرۃ النبی جلد ۳ میں ذکر کردہ بحث سے خود موازنہ کر کے دیکھ لیں کہ کس کا کلام زیادہ جامع، اور زیادہ آسان اور مؤثر ہے۔

☆ سید صاحبؒ نے سیرۃ النبی جلد سوم ص ۶۱۴، ۶۱۵ میں ستون کے رونے کا (باقی آگے)

عقیدت ومحبت کے ساتھ استفادے کی نیت سے حضرتؒ کی ان مختصر سے رسالوں کو بھی دیکھ لیتے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ذکر کیا جو آپ ﷺ کا معجزہ ہے۔فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ حدیث وسیر کی کتابوں میں گیارہ مختلف صحابیوں سے منقول ہے حاشیہ میں ان کے اسماءِ گرامی مع حوالہ جات دیئے ہیں مگر حضرت نانوتویؒ نے حجۃ الاسلام طبع دیوبند ص ۴۷، ۴۸، طبع دہلی ص ۳۶، ۳۷، مباحثہ شاہجہانپور ص ۳۵ تا ۳۹ قبلہ نما ص ۱۴ تا ۱۶ میں ستون کے رونے کو عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ احیاءِ موتی پر، اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ لاٹھی کے سانپ بن جانے پر جو عجیب وغریب طریقے سے فوقیت دی ہے مولانا ندویؒ کی کتاب اس سے خالی ہے۔

☆ سید صاحبؒ نے سیرۃ النبی ج ۳ ص ۶۸۷ تا ص ۷۱۹ میں نبی ﷺ کی بہت سی پیشگوئیاں باحوالہ ایسی ذکر کی جو پوری ہوئیں حضرت نانوتویؒ نے اس بارے میں اختصار کیا مگر حضرت نانوتویؒ نے حجۃ الاسلام طبع دیوبند ص ۳۹، ۴۰، طبع دہلی ص ۳۰ میں احوالِ آخرت کو پیشگوئیوں میں داخل کر کے اس کے مفہوم میں جو وسعت کر دی مولانا ندویؒ کا ذہن وہاں تک نہ پہنچا۔ پھر سید صاحبؒ نے پیشگوئیوں میں نبی ﷺ کی فوقیت کا ذکر نہ کیا جبکہ حضرت نانوتویؒ نے حجۃ الاسلام اس کا مستقل ذکر کیا ہے۔

☆ سید صاحبؒ سیرۃ النبی ج ۳ ص ۶۶۳ تا ص ۶۶۸ میں متعدد روایات باحوالہ لائے کہ نبی ﷺ کی بابرکت انگلیوں سے کئی مرتبہ پانی کے چشمے جاری ہوئے جزاہ اللہ خیراً مگر حضرت نانوتویؒ نے حجۃ الاسلام طبع دیوبند ص ۴۸ تا ۵۰ طبع دہلی ص ۳۷، ۳۸، مباحثہ شاہجہانپور ص ۳۹، ۴۰، قبلہ نما ص ۱۴ میں اسے موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ پتھر سے پانی نکلنے پر جو فوقیت ثابت کی مولانا ندویؒ کی کتاب اس سے خالی ہے۔

☆ سیرۃ النبی ج ۳ ص ۵۶۰ تا ۵۶۷ میں مولانا ندویؒ نے معجزہ شق القمر کو باحوالہ پیش کیا، اور اس پر وارد سوالات کے جوابات بھی دیئے مگر جو علمی گہرائی حضرت کے جوابات میں ہے مولانا ندویؒ کے جوابات میں نہیں۔ پھر سید صاحب نے اس معجزہ کو دیگر انبیاء کے معجزات پر فضیلت نہ دی۔ جبکہ حضرت نانوتویؒ نے اس کو دیگر انبیاء کے معجزات پر فضیلت بھی دی ہے۔ دیکھئے حجۃ الاسلام طبع دیوبند ص ۵۰ تا ۵۲، طبع دہلی ص ۳۸ تا ۴۱، قبلہ نما ص ۱۶۱، ۲۰، مباحثہ شاہجہانپور ص ۴۰۔

﴿حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تحقیق کا خلاصہ﴾

جس طرح حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے نبی کریم ﷺ کی شان کو بیان کیا ہے اس طرح اوروں نے بیان نہ کیا ساتھ ہی ختم نبوت کا اعلان بھی کرتے گئے [راقم نے اس مضمون کو متعدد کتابوں میں لکھا ہے چونکہ ہر آدمی کے پاس دوسری کتابیں نہ ہوں گی اس لئے یہاں بھی اس کو ذکر کیا جاتا ہے] حضرتؒ نے درج ذیل وجوہات سے دیگر انبیاء پر نبی کریم ﷺ کی فوقیت کو ثابت کیا ہے:

۱) آپ ﷺ کا عقل وفہم میں اعلیٰ وافضل ہونا:۔

حضرتؒ فرماتے ہیں آپ ﷺ عقل وفہم میں سب سے ممتاز تھے اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ خود امی تھے اور جس ماحول میں پیدا ہوئے ہوش سنبھالا بلکہ عمر گزاری وہ علوم سے یکلخت خالی، نہ علوم دینی کا پتہ نہ علوم دنیوی کا۔ اس کے باوجود ایسی لاجواب کتاب لائے ایسا محکم آئین ایسی واضح ہدایات دے گئے کہ اُن ان پڑھ لوگوں کو عقائد وعبادات معاملات اخلاق اور سیاسیات میں بڑے بڑے اہل عقل کا پیشوا بنا دیا ان کے کمال پر اہل اسلام کی بے شمار کتابیں شاہد ہیں ایسے علوم بتائیں تو سہی کس قوم اور کس مذہب کے پاس ہیں جس کے فیض یافتہ اور تربیت یافتہ کا یہ حال ہو ان کے استاد اور مربی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہوگا؟ (مباحثہ شاہجہانپور، ص ۳۰، ۳۱)

۲) اخلاق میں بلندی:

حضرتؒ فرماتے ہیں آپ ﷺ اخلاق میں سب سے بلند تھے اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نہ کہیں کے بادشاہ تھے نہ بادشاہ زادے نہ امیر نہ امیرزادے نہ تجارت کا سامان نہ کھیتی کے بڑے اسباب نہ میراث میں کوئی چیز ہاتھ آئی نہ خود کوئی دولت کمائی ایسے افلاس میں ملک

عرب کے گردن کشوں، جفاکشوں برابر کے بھائیوں کو ایسا مسخر کرلیا کہ جہاں آپ کا پسینہ گرے وہاں اپنا خون بہانے کو تیار ہوں۔

پھر یہ بھی نہیں کہ ایک دو روز کا ولولہ تھا نکل گیا ساری عمر اسی کیفیت میں گزار دی یہاں تک کہ گھر بار چھوڑا زن و فرزند چھوڑے مال و دولت چھوڑی آپ کی محبت میں سب پر خاک ڈالی ،اپنوں سے آمادۂ جنگ و پیکار ہوئے کسی کو آپ مارا کسی کے ہاتھوں آپ مارے گئے یہ تسخیر اخلاق نہیں تھی تو اور کیا تھی یہ زورِ شمشیر کس تنخواہ میں آپ نے حاصل کیا ایسے اخلاق کوئی بتائے تو سہی کس میں تھے؟ کسی اور کی نبوت میں شک ہو کہ نہ ہو حضرت محمد ﷺ کی نبوت میں کسی اہل عقل وانصاف کو شک کی گنجائش نہیں بہر حال یہ بات واجب التسلیم ہے کہ آپ ﷺ تمام انبیاء کے قافلہ کے سالار، سب رسولوں کے سردار اور سب میں افضل اور سب کے خاتم ہیں (مباحثہ شاہجہانپور ص ۳۱،۳۲)

یاد رہے کہ کتاب قبلہ نما ایک ہندو پنڈت دیانند سرسوتی کے جواب میں لکھی گئی اور کتاب مباحثہ شاہجہانپور عیسائیوں اور ہندوؤں کے ساتھ کئے گئے مناظرہ کی روئیداد ہے ان کتابوں اور ان مباحثوں کے اندر مولانا نے آپ ﷺ کی ختم نبوت کو واضح الفاظ میں ذکر فرمایا ایک موقعہ پر فرماتے ہیں کسی اور نبی نے دعویٰ خاتمیت نہ کیا۔کیا تو حضرت محمد ﷺ نے کیا چنانچہ قرآن وحدیث میں بتصریح موجود ہے سوا آپ کے اگر آپ سے پہلے دعویٰ خاتمیت کرتے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کرتے مگر دعویٰ خاتمیت تو در کنار انہوں نے یہ فرمایا کہ میرے بعد جہان کا سردار آنے والا ہے (مباحثہ ص ۳۵)(۱)

۳) معجزات کا تفوق:۔

حضرت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے معجزات دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات سے

---

۱) انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان مذکور ہے ''اس کے بعد میں تم سے بہت باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں (یوحنا باب ۱۴ آیت ۳۰)

اعلیٰ ہیں موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے کہ پتھر سے پانی کے چشمے نکلتے ہیں کمال یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی انگشتان مبارک سے پانی کے چشمے نکلتے تھے جس سے لشکر کے لشکر سیراب ہو جاتے تھے گوشت پوست سے پانی کا نکلنا زیادہ عجیب ہے کیونکہ زمین اور پتھر سے تو چشمے نکلا ہی کرتے ہیں مگر انگلیوں سے تو پانی نہیں نکلا کرتا۔ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ لاٹھی سانپ بن گئی اور عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ گارے سے پرندہ بن گیا مگر نبی ﷺ کا معجزہ کہ سوکھا تنا آپ کے غم میں رونے لگ گیا اور یہ معجزہ ان معجزوں سے زیادہ عظیم ہے اس لئے کہ لاٹھی نے سانپ بن کر وہی کام کیا جو سانپ کیا کرتے ہیں اور گارے سے بنے ہوئے پرندے نے وہی کام کیا جو پرندے کیا کرتے ہیں مگر آپ ﷺ کا معجزہ زیادہ عجیب ہے کہ کھجور کے تنے نے تنا ہوتے ہوئے محبت میں رو کر وہ کام کیا جو ایک سمجھدار اور عقلمند درد دل رکھنے والے انسان کا ہوتا ہے (ماخوذ از مباحثہ شاہجہانپور ص ۳۵ تا ۴۰، قبلہ نما ص ۱۴، ۱۵)

۴) <u>پیشگوئیاں میں اور انبیاء سے بڑھ کر:۔</u>

حضرت نانوتویؒ موت، قبر اور حشر کے خبروں کو پیشگوئیوں میں داخل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جو شخص وقائع آخرت کی خبر دیتا ہے وہ دور تک کی خبر دیتا ہے...... اب دیکھئے کس کی پیشینگوئیاں زیادہ ہیں اور پھر وہ بھی کہاں کہاں تک اور کس کس قدر دور و دراز زمانہ کی باتیں ہیں؟ رہا یہ احتمال کہ آخرت کی پیشگوئیوں کا صدق اور کذب کس کو معلوم ہے؟ اس کا یہ جواب ہے کہ کوئی پیشینگوئی کیوں نہ ہو قبل وقوع سب کا یہی حال ہوتا ہے۔ اگر دو چار گھڑی پیشتر کی ہو تب تو اکثر حاضرین کو معلوم ہوگا ورنہ بیان کسی کے سامنے کی جاتی اور ظہور کسی کے سامنے ہوتا ہے۔

تورات کی پیشگوئیوں کو دیکھ لیجئے بعض بعض تو اب تک ظہور میں نہیں آئیں بہر حال پیشگوئیاں اگلے ہی زمانے میں جا کر معجزہ ہو جاتی ہیں یعنی ان کا معجزہ ہونا اگلے زمانے میں معلوم ہوتا ہے.......... بالجملہ ہمارے پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی پیشگوئیاں بھی اس قدر ہیں کہ کسی اور

نبی کی نہیں کسی صاحب کو دعویٰ ہو تو مقابلہ کر کے دیکھیں جن میں سے کثرت سے صادق بھی ہو چکی ہیں مثلاً خلافت کا ہونا، حضرت عثمانؓ اور حضرت حسینؓ کا شہید ہونا اور حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر دو گروہ اعظم کا صلح ہو جانا، الخ (حجۃ الاسلام ص ۳۹، ۴۰)

حضرت نانوتویؒ نے نبی ﷺ کی مستقبل میں پوری ہو جانے والی پیشگوئیوں میں اختصار کیا ہے اللہ جزائے خیر عطا فرمائے سید سلیمان ندویؒ نے انہوں نے سیرۃ النبی ج ۳ ص ۶۸۷ تا ص ۷۱۹ میں نبی ﷺ کی بہت سی پیشگوئیاں باحوالہ ایسی ذکر کی جو پوری ہوئیں ان میں وہ پیشگوئیاں بھی ہیں جن کو حضرت نانوتویؒ نے حجۃ الاسلام میں بغیر حوالہ کے ذکر کیا ہے۔ ہاں قبر حشر وغیرہ کے حالات کو سید صاحب پیشگوئیوں میں نہ لائے۔

۵) نبوت کا تفوق:۔

آپ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کی نبوت سورج کی طرح ہے اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی نبوت چاند ستاروں کی طرح ہے (تحذیر الناس صفحہ ۳، ۴) فرماتے ہیں کہ چونکہ آنحضرت ﷺ سب سے اعلیٰ ہیں اس لئے سب سے آخر میں آئے جیسے بڑی عدالت میں انسان بعد میں جاتا ہے اسی طرح اعلیٰ نبی کو اللہ نے آخر میں بھیجا (انتصار الاسلام ص ۵۸) نیز فرماتے ہیں غرض جیسے آپ نبی الامت ہیں ویسے ہی نبی الانبیاء بھی ہیں (تحذیر ص ۴)

آپ کے نبی الانبیاء ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ

۱) دیگر انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کے نبی تھے مگر نبی کریم ﷺ کی نسبت امتی جبکہ نبی کریم ﷺ اپنی امت کے بھی نبی اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے بھی نبی تھے۔

۲) دیگر انبیاء اپنی امتوں کے مطاع نبی کریم ﷺ کے مطیع اور آپ ﷺ اپنی امت کے بھی مطاع اور انبیاء علیہم السلام کے بھی مطاع، امت کے بھی امام، انبیاء علیہم السلام کے بھی امام۔ معراج کی رات سب انبیاء علیہم السلام کو آپ نے نماز پڑھائی۔

۳) دیگر انبیاء علیہم السلام ایک وقت میں ایک سے زیادہ ہوئے جبکہ آپ کے وقت میں کوئی

اور نبی نہ ہوا۔

۴) اگر بالفرض آپ پہلے انبیاء کے زمانے میں ہوتے تو وہ آپ ﷺ کی اطاعت کرتے اور اگر بالفرض آپ کے زمانے میں یا آپ کے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ آپ کا فرمانبردار ہوتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو وہ آپ ﷺ کی شریعت کو نافذ کریں گے۔

آنحضرت ﷺ کے آخر میں آنے کی علت:

حضرت نانوتویؒ نے ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ کو اس لئے آخر میں بھیجا گیا کہ آپ سب سے اعلیٰ ہیں دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ چونکہ آپ نبی الانبیاء ہیں امت کے بھی امام انبیاء کے بھی امام اس لئے آپ کو آخر میں بھجا گیا۔ امام سبکیؒ فرماتے ہیں کہ آپ نبوت میں اصل ہیں باقی انبیاء اپنے اپنے زمانوں میں آپ کے نائب تھے۔ تو جب اصل آگئے تو نائب کی ضرورت نہ رہی اس لئے آپ آخر الانبیاء ہیں آپ کی امت آخر الامم ہے (دیکھئے الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۳۲۵)

آنحضرت ﷺ کو نبی الانبیاء کہنے میں حضرت متفرد نہیں:

اس کی تائید بہت سے علماء نے کی ہے اور نبی ﷺ کو نبی الانبیاء لکھا ہے جن کے حوالہ جات آپ کو کتاب "آیات ختم نبوت"، "حضرت نانوتویؒ اور خدمات ختم نبوت"، "ختم نبوت اور صاحب تحذیر الناس" نیز "حق الیقین بان سیدنا محمد ﷺ آخر النبیین" میں ملیں گے نبی ﷺ کو نبی الانبیاء لکھنے والوں میں مولانا احمد رضا بریلوی اور مفتی نعیم الدین مراد آبادی بھی ہیں۔

مفتی احمد یار خان کا حضرت نانوتویؒ کے مضمون کو قبول کرنا:

مفتی احمد یار خان گجراتی جو بریلوی مکتب فکر کے حکیم الامت ہیں وہ لکھتے ہیں:

یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ حضور علیہ السلام کی موجودگی میں تمام پیغمبروں کے دین کیوں منسوخ کردیئے گئے؟ دنیا کا قاعدہ ہے کہ ہر چیز اپنی اصل پر پہنچ کر ٹھہر جاتی ہے بلکہ اپنے آپ کو اس اصل میں گم کردیتی ہے رات بھر ستارے جگمگائے ہیں مگر جہاں سورج چمکا سب چھپ گئے

کیونکہ سب ستاروں میں سورج ہی کا تو نور تھا تمام دریا سمندر کی طرف بھاگے جا رہے ہیں کیونکہ ہر دریا سمندر سے بنا ہے سمندر سے بادل آیا پہاڑوں پر بارش بن کر یا برف بن کر گرا، اس سے دریا بنا اپنی اصل کی طرف بھاگا ایسا بھاگا کہ درمیان میں جس پل نے درخت نے کسی عمارت نے اس کو روکنا چاہا اس کو بھی گرا دیا مگر جہاں سمندر کے قریب پہنچا شور بھی جاتا رہا روانی میں کمی ہوئی اور جب سمندر سے ملا تو اس طرح فنا اور گم ہو گیا کہ گویا تھا ہی نہیں اور زبان حال سے کہا:

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی

تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اسی طرح تمام انبیاء کرام تارے ہیں حضور آفتاب حضور کو قرآن میں فرمایا گیا سراجًا منیرًا یا تمام انبیاء کرام دریا ہیں حضور علیہ السلام ان دریاؤں کے سمندر تمام نبوتیں ادھر ہی چلی آ رہی ہیں فرعونی ہامانی نمرودی ہزار ہا طاقتیں سامنے آئیں ان کو پاش پاش کر دیا مگر سمندر نبوت کو پا کر اپنے آپ کو اس میں گم کر دیا صلی اللّٰه علیه و آله وصحبه وبارك وسلم

یہ انبیاء و مرسلین تارے ہیں تم مہر مبیں

سب جگمگائے رات دن چمکے جو تم کوئی نہیں (شان حبیب الرحمٰن ص ۳۲، ۳۳)

قارئین کرام! دیکھا آپ نے کہ حضرت نانوتویؒ کے مضمون کو ہی بریلوی مکتب فکر کے حکیم الامت نے دوسرے لفظوں میں بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو آخر میں اس لئے بھیجا ہے کہ آپ کی نبوت اصل ہے آپ سب سے اعلیٰ نبی ہیں فرق یہ ہے کہ حضرت نانوتویؒ نے بالذات کا لفظ بول مفتی صاحب نے اصل کا، نیز حضرت نے اعلیٰ کیلئے خاتمیت رتبی کا لفظ بول دیا کیونکہ حضرت نانوتویؒ آیت خاتم النبیین سے افضلیت مطلقہ کو بھی ثابت مانتے ہیں تو خاتمیت رتبی کا معنی ہے سب سے اعلیٰ ہونا یا نبی الانبیاء ہونا۔ اگر کسی کو دوسرے لفظ پر اصرار ہو تو کوئی بات نہیں

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا

غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گوہر سے

مولانا احمد رضا خان بریلوی کی موافقت:

قارئین کرام ! امام سبکیؒ کے حوالے سے یہ بات گزری کہ اگر بالفرض آپ ﷺ انبیاء سابقین کے زمانے میں آتے تو بھی ان حضرات کو آپ ﷺ کی اتباع کرنی ہوتی اور یہ بات مولانا احمد رضا خان بریلوی نے بھی لکھی ہے (دیکھئے تجلی الیقین ص ۸)

شارح مشکوۃ ملا علی قاریؒ کی موافقت:

ملا علی قاریؒ کہتے ہیں اگر روایت: لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِيْمُ لَكَانَ نَبِيًّا کے مطابق بالفرض حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نبی ہوتے، یا روایت: لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّاب کے مطابق بالفرض حضرت عمرؓ نبی ہوتے تو آپ کے اتباع سے ہوتے (موضوعات کبیر ص ۵۸) کیونکہ آپ ﷺ کے نبی الانبیاء ہونے سے یہ بات بھی سمجھ آتی ہے کہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں موسیٰ علیہ السلام، یا کوئی اور نبی ہوتے تو آپ کی اتباع کرتے۔

ارشادِ نبوی ﷺ سے تائید:

اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِيْ ''اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو میری پیروی ہی کرنا ہوتی''۔ دوسری روایت میں ہے: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ اَنَّ مُوْسٰى ﷺ كَانَ حَيًّا، مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اَنْ يَّتَّبِعَنِيْ (مشکوۃ ص ۳۰، مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۷ عن جابرؓ) ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو میری پیروی کے علاوہ کسی چیز کی گنجائش نہ ہوتی''

ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بالفرض حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں تو آپ کے مرتبہ کو نہ پاسکیں گے۔ کیونکہ آپ نبی الانبیاء ہیں اور موسی علیہ السلام اگرچہ اولو العزم انبیاء علیہم السلام سے ہیں مگر آپ کی نسبت سے امتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

☆☆☆☆☆

[چودھویں صدی کے مجدد مولانا محمد قاسم نانوتوی ہیں]

مرزا غلام احمد قادیانی کے وہ دعوے جن کو لاہوری مرزائی اور قادیانی مرزائی دونوں گروہ مانتے ہیں ان میں ایک دعویٰ ہے چودھویں صدی کے مجدد ہونے کا، دوسرا دعویٰ ہے مسیح موعود ہونے کا مسیح موعود ہونے کے دعوے کا رد تو ہم یوں بھی کرتے ہیں کہ مرزا اگر اب تک موعود ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ آیا ہی نہیں گویا وہ مسیح کالعدم ہے تو جیسے اس کی مسیحیت کالعدم ہے ایسے ہی اس کو ماننے والوں کا ایمان اور ان کی نجات بھی کالعدم ہے (دیکھئے عرض ناشر کتاب دافع الوسواس ص ۳۶، ۳۷)

اور مجددیت کے دعوے کا جواب یہ ہے کہ مرزا اسلام کا مجدد نہیں تھا بلکہ اسلام کے بالمقابل ایک نئے دین کا موجد تھا، چودھویں صدی کے مجدد حضرت نانوتویؒ ہیں جس کی چند وجوہات ہیں [۱] جس طرح انہوں نے نبی ﷺ کی رسالت اور ختم نبوت کو ثابت کیا کوئی اور نہ کرسکا تفصیل کیلئے دیکھئے تکملہ دافع الوسواس ص ۸۶ تا ص ۸۷ نیز ص ۱۲۱ تا ۱۷۰ [۲] حضرت گنگوہیؒ کے علوم کے پھیلنے میں حضرت نانوتویؒ کا خاموش کردار بلکہ بڑا اثر ہے کیونکہ علماء میں حضرت گنگوہیؒ کی سب سے پہلے بیعت کرنے والے مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ ہیں اور ان کو حضرت گنگوہیؒ سے بیعت کی ترغیب دینے والے اور بیعت کے لئے گنگوہ لے جانے والے حضرت نانوتویؒ ہیں (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۲۱۹) [۳] حضرت گنگوہیؒ کے علوم کی نشر و اشاعت میں حضرت مولانا یحیٰ کاندھلویؒ کا بڑا کردار ہے جنہوں نے حضرت گنگوہیؒ سے جو کچھ پڑھا اسے تحریر کرلیا۔ وہی تحریریں حضرت مولانا زکریاؒ کی لامع الدراری اور الکوکب الدری کی اساس ہیں بذل المجہود میں بھی جا بجا مولانا یحییٰؒ کے حوالے سے حضرت گنگوہیؒ کے افادات منقول ہیں اور مولانا یحییٰؒ کو پڑھانے کیلئے مولانا سہارنپوریؒ نے حضرت گنگوہیؒ سے خاص سفارش کی تھی (تذکرۃ الخلیل ص ۲۰۲، ۲۰۳) [۴] شیخ التبلیغ مولانا الیاسؒ مولانا خلیل احمدؒ سے بیعت تھے مولانا یحیٰ صاحبؒ اور مولانا الیاس صاحبؒ بھی بالواسطہ حضرت نانوتویؒ سے فیض یافتہ ہوئے۔ علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ اُن کے بارے میں فرماتے ہیں مُجَدِّدُ هٰذِهِ الْأَعْصَارِ حَقًّا (دیکھئے التصریح بما تواتر فی نزول المسیح ص ۲۶)

[ظلم کی انتہاء]

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی خدمات کی ایک جھلک آپ نے دیکھ لی ہے ختم نبوت کے بارے میں ان کے موقف کی وضاحت ہو چکی کتنے افسوس کی بات ہے کہ ان کی خدمات کی قدر کرنے، اور ان کے علوم سے استفادہ کرنے کے بجائے لوگ ان کو منکر ختم نبوت کہتے ہیں جن میں سرفہرست مرزائی ہیں (ا) جو مسلمانوں کو دھوکہ دینے کیلئے حضرت نانوتویؒ کو اپنے کفر میں شریک بتاتے ہیں دوسرے نمبر پر بریلوی ہیں حالانکہ

[ا] حضرت نانوتویؒ تو وہ شخصیت ہے کہ اگر آپ کتاب ''عمدۃ التفاسیر'' کو دیکھیں تو ماننا پڑے گا کہ وہ علم تفسیر کے امام تھے، تقابل ادیان کے موضوع کیلئے حضرت کو پڑھیں تو صاف دکھائی دیتا ہے کہ حضرت اس کے بھی امام ہیں۔

ثناء اللہ امرتسری اور مفتی نعیم الدین مراد آبادی نے ستیارتھ پرکاش کا جواب دیا مگر اثبات نبوت کا مضمون نہ لائے حضرت نے اس کو بھی کامل دیا، پھر ہر زمانے میں ثقہ علماء کی

ا) دیکھئے مرزا قادیانی کے لڑکے مرزا بشیر احمد کی کتاب تبلیغ ہدایت ص۲۷۹، عبد الرحمٰن خادم کی کتاب مکمل تبلیغی پاکٹ بک ص۲۷۵، ۲۸۵ تا ۲۸۸، قاضی محمد نذیر مرزائی کی کتاب الحق المبین ص۳۷، ص۴۱، ابو العطاء جالندھری کی کتاب القول المبین ص۴۷، اس کی دوسری کتاب تحقیق عارفانہ ص۱۵، اس کی تیسری کتاب تفہیمات ربانیہ ص۷۵۷، قاضی محمد نذیر کا کتابچہ احمدیت پر اعتراضات کے جوابات ص۱۰، محمد صادق سماٹری کی کتاب حقانیت احمدیت ص۲۱۰، احمدیہ تعلیمی پاکٹ بک ص۱۰۲ تا ۱۰۴، قاضی نذیر قادیانی تو الحق المبین میں بار بار کہتا ہے کہ ہم وہی کہتے ہیں جو مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کہتے ہیں ولاحول ولاقوۃ الا باللہ، ہم نے حق الیقین بان سیدنا محمد ﷺ آخر النبیین میں الحمد للہ اس کا جواب دے دیا ہے۔ دوست محمد لاہوری مرزائی بھی ایک جگہ حضرت نانوتویؒ کا ذکر کرتا ہے۔ دیکھئے اس کی کتاب آئینہ احمدیت ص۷۲)

موجودگی ثابت کر کے حضرتؒ نے ہر دور میں دین کو زندہ ثابت کر دیا (دیکھئے قبلہ نما قدیم ص ۱۹، جدید ص ۶۶، ۶۷) اور مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مفتی نعیم الدین مرادآبادی یہ کام نہ کر سکے۔

[۲] پھر عجیب بات ہے کہ حضرتؒ کی کتب میں ردِ مرزائیت جس قدر ہے کسی عالم کی کتاب میں نہیں، جس طرح انہوں نے ختم نبوت زمانی کا اثبات کیا اور اس پر زور دیا اس کی کوئی مثال نہیں دیکھئے تین جلدوں کی کتاب ''حق الیقین بان سیدنا محمداصلی اللہ علیہ وسلم آخر النبیین'' میں جہاں جہاں ردِ مرزائیت میں حضرتؒ کی عبارات ہیں بریلوی ان تمام مقامات میں تو کیا، ان کے نصف میں بھی مولانا احمد رضا خان اور دیگر بریلویوں کی عبارات نہیں لا سکتے، یقین نہیں تو تجربہ کر لیں۔

[۳] یہ بھی عجیب بات ہے کہ حضرت نانوتویؒ یہ کام اس وقت کر گئے جب مرزائیت کا نام بھی کوئی نہ جانتا تھا [۴] حضرت نانوتویؒ نے بڑی جامعیت سے کام کیا غیر مسلموں کے سامنے بالترتیب وجودِ خداوندی، توحیدِ باری تعالیٰ، رسالت اور ختم نبوت کے موضوعات کو پیش کیا، اور مولانا احمد رضا خان نے صرف مرزائیت کے خلاف لکھا، اور علماء کے حوالوں پر اکتفا کیا جبکہ حضرت نانوتویؒ نے مجتہدانہ انداز میں پہلے ختم زمانی کے عقیدے کی قطعیت ثابت کی پھر اس کے منکر پر فتوی کفر لگایا۔

<u>احمد رضا نے مرزائیوں کو کیا دیا؟</u>

بہر حال حضرت نانوتویؒ نے مرزائیت کو کچھ نہ دیا آپ سے تو مرزائیت کی تائید بالکل نہیں ملتی، رد ضرور ملتا ہے اس کے برعکس مولانا احمد رضا خان نے ختم نبوت کے اتنے عظیم مجاہد کو منکر ختم نبوت کہہ کر مرزائیوں کے ہاتھ میں ایک ہتھیار دے دیا جس کی وجہ سے کچھ لوگ مرزائی ہوئے کچھ مرزائیوں کے خلاف کام کرنے والوں کی مخالفت کر کے ختم نبوت کے کام میں رکاوٹ بنے کتنی مرتبہ ایسے ہوتا ہے کہ دیوبندی کسی مرزائی کو سمجھاتا ہے تو بریلوی مرزا قادیانی کی طرفداری کرنے آجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قاسم نانوتوی ختم نبوت کا منکر تھا پہلے اس کا جواب دو۔

☆☆☆☆☆

﴿ذکر کچھ اور معاندین کا﴾

اہل بدعت تو حضرت نانوتویؒ کے خلاف لکھتے ہی تھے مگر حیرت ہے بعض اہل حدیث پر(۱) [جن کے حوالے تبسم شاہ نے اپنی کتاب ختم نبوت اور تحذیر الناس ص۴۶۰ تا ۴۶۴ میں دیئے ہیں] کہ وہ بھی کہنے لگے کہ قاسم نانوتوی ختم نبوت کے منکر تھے، نام نہاد جماعت المسلمین (۲) کا امیر کہتا ہے کہ حضرت نانوتویؒ کا عقیدہ تو ختم نبوت ہی کا تھا مگر ان کی عبارت سے قادیانی جیسے دعویداروں کو ترغیب ملتی ہے معاذ اللہ تعالیٰ۔ چنانچہ وہ عنوان باندھتا ہے:

"ختم نبوت اور مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی"

اس کے تحت لکھتا ہے:

مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند (۳) نے ختم نبوت کی عجیب وغریب تشریح کی ہے وہ لکھتے ہیں:

"بالفرض آپؐ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے (تحذیر الناس مصنفہ مولوی محمد قاسم صاحب ص۱۸ سطر ۳،۴)

دار العلوم کے بانی (۴) ایک اور جگہ تحریر کرتے ہیں:

اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا (تحذیر الناس ص۳۴ سطر ۴،۵)

---

۱) نہ کہ اہل قرآن وحدیث پر کیونکہ یہ لوگ اہل حدیث ہوں یا نہ ہوں اہل قرآن وحدیث نہیں ہیں۔ (۲) نام نہاد اس لئے کہ جماعۃ المسلمین کا لفظ تو اہل اسلام پہلے ہی اپنے لئے استعمال کرتے ہیں دیکھیے متن عقیدہ طحاوی ص۱۶ طبع السعودیہ) ان کو کیا حق بنتا ہے کہ یہ لفظ بول کر مسلمانوں کو غیر مسلم قرار دیں (۳) ارے حضرت کی باقی خدمات بھی تو ذکر کر، ہندوؤں عیسائیوں سے ان کے مباحثے بھی بتا، قبلہ نما میں انہوں نے ضرورت نبوت اور ختم نبوت پر جو انہوں نے کلام کیا اس کا بھی تو تعارف کروا (۴) یہ کہہ کہ اپنے زمانے میں ہندوؤں اور عیسائیوں سے ختم نبوت کو منوانے والے۔

اگر چہ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی اور دیوبندیوں کا عقیدہ ہے کہ اب کوئی شخص نبی نہیں بنایا جائے گا لیکن مولوی محمد قاسم صاحب کی مندرجہ بالا تحریرات نے ختم نبوت کی رکاوٹ کو ختم کر دیا۔ اب اگر کوئی ختم نبوت کا دعوی کرے تو مولوی محمد قاسم صاحب کے نزدیک ختم نبوت اس کے لئے رکاوٹ نہ ہوگی (۲) گویا مولوی محمد قاسم صاحب نے دجالوں کذابوں کیلئے نبوت کا دروازہ کھول دیا، اور غلام احمد قادیانی اور اس کے متبعین کے ہاتھ میں ایک دفاعی ہتھیار دے دیا (۲)

نتیجہ: محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی شخص رسول یا نبی نہیں بن سکتا یعنی اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو رسول یا نبی نہیں بنایا جائے گا۔ رسالت اور نبوت دونوں منقطع ہو گئیں اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ کسی کو رسالت مل سکتی ہے اور نہ نبوت۔ جو شخص محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد نبوت کا دعوی کرے وہ دجال اور کافر ہے غلام قادیانی نے محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد نبوت کا دعوی کیا وہ یقیناً جھوٹا اور کافر تھا اب اس کے متبعین مختلف روپ میں آکر ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں قارئین کرام ان کے فتنہ سے ہوشیار رہیں۔ [آگے مسعود احمد لکھتا ہے]

---

۱) پھر ختم نبوت کا عقیدہ کیسا؟ کیا تو بھی ختم نبوت کا ایسا ہی عقیدہ رکھتا ہے؟

۲) اقول: [۱] مرزائیت کا جتنا رد حضرت نانوتویؒ کی تحریرات میں پایا جاتا ہے بریلوی غیر مقلد اور جماعت المسلمین والوں کے سب مولوی مل جائیں اس سب کی تحریروں میں اتنا رد نہیں یقین نہیں تو حق الیقین پڑھ لو جہاں جہاں ہم نے حضرت نانوتویؒ کی عبارات مرزائیوں کے رد میں دی ہیں ان سب جگہوں میں حضرت کو برا کہنے والے سب مولویوں کی عبارات ہی نہیں آسکتیں۔ اب بتاؤ کہ دفاعی ہتھیار تم نے دیا ہے کہ ختم نبوت کے اتنے بڑے امام پر تہمت لگاتے ہو، یا حضرتؒ نے دیا ہے؟

[۲] حضرت نانوتویؒ سے پہلے بالخصوص آنحضرت ﷺ کے بابرکت زمانہ میں جن لوگوں نے دعوائے نبوت کئے ان کیلئے ختم نبوت کی رکاوٹ کو کس نے اٹھایا تھا۔ قادیانی اور بہائی قرآن کی جن آیات سے استدلال کرتے ہیں احادیث اکابر کے اقوال سے کیا ان سب نے ختم نبوت کی رکاوٹ کو اٹھا دیا یا تو ان عبارات کو نہیں سمجھا، یا یہ الزام صرف حضرتؒ کیلئے تم نے خاص کر رکھا ہے۔ (باقی آگے)

اشتہار: عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام جو آسمان پر زندہ اٹھالئے گئے تھے قیامت کے قریب بحکم الٰہی دوبارہ تشریف لائیں گے لیکن ان کو از سر نو رسالت یا نبوت نہ ملے گی ان کو رسالت اور نبوت محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے ملی تھی وہ اسی رسالت اور نبوت کے ساتھ تشریف لائیں گے۔

[جماعت المسلمین کی دعوات اور تحریک اسلام کی آئینہ دار ہیں مرتبہ مسعود احمد امیر جماعت المسلمین ص ۱۶۷، ۶۸]

جواب: [۱] جب تم مانتے ہو کہ حضرت نانوتویؒ ختم نبوت زمانی کے قائل تھے ختم نبوت زمانی کو دلائل سے ثابت کرتے تھے غیر مسلموں تک میں اس کا اعلان کرتے تھے اور ختم نبوت زمانی کے منکر کو کافر بھی کہتے تھے تو تمہیں شرم نہ آئی ان کو مرزائیوں سے ملاتے ہوئے

[۲] تمہاری ان کے آگے حیثیت کیا ہے؟ اپنی خدمات پیش کرو۔ تم نے عیسائیوں اور ہندوؤں میں عقیدۂ ختم نبوت کو سمجھانے میں کیا کردار ادا کیا ہے؟ اپنا کردار لاؤ پھر حضرتؒ کی بات کرنا۔ حضرت نانوتویؒ کے سامنے تمہاری حیثیت ایسی ہے جیسی پی ایچ ڈی کر کے نوبل انعام حاصل کرنے والے کے آگے پرائمری فیل کی ہوتی ہے۔

[۳] تم نے حضرت کی جو عبارات دی ہیں اول تو تم نے ان کو ناقص کر کے دیا ہے دوسرے ان عبارات میں خاتمیت سے مراد افضلیت ہے حضرت یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اگر بالفرض حضرت عمرؓ نبی ہوتے تو آنحضرت ﷺ کے مرتبے کو نہ پا سکتے تھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) [۳] مرزائی کہتے ہیں خاتم کا لفظ اضافت کے ساتھ آتا ہی افضل و اعلیٰ کے لئے ہے اس بارے میں انہوں نے پچاس مثالیں دی ہیں (دیکھئے القول المبین ص ۱۲۶ تا ۳۰) حضرت نانوتویؒ تو اس کا جواب دے چکے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو اعلیٰ و افضل ہونے کی وجہ سے آخر میں بھیجا گیا، تمہارے ہاں اس کا کیا جواب ہے؟ اگر آیت کریمہ میں خاتم سے مراد اعلیٰ ہو تب بھی خاتمیت زمانی ثابت ہے آنحضرت ﷺ کے بعد دعوائے نبوت کی تو کسی کیلئے گنجائش نہیں تم لوگ حضرتؒ سے تو دور کرتے ہو بتاؤ حضرت نے مرزائیوں کو ہتھیار دیا ہے یا ان کے ہتھیار کو توڑ کر رکھ دیا ہے؟

[۴] قادیانی نبی نہ تھا وہ محض مدعی نبوت تھا اور جھوٹے مدعیان نبوت کی خبر خود آنحضرت ﷺ دے چکے ہیں۔ اور ان مدعیان نبوت کے دعوے کے باوجود آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں تو جو لوگ حضرت نانوتویؒ کی ان عبارتوں کو قادیانی کے حق میں سمجھتے ہیں یا تو غلط فہمی میں مبتلا ہیں، یا وہ قادیانی کو نبی مانتے ہیں اسی لئے حضرتؒ کی عبارت کو قادیانی کے حق میں سمجھتے ہیں۔ اب وہ خود فیصلہ کریں کہ وہ کیا ہیں؟

[۴] حضرت نانوتویؒ کو مرزائیوں نے ختم نبوت کا منکر کہا تو کیا ہوا؟ مرزائی تو آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کو بھی نبوت کے جاری ہونے پر پیش کرتے ہیں، وہ حضرت عائشہؓ کو اور امت کے بہت سے علماء کو منکر ختم نبوت بتاتے ہیں اگر حضرت نانوتویؒ کو کہہ دیا تو کیا ہوا؟ مگر دکھ ان لوگوں پر ہے جو مرزائیوں کو کافر کہتے ہیں اور حضرت نانوتویؒ کو بھی انہی کے ساتھ ملاتے ہیں اور ختم نبوت کے کام میں رکاوٹ ڈالتے ہیں اگر وہ مرزائیوں کے خلاف کام کرتے ہیں جو جہاں ان کے نیکیوں کے پلڑے میں ردِ مرزائیت کو رکھا جائے گا برائیوں کے پلڑے میں حضرت نانوتویؒ پر تہمت لگانا بھی لکھا جائے گا۔

[۵] حضرت نانوتویؒ کا قصور صرف اتنا ہے کہ انہوں نے افضلیت مطلقہ کو خاتمیت رتبی کہہ دیا کیونکہ وہ آیت خاتم النبیین سے افضلیت مطلقہ بھی نکالتے ہیں تو خاتمیت رتبی کا معنی ہے سب سے اعلیٰ ہونا فرماتے ہیں اگر بالفرض آپ کے بعد کوئی نبی آئے تو آپ کی خاتمیت میں فرق نہ آئے گا۔ کسی کو نبی فرض کرنا تو ختم نبوت کے خلاف نہیں اور وہ بھی نبی ﷺ کی افضلیت مطلقہ کو سمجھانے کیلئے۔ اگر غیر نبی کو نبی فرض کرنا بھی ختم نبوت کے خلاف ہے تو لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ کے بارے میں کیا کہو گے؟

[تحذیر الناس کا خلاصہ]

عام لوگ آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا یہ معنی لیتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ خاتم زمانی ہیں اور وہ بھی صرف اس زمین کے اعتبار سے یعنی آپ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد کسی کو نبوت نہیں ملے گی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے مگر وہ پہلے انبیاء میں ہیں جبکہ تحذیر الناس میں ہے کہ کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں باعتبار زمانہ کے بھی، باعتبار مکان کے بھی اور باعتبار رتبہ کے بھی۔ پہلے کو حضرتؒ خاتمیتِ زمانی سے تعبیر کرتے ہیں دوسرے کو خاتمیتِ مکانی سے اور تیسرے کو خاتمیتِ رتبی سے۔ آپ ﷺ کا سب انبیاء کے آخر میں آنا خاتمیتِ زمانی ہے ، ساتوں زمینوں میں اعلیٰ یہ زمین ہے جس میں خانہ کعبہ ہے آنحضرت ﷺ کا اس زمین میں تشریف لانا اور آپؐ کا ساری کائنات کیلئے نبی ہونا خاتمیتِ مکانی ہے اور سب انبیاءؑ سے اعلیٰ و افضل ہونا خاتمیتِ رتبی ہے۔ خاتمیتِ رتبی ہی کو حضرتؒ اتصافِ ذاتی بوصفِ نبوت بھی کہتے ہیں ۔خلاصہ یہ کہ عام لوگوں کے نزدیک:

خاتم النبیین = آخری نبی

اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نوراللہ مرقدہ کے ہاں:

خاتم النبیین = اعلیٰ نبی + آخری نبی۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ اثر ابن عباسؓ میں ہماری زمین کے علاوہ اور چھ زمینوں کا بھی ذکر ہے وہ اثر ذمہ دار محدثین سند کے اعتبار سے صحیح یا حسن درجہ کا ہے اس لئے ہم اسے رد نہیں کر سکتے چونکہ نبی ﷺ کے آخری اور اعلیٰ ہونے کا عقیدہ بھی قطعی ہے اس لئے دوسری زمینوں میں اگر انبیاء ہوں تو وہ رتبہ میں آپ علیہ السلام کے برابر نہیں ہو سکتے نیز وہاں سلسلۂ نبوت کو آپ ﷺ پہلے ختم شدہ ماننا ضروری ہے۔ آپ ﷺ کے بعد جیسے اس زمین میں کسی کیلئے نبوت نہیں اسی طرح دوسری زمینوں میں بھی آپ ﷺ کی بعثت کے بعد کسی اور کیلئے نبوت نہیں۔ نزول عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت بھی مانتے ہیں۔ اور تحذیر الناس اور دوسری کتابوں میں اس کی تصریح کرتے ہیں۔

سوال: کیا ایسا کہنا درست ہے کہ تحذیر الناس کا خلاصہ یہ ہے کہ

''ہماری زمین کے اعتبار سے تو آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں باعتبار اتصاف ذاتی کے بھی اور باعتبار آخریت زمانہ کے بھی لیکن آپ کی خاتمیت صرف اسی زمین تک محدود نہیں بلکہ پوری کائنات کو بھی محیط ہے اور حدیث میں تو ہماری زمینوں کے علاوہ چھ زمینوں کا ذکر ہے اگر بالفرض ہزاروں زمینیں بھی اور ہوتیں اور ان زمینوں میں سلسلۂ نبوت جاری ہوتا تو آنحضرت ﷺ سب کے خاتم ہوتے۔ باقی انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں یہ تصریح نہیں آئی کہ وہ آنحضرت ﷺ سے پہلے ہوئے ہیں یا بعد میں؟ اس لئے دونوں احتمال ممکن ہیں پس اگر وہ حضرات بھی اس زمین کے انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح سب آپ سے پہلے ہوئے ہیں تو یوں کہا جائے کہ آپ سب کیلئے خاتم ہیں باعتبار ذات کے بھی [یوں کہو باعتبار رتبہ کے۔ راقم] اور باعتبار زمانہ کے بھی لیکن اگر یہ فرض کیا جائے کہ ان دیگر زمینوں کے کچھ انبیاء آپ ﷺ کے معاصر یا بالفرض آپ کے بعد ہوئے ہیں تو ان کے اعتبار سے آپ ﷺ کو خاتم زمانی نہیں بلکہ خاتم ذاتی [خاتم ذاتی نہیں خاتم رتبی۔ راقم] کہا جائے گا''۔ (تحفہ قادیانیت ج ۲ ص ۱۳۹، ۱۴۰ طبع دوم ۲۰۰۱ء)

جواب: یوں کہنا قطعاً درست نہیں خدا جانے یہ عبارت کیسے آگئی اس لئے کہ

[۱] جب آپ ﷺ نے فرما دیا لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ تو ہمیں کسی اور صراحت کی ضرورت نہیں۔

[۲] حضرت نانوتویؒ خود فرماتے ہیں:

ہماری سنئے! ہمارا ایمان ہے کہ عالم شہادت میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے بعد نہ کوئی نبی ہوا نہ ہو، نہ اس زمین پر نہ کسی اور زمین پر، اور نہ آپ ﷺ سے افضل ہوا، نہ ہو، نہ یہاں نہ کہیں اور۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کیلئے مثل خاتمیت زمانی، خاتمیت مرتبی کے بھی اسی لفظ خاتم النبیین کی دلالت کے باعث قائل ہیں۔ (تنویر النبراس ص ۹۸)

[۳] تحذیر الناس کے بارے میں مولانا لدھیانوی شہیدؒ خود لکھتے ہیں کہ

یہ سارا رسالہ...... ''خاتمیت زمانی کی علت کی تشریح میں ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ باعتبار شرف و مرتبہ کے بھی خاتم ہیں باعتبار مکان کے بھی، باعتبار زمان کے بھی''۔

(تحفہ قادیانیت ج ۳ ص ۱۲۳ سطر ۱۵ تا ۱۷)

[تحذیرالناس کی اختلافی عبارات کی وضاحت]

حضرت کی جن تین عبارتوں کو مرزائی اور دوسرے معاند پیش کرتے ہیں وہ نامکمل ہیں اور کبھی ایک لفظ کی کمی سے سچا جملہ جھوٹا ہو جاتا ہے ارشاد باری ہے: ''وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ''(سورۃ الدخان آیت نمبر ۳۸)''اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو ان کے درمیان ہے کھیل کیلئے پیدا نہیں کیا'' اگر کوئی اتنی آیت پڑھے: ''وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا ''اور '' لٰعِبِيْنَ'' کو چھوڑ دے اور کہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں زمین آسمان کا خالق نہیں ہوں۔ تو یقیناً جھوٹا ہوگا، اس نے ایک لفظ کو حذف کر کے معنی خراب کر دیا۔ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نظام ہم نے بے مقصد پیدا نہیں کیا بلکہ اس کو کسی حکمت کے تحت پیدا کیا کہ جو اللہ کی بندگی کرے کامیاب اور جو کفر و شرک اختیار کرے ہمیشہ کیلئے ناکام۔

بہر حال یہاں ایک لفظ کے حذف کرنے سے دونوں عبارتوں میں زمین آسمان کا فرق ہو گیا۔ پوری عبارت صدق اور نامکمل کذب ہے، پوری عبارت ایمان اور نامکمل عبارت کفر ہے۔

تحذیرالناس کی پوری عبارتیں ہم نے کتاب آیات ختم نبوت اور خدمات ختم نبوت میں لکھ دی ہیں اور ان کی بقدر ضرورت وضاحت وہاں کر دی ہے۔ یہاں ان کی مختصر سی وضاحت پر اکتفا کرتا ہوں۔

<u>تحذیرالناس صفحہ ۱۴ کی عبارت کی وضاحت:</u>

تحذیرالناس صفحہ ۱۴ کی عبارت میں خاتمیت سے مراد افضیلت ہے آپ نے نبی کریم ﷺ کی افضیلت سمجھاتے ہوئے یہ بات کہی ہے کہ اگر بالفرض نبی ﷺ کے زمانے میں کوئی نبی ہوتا تو آپ کے مرتبہ کو نہ پا سکتا تھا۔ جو لوگ تحذیرالناس ص ۱۴ کی عبارت کو کفر کہنے پر مصر ہیں وہ فاضل بریلوی کے بارے میں بھی کچھ بتائیں ان سے پوچھا گیا کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں یا نہیں اس کے جواب میں فاضل بریلوی کہتے ہیں: جمہور کا مذہب یہی ہے اور صحیح بھی یہی ہے کہ

وہ نبی ہیں زندہ ہیں خدمت بحران سے متعلق ہے اور الیاس علیہ السلام بر (خشکی) میں ہیں پھر فرمایا چار نبی زندہ ہیں کہ ان کو وعدہ الہیہ ابھی آیا ہی نہیں (ملفوظات حصہ چہارم ص ۳۸۰ طبع حامد اینڈ کمپنی لاہور) مفتی احمد یار خان نے بھی ان چاروں نبیوں کو اب تک زندہ ہی مانا ہے۔ (دیکھئے شان حبیب الرحمٰن ص ۱۴۹، ۱۵۰)

<u>تحذیر الناس صفحہ ۲۸ کی عبارت کی وضاحت:</u>

ص ۲۸ کی عبارت میں بھی خاتمیت سے مراد افضلیت ہے کہ اگر بالفرض آپ علیہ السلام کے بعد کوئی نبی آتا، یا بالفرض پیدا ہو تو وہ آپ کے مرتبہ کو نہ پا سکے گا، مگر سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے اور کوئی نبی آپؐ کے بعد نہ آئے گا، اور وہ انبیائے سابقین سے ہیں تو حضرت نانوتویؒ کا مقصد آپ ﷺ کی شان کو سمجھانا ہے۔ رہا یہ کہ آپ کے بعد کوئی نبی ہو سکتا ہے یا نہیں تو حضرت اس کتاب میں بھی اور دوسری کتابوں میں بھی یہ لکھتے ہیں کہ آپ کے بعد جو شخص کسی نبی کی آمد کو مانے وہ کافر ہے (تحذیر الناس ص ۵۶ طبع گوجرانوالہ، مناظرہ عجیبہ ص ۱۴۴) زیادہ تفصیلات کیلئے دیکھئے اساس المنطق متعدد مقامات مثلاً جلد ۲ ص ۲۳۴ تا ۲۳۸ نیز ص ۲۸۲ تا ۲۸۹، آیات ختم نبوت متعدد مقامات مثلاً ص ۸۹، ۹۰ نیز ص ۵۰۱ تا ۵۹۶، حضرت نانوتویؒ اور خدمات ختم نبوت متعدد مقامات مثلاً ص ۲۷۲ تا ص ۳۲۸، عمدۃ التفاسیر متعدد مقامات مثلاً ج ۱ ص ۱۷۵، ۱۷۶، اور حق الیقین ج ۱ ص ۴۰۷ تا ۵۶۲۔ تکملہ دافع الوسواس ص ۱۱۵ تا ۱۲۰، ختم نبوت اور صاحب تحذیر الناس متعدد مقامات مثلاً ص ۱۴۴ تا ص ۱۶۹۔

<u>بریلویوں اور غیر مقلدوں کو الزامی جواب:</u>

فاضل بریلوی سے سوال ہوا کہ "کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر میرے بعد نبی ہوتا تو پیران پیر ہوتے"۔ جواب میں فاضل بریلوی کہتے ہیں کہ قول مذکور نبی ﷺ سے ثابت نہیں لیکن اس کا مفہوم صحیح ہے، پھر اس کی کچھ مثالیں ذکر کیں کہ ایک حدیث میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لئے وارد ہے **لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب** میرے

بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتا...... دوسری حدیث میں حضرت ابراہیم صاحبزادہ حضور اقدس سید المرسلین ﷺ کیلئے وارد ولو عاش ابراھیم لکان صدیقا نبیا۔ اگر جیتے تو صدیق وپیغمبر ہوتے ......علماء نے امام ابومحمد جوینی کی نسبت کہا ہے کہ اب کوئی نبی ہوسکتا تو وہ ہوتے (عرفان شریعت ص ۸۴،۸۵)

امام غزالیؒ کی کتاب ''الوجیز'' کے بارے میں مشہور غیر مقلد عالم محمد بن عبدالرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں: وقد قیل لو کان الغزالی نبیا لکان معجزته الوجیز (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ج ا ص ۲۸۵) ''اور یہ کہا گیا ہے کہ اگر غزالی نبی ہوتے تو ان کا معجزہ کتاب الوجیز ہوتی''

سوال یہ ہے کہ ایسی عبارات لکھنے کی وجہ سے فاضل بریلوی اور مولانا محمد بن عبدالرحمٰن مبارکپوری کے خلاف تمہارے قلم کیوں نہیں چلتے جنہوں نے یہ بھی نہ لکھا کہ اگر بالفرض یہ نبی ہوتے تو آنحضرت ﷺ کے مرتبہ کو نہیں پاسکتے تھے۔ کیا تمہیں اپنی گرفت کیلئے اسی ہستی ہی کا انتخاب کرنا تھا جس نے بریلی کے قریب ہندوؤں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام کی ترجمانی کی اور نبی کریم ﷺ کی نبوت اور ختم نبوت کو منوایا اور اس کا اعلان کر کے آئے کہ اب نجات صرف آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے اور آپؐ کی اتباع میں منحصر ہے۔

<u>تحذیر الناس صفحہ ۳ کی عبارت کی وضاحت:</u>

حضرت کی تیسری عبارت تحذیر الناس صفحہ ۳ میں ہے اس کے بارے میں ایک اہم بات یہ یاد رکھیں کہ اس میں لفظ ''معنیٰ'' سے مراد علت ہے، اس عبارت سے حضرت نانوتویؒ کا مقصد یہ ہے کہ عام مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ نبی علیہ السلام اس لئے خاتم النبیین (یعنی سب نبیوں کے ختم کرنے والے) ہیں کہ آپ آخر میں آئے جبکہ آپ خاتم النبیین (یعنی سب نبیوں کے ختم کرنے والے) اس لئے ہیں کہ آپ سب سے اعلیٰ ہیں حضرت اپنی ایک اور کتاب میں لکھتے ہیں کہ خاتم النبیین کا معنیٰ اور مفہوم میرے ہاں بھی آخری نبی ہے فرق صرف یہ ہے کہ میں نے اس کے ساتھ اس کی وجہ بتا دی ہے۔ (از مناظرہ عجیبہ ص ۱۳۳)

دوسرے مکتب فکر کے علماء کی تائیدات:

بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے مولانا احمد سعید کاظمی نے بھی لکھا کہ مولانا نانوتویؒ نے نبی ﷺ کو آخری نبی بھی مانا اور رسول اللہ ﷺ کے بعد نبوت کے مدعی کو کافر اور کاذب بھی کہا (از مقالات کاظمی ج ۲ ص ۲۵۱ مزید وضاحت کیلئے دیکھئے آیات ختم نبوۃ ص ۵۵۶، ۵۵۷) مفتی احمد یار خان نے حضرتؒ کے مضمون کو درست مان کر اسے اپنے الفاظ میں یوں لکھا ہے: یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ حضور علیہ السلام کی موجودگی میں تمام پیغمبروں کے دین کیوں منسوخ کر دیئے گئے؟ دنیا کا قاعدہ ہے کہ ہر چیز اپنی اصل پر پہنچ کر ٹھہر جاتی ہے بلکہ اپنے آپ کو اس اصل میں گم کر دیتی ہے رات بھر ستارے جگمگاتے ہیں مگر جہاں سورج چمکا سب چھپ گئے کیونکہ سب تاروں میں سورج ہی کا تو نور تھا تمام دریا سمندر کی طرف بھاگے جاتے ہیں کیونکہ ہر دریا سمندر سے بنا ہے سمندر سے بادل آیا پہاڑوں پر بارش بن کر یا برف بن کر گرا اس سے دریا بنا دریا اپنی اصل کی طرف بھاگا ایسا بھاگا کہ جس پُل نے، درخت، کسی عمارت نے اس کو روکنا چاہا اس کو بھی گرا دیا مگر جہاں سمندر کے قریب پہنچا شور بھی جاتا رہا، روانی میں کمی ہو گئی اور جب سمندر سے ملا تو اس طرح فنا اور گم ہو گیا کہ گویا تھا ہی نہیں اور زبان حال سے کہا کہ

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی ۔۔۔ تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اسی طرح تمام انبیاء کرام تارے ہیں حضور آفتاب حضور کو قرآن میں فرمایا گیا سِرَاجًا مُّنِیْرًا ایا تمام انبیاء کرام دریا ہیں حضور علیہ السلام ان دریاؤں کے سمندر تمام نبوتیں ادھر ہی چلی آ رہی ہیں فرعونی ہامانی نمرودی ہزارہا طاقتیں سامنے آئیں ان کو پاش پاش کر دیا مگر سمندر نبوت کو پا کر سب نے اپنے آپ کو اس میں گم کر دیا۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ

یہ انبیاء و مرسلین تارے ہیں تم مہر مبیں ۔۔۔ سب جگمگائے رات بھر، چمکے جو تم کوئی نہیں

(شان حبیب الرحمٰن ص ۳۲، ۳۳) نیز لکھتے ہیں: معلوم ہوا کہ سارے پیغمبر علیہم السلام حضور علیہ السلام کے امتی ہیں اور حضور علیہ السلام نَبِیُّ الْاَنْبِیَاءِ (شان حبیب الرحمٰن ص ۳۳) اور حضرت نانوتویؒ لکھتے ہیں کہ غرض جیسے آپ ﷺ نبی الامۃ ہیں ایسے ہی نبی الانبیاء بھی ہیں (تحذیر ص ۴)

اور یہ بات گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے کہ نبی الانبیاء ہونے کے مفہوم کو حضرت نانوتویؒ نے بالذات کے لفظ سے بھی تعبیر کیا ہے۔

﴿تحذیر الناس کے عکسی صفحات کے بارے میں﴾

مجھے ایک ساتھی نے بتایا جو مرزائیوں سے براہِ راست گفتگو کرتا ہے کہ مرزائیوں نے اسے تحذیر الناس کے پانچ صفحات کی فوٹو سٹیٹ بھی دی، اور تحذیر الناس کے ایک نسخے کی مکمل فوٹو سٹیٹ بھی ہم ان پانچ صفحات کا عکس اس لئے شائع کر رہے ہیں کہ ان پر مرزائیوں کی خلافت لائبریری کی مہر ہے اسے دیکھ کر شاید کسی کو یہ احساس ہو جائے کہ اگر ہم تحذیر الناس کو چھوڑ دیں تو دشمن نہیں چھوڑتا، اگر ہماری غفلت سے مرزائی کسی مسلمان کو مرتد کر ڈالیں اس طرح کہ اس کو تحذیر الناس دے دیں اور ہمیں اس کا جواب ہی نہ آئے تو قیامت کے دِن اللہ کو کیا جواب دیں گے؟

اس کا علاج یہی ہے کہ ہمیں تحذیر الناس پر اتنا عبور ہو کہ اگر مرزائی تحذیر الناس لے کر آئے تو اسی سے اسے ایسالا جواب کریں کہ وہ پھر بھول کر بھی تحذیر الناس کا نام نہ لے۔ اس کیلئے آپ اس عاجز کی کتابیں دیکھیں: 'آیات ختم نبوت'، 'حضرت نانوتویؒ اور خدمات ختم نبوت'، 'حق الیقین' وغیرہ اور نہ سہی تو اس مجموعہ سے کلمہ ناشر کو اچھی طرح پڑھ لیں ان شاء اللہ شرح صدر ہو جائے گا۔

ان صفحات کے عکس کو شائع کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ان صفحات میں تحذیر الناس کی عبارات کے علاوہ مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی ایک عبارت ہے کیونکہ ص ۳۹ تحذیر الناس کا نہیں مولانا لکھنویؒ کے فتوی کا ہے جو تحذیر الناس کے ساتھ چھپتا ہے۔ اور مرزائی اس کی خط کشیدہ عبارت کو نبوت کے جاری ہونے پر پیش کرتے ہیں۔

اس عاجز نے اس کا مفصل جواب دافع الوسواس کے مقدمہ میں اور حق الیقین میں لکھ دیا ہے مختصر بات یہ ہے کہ حضرتؒ نے یہ تو نہ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت ملے آپ تصریح کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت نہ ملے گی ہاں ایسی ہستیاں جن کو نبوت پہلے ملی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جیسے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام، اور حضرت خضر جو بعض علماء کے ہاں نبی ہیں اور زندہ ہیں اسی طرح اثر ابن عباسؓ کے مطابق دیگر زمینوں میں جو انبیاء ہوں ان کے آخری آخری فرد جو اپنی اپنی زمین میں خاتم ہوں اگر ان کو نبوت ملنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوگئی تو وہ اپنی زمینوں میں رہتے ہوئے بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہو چکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد عمل آپ ہی کی شریعت پر ضروری ہے۔

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِی

الحمد للہ والمنۃ کہ رسالہ مفیدہ و عمدیہ در تحقیق اثبات معنی ختم نبوت حضرت سید عالم

تحذیر الناس

ازافادات مبارکہ

حجۃ الاسلام حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ العزیز

(بانی دارالعلوم دیوبند)

مع توضیح مطالب

بعد نظر ثانی و تصحیح اغلاط وغیرہ

در مطبع قاسمی دیوبند بحلیۂ الطبع پوشید

ہر قسم کی کتب نہایت صحیح و ارزاں قیمت پر ملنے کا پتہ
کتب خانہ مطبع قاسمی دیوبند یو۔پی

قیمت

(ملتان)

للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ خاتم النبیین وسید المرسلین
وآلہ واصحابہ اجمعین۔ بعد حمد وصلوۃ کے قبل عرض جواب یہ گذارش ہے کہ اول معنی
خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو سو عوام کے خیال میں
تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپکا زمانہ انبیاء سابق کے زمانے کے بعد
اور آپ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات
کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ فرمانا اس صورت
میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے ہاں اگر اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ کہئے اور اس
مقام کو مقام مدح قرار نہ دیجئے تو البتہ خاتمیت باعتبار تاخر زمانی صحیح ہو سکتی ہے مگر
میں جانتا ہوں کہ اہل اسلام میں سے کسی کو یہ بات گوارا نہ ہوگی کہ اس میں ایک تو خدا
کی جانب نعوذ باللہ زیادہ گوئی کا وہم ہے آخر اس وصف میں اور قد و قامت و شکل و رنگ
و حسب و نسب و سکونت وغیرہ اوصاف میں جنکو نبوت یا اور فضائل میں کچھ دخل نہیں
کیا فرق ہے جو اس کو ذکر کیا اوروں کو ذکر نہ کیا دوسرے رسول اللہ صلعم کی جانب
نقصان قدر کا احتمال کیونکہ اہل کمال کے کمالات ذکر کیا کرتے ہیں اور ایسے ویسے لوگوں کے
اس قسم کے احوال بیان کرتے ہیں اعتبار نہ ہو تو تاریخوں کو دیکھ لیجئے باقی یہ احتمال کہ
یہ دین آخری دین تھا اس لئے سد باب اتباع مدعیان نبوت کیا ہے جو کل جھوٹے
دعوی کر کے خلائق کو گمراہ کریں گے البتہ فی حد ذاتہ قابل لحاظ ہے پر جملہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ
اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ اور جملہ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ میں کیا تناسب تھا
جو ایک کو دوسرے پر عطف کیا اور ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو استدراک
قرار دیا اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی بے ربطی اور بے ارتباطی خدا کے کلام معجز نظام میں
متصور نہیں اگر سد باب مذکور منظور ہی تھا تو اس کے لئے اور بیسیوں موقع تھے بلکہ
بنائے خاتمیت اور بات پر ہے جس سے تاخر زمانی اور سد باب مذکور خود بخود لازم
آجاتا ہے اور فضیلت نبوی دوبالا ہو جاتی ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موصوف
بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے جیسے موصوف بالعرض کا وصف بالذات
سے مکتسب ہوتا ہے موصوف بالذات کا وصف جسکا ذاتی ہونا اور غیر مکتسب من الغیر ہونا لفظ
بالذات ہی سے مفہوم ہے کسی غیر سے مکتسب اور مستعار نہیں ہوتا مثال درکار ہو تو لیجئے۔

عـــہ یعنی آیۂ کریمہ میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمایا گیا ہے اول اسکے معنی سمجھنے چاہئیں ۱۲ عـــہ یعنی
عوام کے اس خیال کے مطابق یعنی تقدم و تاخر زمانی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالذات کوئی خاص فضیلت

اوروں کے ایمان کی اصل ہے اوروں کا ایمان آپ کے ایمان کی نسل اس تقریر بوجہ عطف مذکور
اور استدراک مسطور خوب واضح ہوگئی اس لئے اس مضمون کو یہیں ختم کرتا ہوں اگرچہ خوبی مزید
توضیح اسبات کو مقتضی تھی کہ مثل علم ایمان کا ایک وصف نظری ہوتا اور یہ بات کہ ایمان کمالات علمی
میں سے ہے بے علم پر موقوف اور نبوت کمالات علمی میں سے ہے پر عمل کو مستلزم اور نیز یہ امر کہ انبیاء کس
بات میں آپ کے ساتھ علاقہ مولودیت رکھتے ہیں اور امت کس بات میں اور پھر کیوں لفظ مشیر تولد
مومنین کو لفظ مشیر تولد انبیاء سے مقدم رکھا یہ باتیں بیان کرتا اور حسب فہم موجہ کرجاتا پر باندیشہ
تطویل قدر ضرورت پر اکتفا کرکے عرض پرداز ہوں کہ اطلاق خاتم اسبات کو مقتضی ہے کہ تمام انبیاء کا سلسلہ
نبوت آپ پر ختم ہوتا ہے جیسے انبیاء گذشتہ کا وصف نبوت میں حسب تقریر مسطور اس لفظ سے آپ کی طرف
محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے اور آپ کا اس وصف میں کسی کی طرف محتاج نہ ہونا اس میں انبیاء گذشتہ ہوں
یا کوئی اور اسی طرح اگر فرض کیجئے آپ کے زمانے میں بھی اس زمین میں یا کسی اور زمین میں یا آسمان میں کوئی
نبی ہو تو وہ بھی اس وصف نبوت میں آپ ہی کا محتاج ہوگا اور اس کا سلسلہ نبوت بہر طور آپ پر
مختتم ہوگا اور کیوں نہ ہو عمل کا سلسلہ علم پر ختم ہوتا ہے جب علم ممکن للبشر ہی ختم ہولیا تو پھر سلسلہ علم
و عمل کیا چلے غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جاوے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء
گذشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی
آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے مگر جیسے اطلاق خاتم النبیین اسبات کو مقتضی ہے کہ اس لفظ
میں کچھ تاویل نہ کیجئے اور علی العموم تمام انبیاء کا خاتم کہئے اسی طرح اطلاق لفظ مثلھن جو آیہ اَللّٰہُ
الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَھُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَھُنَّ میں واقع ہے اسبات کو
مقتضی ہے کہ سوا تباین آنی ارض و سما جو لفظ سموات اور لفظ ارض سے مفہوم ہے اور ان دونوں
لفظوں کا ذکر کرنا اس باب میں بمنزلہ استثنا ہے اور نیز علاوہ اس تباین کے جو بوجہ اختلاف لوازم

؎ یعنی اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں یا بالفرض آپ کے بعد بھی کوئی نبی فرض کیا جائے تو بھی خاتمیت محمدیہ
میں فرق نہ آئیگا کیونکہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم فقط اس معنی کر نہیں کہ آپ سب پچھلے زمانہ کے نبی ہیں۔ جیسا
کہ عوام کا خیال ہے بلکہ جیسے آپ خاتم زمانی ہیں ویسے ہی آپ خاتم ذاتی اور خاتم رتبی بھی تھے یعنی جس قدر کمالات
اور مراتب نبوت ہیں وہ سب آپ کی ذات ستودہ صفات پر ختم ہیں زمانہ نبوت بھی آپ پر ختم ہے مکان
نبوت بھی آپ پر ختم اور مراتب نبوت بھی آپ پر ختم ہیں ۱۲

انکار اثر معلوم خاتمیت کے سات حصوں میں سے ایک ہی حصہ باقی رہتا ہے اس صورت میں بیانِ محبت نبوی سے ہمکو یہ توقع ہے کہ جیسا اس اثر کا انکار کرتے تھے اب اتنا ہی اقرار کریں بلکہ اس سے بڑھ کر انکار میں تو تکذیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھٹکا بھی تھا اقرار میں تو کچھ اندیشہ ہی نہیں بلکہ بنات زمینوں کی جگہ اگر لاکھ دو لاکھ اوپر نیچے اسی طرح اور زمینیں تسلیم کرلیں تو میں ذمہ کش ہوں کہ انکار سے زیادہ اس اقرار میں کچھ دقت نہ ہوگی نہ کسی آیۃ کا تعارض نہ کسی حدیث سے معارضہ رہا اثر معلوم اس میں سات سے زیادہ کی نفی نہیں سو جب انکار اثر مذکور میں باوجود تصحیح ائمہ حدیث یہ جرأت ہے تو اقرار ارضین زائدہ از سبع میں تو کچھ ڈر ہی نہیں علاوہ بریں برتقدیر خاتمیت زمانی انکار اثر مذکور میں قدر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کچھ افزائش نہیں ظاہر ہے کہ اگر ایک شہر آباد ہو اور اس کا ایک شخص حاکم ہو یا سب میں افضل تو بعد اس کے کہ اس شہر کی برابر دوسرا ویسا ہی شہر آباد کیا جاوے اور اس میں بھی ویسا ہی ایک حاکم ہو یا سب میں افضل تو اس شہر کی آبادی اور اس کے حاکم کی حکومت یا اس کے فرد افضل کی افضلیت سے حاکم یا افضل شہر اول کی حکومت یا افضلیت میں کچھ کمی نہ آجائے گی اور اگر درصورت تسلیم اور چھ زمینوں کے وہاں کے آدم و نوح وغیرہم علیہم السلام یہاں کے آدم و نوح علیہم السلام وغیرہم سے زمانہ سابق میں ہوں تو باوجود مماثلت کلی بھی آپ کی خاتمیت زمانی سے انکار نہ ہوسکے گا جو وہاں کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوات میں کچھ حجت کیجئے ہاں اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف نبوت لیجئے جیسا اس ہیچمدان نے عرض کیا ہے تو پھر سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کو افراد مقصود بالخلق میں سے مماثل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کی افراد خارجی ہی پر آپ کی افضلیت ثابت نہ ہوگی افراد مقدرہ پر بھی آپ کی افضلیت ثابت ہوجائیگی بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئیگا چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے بالجملہ ثبوت اثر مذکور دونا ثبت خاتمیت ہے معارض و مخالف خاتم النبیین نہیں جو یوں کہا جائے کہ یہ اثر شاذ بمعنی مخالف روایۃ ثقات ہے اور اس سے یہ بھی واضح ہوگیا ہوگا کہ حسب مزعوم منکران اثر اس اثر میں کوئی علت غامضہ بھی نہیں جو اسی راہ سے انکار صحت کیجئے کیونکہ اول تو امام بیہقیؒ کا اس اثر کی نسبت صحیح کہنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں کوئی علت غامضہ خفیہ قادحہ فی الصحۃ نہیں دوسرے شذوذ تھا تو یہی تھا کہ مخالف خاتم النبیین ہے اور علت تھی تب یہی تھی اگر اور کوئی آیۃ یا حدیث ایسی ہی ہوتی جس سے

اسی طرح سے ہر ہر طبقہ میں سلسلہ نبوت کا واسطے ہدایت وہاں کے بسکان کے تیار ہوا اور چونکہ بدلائل عقلیہ و نقلیہ لاتناہی سلسلہ کی باطل ہے لاجرم ہے کہ ہر طبقہ میں ایک مبدء سلسلہ ہوگا کہ وہ ہمارے آدم کے ساتھ مشابہ کیا گیا اور ایک آخر سلسلہ ہوگا کہ وہ ہمارے خاتم کے ساتھ تشبیہ کیا پس بنا علیہ اواخر انبیاء طبقات تحتانیہ پر اطلاق خواتم کا درست ہے اب یہاں تین احتمال ہیں ایک یہ کہ خواتم طبقات تحتانیہ بعد عصر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوئے ہوں دوسرے یہ کہ متقدم ہوئے ہوں تیسرے یہ کہ معاصر ہوں۔ احتمال اول بحدیث لا نبی بعدی وغیرہ باطل ہے اور بر تقدیر احتمال ثانی آنحضرت خاتم انبیاء طبقات ہوں گے اور بر تقدیر ثالث دو احتمال ہیں ایک یہ کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصوص ساتھ ہی طبقہ کے ہو اور آپ کی خاتمیت بہ نسبت انبیاء اسی طبقہ کے ہو اور ہر طبقہ تحتانیہ میں وہاں کے خاتم کی رسالت ہو اور ہر ایک ان میں کے صاحب شرع جدید و خاتم انبیاء اپنے طبقات کا ہو دوسرے یہ کہ خواتم طبقات تحتانیہ متبع شریعت محمدیہ ہوں اور کوئی ان میں کا صاحب شرع جدید نہ ہو اور دعوت ہمارے حضرتؐ کی عام اور ختم آپ کا بہ نسبت جملہ انبیاء جملہ طبقات کے حقیقی ہو اور ختم ہر ایک خواتم باقیہ کا بہ نسبت اپنے اپنے سلسلہ کے اضافی ہو احتمال اول بسبب عموم نصوص بعثت نبویہ کے کہ جس سے صاف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا تمام عالم پر معلوم ہوتا ہے باطل ہے اور علماء اہل سنت بھی اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ آں حضرتؐ کے عصر میں کوئی نبی صاحب شرع جدید نہیں ہو سکتا اور نبوت آپ کی عام ہے اور جو نبی آپ کے ہم عصر ہوگا وہ متبع شریعت محمدیہ کا ہوگا چنانچہ تقی الدین سبکی سے جلال الدین سیوطی اپنے رسالہ الاعلام بحکم عیسیٰ علیہ السلام میں نقل کرتے ہیں قال السبکی فی تفسیر له ما من نبی الا اخذ اللہ علیه المیثاق انه ان بعث محمد فی زمانه لیومنن به ولینصرنه ویوصی امته بذلك وفیه من التنویه وتعظیم قدره ما لا یخفی وفیه مع ذلك انه علی تقدیر مجیئه فی زمانهم یکون مرسلا الیهم ویکون نبوته ورسالته عامة لجمیع الخلق من زمن آدم الی یوم القیمة ویکون الانبیاء واممهم کلهم من امته فالنبی صلعم نبی الانبیاء ولو اتفق بعثه فی زمن آدم ونوح وابراهیم وموسی وعیسی وجب علیهم وعلی اممهم الایمان به ونصرته ولهذا یاتی عیسی فی آخر الزمان علی شریعته وهو نبی کریم علی حاله لا کما یظن بعض الناس انه یاتی واحدا من هذه الامة نعم هو واحد من هذه الامة لما قلنا من اتباعه للنبی علیه الصلوة والسلام فی زمانه وفی زمان موسی وابراهیم ونوح وآدم کانوا مستمرین علی نبوتهم ورسالتهم الی اممهم والنبی علیه السلام نبی علیهم ورسول الی جمیعهم انتهی در بحر العلوم مولانا عبد العلی اپنے رسالہ فتح الرحمن میں لکھتے ہیں مقتضی ختم رسالت دو چیز ست یکے آنکہ بعد وے بنوں

(ملتان)

[حجۃ الاسلام نانوتویؒ عقیدۂ ختم نبوت کے عاشق تھے]

ویسے تو کسی بھی کلمہ گو کو بغیر تحقیق منکر ختم نبوت کہنا سخت گناہ ہے مگر ایسا عالم جس کی زندگی ختم نبوت کی تبلیغ سے بھری ہو، اس کی طرف انکارِ ختم نبوت کی نسبت کرنا تو بہت ہی قبیح ہے منکرین ختم نبوت کو سمجھانے کیلئے تو ختم نبوت کے دلائل دیئے ہی جاتے ہیں مگر حضرت نانوتویؒ نے ختم نبوت کے ایسے مقامات پر دلائل دیئے جہاں نہ عام آدمی کا ذہن جاتا ہے اور نہ اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے ذیل میں اس کے کچھ شواہد دیئے جاتے ہیں غور سے پڑھیں اور سوچیں کہ حضرت پر بہتان باندھنے والے ان کو منکر ختم نبوت کہہ کر لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے والوں نے ختم نبوت پر کبھی ایسا کام کیا ہے؟

پہلا شاہد:

ایک پادری نے اعتراض کیا کہ مسلمانوں کے ہاں نیند سے وضو کیوں ٹوٹتا ہے؟ حضرت نے اس کا جواب بھی دیا اور ساتھ یہ بھی بتایا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ وہ نیند میں بھی بیدار ہوتے ہیں ان کی آنکھیں سوتی ہیں دل جاگتا ہے، اگر نیند میں اُن کا وضو جائے تو انہیں پتہ چل جاتا ہے لیکن عام آدمی نیند میں غافل ہو جاتا ہے نیند میں خروج ریح ہو جائے تو اسے پتہ نہیں چلتا پھر حضرت نانوتویؒ نے اس کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی نبوت کو بھی ثابت کیا اور ختم نبوت کو بھی (حوالوں کیلئے دیکھئے حضرت نانوتویؒ اور خدمات ختم نبوت ص۸۱تا۹۹) نیند سے وضو کا ٹوٹنا تو سب فقہاء لکھتے ہیں مگر اس کے ساتھ نبوت اور پھر ختم نبوت کا اثبات خاص حضرت نانوتویؒ کا کام ہے۔

دوسرا شاہد:

ہندو نے اعتراض کیا کہ مسلمان خانہ کعبہ کی پوجا کرتے ہیں اس اعتراض کا جواب مولانا ثناء اللہ امرتسری نے بھی دیا (دیکھئے حق پرکاش ص۸۳،۸۴) اور مفتی نعیم الدین مراد آبادی

نے بھی (دیکھیے فتاوی صدر الافاضل ص ۶۴۷ تا ۶۴۹) ان حضرت نے اعتراض کے جواب پر اکتفاء کیا حضرت نانوتویؒ نے ایک تو جواب زیادہ تفصیل سے دیا دوسرے جواب کے ضمن میں آپ ﷺ کی نبوت اور ختم نبوت کو ثابت کیا (دیکھیے قبلہ نما ص ۱۷ تا ۸۰، دافع الوسواس کا تکملہ ص ۱۲۹ تا ص ۱۷۰) استقبال قبلہ کا حکم تو سب ہی بیان کرتے ہیں مگر اس سے ختم نبوت کا استنباط خاص حضرت نانوتویؒ کا کمال ہے۔

تیسرا شاہد:۔

ایک جگہ آپ نے ہندوؤں کی کتاب بید پر تنقید کی کہ اول تو وہ اللہ کی طرف سے نہیں اگر بالفرض اللہ کی طرف سے ہو تو اس میں تحریف ہو چکی ہے اس کے بعد قرآن کی حقانیت کا دعوی کیا اور نبی ﷺ کی رسالت اور ختم نبوت کو ثابت کرتے ہوئے قبلہ نما ص ۱۰ میں فرمایا:

ہمارے قرآن میں خود قرآن کا کلام خدا ہونا موجود، رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور خاتمیت کا اظہار موجود اور پھر روایت کا یہ حال کہ ہر قرن میں ہزاروں حافظ چلے آئے ہیں۔

ہندو سے بات تو یہ ہو رہی ہے کہ مسلمان خانہ کعبہ کی طرف رخ کرتے ہیں خانہ کعبہ کی عبادت نہیں کرتے مگر ضمن میں نبی ﷺ کی رسالت اور ختم نبوت کا اعلان کرنا آپ ہی کا خاصہ ہے اور یہاں خاتمیت سے مراد خاتمیتِ زمانی یعنی آخری ہونا ہی ہے کیونکہ خاتمیتِ رتبی کا بیان حضرت نے قبلہ نما میں اس کے بعد الگ سے کیا ہے۔

چوتھا شاہد:۔

استقبال قبلہ پر بحث کرتے ہوئے ہی فرماتے ہیں:

اب رہا کمال عقل و فہم اس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر کلام اللہ شریف کلام خدا ہے اور بے شک بحکم عقل و انصاف کلام خدا ہے تب تو اس ﷺ آپ کو خاتم النبیین کہہ کر جتلا دیا ہے کہ آپ سب انبیاء کے سردار ہیں کیونکہ جب آپ خاتم النبیین ہوئے تو معنی یہ ہوئے کہ آپ کا دین سب دینوں میں آخر ہے اور چونکہ دین حکم نامہ خداوندی کا نام ہے تو جس کا دین آخر ہوگا وہی شخص

سرداری ہوگا اسی حاکم کا حکم آخر رہتا ہے جو سب کا سردار ہوتا ہے (قبلہ نما ص ۱۰، ۱۱ مکتبہ اعزازیہ)

ان عبارتوں میں بھی خاتم النبیین کا معنیٰ آخری نبی ہی ہے اس کیلئے حضرتؒ کی اس عبارت کو ذرا توجہ سے دیکھیں کیونکہ جب آپ خاتم النبیین ہوئے تو معنی یہ ہوئے کہ آپ کا دین سب دینوں میں آخر ہے۔ میرے ناقص مطالعہ میں برصغیر میں کوئی ایسا عالم نہیں گزرا جو اس طرح بار بار انداز بدل بدل کر نبی ﷺ کے اعلیٰ اور آخری ہونے کو بیان کرتا ہو۔ آپ کے علم میں ایسا کوئی عالم ہو تو بتادیں۔ مگر بات دلیل سے ہو با حوالہ ہو۔

پانچواں شاہد:۔

ہندوؤں نے احکام میں نسخ کے ہونے پر اعتراض کیا حضرت نے نسخ کو ثابت کیا اور ضمنی طور پر اس کو ثابت کیا کہ بید کلام خداوندی نہیں (انتصار الاسلام ص ۲۲) بید کلام خداوندی نہیں تو پھر کلام خداوندی ہے کیا؟ کلام خداوندی قرآن کریم ہے۔ اور قرآن کریم کا کلام خداوندی ہونا اور اس میں حضرت محمد ﷺ کے رسول اللہ ہونے اور خاتم النبیین ہونے کی تصریح کا دعوی حضرت کتاب قبلہ نما میں کر چکے ہیں جس کا ذکر ہم نے تیسرے شاہد میں کیا ہے۔

چھٹا شاہد:۔

ہندوؤں نے قیامت کا انکار کر کے جزا سزا کے بطور تناسخ ہونے کا دعوی کیا، حضرتؒ نے جواب میں نئے انداز سے آنحضرت ﷺ کی نبوت و ختم نبوت کا ثابت کیا اور یہ بھی ثابت کیا کہ اب کوئی نیا نبی نہ آئے گا گمراہی پھیل جائے تو قیامت آئے گی (دیکھئے انتصار الاسلام ص ۵۵ تا ص ۶۱) حضرتؒ کی کچھ عبارات آپ کو کتاب حضرت نانوتویؒ اور خدمات ختم نبوت ص ۲۱۸ تا ۲۲۱، اور کتاب حق الیقین ج ۱ ص ۴۴۶ تا ۴۵۱ میں مل جائیں گی۔

ساتواں شاہد:۔

سورۃ الطلاق کی آخری آیت کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمین کی طرح دوسری چھ زمینوں میں بھی سلسلہ نبوت قائم فرمایا حضرت

ابن عباسؓ کی یہ تفسیر اثر ابن عباسؓ (۱) کے نام سے مشہور ہے۔

اس اثر ابن عباسؓ کی بابت ایک سوال حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں پیش ہوا جو تحذیر الناس کے شروع میں مذکور ہے۔ حضرت نانوتویؒ نے اس کے جواب کے ضمن میں عقلی و نقلی دلائل سے آنحضرت ﷺ کی خاتمیتِ زمانی کو بھی ثابت کیا حالانکہ سائل خود ختم نبوت زمانی کا قائل تھا اس کا سوال ختم نبوت زمانی کے بارے میں نہ تھا۔

آپ کے الفاظ تحذیر الناس طبع گوجرانوالہ ص ۵۶ میں ملاحظہ فرمائیں آیات ختم نبوت ص ۸۸ تا ۹۰ میں اس کا مفہوم آسان الفاظ میں دیا گیا ہے حق الیقین ج۱ ص ۴۶۶ تا ۴۶۹ میں زیادہ وضاحت ہے آیات ختم نبوت میں ہے:

آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سب سے اعلیٰ نبی ہیں اس لئے نہ کوئی آپ سے اعلیٰ ہوسکتا ہے اور نہ آپ کے برابر۔ چونکہ آپ ﷺ سب سے اعلیٰ نبی ہیں اس لئے آپ کو سب سے آخر میں بھیجا گیا۔

آپ ﷺ کے بعد کسی کو نبی ماننے کی صورت میں اس کے دین کو اعلیٰ ماننا بھی باطل ہے اور برابر یا ادنیٰ ماننا بھی۔ اس لئے آپ ﷺ کے بعد کسی نئے آدمی کا نبی ہونا ہی باطل ہے پہلا احتمال اس لئے باطل ہے کہ جب نبی ﷺ کو ہم نے اعلیٰ مانا تو آپ ﷺ کا دین بھی اعلیٰ ہوا آپؐ

---

۱) یہ اثر مستدرک حاکم کتاب التفسیر میں سورۃ الطلاق کی تفسیر کے تحت، در منثور میں ہے۔ بخاری ج۱ ص ۴۵۳ نیز ج۲ ص ۱۱۱۵ میں امام بخاریؒ سورۃ الطلاق کی اس آیت کو لائے ہیں بخاری ج۱ ص ۴۵۳ کے حاشیہ میں فتح الباری ج۶ ص ۲۹۳ کے حوالے سے یہ اثر مذکور ہے۔: مولانا عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں: مخفی نہ رہے کہ حدیث مذکور محققین محدثین کے نزدیک معتمد ہے حاکم نے اس کے حق میں صحیح الاسناد کہا، اور ذہبی نے حسن الاسناد کا حکم دیا اور اس حدیث کے ثبوت میں کوئی علت قادحہ معتمد نہیں ہے (فتویٰ ملحقہ بہ تحذیر الناس ص ۱۰۳ طبع گوجرانوالہ)

کے علوم بھی اعلیٰ ہوئے اس لئے آپ کے بعد آنے والا نبی نہ آپ ﷺ سے اعلیٰ ہوسکتا ہے اور نہ برابر۔ بعد میں آنے والے کا ادنیٰ ہونا اس لئے باطل ہے کہ بعد میں آنے کی وجہ سے اس نبی کا دین آپ ﷺ کے دین کا ناسخ ہوگا جبکہ شریعت کا قاعدہ ہے کہ ادنیٰ اعلیٰ کے لئے ناسخ نہیں ہوسکتا۔ اللہ کا ارشاد ہے ﴿مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا﴾

اور اگر یہ کہا جائے تو بعد میں آنے والے کا دین اسلام کے مخالف نہ ہو تو اب بعد میں آنے والے کو وہی علوم محمدی دیئے جائیں گے یا کوئی اور۔ اور یہ دونوں صورتیں باطل ہیں اس لئے کہ جب اللہ کے وعدے کے مطابق اسلام کے علوم محفوظ ہیں تو انہی کو دوبارہ نازل کرنے کی کیا ضرورت۔ ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾ دیگر علوم اس لئے نہیں کہ قرآن میں ہر چیز کی وضاحت کردی گئی۔ فرمایا ﴿وَنَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَىۡءٍ﴾ نتیجہ یہ کہ آپ اللہ کے آخری نبی ہیں۔ اب حضرت کے استدلال کو جدول میں ملاحظہ فرمائیں۔

آٹھواں شاہد:۔
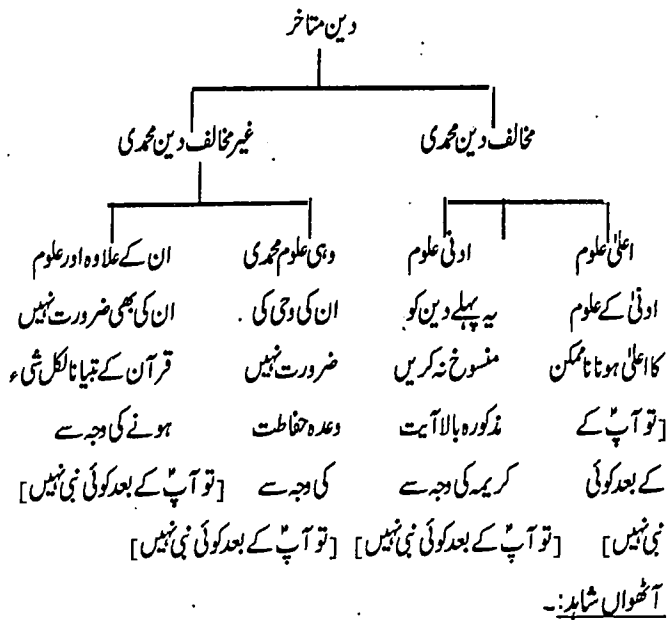
اثر ابن عباسؓ کی تحقیق کے تحت ختم نبوت زمانی کو دلائل سے ثابت کرنے کے بعد

حضرتؒ نے ختم نبوت زمانی کے منکر کو کافر بھی کہا حالانکہ سائل نے نہ تو ختم نبوت زمانی کے دلائل طلب کیے، اور نہ اس نے ختم نبوت زمانی کے منکر کا حکم دریافت کیا تھا مگر حضرت نانوتویؒ نے خود ہی یہ باتیں بیان فرمائیں (دیکھئے تحذیر الناس طبع گوجرانوالہ ص ۵۶) اس کی شرح آپ کو ملے گی حق الیقین ج ا ص ۴۷۴ تا ص ۴۷۸ میں۔

نواں شاہد:۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب آیت ۴۰ میں آنحضرت ﷺ کا نام لے کر آپ کو اللہ کا رسول اور خاتم النبیین فرمایا جس کا معنی اکثر مسلمان یہ کرتے ہیں کہ آپ ﷺ زمانہ کے اعتبار سے آخری نبی ہیں حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں بے شک آپ ﷺ زمانہ کے اعتبار سے آخری نبی ہیں مگر خاتمیت صرف زمانی ہی نہیں ہوتی بلکہ خاتمیت کی تین قسمیں ہیں خاتمیتِ زمانی خاتمیتِ مکانی اور خاتمیتِ رتبی اور آنحضرت ﷺ کیلئے تینوں قسم کی خاتمیت ثابت ہے اور حضرت خاتمیت کی ان تینوں قسموں کو سورۃ الاحزاب کی اسی آیت نمبر ۴۰ سے ثابت کرتے ہیں (دیکھئے تحذیر الناس طبع گوجرانوالہ ص ۵۳ تا ۵۶)

خاتمیتِ زمانی اس اعتبار سے کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں آپ کے بعد کسی کو نبوت نہ ملے گی خاتمیتِ مکانی اس طرح کہ زمینیں سات ہیں اور ساتوں میں افضل واعلیٰ یہ زمین ہے جس پر خانہ کعبہ بنا ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس زمین میں بھیجا۔ اس طرح آپؐ کیلئے خاتمیتِ مکانی ثابت ہوئی۔ خاتمیتِ رتبی اس طرح کہ آپ ﷺ کا مرتبہ سب انبیاء علیہم السلام سے اعلیٰ ہیں

حاصل یہ کہ دیگر انبیاء علیہم السلام محض نبی تھے آپ ﷺ نبی الانبیاء ہیں۔ جیسے بڑی عدالت میں بعد میں جاتے ہیں اللہ نے آپ ﷺ کو سب کے بعد بھیجا اس لئے آپ کی شریعت دوسری شریعتوں کی ناسخ ہے مگر آپ کی شریعت کو کوئی منسوخ نہیں کر سکتا۔

آپ منکر خاتمیت زمانی ہرگز نہیں:

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت نانوتویؒ ختم نبوت زمانی کے منکر نہیں اس کے مؤید تھے،

اس کی تبلیغ کے عاشق تھے ہاں وہ ساتھ ہی ختم نبوت رتبی کے بھی قائل تھے اور ختم نبوت رتبی کو ماننے سے ختم نبوت زمانی کی نفی تو نہیں ہوتی

مثال سے وضاحت:

اس کی مثال یوں ہے کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی مانتے ہیں آنحضرت ﷺ کو وہ نبی نہیں مانتے مسلمان آنحضرت ﷺ کو بھی نبی مانتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی تو جیسے وہ شخص جھوٹا ہے جو کہے کہ مسلمان عیسیٰ علیہ السلام کو نبی نہیں مانتے ایسے ہی وہ شخص کذاب ہے جو کہے کہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ آنحضرت ﷺ کو اللہ کا آخری نبی نہیں مانتے یا کہے کہ آپ ختم نبوت زمانی کے قائل نہیں۔

ارے منکر ختم نبوت تو وہ ہوں گے جو آپ ﷺ کیلئے خاتمیتِ رتبی یا خاتمیتِ مکانی نہ مانیں۔ جو خاتمیتِ زمانی کے قائل ہوں اور خاتمیتِ زمانی کے منکر کو برملا کافر کہیں وہ ختم نبوت زمانی کے منکر کیسے؟

حضرت نانوتویؒ حیات عیسیٰ علیہ السلام کے قائل ہیں:

پھر حضرت نانوتویؒ حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کے بھی قائل ہیں ان کے نزول کے بھی حضرت کے قلم سے بخاری شریف کا جو حاشیہ ہے اس میں ایک جگہ ہے: وَلَا شَكَّ اَنَّ عِيْسٰى فِى السَّمَاءِ حَىٌّ (بخاری ج ۲ ص ۱۰۴۰ حاشیہ ۱۰) آپؒ یہ بھی فرماتے ہیں: کہ اگر حضرت موسیٰؑ بھی زندہ ہوتے تو میرا ہی اتباع کرتے علاوہ بریں بعد نزول حضرت عیسیٰؑ کا آپ کی شریعت پر عمل کرنا اسی بات پر مبنی ہے (تحذیر الناس طبع گوجرانوالہ ص ۴۴)

مجاہدین ختم نبوت میں حضرت نانوتویؒ کا مقام:

ان حقائق کی بنا پر کیا یہ کہنا بجا نہیں کہ امام اہل قرآن وحدیث، سیدنا الامام الکبیر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہ عقیدۂ ختم نبوت سے شدید عشق تھا آپ اس عقیدے کے بہت بڑے مبلغ ہیں بلکہ آپ عقیدۂ ختم نبوت کے مجدد ہیں اگر آپ کو امیر المومنین فی عقیدہ ختم نبوت کہا جائے تو بالکل درست ہے۔

[حضرت نانوتویؒ کو مرزائیوں سے جوڑنے کی مذموم کوشش]

سید بادشاہ تبسم حضرت نانوتویؒ کی کتاب تحذیر الناس کے بارے میں لکھتا ہے:

عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس کتاب نے قادیانیت کی بنیاد رکھنے میں مرکزی کردار ادا کیا یہ کتاب ۱۸۷۲ء میں لکھی گئی جبکہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی جھوٹی نبوت کا دعویٰ ۱۹۰۱ء میں کیا (ختم نبوت اور تحذیر الناس ص ۲۴)

اولاً: [۱] راقم نے اپنی کتاب ''ختم نبوت اور صاحب تحذیر الناس'' مع تنویر النبر اس ص ۲۰۲ تا ۲۱۱ میں تبسم شاہ کی اچھی خبر لی ہے یہاں ایک اور انداز سے اس کی بات کا جائزہ لیا جاتا ہے وہ یہ کہ مرزا قادیانی خاص سازش کے تحت بالتدریج اس دعوے تک پہنچا، مگر اس کے ارادے بہت پہلے سے خراب تھے۔

ہم نے کتاب حق الیقین میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ مرزا قادیانی بہت پہلے سے کافر تھا اس کا بیٹا مرزا بشیر احمد سیرۃ المہدی ج ۲ ص ۱۵۱ میں لکھتا ہے کہ مرزے کو ۱۸۶۴ء یا ۱۸۶۵ء میں خواب میں مامور ہونے کا اشارہ ہوا، اور مامور ہونے سے اس کی مراد نبی ہونا ہی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ عَبْدًا مَأْمُوْرًا (مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۵، ص ۲۴۹) ''رسول اللہ ﷺ اللہ کے عبد مامور تھے'' (مزید دلائل کے لئے دیکھئے حق الیقین ج ۳ ص ۲۲۰ تا ۲۲۳) مرزا کہتا ہے کہ میں ابھی نوجوان ہی تھا کہ مجھے پتہ تھا کہ میں کسی بڑے کام کیلئے پیدا کیا گیا ہوں (نجم الہدی در روحانی خزائن ج ۱۴ ص ۵۴) اور کہتا ہے کہ میری پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی اور میں ۱۸۵۷ء میں سولہ برس یا سترھویں برس میں تھا (کتاب البریہ، روحانی خزائن ج ۱۳ ص ۱۷۷)

تو مرزا قادیانی ۱۸۵۷ء میں یقیناً جوان تھا، اسی وقت سے اس کے ارادے خطرناک تھے اور تحذیر الناس تو اس کے بہت بعد خود تبسم شاہ کے بقول ۱۸۷۲ء میں لکھی گئی۔ جب ارادے

اس ظالم کے پہلے سے تھے تو بعد میں لکھی والی تحریر کو اس کے دعووں کی بنیاد بنانا کیونکر درست ہے۔لگتا ہے کہ تبسم شاہ کا مرزائیت پر کوئی مطالعہ نہیں۔

[۲] مرزا قادیانی کی کتب میں نہ حضرت نانوتویؒ کا کہیں ذکر ہے،اور نہ تحذیر الناس کا کہیں نام ہے۔ہاں اس کے پہلے مرید اور پہلے جانشین حکیم نوردین کے ہاں جیسے مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ مولانا شاہ عبدالغنی مجددیؒ اور علماء کا ذکر ملتا ہے(دیکھئے روشنی کا سفر ص ۱۸) حضرت نانوتویؒ کا ذکر بھی ملتا ہے(۱) مگر اس میں یہ تو نہیں کہ مرزا قادیانی نے ان کی تعلیمات کو اپنایا ہے اور نہ اس نے مرزائیت کے حق میں مولانا کی کوئی بات نقل کی۔

علاوہ ازیں حضرتؒ کی وفات مرزا کے دعووں سے پہلے ہوگئی مرزا پر علماء لدھیانہ کی طرف سے پہلا فتویٰ ۱۳۰۱ھ کو لگا (رئیس قادیاں ج ۲ ص ۲) اور حضرتؒ کی وفات اس سے چار سال قبل ۱۲۹۷ھ کو ہوئی۔مرزے کے مرنے کے بعد اس کے طرفداروں نے اس کو سچا کرنے

---

۱) ''روشنی کا سفر'' حکیم نوردین کے حالات پہ مرزائیوں کا ایک رسالہ ہے اس میں ایک جگہ لکھا ہے: غالباً ۱۸۷۷ء کے قریب آپ [یعنی حکیم نوردین۔راقم] مکہ سے بمبئی اور پھر دہلی پہنچے یہاں آپ کو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی مجلس میں شامل ہونے کا موقعہ ملا آپ خود [یعنی حکیم نوردین۔راقم] فرماتے ہیں میں نے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو دیکھا ہے بڑے تیز آدمی تھے فلسفیانہ طبع تھی ہر سوال کا جواب فوراً دیتے (روشنی کا سفر ص ۲۱)

ردِ عیسائیت کے موضوع پر حکیم نوردین کی ایک کتاب ہے ''فصل الخطاب'' اس میں ایک جگہ اس نے نماز، زکوۃ، روزے اور حج کی حکمتیں بیان کر کے مولانا نانوتویؒ کا حوالہ دیا۔حکیم نوردین کے الفاظ یوں ہیں:

میرے اکلوتے فرزند نے......مجھ سے نماز اور زکوۃ اور روزے اور حج کے اسرار پر سوال کیا اس وقت میں نے اسے جواب دیا نیاز مندی دو قسم کی ہوتی ہے ایک نیاز مندی خادمانہ، خدام کی نیاز مندیاں اپنے آقا اور بادشاہ کے سامنے، دوسری نیاز مندی عاشقانہ عاشق کی محبوب کے ساتھ (باقی آگے)

کیلئے جب کتابیں لکھیں تو اس کیلئے بہت سے علماء کی عبارات کو ناقص کر کے ان کو اپنے حق میں بنانے کی کوشش کی ان علماء میں ایک حضرت نانوتویؒ بھی ہیں۔

حضرت نانوتویؒ کی خدمات مثالی ہیں:

عقیدۂ ختم نبوت کے بارے میں حضرت نانوتویؒ کی خدمات مثالی ہیں آپ نے سورۂ احزاب کی آیت خاتم النبیین سے خاتمیت کی تین انواع کا اثبات کیا خاتمیت رتبی[مرتبہ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پہلی قسم کے نیازمند کو مناسب ہے درباری لباس پہن کر بڑے ادب اور وقار سے مالک کے دربار میں حاضر ہو اور تمام حکام اور مربیوں کی اطاعت سے کان پر ہاتھ رکھ کر اطاعت کا اقرار کرے ہاتھ باندھ کر حکم کا منتظر رہے جھک کر تعظیم دے زمین پر ماتھا رکھے حضور کے غریب نوکروں کے لئے نذر دے یہی مجملاً حقیقت نماز اور زکوۃ ہے

عاشقانہ نیاز میں ضرور ہے عاشق اپنے محبوب کے سامنے عشق میں بھوک اور پیاس بھی دیکھے نہایت درجہ کے اس محبوب کو بھی جس کی نسبت لکھا ہے انسان ماں باپ کو چھوڑ کر اس سے متحد اور ایک جسم ہوگا کچھ دیر کیلئے ترک کرے اور جہاں یقینی طور پر سن لیا ہو کہ میرے محبوب کی عنایات اور توجہات کا مقام ہے وہاں دوڑتا کودتا سر کے عمامے اور ٹوپی سے بے خبر پہنچے پروانہ وار وہاں فدا ہو کہیں دشمنوں کی روک ٹوک کی جگہ سن پائے تو وہاں پتھر چلا دے یہی مجمل حقیقت روزے اور حج کی سمجھو مولوی محمد قاسم مرحوم نے یہ صوفیانہ تقریر مفصل اپنے کسی رسالے میں لکھی ہے (فصل الخطاب ص ۳۹)

اول: مولانا نانوتویؒ کی کتاب ''حجۃ الاسلام'' میں جسے آپ نے شاہجہانپور کے مباحثوں کیلئے لکھا تھا اس میں یہ حکمتیں مفصل مذکور ہیں حکیم نوردین نے اپنے الفاظ میں ان کا خلاصہ ذکر کیا ہے۔ مگر اس ارکان اسلام کی حکمتوں کا مرزا کے دعووں سے کیا تعلق؟ حجۃ الاسلام میں ختم نبوت کا انکار تو نہیں بلکہ بڑے محکم دلائل سے عقیدۂ ختم نبوت کو ثابت کیا گیا ہے۔ یقین نہ آئے تو اصل کتاب کو دیکھ لیجئے۔

اگر صرف اس وجہ سے حضرت کو بدنام کرنا ہے کہ مرزائی ان کا نام لیتے ہیں تو مرزائی سب سے زیادہ قرآن کا نام لیتے ہیں جگہ جگہ درس دیتے ہیں بیسیوں بلکہ زیادہ زبانوں میں (باقی آگے)

سب سے اعلیٰ ہونا]، خاتمیت زمانی [بعثت میں سب سے آخری ہونا]، خاتمیت مکانی [سات زمینوں میں یہ زمین اعلیٰ ہے آپ ﷺ کا اس زمین میں مبعوث ہونا]۔

حضرت کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ انہوں نے عیسائیوں اور ہندوؤں میں ختم نبوت رتبی اور زمانی کا اعلان کیا بلکہ ان کو منوایا، ایک خوبی یہ ہے کہ شاہجہانپور جس کے مباحثہ میں اس کا اعلان کیا، علاقہ شاہجہانپور دیوبند سے بہت دور اور بریلی رامپور کے قریب ہے یقین نہ ہوتو دنیا کے نقشے کو دیکھ لیجئے۔

کیا وجہ ہے کہ سوائے حضرت نانوتویؒ اور آپ کے رفقاء کے اس میں کوئی شریک نہ ہوا۔ نہ حضرت کو برا کہنے والا کوئی بریلوی گیا نہ کوئی غیر مقلد۔ اور نام نہاد جماعت المسلمین کا تو اس وقت وجود ہی نہ تھا۔ اور یہ مباحثے تحذیر الناس کی اشاعت کے بعد ہوئے ہیں اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت معاذ اللہ تعالیٰ ان مباحثوں کے بعد بدل گئے تھے۔

پروفیسر انوارالحسن شیرکوٹیؒ لکھتے ہیں کہ تحذیر الناس پہلی مرتبہ مطبع صدیقی سے ۱۲۸۹ھ موافق ۱۸۷۳ء کو چھپی (حاشیہ قاسم العلوم مع ترجمہ انوار النجوم ص ۸۱۲) جبکہ شاہجہانپور کے مباحثے ۱۲۹۳ھ اور ۱۲۹۴ھ موافق ۱۸۷۶ء، ۱۸۷۷ء کو ہوئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) قرآن کریم کے تراجم شائع کرتے ہیں۔ لاہوری مرزائیوں کے امیر محمد علی لاہوری نے بخاری شریف کا ترجمہ کیا جسے مرزائیوں نے بہت خوبصورت کر کے شائع کیا۔ قرآن وحدیث کا نام لینے کی وجہ سے قرآن وحدیث کو مرزائیوں کی کتابیں تو نہ مانا جائے گا بلکہ یہی کہا جائے گا کہ یہ لوگ قرآن وحدیث کا نام لے کر دھوکہ دیتے ہیں۔

ایسے ہی حضرت نانوتویؒ سے ان کا کوئی تعلق نہیں مسلمانوں کو دھوکہ دینے کیلئے حضرت کا نام لیتے ہیں۔ بلکہ حضرت کی کتابیں بھی دے دیتے ہیں میں نے خود ایک ساتھی کے پاس تحذیر الناس کی فوٹو سٹیٹ دیکھی جو اسے مرزائیوں نے دی تھی اس پر مرزائیوں کی لائبریری کی مہر بھی نمایاں تھی۔

__شارح مشکوٰۃ ملا علی قاریؒ کا ارشاد:__

ذمہ دار مؤرخ کی شہادت:

جناب ایوب قادری صاحب ایم اے لکھتے ہیں:

میلہ خداشناسی شاہجہانپور

انگریزی حکومت نے ایک خطرناک سازش یہ کی کہ ہندوؤں کو مسلمانوں کے مقابلے میں لا کھڑا کیا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کو سیاسی اہمیت حاصل رہی تھی انگریزوں نے اپنی پالیسی کے تحت ہندوؤں کو بڑھایا اور مسلمانوں کو گھٹایا جب معاشی وسیاسی میدان میں ہندو آگے بڑھ گئے تو ان کو مذہبی برتری کی راہ سجھائی اور ہندوؤں کو مسلمانوں کے مقابلے میں مناظرے کیلئے تیار کیا اور اس کے مواقع بھی بہم پہنچائے گئے کہ ہندو مسلمانوں سے کھلے عام مناظرے کریں۔

شاہ جہان پور (یوپی) کے قریب چاندار پور گاؤں میں یہاں کے زمین دار پیارے لال کبیر پنتھی، پادری نولس کی سربراہی اور رابرٹ جارج گری کلکٹر شاہ جہاں پور کی تائید اجازت سے ۷، ۸ مئی ۱۸۷۶ء کو ایک ''میلہ خداشناسی'' منعقد ہوا، جس میں عیسائی ہندو اور مسلمان تین مذہب کے نمائندوں کو بذریعہ اشتہارات دعوت دی گئی کہ وہ اپنے اپنے مذاہب کی حقانیت کو ثابت کریں۔ مولانا محمد منیر نانوتوی اور مولوی الٰہی بخش رنگین بریلوی کی تحریک پر مولانا محمود الحسن، مولوی رحیم اللہ بجنوری اور مولانا فخر الحسن کے ہمراہ مولانا محمد قاسم نانوتوی اس میلے میں پہنچے۔ مولانا نانوتوی کے علاوہ مولانا ابو المنصور دہلوی، مرزا موحد جالندھری، مولانا احمد علی دہلوی، میر حید ر دہلوی، مولوی نعمان بن لقمان اور مولوی رنگین بریلوی بھی شریک ہوئے اور ان تمام علماء نے اس میلہ میں تقاریر کیں اور ان کا خاطر خواہ اثر ہوا مولانا محمد قاسم نانوتوی نے ابطال تثلیث و شرک اور اثبات توحید پر ایسا بیان کیا کہ حاضرین جلسہ مخالف وموافق مان گئے۔ ایک اخبار لکھتا ہے:

''۸ رمئی سنہ حال (۱۸۷۶ء) کے جلسے میں مولانا قاسم صاحب نے درس دیا اور

فضائل اسلام بیان کیۓ پادری صاحب نے تثلیث کا بیان عجیب طور سے ادا کیا کہ ایک خط میں تین اوصاف پائے جاتے ہیں طول، عرض، عمق سو تثلیث ہر طرح ثابت ہے مولوی صاحب نے اس کا رد اُسی وقت کر دیا۔ [پادری کے بیان کیلئے دیکھئے میلہ خدا شناسی ص ۳۹، ۴۰ حضرت کے جواب کیلئے دیکھئے ص ۴۲ تا ص ۴۶] پھر پادری صاحب اور مولوی صاحب تقدیر کے معاملے میں بحث کرتے رہے [پادری کے بیان کیلئے دیکھئے میلہ خدا شناسی ص ۴۰، ۴۱۔ حضرت کے جواب کے لئے دیکھئے ص ۴۶ تا ۴۹] اس میں جلسہ برخواست ہوگیا۔ تمام قرب وجوار اور چاروں طرف شور مچ گیا کہ مسلمان بازی جیت گئے۔ جہاں ایک عالم اسلام کا کھڑا ہوتا اس کے اردگرد ہزاروں آدمی جمع ہو جاتے اول روز کے جلسے میں جو اعتراضات اہل اسلام کے تھے ان کا جواب عیسائیوں نے کچھ نہ دیا مسلمانوں نے عیسائیوں کے جوابات حرف بہ حرف دیئے اور فتح یاب ہوئے [حاشیہ میں ہے: اخبار خیر خواہ عالم، دہلی ۱۹ رمئی ۱۸۷۶ء، بہ حوالہ تاریخ صحافت اردو ج دوم حصہ اول ص ۴۴۱۔ ۴۴۲ نیز دیکھئے دی آریہ سماج انگریزی ص ۲۲، از دیوان چند]

دوسرے سال مارچ ۱۸۷۷ء میں یہ میلہ پھر منعقد ہوا اب کی مرتبہ مولانا محمد قاسم نانوتوی کو اسٹیشن سے مولوی حفیظ اللہ خان وغیرہ لے گئے اور مولوی عبدالغفور کے مہمان ہوئے۔ اس مرتبہ منشی اندرمن مرادآبادی اور آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانند جی (ف ۱۸۸۳ء) بھی شریک ہوئے۔

دیانند جی نے سنسکرت آمیز ہندی میں تقریر بھی کی پادری نولس نے ایک دوسرے پادی اسکاٹ کو بھی بلایا تھا مولانا محمد قاسم کے ہمراہ مولوی محمد علی بچھرایونی تھے مولانا محمد قاسمؒ کی تقاریر بحث وجود اور توحید اور تحریف پر ہوئیں اور نہایت کامیاب رہیں۔

اس مرتبہ علمائے اسلام کے طعام وقیام کے فرائض محمد طاہر موتی میاں نے انجام دیئے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی نے میلہ خدا شناسی میں دونوں سال شریک ہوکر عیسائیوں

اور ہندوؤں کی سازش کو ناکام بنادیا۔

[اس کے بعد جناب ایوب قادری صاحب لکھتے ہیں]

ایک بات یہاں خاص طور سے غور طلب ہے کہ "میلہ خدا شناسی شاہ جہاں پور" اعلان واشتہار کے ساتھ دو سال منعقد ہوا، اور اس میں ایک طرح سے مذہب اسلام کو چیلنج کیا گیا تھا شاہ جہاں پور سے بریلی اور بدایوں بالکل قریب اور متصل اضلاع ہیں مگر اس میلے میں علمائے بدایوں اور بریلی کی کسی دلچسپی کا کوئی سراغ نہیں ملتا[کتاب مولانا محمد احسن نانوتوی ص۲۱۹ تا۲۲۲]

جناب ایوب قادری صاحب ہی اس کتاب کے ص۲۲۲،۲۲۳ میں لکھتے ہیں:

مناظرہ رڑکی:

"شوال ۱۲۹۴ھ (اکتوبر ۱۸۷۷ء) میں مولانا محمد قاسم نانوتوی علمائے کرام کی ایک جماعت کے ساتھ حج کے لئے تشریف لے گئے ربیع الاول ۱۲۹۵ھ (مارچ ۱۸۷۸ء) میں واپس ہوئے واپسی میں جدہ سے مولانا نانوتوی ؒ کی طبیعت خراب ہوگئی وطن آکر طبیعت کسی قدر سنبھل گئی مگر مرض دفع نہ ہوا۔ اسی سال شعبان ۱۲۹۵ھ (اگست ۱۸۷۸ء) میں رڑکی سے اطلاع ملی کہ پنڈت دیانند جی یہاں پہنچے ہیں اور مذہب اسلام پر اعتراض کرتے ہیں مولانا نانوتوی باوجود کمزوری اور بیماری کے رڑکی پہنچے ہر چند چاہا کہ مجمع عام میں پنڈت جی سے گفتگو ہوجائے مگر وہ اس کے لئے تیار نہ ہوئے اور رڑکی سے چل دیئے مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ایما پر مولانا فخر الحسن اور مولانا محمود الحسن نے عام جلسوں میں تقریریں کیں اور پنڈت جی کو چیلنج دیا۔ مولانا نانوتوی نے پبلک جلسے میں ان کے اعتراضات کے جواب دیئے اور استقبال قبلہ کے جواب میں ایک رسالہ لکھا۔

اس کے بعد پنڈت دیانند جی میرٹھ پہنچے انہوں نے وہاں بھی وہی انداز اختیار کیا مسلمانان میرٹھ کی درخواست پر مولانا نانوتوی میرٹھ پہنچے پنڈت جی نے وہاں بھی گفتگو نہ کی اور چلتے بنے مولانا نانوتوی نے میرٹھ میں جلسہ عام میں تقریر کی اور اعتراضات کے جوابات دیئے"۔

﴿ کچھ زمینی نقشوں کے بارے میں ﴾

اگلے صفحات میں تین نقشے دیئے جا رہے ہیں پہلا نقشہ پورے ہندوستان ہے اس میں بیضوی دائرے سے ۱۸۷۶ء اور ۱۸۷۷ء میں مسلمانوں ہندوؤں اور عیسائیوں کے درمیان ہونے والے مباحثوں سے متعلقہ علاقوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ان میں چار ضلعے بالخصوص قابل ذکر ہیں شاہجہانپور، بریلی، دہلی اور سہارنپور۔ان میں شاہجہانپور وہ علاقہ ہے جہاں یہ مباحثے منعقد ہوئے اس کے قریب بریلی کا علاقہ ہے پھر دہلی اور پھر ضلع سہارنپور جس میں دیوبند کا علاقہ بھی ہے جہاں سے حضرت نانوتویؒ اپنے رفقاء کے ساتھ نکلے اور دہلی سے ہوتے ہوئے شاہجہانپور پہنچے۔

دوسرے نقشے میں خاص اس حصے کو بڑا کر کے دکھایا گیا ہے تا کہ سمجھنے میں آسانی رہے۔اس سے پہلے بڑے نقشے کو دینے کا مقصد یہ ہے کہ پورے ہندوستان کا نقشہ اکثر لوگوں کے ذہن میں ہوتا ہے اس لئے پورے نقشے سے محل وقوع کو سمجھنا آسان ہے۔تیسرا نقشہ خاص ضلع شاہجہانپور کا ہے اس میں علاقہ چاندا پور کی نشاندہی کی گئی ہے جو ان مباحثوں کا محل انعقاد تھا۔اس تیسرے نقشے سے واضح نظر آتا ہے کہ بریلی اور بدایوں شاہجہانپور سے متصل اضلاع ہیں۔

<u>ان کو دینے کا مقصد:</u>

مقصد یہ ہے کہ آپ کو پتہ چلے کہ حضرت نانوتویؒ دور ہونے کے باوجود اپنے رفقاء کے ساتھ ان مباحثوں میں شریک ہوئے اور اس بات کا اعلان کر کے آئے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں اور اب نجات فقط آپ ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کی اتباع میں ہے سوال یہ ہے کہ بریلی اور بدایوں سے باوجود قریب ہونے کے حضرت کے ناقدین سے کوئی ان مباحثوں میں شریک کیوں نہ ہوا حالانکہ مولانا احمد رضا خان بریلوی جو ۱۴ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے ان کی عمر پہلے مباحثے کے وقت ۲۱ سال دوسرے مباحثے کے وقت ۲۲ سال تھی، اور ان کے والد جن کے ساتھ دوسرے مباحثے سے اگلے سال ۱۲۹۵ھ میں حج کیلئے گئے (دیکھئے نزھۃ الخواطر ج ۸ ص ۵۰) وہ تو بڑی عمر کے تھے۔اگر ایک سال کوئی سفر میں تھا تو دوسرے سال شریک ہو جاتا۔شرکت کا موقع نہ ملا تو اسلام کی ترجمانی کیلئے کوئی کتاب ہی چھوڑ جاتا مگر ایسا بھی نہیں۔

<u>حضرت کی ان کتابوں کا ایک اہم فائدہ:</u>

ہندو کہتے ہیں مباحثے میں ہم جیتے (دیکھو ستیارتھ پرکاش طبع دہم ص ۲۳،۲۴) حضرت کے معتقدین کے پاس مباحثوں کی روئیدادیں، انتصار الاسلام اور قبلہ نما جواب کیلئے کافی ہیں حضرت کے ناقدین کے پاس مباحثوں کے حوالے سے ہندوؤں کے اس بہتان کا کیا جواب ہے؟

Saharanpur
Meerut
Delhi
Moradabad
Bareilly
Shahjahanpur
Aligarh
Alwar
Lucknow
Jaipur
Fyzabad
Jaunpur
T
N
E
P
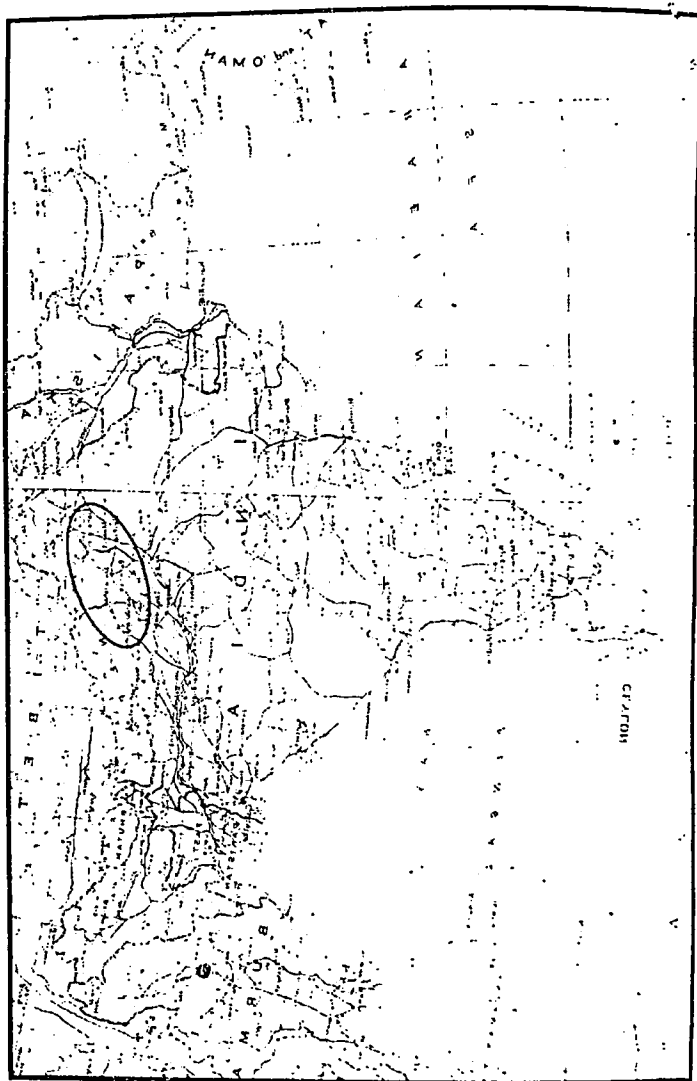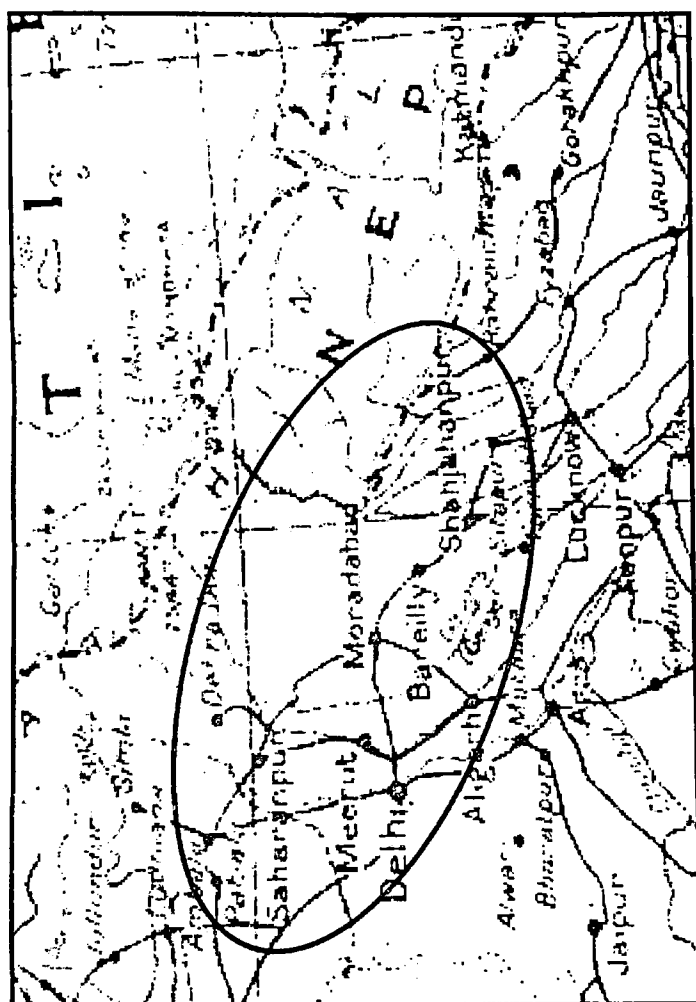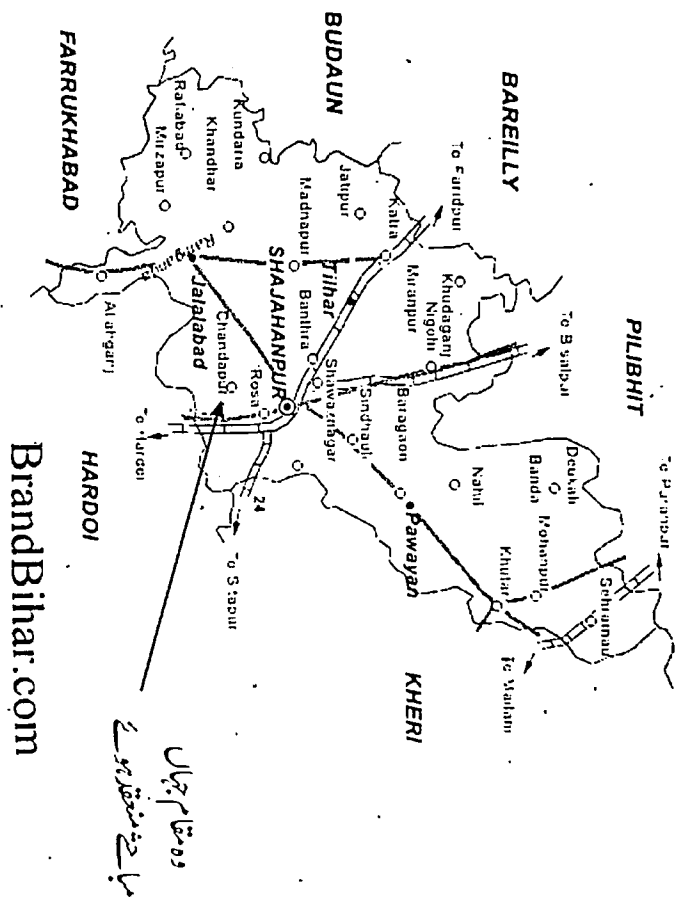
﴿حضرت نانوتویؒ کے ناقدین سے دوٹوک باتیں﴾

پہلی بات:

مرزائی کھلم کھلا بہت سے کفریات کا ارتکاب کرتے ہیں مثلاً ختم نبوت کا انکار کرتے ہیں، مرزے کو نبی مانتے ہیں کہتے ہیں کہ نزول کی احادیث میں عیسیٰ نبی اللہ سے مراد معاذ اللہ مرزا قادیانی ہے، قرآنی آیات کے معنی خراب کر کے اپنے کفریات پر استدلال کرتے ہیں، وہ اگر حضرتؒ کو اپنی طرح منکر ختم نبوت بتائیں تو وہ اس زمرے میں ہیں:

وَمَنْ يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا

(النساء:۱۱۱) ''اور جو گناہ کمائے تو اس کی کمائی اس کی جان پر پڑے اور اللہ علم و حکمت والا ہے''

(کنزالایمان ص ۱۴۰)

دوسری بات:

اور جو خود کو مسلمان کہے ختم نبوت کا اقرار کرے مگر کفریہ عبارت بنا کر دوسروں کے ذمہ لگائے وہ اس زمرے میں ہے: وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا (النساء:۱۱۲) ''اور جو کوئی خطا یا گناہ کمائے پھر اسے بے گناہ پر تھوپ دے اس نے ضرور بہتان اور کھلا گناہ اٹھایا'' (کنزالایمان ص ۱۴۰)

یعنی اسے کفر کرنے کا گناہ بھی ہوگا اور بہتان باندھنے کا بھی۔ چونکہ حضرت نانوتویؒ نے کہیں بھی ختم نبوت کا انکار نہیں کیا، لوگ خود ہی کفر بنا کر ان کے ذمہ لگاتے ہیں اس لئے وہ اس النساء آیت کا مصداق بنتے ہیں۔ یعنی ان کے نامہ اعمال میں دہرا گناہ لکھا جاتا ہے کفر کرنے کا بھی اور دوسرے کے ذمہ لگانے کا بھی۔

تیسری بات:

جیسے سچے کو جھوٹا کہنا گالی ہے، اس سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے مومن کو کافر کہنے سے

مومن کو تکلیف پہنچتی ہے، اور اگر ختم نبوت کے مجاہد کو منکر ختم نبوت کہہ کر بدنام کیا جائے اس سے اسے بہت تکلیف پہنچتی ہے اس لئے جو لوگ حضرت نانوتویؒ کو اور ان کی وجہ سے دیوبندیوں کو منکر ختم نبوت کہہ کر بدنام کر کے ان کو ایذاء پہنچاتے ہیں ان کو یہ آیت بھی یاد رکھنی چاہئے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا (الاحزاب:۵۸) ''اور جو لوگ ایمان والے مردوں اور عورتوں کو بے کئے ستاتے ہیں انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر کر لیا'' (کنزالایمان ص ۶۱۷)

<u>چوتھی بات:</u>

جو لوگ ختم نبوت کا اقرار کرتے ہیں پھر حضرت نانوتویؒ کو منکر ختم نبوت کو کافر کہہ کر کافر کہتے ہیں وہ اگر حضرتؒ کی عبارات کو ناقص کر کے خود عبارت بناتے ہیں تو وہ سورۃ النساء آیت ۱۱۲ کی وعید میں ہیں، اور اگر مرزائیوں کی نقل پر اعتماد کرتے ہیں تو درج ذیل آیات پر عمل کو ترک کئے ہوئے ہیں:

''يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ م بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ (الحجرات:۶) ''اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو کہ کسی قوم کو بے جا ایذا نہ دے بیٹھو پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہ جاؤ''۔ (کنزالایمان ص ۷۴۶)

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ج تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ط كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (النساء:۹۴) ''اے ایمان والو! جب تم جہاد کو چلو تو تحقیق کر لو اور جو تمہیں سلام کرے اسے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں تم جیتی دنیا کا اسباب چاہتے ہو تو اللہ کے پاس بہتری غنیمتیں ہیں پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ نے تم پر احسان کیا تو تم پر تحقیق کرنا لازم ہے بے شک اللہ کو

تمہارے کاموں کی خبر ہے'' (ایضاً ص ۱۳۶)

ایسے لوگ دراصل مرزائیوں کی طرف سے لڑ رہے ہیں ان کو پتہ ہونا چاہئے کہ اللہ کا فرمان ہے: هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَمْ مَّنْ یَّكُوْنُ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا (النساء:۱۰۹) ''سنتے ہو یہ جو تم ہو دنیا کی زندگی میں تو ان کی طرف سے جھگڑے تو ان کی طرف سے کون جھگڑے گا اللہ سے قیامت کے دن یا کون ان کا وکیل ہوگا'' (کنزالایمان ص ۱۴۰)

تنبیہ: ہماری اس تحریر کا مقصد مرزائیوں کو خوش کرنا نہیں ہم تو کہتے ہیں کہ فاضل بریلوی کو ان عبارات کے سمجھنے میں تسامح ہوا ہے بریلویوں اور غیر مقلدوں کو چاہئے کہ حضرت نانوتویؒ کے بارے میں موقف درست کرلیں اگر حضرت نانوتویؒ خدانخواستہ عقیدۂ ختم نبوت کے منکر تھے تو ہم ان سے بری ہیں اور اگر وہ ختم نبوت زمانی کے منکر نہیں اور یقیناً نہیں تو کفر بہتان اور تائید مرزائیت کے گناہ ان کو منکر ختم نبوت کہنے والوں پر۔ کیا تم ان گناہوں کے عذابوں کو برداشت کرنے کیلئے تیار ہو؟ فَمَا اَصْبَرَكُمْ عَلَی النَّارِ۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا، اَللّٰهُمَّ اَعِذْنَا۔

انسان اپنے کسی عمل پر فخر نہ کرے اللہ کی رحمت کی امید بھی رکھے اور اس سے ڈرتا بھی رہے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

اس کے باوجود کہ عمر چالیس سال سے زیادہ ہو چکی ہے اعضاء ضعیف اور سست ہو گئے موت اور سفر آخرت درپیش ہے لیکن زادِ راہ جو سید الاولین والآخرین کی متابعت پر مشتمل ہے میں سے کچھ ہاتھ میں نہیں آیا اور خوف و حیرت اس وجہ سے بڑھ گئی ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اکثر ما یسلب الایمان عند النزع (اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا ایمان نزع کے وقت سلب کیا جاتا ہے) معلوم نہیں کہ جان کنی کے وقت کیا پیش آئے سعادت یا شقاوت (مکتوبات قدوسیہ ص ۱۹۵)

یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰی دِیْنِكَ۔ آمین۔

﴿اس مجموعہ کی اشاعت کا باعث﴾

راقم نے طالب علمی میں حضرت نانوتویؒ کی متعدد کتب خود پڑھیں، دورۂ حدیث کے سال امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحبؒ سے ان کی اجازت لی۔ جو دو واسطوں سے حضرت نانوتویؒ کے شاگرد تھے۔ طلبہ کو دیکھا کہ وہ حضرت کی کتابوں کو مشکل (۱) سمجھ کر ان سے خائف رہتے ہیں راقم الحروف نے مانوس کرنے کیلئے اپنی بعض کتابوں میں جا بجا حضرتؒ کی عبارات ذکر کیں جیسے ''اساس المنطق''، ''آیاتِ ختم نبوت''، ''حضرت نانوتویؒ اور خدماتِ ختم نبوت''، ''حق الیقین بان سیدنا محمدا ﷺ خاتم النبیین'' اور ''عمدۃ التفاسیر'' وغیرہ۔

اس مجموعہ میں شامل کتابیں:

مگر اصل کتب کا مطالعہ اپنی ہی افادیت رکھتا ہے اس لئے طلبہ کو حضرت نانوتویؒ کی کتب کے مطالعہ کی ترغیب بھی دی، چونکہ حضرتؒ کی اکثر کتب بازار میں دستیاب نہیں اس لئے سوچا کہ اُن میں سے جو نہایت آسان اور دلچسپ ہیں ان کو تو مختصر سوانح کے ساتھ شائع کریں اس مقصد کیلئے درج ذیل کتابوں کو یکجا شائع کرنے کا پروگرام بنا [۱] میلہ خدا شناسی [۲] مباحثہ شاہجہانپور [۳] حجۃ الاسلام طبع دیوبند [۴] حجۃ الاسلام طبع مجتبائی دہلی [۵] تحفہ لحمیہ [۶] اسرار الطہارہ [۷] سوانح عمری از مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ

اس مجموعہ کی ترتیب کے بارے میں:

کتاب ''حجۃ الاسلام'' اگرچہ ''میلہ خدا شناسی'' اور ''مباحثہ شاہجہانپور'' سے پہلے کی تصنیف ہے مگر چونکہ ''میلہ خدا شناسی'' اور ''مباحثہ شاہجہانپور'' زیادہ دلچسپ ہیں اس لئے ان کو

---

۱) [۱] اگر حضرت کی بعض کتابیں مشکل ہیں تو اس کا حل یہ نہیں کہ ان کو ترک ہی کر دیا جائے بلکہ اس کا حل یہ ہے کہ پہلے آسان کتابوں کو پڑھ کر حضرت کے طرزِ تحریر کو سمجھ لیں پھر محنت کر کے دوسری کتابوں کو حل کرنے کی کوشش کریں جیسے منطقی کہتے ہیں نظری کو بدیہی سے حاصل کرو۔

اگر کسی کتاب کے مشکل ہونے کا حل یہی ہے کہ اس کتاب کو ترک کر دیا جائے (باقی آگے)

مقدم کیا۔ "حجۃ الاسلام" طبع مجتبائی میں کچھ اضافہ ہے مگر اس کی لکھائی صاف نہیں اس لئے اس کو طبع دیوبند کے بعد رکھا، اور اس میں جو اضافہ ہے اس کو کمپوز کروا کر بھی ساتھ لگا دیا ہے "تحفہ لحمیہ"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تو باقی کتابیں بعد میں، سب سے پہلے نورانی قاعدے کو چھوڑنا چاہئے کیونکہ "وَالصّٰٓفّٰتِ" وغیرہ کے ہجے ہر طالب علم تو نہیں کر سکتا۔ علاوہ ازیں اگر نورانی قاعدہ مشکل نہیں تو درسِ نظامی سے فارغ التحصیل علماء کو نورانی قاعدے کی تدریس کے کورس کیوں کروائے جائیں؟

ان کتابوں کی اہمیت سمجھو:

اصل بات یہ ہے کہ جس چیز کی قدر ہوتی ہے اس کیلئے محنت بھی ہو جاتی ہے اخراجات بھی ہو جاتے ہیں مولانا مشتاق احمد چرتھاولیؒ کتاب علم الصرف حصہ اول کے خطبہ میں لکھتے ہیں:

اگر آج ہندوستان میں عربی سرکاری زبان ہوتی تو ہر شخص اس کو دِلی شوق و رغبت سے حاصل کرتا، اور کبھی بھول کر بھی کسی قسم کے اشکال کی شکایت زبان پر نہ لاتا جیسے انگریزی کہ باوجود ہزار بے قاعدگیوں کے ہر دلعزیز ہو رہی ہے اور جس کو موقع ملتا ہے وہ اس کے بے تکے پن سے آنکھیں بند کر کے عمر کا ایک معقول حصہ اس کی تحصیل میں صرف کر دیتا ہے مگر چونکہ عربی محض مذہبی زبان کی حیثیت سے ہندوستان میں پڑھی جاتی ہے اس لئے مذہب کی قدر نہ جاننے والے اس با قاعدہ اور شاندار زبان میں ہزاروں اشکال بتانے کیلئے ہر وقت تیار رہتے ہیں [یاد رہے کہ علم الصرف حصہ اول، علم الصرف حصہ سوم اور علم النحو کے قدیم نسخوں میں مولانا چرتھاولی کے قلم سے لکھے ہوئے خطبے موجود تھے مگر موجودہ نسخوں میں نہیں ملتے راقم نے ان کو محفوظ کرنے کیلئے کتاب بستان الصرف ص ۷، ۸، ۹۶ میں لگا دیئے ہیں۔ راقم] اگر حضرت نانوتویؒ کی کتب کی وجہ سے ایم فل کی ڈگری ملتی ہو، یا آب حیات کو حل کرنے کی وجہ سے پی ایچ ڈی ہوتا ہے یا وفاق کے امتحانات میں ان کی بابت سوالات آتے ہوں تو پھر پتہ چلے کہ حضرتؒ کی کتب پر محنت ہوتی ہے یا نہیں؟

مولانا کی بات بالکل بجا ہے دیکھئے سکول و کالج والے اپنا نصاب مشکل سے (باقی آگے)

زیادہ آسان ہے مگر پہلی کتابیں زیادہ دلچسپ ہیں اس لئے اس کو قدرے مؤخر رکھا۔ حضرت کی سوانح عمری کو اس لئے مؤخر کیا کہ پہلی کتابیں پڑھ کر طالب علم عقیدت ومحبت سے حضرت کی سوانح پڑھے۔

اس کام کو اپنے گھر سے شروع کرتے ہوئے ان کتب کے مطالعہ اوران پر سوالات بنانے کی ذمہ داری عزیزم حافظ محمد معاذ احمد پر ڈالی جو رمضان المبارک میں تعطیلات گزارنے گھر آیا ہوا تھا۔ راقم تو ۲۱ر رمضان تا ۱۳ر شوال ۱۴۳۹ھ مطابق ۶ر جوان تا ۲۸ر جون ۲۰۱۸ء حرمین کے سفر میں گیا۔ بعد میں عزیز القدر نے ان کو پڑھا سوالات بنائے بہت خوش ہوا کہ واقعی یہ کتابیں سمجھ آتی ہیں اور بہت فائدہ ہوتا ہے یاد رہے کہ دو رسالوں کے سوالات آں عزیز کے بنائے ہوئے نہیں مباحثہ شاہجہانپور اور اسراز الطہارہ، کیونکہ مباحثہ شاہجہانپور کے سوالات میں کافی پہلے بنا چکا تھا۔ اور اسرار الطہارۃ کو اس مجموعہ میں شامل کرنے کا جب ارادہ بنا اس وقت آں عزیز تعلیم کیلئے کراچی جا چکے تھے یَحْفَظُهُ اللّٰهُ وَيَرْعَاهُ۔ آمین

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مشکل کرتے جارہے ہیں اس پر کوئی احتجاج نہیں کرتا بلکہ مشکل نصاب کو پڑھنے پڑھانے والوں کی قدر بڑھ جاتی ہے۔ درس نظامی کے طلبہ ہی جب سکول جاتے ہیں تو فیسیں بھی بھرتے ہیں اور محنت بھی کرتے ہیں۔

گوجرانوالہ میں ملت سائنس کالج کی ایک معلمہ لکھتی ہے:

سائنس وٹیکنالوجی کے اس دور میں تعلیم وتربیت کا حصول ناگریز حیثیت اختیار کر چکا ہے سال بہ سال اعلیٰ تعلیم کے لئے مقابلے کی فضا مشکل سے مشکل ہوتی جارہی ہے جس میں صرف محنتی، ذہین اور وقت کا صحیح استعمال کرنے والے طلباء ہی کامیابی کے اہل قرار پارہے ہیں جبکہ رٹہ لگانے والے طلباء نااہل ٹھہرائے جارہے ہیں۔ (پراسپیکٹس ملت سائنس کالج ۲۰۰۸ء)

طلبہ سے درخواست:

اب طلبہ سے درخواست ہے کہ وہ خود بھی حضرتؒ کو پڑھیں دوسروں کو بھی ترغیب دیں آج نہیں تو کل آپ کو یہ چیزیں کام آئیں گی کیونکہ رابطوں کی دنیا سمٹ جانے سے علماء کی ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں ممکن ہے پاکستان میں رہتے ہوئے آپ کو امریکہ اور یورپ کے لوگوں کو مطمئن کرنا پڑے، خالص مسلمانوں کے ماحول میں رہتے ہوئے تمہیں ہندوؤں کے شبہات کا ازالہ کرنا پڑے۔

ان شاء اللہ ان رسالوں میں آپ کو وہ مضامین ملیں گے جو عام کتب تو اپنی جگہ علم کلام کی بڑی بڑی کتب میں بھی نہ ملیں (۱) مثلاً وجودِ خداوندی کے نئے محکم دلائل ☆ اللہ نے کائنات کو بغیر مادے کے کیسے بنادیا؟ ☆ خدا تعالیٰ مطاعِ مطلق کیوں؟ ☆ انبیاء کی ضرورت ☆ انبیاء میں کونسے اوصاف ہونے چاہئیں پھر ان اوصاف کا نبی کریم ﷺ میں کامل طور پر پایا جانا ☆ آپ کا خاتم النبیین ہونا ☆ آپ ﷺ کے معجزات کی دیگر انبیاءؑ کے معجزات پر فوقیت ☆ انجیل سے نبی ﷺ کے آخری نبی ہونے کا ثبوت۔ ☆ پھر حضرتؒ کے ہاں سائنس کے وسیع علم کی ضرورت نہیں سورج چاند کی مثال سے حضرت نے کتنے ہی دقیق مسائل کو عام فہم بنادیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس عاجز اور حافظ محمد معاذ احمد حفظہ اللہ کی اس محنت کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے آمین

فقط

بندہ محمد سیف الرحمٰن قاسم

غَفَرَ اللّٰهُ ذُنُوْبَهٗ وَسَتَرَ عُيُوْبَهٗ

گوجرانوالہ

۷/۱۱/۳۹ھ......۲۱/۷/۱۸ء......رات ۱۱ بجکر ۳۰ منٹ

---

۱) یہ بھی پتہ چلے گا کہ تبلیغ کیسے کرنی ہے؟ اللہ سے ڈرتے ہوئے رو رو کر مانگنا ہے نیک بندوں سے بھی کروانی ہیں پھر اللہ کامیابی دے تو فخر کر کے اسے اپنی نہیں اہل اسلام کی کامیابی کہنا ہے۔ تبلیغ کیلئے بیماری میں پیدل بھی چل کر جانا ہوگا، قرض لے کر بھی نکلنا پڑے گا۔

۲) مگر ان اوصاف کو مرزے تلاش نہ کرنا حضرت نانوتویؒ کا واسطہ ان لوگوں کے ساتھ تھا جن کا دین اسلام سے پہلے کا تھا مرزے کے جھوٹا ہونے کیلئے عقیدۂ ختم نبوت ہی کافی ہے۔

۱) اثباتِ نبوت کو معمولی موضوع مت سمجھنا، قرآن کریم میں اللہ نے جابجا توحید کی طرح جابجا آپؐ کی نبوت کو ثابت کیا ہے کفار نے پریشان کیا تو قرآن نے آپ کو تسلی دی مثلاً ایک جگہ فرمایا: وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ (الرعد:۴۳)

میلۂ خداشناسی

از حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
بانیٔ دارالعلوم دیوبند

مشہور مذہبی مناظرہ میلۂ خداشناسی کی مفصل کیفیت و رُوداد اور آنکھوں دیکھا حال جو بمقام شاہجہانپور سنہ ۱۲۹۲ھ میں منعقد ہوا اور جس میں ہندو عیسائی اور مسلمان علماء نے حصّہ لیا اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گفتگوئے مذہبی

۱۲ھ ۹۳

واقعہ میلہ خدا شناسی

۱۲ھ ۹۳

اس مشہور مذہبی مناظرہ کی مفصل کیفیت و روداد جو متصل شاہ جہاں پور ہندو، عیسائی اور مسلمانوں کے علماء کے درمیان ہوا اور جس کو جناب محمد ہاشم علی صاحب مہتمم مطبع ہاشمی و جناب محمد حیات صاحب مطبع ضیائی میرٹھ نے قلم بند و شائع کرایا تھا اور جس میں سب سے زیادہ قابلِ ذکر تقریر ہے۔

از حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، بانی دارالعلوم دیوبند

اضافہ عنوانات و پیراگراف از مولانا عتیق احمد نجیب

ناشر

دارالاشاعت

مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

ناشر کی طرف سے

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے خاندان کے شاگردانِ رشید بزرگانِ دیوبند نے برصغیر میں اشاعت اسلام اور علوم اسلامی کی جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں وہ روزِ روشن کی طرح ظاہر ہیں۔ اور اس برصغیر میں آج جو کچھ دینِ اسلام نظر آتا ہے وہ انہی بوریہ نشین و خداست بزرگوں اور علماء کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہم نے انہی محسن بزرگوں کے حالات تصانیف اور علمی کارناموں کو بالکل فراموش کر دیا جس کی وجہ سے اُن کی تصانیف نایاب ہو رہی ہیں، انہی بزرگوں میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند ہیں۔

جن کی سب سے بڑی اور زندۂ جاوید یادگار تو مدرسہ دارالعلوم دیوبند ہے جس سے پورے عالم میں اور برصغیر میں خصوصیت کے ساتھ علم دین کی عظیم الشان خدمات انجام دی گئیں۔

اور اس کے فارغ التحصیل علماء اب بھی ہند و پاکستان میں خصوصًا اور اس سے باہر مدارس تصنیف تالیف اور دوسرے ذرائع سے علم دین کی اس شمع کو روشن کئے ہوئے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی تصانیف جو جواہرات کا بیش قیمت خزانہ ہیں ان کی طرف سے غفلت قابلِ صد افسوس ہے۔

مکتبہ دارالاشاعت جو آج سے تقریباً پچاس سال قبل حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں قائم ہوا اور جو آج بھی الحمد للہ اسلامی علوم و فنون اور بزرگانِ دیوبند کی تصانیف و کارناموں کی اشاعت میں بھرپور حصہ لے رہا ہے اب ہم نے اس ادارہ کی طرف سے حضرت نانوتویؒ کی جملہ تصانیف کی اشاعت کا ایک جامع پروگرام مرتب کیا ہے۔

خیال ہے کہ ان تصانیف کو بہتر سے بہتر طریقے پر اس طرح شائع کیا جائے کہ جن سے عوام و خواص دونوں فائدہ اٹھا سکیں۔
مثلاً پیراگراف، عنوانات اور فہرست مضامین اور جہاں ضرورت ہو فٹ نوٹ کا اضافہ کیا جائے اور طباعت کے اعلیٰ معیار اور پوری صحت کیساتھ یہ علمی جواہرات منظر عام پر لائے جائیں چنانچہ اس سے قبل
تصفیۃ العقائد، تحذیر الناس، حجۃ الاسلام، معارف نانوتویؒ، ہم شائع کر چکے ہیں۔
اب گفتگوئے مذہبی یا میلہ خدا شناسی (یہ اس کتاب کا تاریخی نام ہے) پیش کی جا رہی ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب آپ کی دوسری تصانیف بھی اسی شان سے اشاعت پذیر ہوں گی۔
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس سعی کو قبول فرمائے آمین

بندہ محمد رضی عثمانی

۹ رشوال ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء

فہرست مضامین میلہ خداشناسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گفتگوئے مذہبی

۱۲ ھ ۹۲

جو بمقام شاہجہانپور ہندو، عیسائی، مسلمانوں کے علماء نے کی

واقعہ میلہ خدا شناسی

۱۲ ھ ۹۳

مولانا مولوی محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر پُر تاثیر قابل ملاحظہ ہے

جہاں پر آفتاب وچشم ہا کور جہاں پر از حدیث وگوش ہا کر

خدائے جل جلالہ کی توحید کا نعرہ ابتدا سے بلند ہوا ہے اور یہی ایک چیز ہے کہ انتہا تک جسکا زور وشور ایک جہاں کے دلوں کو زندہ کرتا ہی رہے گا۔ میدانِ توحید کے پیشرو اور اس منزل یکتائی کے رہنما تو ہر زمانہ میں ہوتے رہے لیکن آخری دور میں جس نے توحید کا ڈنکا بجایا اور ہر نسل انسانی میں خدا پرستی کا سکہ بٹھایا اور اس سرے سے اُس سرے تک دنیا کو خواب غفلت سے جگایا اس کی حقیقت اور سچائی کا اعتراف بھی ایسا ہی واجب ہے جیسا کہ توحید کا اقرار ہر قلب سلیم اور عقل مستقیم کے لئے ایک امر وجدانی ہے۔

مگر بعض آنکھوں کیلئے عینک درکار اور بعض کانوں کیواسطے بانگ بلند کی بھی احتیاج ہوتی ہے پس یہ کب ہوسکتا ہے کہ وہ روحانی عینک اور حقانی بانگ جس نے کانوں کو سماعت آنکھوں کو، بصارت عقل کو بصیرت دل کو بشارت بخشی ہے۔ مشتاقانِ تحقیق اور آرزومندان تدقیق کے روبرو پیش نہ کی جاوے۔ لہٰذا بندۂ گناہگار راجی مغفرت پروردگار محمد ہاشم علی مہتمم مطبع ہاشمی میرٹھ اور طالب نجات محمد حیات مہتمم مطبع ضیائی میلۂ خدا شناسی

کی مفصل کیفیت طالبان حق اور حق پرستان بے غرض کی خدمت میں راست راست بے کم و کاست عرض کرتے ہیں مگر بعض مضامین مجمل کو لفظ یعنی وغیرہ سے تفسیر کر کے سہولت فہم ناظرین کے لئے مفصل لکھ دیا ہے۔ و ہو ہذا۔

میلہ خداشناسی پادری نولس صاحب انگلستانی پادری شاہجہانپور اور منشی پیارے لال کبیر پنتھی ساکن موضع چاندا پور متعلقہ شہر شاہجہان پور نے ملک سنہ ۱۸۷۶ء میں ایک میلہ بنام میلہ خداشناسی موضع چاندا پور میں جو شہر شاہجہانپور سے پانچ چھ کوس کے فاصلے پر لب دریا واقع ہے مقرر کیا اور تاریخ میلہ ۷ مئی ٹھہرائی اور اشتہار اس مضمون کے اطراف و جوانب میں بھجوائے غرض اس میلے کی اس کے نام ہی سے معلوم ہوگئی ہوگی۔

مگر بنظر مزید توضیح ہم بھی عرض پرداز ہیں کہ اصل غرض تحقیق مذہبی تھی اور منشاء اشتہار کا یہ تھا کہ ہر مذہب کے آدمی آئیں اور اپنے اپنے مذہب کے دلائل سنائیں۔

حضرت نانوتویؒ کو شرکت کی دعوت بالفعل یہ عرض ہے کہ راویان صادق کے فرمانے سے یہ معلوم ہوا کہ مولوی محمد قاسم صاحب ساکن نانوتہ ضلع سہارنپور کو ان کے بھائی مولوی محمد منیر صاحب مدرس مدرسہ سرکاری بریلی نے مولوی الٰہی بخش عرف مولوی رنگین بریلوی کی طرف سے جو رد نصاریٰ میں شب و روز سرگرم رہتے ہیں اس اشتہار کی اطلاع دی اور یہ لکھا کہ آپ بھی وقت مقررہ پر ضرور آئیں۔

اس وقت تو مولوی صاحب نے یہی لکھ بھیجا کہ ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا مگر بوجہ دور اندیشی مولوی محمد منیر صاحب سے اس بات کے خواستگار ہوئے کہ کیفیت مناظرہ اور محل نزاع سے اطلاع دیجئے اس کا جواب کچھ نہ آیا تھا کہ ایک خط شاہجہانپور سے بھی باستدعا شرکت آیا اُس خط کے پہنچتے ہی۔

حضرت نانوتویؒ کی شاہجہانپور روانگی مولوی صاحب اپنے وطن سے با پیادہ روانہ ہوئے اور دیوبند میں ایک شب قیام کر کے آگے کا راستہ لیا مظفر نگر اور میرٹھ میں ایک ایک شب رہ کر دہلی پہنچے۔

مولوی محمد منیر صاحب کا جواب وہیں پہنچا انہوں نے بحوالہ مولوی عبدالحی صاحب

انسپکٹر پولیس شاہجہانپور کچھ ایسا لکھا تھا کہ یہ قصہ بے اصل ہے علمار کے آنے کی کچھ حاجت نہیں۔

اس پر گو ارادہ سست ہو گیا مگر بنظر احتیاطاً ایک خط شاہجہانپور کو لکھا کہ آپ بلاتے ہیں۔ اور مولوی محمد منیر صاحب یوں لکھتے ہیں اس لئے تردّد ہے، آپ مفصل لکھیئے۔

اس کے جواب میں ۴ مئی کو اوّل تو ایک تار برقی آیا جس کا مضمون قریب شام یہ معلوم ہوا کہ "ضرور ہی آؤ" اور اس کے بعد خط پہنچا جس کا مضمون یہ تھا کہ

مولوی عبدالحی صاحب کو غلطی ہوئی آپ آئیں اور مولوی سیّد ابوالمنصور صاحب کو ساتھ لائیں کیونکہ پادری نول صاحب کو جو بڑے لسان اور مقرر ہیں یہ دعویٰ ہے کہ بمقابلہ دین عیسوی دین محمدیؐ کی کچھ حقیقت نہیں۔

اس پر مولوی محمد قاسم صاحب نے ارادہ کیا اور ۵ مئی کو بعد عشار بمعیۃ مولوی فخرالحسن صاحب ساکن گنگوہ ضلع سہارنپور و مولوی محمود حسن صاحب[1] ساکن دیوبند ضلع سہارنپور و مولوی رحیم اللہ صاحب ساکن بجنور ریل پر پہنچے ادھر سے حسب وعدہ مولوی سید ابوالمنصور صاحب دہلوی امام فن مناظرہ اہل کتاب بمعیۃ مولوی سید احمد علی صاحب دہلوی و میر حیدر علی صاحب دہلوی تشریف لائے اور سب مل کر گیارہ بجے کی ریل میں سوار ہو کر روز شنبہ ۶ مئی کو بعد عصر شاہجہانپور پہنچے۔

حضرت نانوتویؒ کا حد درجہ انکسار　مولوی صاحب نے آپ کو چھپانا چاہا اور یہ ارادہ کیا کہ رات کو سرائے میں گذر کر لو۔ علی الصباح مجلس مناظرہ میں جا بیٹھیں گے۔

غرض مولوی صاحب سب ساتھیوں کو چھوڑ کر مولوی محمود حسن صاحب کو اپنے ہمراہ لے کر چپکے سے شہر کو ہو لئے رقصہ مختصر رات کو ایک سرائے میں آرام فرمایا مگر ایک دو شخص کو خبر ہو ہی گئی قریب دو بجے رات کے سرائے میں جا کر مولوی صاحب

[1] شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رہ

کو جا گھیرا پس از اصرار ناچار مولوی صاحب اُن کے مکان پر تشریف لے گئے۔

مقام مباحثہ اور اس کا انتظام | یہ مناظرہ مقررہ خاص شاہجہانپور میں نہ تھا بلکہ ایک گاؤں چاندا پور جو شاہجہانپور سے ۵ یا ۶ میل کے فاصلہ پر ہے۔ وہاں مناظرہ مقرر ہوا تھا اور بانی اس مناظرہ کے وہی منشی پیارے لال جو دولت مند اور وہاں کے رئیس ہیں۔ کہتے ہیں کہ سب کو کھانا اور خیمے وغیرہ انہیں کی طرف سے ملے تھے۔

بالجملہ مولوی صاحب صبح کو نماز پڑھ کر پیادہ پا ہی چاندا پور میں جا چکے۔ خیمے پہلے سے قائم ہو گئے تھے اور مولوی محمد طاہر صاحب عرف موتی میاں رئیس شاہجہانپور جو مولوی مدن صاحب کی اولاد میں سے ہیں جو مشاہیر علمار ہند میں سے تھے۔ اور بالفعل عہدۂ آنریری مجسٹریٹی پر ممتاز ہیں، سرکار کی طرف سے مہتمم مقرر ہوئے تھے۔

مناظرہ کا سٹیج | اور ایک خیمۂ عظیم و وسیع میں یہ مجلس منعقد ہوئی اس طرح کہ بیچ میں ایک میز رکھی گئی اور اس کے دونوں جانب آمنے سامنے کرسیاں وغیرہ بچھ گئیں ایک طرف پادریان عیسائی اور مقابلہ میں علمار اہل اسلام بیٹھ گئے اور بین الصفین میز کے سامنے موتی میاں صاحب قلمدان و کاغذ لے کر بیٹھ گئے اور قواعد مناظرہ لکھے اور بعض سوال و جواب علی سبیل الاختصار اور سوا اس کے بعض امور دیگر بھی وہی رئیس مہتمم قلمبند کرتے جاتے تھے۔

مناظرہ کے سلسلہ میں ضروری وضاحتیں | منجملہ شرائط مناظرہ کے یہ امور تھے کہ

۱۔ ہر ایک فریق اپنا وعظ دربارہ حقیقت اپنے مذہب کے کھڑا ہو کر بیان کرے بعدہ فریق ثانی اس پر اعتراضات کرے۔

۲۔ اور مدت مناظرہ پہلے سے دو روز مقرر تھی مگر شروع مناظرہ سے گھڑی دو گھڑی پیشتر بوجہ اصرار مولوی محمد قاسم صاحب پادری صاحب نے بشرط تسلیم منشی پیارے لال تین روز کے مناظرہ کا وعدہ کر لیا تھا۔

۳۔ اور مدت وعظ کی ۱۵ منٹ اور سوال و جواب کی ۱۰ منٹ قرار پائی اور جب تک کہ ایک شخص اپنی تقریر پوری کر کے بیٹھ نہ جائے، تب تک دوسرا شخص

اُس کے کلام کی تردید یا تائید نہ کرے۔

اگرچہ اس امر میں مولوی محمد قاسم صاحب نے چاہا کہ مدت وعظ اور بڑھادی جاوے اور یہ بھی فرمایا کہ اتنے عرصہ میں حقیقۃ مذہب کماحقہ ثابت ہو سکے گی مگر عیسائیوں نے نہ مانا۔

مناظرہ کے فریق | اور اگرچہ بظاہر مناظرہ کرنے والے تین فریق قرار پائے تھے۔ مسلمان۔ عیسائی۔ ہندو۔ مگر درحقیقت اصل گفتگو مسلمان اور عیسائیوں میں تھی۔

ہندو

قصۂ مختصر اوّل | منشی پیارے لال کی طرف سے ہندو مذہب کے تصور کی وضاحت

منشی پیارے لال صاحب کبیر پنتھی جو بانی میلہ جلسہ تھے کھڑے ہوئے اور ایک تحریر پڑھی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ

میاں کبیر نے کنول کے پھول میں جنم لیا اور اُن کے پنتھ میں جاگتے سوتے برابر سانسا چلتا رہتا ہے۔ (شاید یہ مطلب ہو کہ ہردم ذکر خدا رہتا ہے)۔

اس پر اہل اسلام کی طرف سے اول تو مولوی محمد طاہر صاحب عرف موتی میاں رئیس اعظم شاہجہانپور نے جو منشی جلسہ بھی تھے یہ پوچھا کہ کنول کے پھول سے آپ کی مراد کیا ہے اُس کے جواب میں شاید انہوں نے یہی کہا کہ یہی پھول ہوتا نہیں۔

اُس کے بعد مولوی نعمان خاں صاحب نے ارشاد فرمایا کہ

امور باطنہ سے افضلیت مذہب پر استدلال نہیں ہو سکتا۔ (یعنی طالب حق کو کیونکر معلوم ہو سکتا ہے کہ اس پنتھ میں یہ بات ہے اور آپ کیونکر انکار کر سکتے ہیں کہ اوروں میں یہ بات نہیں)

سوا ان دونوں صاحب کے منشی صاحب کی تقریر کو کسی نے اہل اسلام میں سے قابلِ التفات نہیں سمجھا نہ دعوے مسموع ہونے کے قابل نہ دلیل سننے کے لائق اور

نہ یہ یاد پڑتا ہے کہ کوئی پادری اُن سے اُلجھا ہو۔ ہاں بعض ہنود جو اور پنڈت کے تھے منشی صاحب سے کچھ اُلجھتے رہے جس کا حاصل طرفین سے بجز سامعہ خراشی اور کچھ نہ تھا۔ سو تھوڑی دیر کے بعد اس قصے سے تو فراغت ہوئی۔

عیسائی

پادری نولس کا عیسائی مذہب اور انجیل کے حق ہونے کا دعویٰ | اور اُس کے بعد بڑے پادری صاحب کھڑے ہوئے نام اُن کا بعض اشخاص پادری نول صاحب اور بعض پادری نولس صاحب بتلاتے تھے۔ قوم سے انگریز تھے۔ غرض پادری صاحب نے کھڑے ہو کر اپنے مذہب کی حقیقت اور انجیل کے حق ہونے میں ایک تقریر طویل بیان کی حاصل اس تقریر کا اپنی یاد کے موافق یہ ہے کہ

خدا ایک اُس کا دین بھی ایک ہی ہونا چاہیے۔ اس لیے یہ ضرور ہے کہ وہ دین سب کو پہنچایا جائے اور اُس کے قوانین اور احکام سب کو تعلیم کیے جائیں کیونکہ احکام سلطانی اُس کے تمام قلمرو میں جاری کیے جاتے ہیں۔ اشتہار ہر گلی کوچہ تھانہ چوکی میں لٹکائے جاتے ہیں اور منادی والے ہر کسی کو سنا آتے ہیں مگر ادھر دیکھتے ہیں تو سوا انجیل و کتب مقدسہ اس طرح کی اشاعت کسی کتاب میں نہیں پائی جاتی کہ سب کو پہنچائی گئی ہو۔ دو سو ڈھائی سو زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں ہر کسی کو اُس کے سمجھ لینے کی گنجائش ہے علاوہ بریں ہمارے مذہب میں مثل محمدیاں بزور شمشیر کسی کو اپنے دین میں شامل نہیں کرتے بلکہ پیار سے محبت سے لطف سے نرمی سے نرم کر کے اپنی طرف کھینچتے ہیں۔

حاصل تقریر پادری صاحب تو ہو چکا۔ اس کے بعد کی سنیے پادری صاحب

تو بیٹھے اور

مولانا نعمان خاں صاحب | مولوی نعمان خاں صاحب ابن لقمان خاں صاحب قندھاری جو کبھی عہد دولت لکھنؤ میں سرکار لکھنؤ کے سواروں میں نوکر تھے اور بالفعل اُنام میں رہتے ہیں۔ کھڑے ہوئے عمر دیکھیے تو ساٹھ ستر کے بیچ۔ باتوں کو سنیے تو خوش طبعی میں جوانوں کو بھی مات کریں شدت سے ظریف ہیں۔ تحصیل آدھی گلستان پر شب و روز بجز ردّ نصاریٰ اور کام نہیں اپنے آپ کو وکیل سرکار ابد قرار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتلاتے ہیں۔ اور یہی عبارت ان کی مہر میں کندہ ہے انکی تصانیف در باب رد نصاریٰ کی نسبت تقریر کی دلچسپی کا کیا عرض کیا جائے۔ ایک قطعہ بعض تصانیف کے اوّل میں انہوں نے لکھا ہے اس کے دو شعر یاد ہیں ؎

در فیض محمد وا ہے آئے جس کا جی چاہے | نہ آئے آتش دوزخ میں جائے جسکا جی چاہے
معاذ اللہ فرزند خدا کہتے ہو عیسےٰ کو | تو دادا کون ہے انکا بتائے جس کا جی چاہے

یہی دو شعر اُن کی لیاقت اور طرز تقریر اور انداز ظرافت کے بیان کے لئے کافی ہیں۔

مولانا نعمان خاں صاحب کا پادری نولس کو جواب اور حقانیت قرآن کا بیان | القصہ خاں صاحب وکیل سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور ایک دو ورقہ چھپا ہوا جو غالباً شمس الاخبار کا پرچہ تھا نکالا اور جھوم جھوم کر پڑھنا شروع کیا حاصل اُن کی تقریر کا جس قدر یاد ہے یہ ہے کہ

پادری ہنری نارمن صاحب جن کی خوش بیانی کی واعظان نصاریٰ میں دھوم تھی بتوفیق یزدانی مسلمان ہوئے اور مشرف باسلام ہو کر امریکہ میں تشریف لے گئے اور بجائے انجیل کے اب قرآن کی منادی کرتے ہیں۔ (غرض قرآن شریف بھی تمام عالم میں شائع ہو گیا۔ انجیل ہی کی کیا خصوصیت ہے)

دوسرے ایک اور محقق انگریز کا ذکر کیا تھا جن کا نام ونشان مجھ کو یاد نہیں

اغلب یہ ہے کہ ہو تو ٹی بیلی صاحب ہوں انکے حوالہ سے بیان کیا کہ

فلانے واقعہ میں انجیل عالم سے نیست و نابود ہو گئی (یعنی در صورت
گم گشتگی انجیل کیونکر کہہ دیجئے کہ یہ ترجمے اُسی کے ہیں ہاں یہ بات
قرآن شریف میں پائی جاتی ہے کہ اصل بجنسہ آج تک موجود پھر اُس
پر جس قدر اہل اسلام عالم میں پھیلے ہوئے ہیں اس قدر کسی دین والے
عالم میں اس طرح سے پھیلے ہوئے نہ ہوں گے اسلئے اگر یوں کہئے
تو بجا ہے کہ چار سو میں قرآن شریف کی اشاعت ہو گئی قرآن
شریف تمام اہل اسلام کے پاس بکثرت ہر جگہ اُس کے سمجھنے والے
اور سمجھاتے والے موجود اشاعت عام اسے کہتے ہیں فقط ترجموں
کی کثرت سے کیا ہوتا ہے۔

اصل انجیل کے ناپید ہو جانے کی حقیقت پر پادری نولس اور حضرت نانوتوی کا سوال و جواب

پادری نولس صاحب نے اس کے جواب میں فرمایا کہ

پادری ہنری نارمن اگر مسلمان ہو گئے تو کیا ہوا اور سب انگلستان
والے عیسائی ہیں اور جس شخص نے انجیل کے گم ہو جانے کا دعویٰ
کیا ہے وہ ایک شخص ملحد بے دین ہے۔ اُس کا قول ہمارے نزدیک
مسلم نہیں ہے۔

مولوی محمد قاسم صاحب نے پوچھا کہ تم اس واقعہ کو تسلیم نہیں کرتے۔

پادری صاحب نے فرمایا ہم تسلیم نہیں کرتے۔

لیکن ارباب فہم کو معلوم ہو گا کہ تاریخ مشارٌالیہ کا پادری صاحب کے نزدیک
غلط ہونا گو پادری صاحب کے حق میں دربارۂ بربادی دین عیسوی مسکت نہ ہو سکی۔
چنانچہ اسی لئے مولانا نے یہ فرمایا کہ اگر آپ کے نزدیک یہ خبر غلط ہے تو آپ پر اعتراض
گم گشتگی انجیل واقع نہیں ہو سکتا مگر اس میں بھی اہل فہم کو شک نہ ہو گا کہ دعوے
حقیت انجیل و حقانیت دین عیسوی کا ثبوت بھی معلوم پادری صاحب کا جب یہ

دعویٰ ہو کہ انجیل کتاب آسمانی ہے اور اس کے ثبوت میں تقریر مذکور پیش کی جائے تو پھر بیشک یہ خبر سامع کے حق میں کم سے کم موجب تردد ہو گی۔ پادری صاحب کے پاس کیا دلیل ہے کہ ہم صحیح کہتے ہیں اور مؤرخ مذکور غلط کہتا ہے۔ بلکہ شہرۂ انصاف و تحقیق مؤرخانِ یورپ خصوصاً انگلستان اس خبر کی صداقت کا بہت بڑا قرینہ ہے اور مسلمانوں کو دعویٰ تحریف کے لئے جس پر خوبی مضامین مندرجہ بائبل[1] شاہد ہے، یہ خبر منجملہ مزید براں ہے۔

مولانا احمد حسن کا مذہب عیسائی اور انجیل کے عالمگیر ہونے پر اعتراض

اس کے بعد مولوی میر احمد حسن صاحب اُٹھے اور یہ فرمایا کہ

اگر کتاب آسمانی اور دین آسمانی کے لئے یہ ضرور ہے کہ تمام عالم میں شائع ہُوا کرے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول غلط ہو گا کہ میں فقط بنی اسرائیل کے گمشدہ بھیڑیوں کے لئے آیا ہوں۔

پادری نولس کی دلیل نامعقول

پادری صاحب اس کے جواب میں معقول کی طرف دوڑے اور ایسی نامعقول بات فرمائی کہ اُس سے سکوت ہی فرماتے تو بہتر تھا فرمانے لگے

ہاں یہ سچ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاص بنی اسرائیل ہی کے لئے آئے تھے مگر جہاں خاص ہوتا ہے وہاں عام بھی ہوتا ہے (اور ہاتھ کی لکڑی کی طرف اشارہ کر کے فرمانے لگے) دیکھو یہ لکڑی ہے اور لاٹھی بھی ہے۔ لکڑی عام ہے اور لاٹھی خاص۔

عیسائی پادریوں کا مبلغ علم

اور اسی کی تائید میں ایک دیسی پادری صاحب بیٹھے بیٹھے بولے۔ یہ بات تو شرح تہذیب میں بھی لکھی ہے۔ مولوی محمد قاسم صاحب نے فرمایا کہ آپ کی تہذیب دانی بھی اب کوئی دم میں معلوم ہوئی جاتی ہے۔

اہل فہم کو دعویٰ اور دلیل کے انطباق ہی سے یہ بات تو واضح ہو گئی ہو گی کہ پادری صاحب کو کچھ جواب نہ آیا اور اس بات کے لئے جواب کی حاجت نہ تھی۔

[1] یعنی کتب مقدسہ انبیاء و رسل۔ [illegible]

عام خاص میں تلازم وجودی سے احکام میں اتحاد لازم نہیں

مگر تسپر بھی مولوی احمد علی صاحب ساکن نگینہ وکیل عدالت شاہجہان پور کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا کہ

عام و خاص میں اگر تلازم وجودی ہے تو کیا ہوا عام و خاص کے احکام جدے جدے ہوتے ہیں۔ انسان عام ہے اس کے احکام اور ہیں زید خاص اس کے احکام اور ہیں۔

یعنی افراد انسانی میں سے کوئی مومن ہے کوئی کافر ہے کوئی محمدی ہے کوئی نصرانی کوئی خوش اخلاق ہے کوئی بد اخلاق کوئی مرد ہے کوئی عورت کوئی نیک ہے کوئی بد کوئی مرد میدان ہے کوئی نامرد کوئی سخی ہے کوئی بخیل۔ ایک کے مومن یا کافر یا محمدی یا نصرانی ہونے سے سارے انسان مومن یا کافر یا محمدی یا نصرانی نہیں ہو سکتے۔ علیٰ ہذا القیاس اور سمجھ لیجئے اور عام و خاص کے احکام ایک ہی ہوا کرتے تو سب افراد انسانی ساری باتوں میں ایک ہی سے ہوتے)

ردّ حقانیت انجیل پر سید ابو المنصور صاحب کا بہترین استدلال

اس کے بعد جناب مولوی سید ابو المنصور صاحب جو واقعی امام فن مناظرہ اہل کتاب ہیں اور رد نصاریٰ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا کہ

اگر ترجموں کی کثرت بقدر مذکور انجیل کے آسمانی کتاب ہونے کی دلیل ہے تو یوں کہو اٹھارویں صدی سے پہلے پہلے انجیل کتاب آسمانی نہ تھی۔ اٹھارویں صدی میں یہ شرف انجیل کو میسر ہوا کیونکہ اٹھارھویں صدی میں ترجموں کی کثرت ہوئی ہے اور اگر اس پر بھی اوّل ہی سے انجیل کتاب آسمانی ہے تو یہ بات ہر کتاب کی نسبت اُس کی اٹھارویں صدی میں متصور ہے۔

سید ابو المنصور کے استدلال پر پادری نولس کا اعتراف حقیقت

اس کے جواب میں پادری صاحب نے بجز اس کے اور کچھ نہ فرمایا کہ ہاں ترجموں کی کثرت

تو اٹھارویں صدی ہی میں ہوئی ہے پر اٹھارویں صدی سے پیشتر بھی آخر کسی قدر ترجمے تھے ہی۔ سو یہ جواب کیا ہے اعتراض کی صحت کا اقرار ہے۔

مرزا موحد صاحب کا استفسار کہ انجیل کی اشاعت روحانی ہے یا جسمانی؟

اس کے بعد مرزا موحد صاحب جالندھری جو ایک مرد مہذب ہیں اور فن مناظرہ اہل کتاب میں عمدہ دستگاہ رکھتے ہیں کھڑے ہوئے اور پادری صاحب سے یہ پوچھا کہ

انجیل کی اشاعت جس کا آپ نے دعوےٰ کیا ہے اُس سے کون سی اشاعت مراد ہے۔ روحانی یا جسمانی۔

شاید یہ غرض ہوگی کہ اگر اشاعت جسمانی مراد ہے تو وہ تمہارے نزدیک مسلّم نہیں موافق خیالات پادریاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں احکام جسمانی کا پتا ہی نہیں اور اگر اشاعت روحانی مراد ہے تو اس کا بھی نصرانیوں میں کہیں نشان نہیں اگر عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا روحانی اتباع ہوتا تو موافق ارشادات عیسوی عیسائی ضرور اس قسم کے کام کر سکتے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کر سکتے تھے۔ پادری صاحب نے ایسا یاد پڑتا ہے کہ اشاعت روحانی کا اقرار کیا پھر یاد نہیں مرزا موحد صاحب نے کیا فرمایا۔

مسلمان

اس کے بعد اہل اسلام کے وعظ کی نوبت آئی۔ اس کام کو اور صاحبوں نے مولوی محمد قاسم صاحب کے سپرد کیا گو بوجوہ چند مولوی صاحب کا ارادہ نہ تھا کہ خود کچھ کلام کیجیے مگر جب سب نے یہی کہا تو کھڑے ہو کر

حقانیت اسلام پر حضرت نانوتویؒ کی محققانہ تقریر

اوّل خدا کی تعریف اور اپنے عجز و نیاز کے مضامین اور کلمۂ شہادت جو اکثر اہل اسلام کے خطبوں کے شروع میں ہوا کرتے ہیں بیان فرمائے۔ اس کے بعد ایک تقریر

بیان فرمائی جس کا حاصل یہ تھا کہ

کسی مذہب کی حقانیت عقاید پر موقوف ہے احکام پر نہیں	مذہب کی بھلائی، برائی، حقانیت، بطلان، عقائد کی بھلائی برائی، حقانیت، بطلان پر

موقوف ہے احکام کی بھلائی برائی کو اس میں دخل نہیں۔ کیونکہ بحیثیت حکومت حاکم کو ہر قسم کے احکام کا اختیار ہوتا ہے اگر ہر قسم کے احکام کا اختیار نہ ہوا کرے۔

یعنی ہر قسم کے احکام اس سے بمقابلہ رعیت و محکومین صادر نہ ہو سکیں تو وہ حاکم نہیں محکوم ہے بس یہ احکام کی تخصیص بحیثیت عدل و انصاف و رحمت و فضل و متانت و حکومت وغیرہ اوصاف جمیلہ ہوتی ہے بنظر حکومت نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ بنار معبودیت فقط حکومت پر ہے عبادت اطاعت اور نیاز قلبی کو کہتے ہیں بشرطیکہ اس کے سامنے ہو جس کو اپنے اعتقاد میں ہر طرح سے مختار اور اوروں کو اسکے سامنے محض بے اختیار سمجھے سو ظاہر ہے کہ اسی کو حکومت کہتے ہیں۔

غرض منشار معبودیت معبود حقیقی اس کی وہ حکومت عالیہ ہے جس کے سبب وہ احکم الحاکمین کہلایا اس صورت میں اس کا تجسس کہ یہ حکم اچھا ہے یا برا ہے مقتضائے اخلاص عبادت نہیں گو اس کا کوئی حکم مخالف رحمت و حکمت وغیرہ اوصاف مشائر الیہا نہ ہوا اگر تجسس ضروری ہے تو اس بات کا تجسس ضروری ہے کہ یہ حکم خدائے تعالیٰ کا حکم ہے کہ نہیں۔

یعنی یہ بات دیکھنی چاہیئے کہ جس مدعی نبوت و رسالت کے وسیلہ سے یہ حکم ہم تک پہنچا ہے اس میں اخلاق و افعال پسندیدہ اور معجزات خارقہ پائے جاتے ہیں یا نہیں پھر اگر [illegible] ارشاد احکام ہمکو اس کی زیارت میسر نہیں آئی، تو جس روایت سے یہ احکام پہنچے وہ روایت معتبر اور مقرون بشرائط اعتبار ہے کہ نہیں۔

علاوہ بریں احکام کی کوئی انتہا نہیں ہر ہر حکم کی تحقیق کیجیے تو ایک زمانہ دراز چاہیئے پندرہ منٹ کے عرصہ میں یہ بات متصور نہیں۔

ہاں فقط عقائد پر اگر حقیقت مذہب کو موقوف رکھا جائے تو بجا ہے کیونکہ

اول تو عقیدہ ایک قسم کی خبر ہوتا ہے۔ اگر صحیح عقیدہ ہے تو یوں کہو مطابق واقع ہے اور اگر غلط ہے تو یوں کہو ایک جھوٹی بات ہے سو خدا کی حکومت اور اس کا احکم الحاکمین ہونا اور وہ باتیں جو حکومت کو لازم ہیں اگر مسلم ہوں گی تو اسکا معبود ہونا بھی مسلم ہوگا ورنہ معبود ہونا ہی مسلم نہ ہوگا جو بندوں کے ذمہ اطاعت لازم ہو پھر اُس پر عقاید ضروریہ ہر مذہب میں وہ چار ہی ہوتے ہیں ایسا لمبا چوڑا قصہ نہیں ہوتا جس کی تحقیق دشوار ہو مگر

عقاید کی رُو سے اسلام کی حقانیت عقائد کی رُو سے دیکھئے تو مذہب اسلام سارے مذہبوں سے عمدہ معلوم ہوتا ہے اہل اسلام کا

پہلا عقیدہ جس پر بنا اسلام ہے یہ ہے لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) جس کے یہ معنی ہیں کہ سوائے اللّٰہ تعالیٰ اور کوئی لائق عبادت نہیں اور حضرت محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم اللّٰہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں۔

عقیدۂ توحید اور مشرکین سو اول جملہ جس کا خلاصہ توحید ہے کسی ملت اور مذہب والوں کو اُس سے انکار نہیں زیادہ تر منکر توحید مشرک ہوتے ہیں اُن میں سب میں بڑھ کر تین فرقے ہیں ایک تو جاہلان عرب یعنی قبل بعثۃ محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم جو لوگ عرب میں تھے دوسرے ہنود ملک ہند تیسرے عیسائی لوگ

جاہلان عرب کی سنیئے باوجود کثرت شرک و بت پرستی خالق زمین و آسمان ایک خدا ہی کو سمجھتے ہیں چنانچہ قرآن شریف میں اُن کے حال میں فرماتے ہیں

لَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ

جسکے یہ معنے ہیں کہ اگر تو اُن سے پوچھے کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمینوں کو تو یوں ہی کہیں کہ اللّٰہ نے۔

اور ہنود کی کیفیت پوچھئے تو اُن کو بھی ایسا ہی سمجھئے وہ گو بُت پرست اور اوتاروں کے پوجنے والے ہیں پر جوتی سروپ اور نرنکار ایک ہی کو کہتے ہیں۔ رہے نصرانی وہ اگرچہ شرک میں اول نمبر پر ہیں اور مشرک تو مشرک صفات

ہیں پر نصرانی مشرک ذات ہیں یعنی ذات کے مرتبہ میں تین خداؤں کے قائل ہیں لیکن باایںہمہ توحید کو انہوں نے بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا وہ کہتے ہیں کہ جیسے ہمارے نزدیک حقیقت میں تین خدا ہیں ایسے ہی وہ تینوں حقیقت میں بھی ایک ہی ہیں۔

القصہ اس امر محال کو اختیار کیا کہ وحدت بھی حقیقی ہو اور کثرت بھی حقیقی ہو مگر پھر بھی توحید کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ توحید سے کسی کو انکار نہیں بلکہ اصل اصول سب کے نزدیک توحید ہی ہے اور جب توحید مسلم اور اصل ٹھیری تو پھر جو باتیں مخالف توحید ہوں گی وہ خود غلط ہوں گی۔ یعنی شرک اور بت پرستی اور کثرت معبودان اپنے آپ غلط ہوں گی۔

وجود معبود حقیقی پر دلائل | علاوہ بریں عقل سلیم بھی اس پر شاہد ہے کہ معبود حقیقی ایک ہی ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ تمام عالم وجود میں شریک ہے اور ایک لفظ موجود سب پر بول سکتے ہیں اور سب کے وجود کو وجود ہی کہتے ہیں کچھ اور نہیں کہتے غرض ایک چیز سب میں مشترک ہے پھر اس پر عالم کا یہ حال ہے کہ اکثر موجودات قدیم نہیں، حادث ہیں ایک زمانہ میں موجود نہ تھے اور بعد وجود ایک زمانہ میں معدوم ہو جاتے ہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن اشیاء کا وجود ایسا ہے جیسا گرم پانی کی حرارت اور زمین کی روشنی یعنی ایک زمانہ میں پانی ٹھنڈا اور زمین بے نور تھی اور بعد حرارت و نور پھر ایک زمانہ میں وہی ٹھنڈک اور اندھیرا ہے سو جیسے اس آمد و شد حرارت و نور سے ہر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ حرارت و نور آب و زمین کے خانہ زاد نہیں کسی سے مستعار ہیں جس کے یہ خانہ زاد ہیں اور اس پتے پر آخر آتش اور آفتاب کا سراغ نکل آتا ہے ایسا ہی بوجہ آمد و شد وجود اشیاء حادثہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ وجود ان کا خانہ زاد نہیں کسی نے مستعار عنایت کیا ہے اس میں یہ وصف خانہ زاد ہی مستعار نہیں اور جو موجودات ایسے ہیں کہ ہمیشہ سے ایک حال پر چلے آتے ہیں اور کسی نے آج تک اُن کا زمانہ عدم نہیں دیکھا جیسے زمین آسمان آفتاب قمر کواکب تو گو بظاہر

اس تقریر سے اُن کے لئے کسی معطی وجود کا پتا نہیں لگتا پر غور سے دیکھئے تو وہاں بھی یہی بات عیاں ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ باوجود اشتراک وجود ہر ایک کی حقیقت کو ہر کوئی جدا سمجھتا ہے یہ نہ ہو تو ایک کو دوسرے سے تمیز نہ کر سکتے اسلئے خواہ مخواہ یہ کہنا پڑیگا کہ وجود اور چیز ہے اور اشیاء مذکورہ کی حقیقت اور چیز ہے اور ظاہر ہے کہ دو چیزوں کا جیسا اجتماع ممکن ہے ایسا ہی اُن کا افتراق بھی ممکن ہے اور جدائی ممکن ہوئی تو پھر خانہ زادی کہاں ناچار یہ کہنا ہی کہنا پڑے گا کہ اُن کا وجود بھی مستعار ہے مگر چونکہ ہر مستعار چیز کے لئے ایک ایسے دینے والے کی ضرورت ہے جس کے پاس کسی کی دی ہوئی نہ ہو بلکہ اصلی ہو تو بالضرور وجود مستعار کے لئے بھی کوئی دینے والا ہو گا یعنی وجود کے لئے کوئی موصوف اصلی ہو گا جو خود بخود موصوف بالوجود یعنی موجود ہو سو وہی خدا ہے اور اُسی کو بے نیاز مطلق کہنا چاہیئے۔ اس کو کسی کی حاجت نہیں اور سب کو اُس کی حاجت ہے۔

توحید معبود حقیقی کے دلائل | مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ اس قسم کا موجود سوا ایک کے متصور نہیں۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ جب وجود کی وحدت مانی گئی چنانچہ اوپر معروض ہو چکا تو موجود اصلی بھی یعنی جس کے حق میں وصف وجود خانہ زاد ہو ایک ہی ہو گا۔ علاوہ بریں وجود سے زیادہ کوئی عام نہیں اس لئے اس بات کا اقرار ضروری ہے کہ وجود ایک امر غیر محدود ہے ورنہ محدود ہو تو اس کے اوپر ضرور ایک مرتبہ نکلے گا جس کی نسبت اس کو محدود کہیں اور وہ اس سے بھی زیادہ عام ہو مگر وجود غیر محدود ہو گا تو یہ معنی ہوں گے تمام مواقع وجود کو محیط ہے پھر اگر دوسرا بھی ایسا ہی ہو تو وہ کہاں جائے یہ بھی احتمال نہیں کہ دو ہوں پر دونوں مل کر ایسی طرح شدید ہو جائیں جیسے دو چراغ کا نور مل کر زیادہ ترچمک کا باعث ہو جاتا ہے کیونکہ موصوف اصلی سے زیادہ اور کوئی موصوف نہیں ہو سکتا نہ اس کے وصف سے زیادہ کسی کا وصف ہو سکے خاص کر وجود اصلی کیونکہ اُس سے اُوپر کوئی مرتبہ نہیں اسی وجہ سے وہ غیر محدود

ہو اور نہ محدود ہوتا آخر یہ بھی ایک حد ہے کہ اس سے زیادہ شدید ہو سکتا ہے بالجملہ
بروئے دلیل عقلی بھی خدا کی وحدانیت ضروری التسلیم ہے۔

عبادت کا مستحق خدا وحدہٗ لاشریک ہی ہے

اور جب عقل و نقل دونوں اس بات پر شاہد ہوں کہ خدا وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے تو پھر اوروں کی عبادت ظلم عظیم ہوگا کیونکہ اس کا مستحق اس صورت میں سوا اسکے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب کارخانۂ وجود سب اُس کی ذات سے متعلق ہُوا تو اس کا دینا لینا اُسی کا کام ہوگا جیسے آفتاب سے زمین کو نور عطا کرتا ہے اور وہی چھین لیتا ہے ایسے ہی خدا وحدہٗ لاشریک لہٗ بھی وجود کا دینے لینے والا ہوگا اور ہر کسی کی ذات و صفات کا وجود اُسی کی عطا ہوگا اور ہر ایک کا عدم اسی کی طرف سے ضبطی وجود سمجھا جائیگا اور ظاہر ہے کہ اطاعت کا باعث یہی نفع کی امید یا نقصان کا اندیشہ ہُوا کرتا ہے۔ نوکر اپنے آقا کی خدمت تنخواہ کی اُمید پر کرتا ہے اور رعیت اپنے حاکم کی اطاعت یا مظلوم ظالم کی تابعداری نقصان کے اندیشہ سے کیا کرتا ہے خداوند عالم میں جب یہ دونوں قدرتیں بدرجہ تمام موجود ہوں تو پھر اس کی اطاعت نہ کی جاوے تو اور کس کی کی جاوے اور سوا اس کے اسی طرح اور کسی کی اطاعت کی جائے تو کیوں کی جائے اور کون ہے جس کو نفع یا نقصان کا اصل میں اختیار ہو یہ اختیار تو جب ہو جب کہ وجود خانہ زاد ہو۔

ہاں اسکے نائبوں کی تابعداری یعنی اُن لوگوں کی اطاعت جو اسکے حکم سناتے ہیں خود اسی کی اطاعت ہے وہ محض پیغام رساں ہیں اور سب احکام اسی کے ہیں۔

خدا تعالیٰ محتاج و مجبور نہیں ہو سکتا وہ ہر طرح سے غنی اور بے نیاز ہے

اس صورت میں سوا خدا کے اوروں کی عبادت جیسے ہنود و نصاریٰ کرتے ہیں بالکل خلاف عقل و نقل ہوگی۔ اس کا مستحق سوائے خدا تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا خاص کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سری رام اور سری کرشن کو معبود

کہانیوں بھی عقل میں نہیں آسکتا کہ وہ کھانے پینے کے محتاج تھے پاخانہ پیشاب
مرض اور موت سے مجبور تھے خدائے تعالیٰ وہ ہوگا جو ہر طرح سے غنی اور بے نیاز ہو محتاج
اور مجبور اور وہ بھی ایسی ایسی چیزوں کے سامنے جیسے پاخانہ پیشاب خدا نہیں ہو سکتا۔

اس پر پادری نولس صاحب اثنائے تقریر مذکور میں کھڑے ہو کر مولوی صاحب
سے فرمانے لگے۔ آپ پاخانہ پیشاب کا لفظ نہ فرمائیں۔

مولوی صاحب نے کہا آپ کو احتمال توہین ہوا اگر اس لفظ میں ایما توہین
ہوتا تو ہم ہرگز نہ کہتے۔ حضرت عیسیٰؑ کی توہین بھی ہمارے نزدیک مثل توہین حضرت
خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم موجب کفر و ارتداد ہے مولوی محمد طاہر عرف موتی میاں
صاحب نے فرمایا آپ پاخانہ پیشاب نہ کہیئے بول و براز کہیئے۔

مولوی صاحب نے فرمایا بہتر یوں ہی سہی۔ خیر مولوی صاحب نے فرمایا جو ایسا
محتاج و مجبور ہو اس میں خدائی کجا میسر۔

نصاریٰ کے عقیدۂ تثلیث کا بطلان

نصاریٰ کا یہ قول کہ خدائے تعالیٰ تین ہو کر پھر ایک ہے ایسا ظاہر البطلان ہے کہ کسی عاقل کی عقل اس
کو تجویز نہیں کر سکتی یہانتک کہ خود نصاریٰ بھی بڑے عقل اور رئیس ہی کے ہمصفیر
ہیں اگر کہتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ منجملہ اسرار خداوندی ہے ہماری عقول ناقصہ میں نہیں
آسکتا مگر یہ جب معلوم ہو گیا کہ مستحق عبادت بجز خداوند وحدہٗ لاشریک لہٗ اور کوئی
نہیں تو اور سنیئے۔

اثبات ثبوت کی دلیل

عبادت یعنی اطاعت ہے اور اطاعت دوسروں کی
رضا کے موافق کام کرنے کو کہتے ہیں پر دوسرے کی رضا و عدم رضا بے اسکے بتلائے
معلوم نہیں ہو سکتی اگر وہ خود کسی طرح اظہار نہ کرے تو پھر اسکے ظہور کی کوئی صورت
نہیں ہم باوجودیکہ جسمانی ہیں کثافت ہماری ذات کے ساتھ ہے ہمارا مافی الضمیر اور
ہماری رضا غیر رضا کی بات تو بے ہمارے اظہار کے ہو ہی نہیں سکتی خواہ سینے سے
سینہ ملا دیں خواہ دل کو چیر کر دکھلا دیں خداوند عالم جو لطیف اور خبیر ہے اُس کے

مافی الضمیر اور اس کے دل کی بات کو بے اُسکے بتلائے کوئی کیا جانے۔
غرض اطاعت خداوندی کے لئے اُس کی ضرورت ہے کہ وہ خود اپنے احکام سے مطلع فرمائے عقل نارسا سے اس بات میں کام نہیں چل سکتا، کیونکہ اگر بالفرض ہزار باتوں میں سے کسی ایک بات کی بھلائی بُرائی ہزاروں میں سے کسی ایک دو کو معلوم بھی ہو جائے تو کیا ہُوا اس کی خود مختاری سے یہ کیا بعید ہے کہ وُہ اپنے احکام میں ان باتوں کا پابند نہ رہے اگر کسی بات کی تخصیص بوجہ کسی مجبوری کے ہے تو حاکم نہیں محکوم ہے اور محکوم کی خدائی اور معبودیت معلوم اور مجبور نہیں تو اختیار تغیر و تبدل احکام ضروری ہوگا جس سے حسن و قبح کی پابندی نہ رہے گی بالجملہ دربارہ احکام انتظار اظہارِ خداوندی ضرور ہے۔
مگر جب سلاطین دنیا اپنے احکام بذاتِ خود ہر مکان و ہر دوکان پر جا کر ہر کسی کو نہیں سناتے وہ خداوند احکم الحاکمین جس کی شوکت اور حکومت کے سامنے سلاطین دنیا کی حکومت اور شوکت کو کچھ نسبت ہی نہیں کیونکر ہر کسی سے کہتا پھریگا۔
جیسے بادشاہان دنیا اپنے مقربوں سے اپنے احکام کہا کرتے ہیں، اور وُہ اوروں کو پہنچا دیا کرتے ہیں خداوند کریم بھی اپنے احکام اپنے مقربوں کے ذریعہ سے اوروں کو پہنچائے گا۔
اثبات عصمت انبیاء مگر جیسے یہاں کے بادشاہوں کے مقرب وُہی ہوتے ہیں جو بادشاہوں کی موافق مرضی اور خیر خواہ ہوتے ہیں اور بجز اطاعت بوئے سرتابی بھی اُن میں نہیں ہُوتی ورنہ مقرب نہ رہیں معتوب ہو جائیں ایسے ہی خدا تعالیٰ کے مقرب بھی وہی ہو سکتے ہیں جو سراپا اطاعت ہوں اور شائبہ انحراف بھی اُن میں نہ ہو اتنا فرق ہے کہ بادشاہان دنیا کو موافق مرضی اور خیر خواہ اور سراپا اطاعت وغیرہ کے سمجھنے میں غلطی بھی ہو جاتی ہے اسلئے عزل و نصب و عتاب و عنایت ہوتی رہتی ہیں اور خداوند علیم خبیر سے کسی بات کے سمجھنے میں غلطی نہیں ہو سکتی، ورنہ اسکے علم کو دوبارہ توضیح حقیقت ایسا کہنا پڑیگا جیسا قمر و کواکب کے نور سے بوجہ

نقصان بہت باریک چیزیں اور باریک فرق محسوس نہیں ہوتے اور ظاہر ہے کہ جس کا وجود کامل ہو اس کی کسی بات میں نقصان متصور نہیں ورنہ وجود میں نقصان لازم آئیگا مگر جب اُسکا علم کامل ہوا اور اس وجہ سے اسکو کسی کے موافق مرضی اور ظاہر و باطن مطیع سمجھنے میں غلطی ممکن الوقوع نہ ہوئی تو جن کو اس نے اپنا مقرب بنایا ہوگا۔ اُن کا معزول ہونا اور اپنے عہدۂ احکام رسانی سے موقوف ہوجانا بھی خلاف عقل ہوگا۔

الحاصل انبیاء میں کوئی ایسی بات نہ ہوگی جو ناپسندیدۂ خداوندی ہو اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں اُن کے تمام اخلاق کا حمیدہ ہونا اور تمام قوار علمیہ کا گزیدہ ہونا لازم آئے گا جس سے اُن کی معصومیت کا اقرار کرنا پڑے گا۔

کیونکہ جب بُری صفت ہی نہیں اور فہم کامل ہے یعنی قوۃ علمیہ اچھی ہے تو پھر اعمال ناشائستہ کے صادر ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں ہر فعل کے صادر ہونے کیلئے ایک قوۃ یعنی ایک صفت کی ضرورت ہے دیکھنے کیلئے بینائی چاہیئے سننے کے لئے شنوائی چاہیئے ایسے ہی اچھے اعمال کے لئے اچھی صفت کی ضرورت ہے اور بُرے کے لئے بُری صفت کی حاجت بُری صفات سے وہ لوگ مُبّرا ہوئے تو بُرے افعال سے بدرجہ اولیٰ معصوم ہوں گے۔

انبیاء کے اختیارات و تصرفات | مگر جب سراپا اطاعت یعنی ہر طرح سے محکوم ہوئے تو پھر اُن کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اپنے طور پر جسے چاہیں بخشدیں جسے چاہیں عذاب دینے لگیں یہ اختیار ہو تو محکوم نہ رہیں حاکم ہوجائیں۔

ہاں یہ بات البتہ متصور ہے کہ وہ کسی کے لئے دعا کسی کے لئے بددعا کریں۔ کسی کے حق میں کلمۃ الخیر کسی کے حق میں بُرا کلمہ کہیں مگر جب وہ ہر طرح سے مقدس مانے گئے تو وہ اپنے خیر خواہوں کے خیر خواہ ہی بنیں گے بدخواہ نہ ہونگے۔ کلمۃ الخیر ہی کہیں گے کوئی بُرا کلمہ نہ کہیں گے سو اسی کو ہم شفاعت کہیں گے۔

شفاعت انبیاء کا ثبوت اور علیسےٰؑ کے کفارہ ہوجانے کا بطلان | القصہ رسولوں اور پیغمبروں کی شفاعت ممکن ہے پر حضرت علیسےٰؑ کا کفارہ ہوجانا ممکن

نہیں یعنی یہ بات جو عیسائیوں کے اعتقاد میں جمی ہوئی ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام امتیوں کی طرف سے ملعون خدا ہوئے نعوذ باللہ اور تین دن تک اُن کی عوض جہنم میں رہے ہرگز قرینِ عقل نہیں۔

کیونکہ محبوب میں وجہ محبت اور عدو میں سبب عداوت چاہیئے مرحوم میں باعث رحمت اور ملعون میں موجبِ لعنت ضرور ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ حُسن تو کسی میں نظر آئے اور محبوب کسی کو بنائے اطاعت تو کسی میں نظر آئے اور رحمت کسی اور پر کریں یعنی خوش کسی اور سے ہو جائیں بد منظر تو کوئی اور کرے اور لعنت اُس پر ہو یعنی ناخوش اُس سے ہو جائیں جو ہر طرح سے مطیع ہو سو یہی ہمارا عقیدہ ہے کہ کوئی کسی کی اطاعت کا مستحق نہیں اور کوئی کسی کے گناہ کا مجرم نہیں۔

القصہ اعتقادِ کثرتِ معبودان اور اعتقادِ کفارہ دونوں مخالفِ عقل ہیں، اور دونوں سراسر باطل ہیں۔

انجیل کا دعوائے تثلیث خود انجیل کے غلط ہونے کی دلیل ہے

پھر اس پر کثرت معبودوں کے ساتھ وحدت کا اعتقاد تو کسی کے نزدیک قابلِ تسلیم نہیں چھوٹے سے لیکر بڑے تک اور بوڑھے سے لیکر جوان اور لڑکے تک اہلِ عقل کامل العقل ہوں یا ناقص العقل یہاں تک کہ خود نصاریٰ بھی بروئے عقل وحدت اور کثرت حقیقی کا اجتماع منجملہ محالات سمجھتے ہیں ہر عاقل کی عقل کو بے دلیل یہ بات غلط معلوم ہوتی ہے اور جو بات عقل کو بے دلیل غلط معلوم ہوتی ہو یعنی اس کے غلط سمجھنے میں عقل کو دلیل کی حاجت نہ ہو دلیل کا بیچ میں واسطہ نہ ہو تو پھر اسکے اثبات کی ایک کیا ہزار دلیلیں بھی ہوں تو کیا ہوا ہرگز مثبت مدعا نہیں ہو سکتیں اور ہوں تو کیونکر ہوں شنیدہ کے بود مانند دیدہ جو بات بیواسطہ غلط نظر آئے وہ مثل دیدہ ہے اور جو بات بروئے دلیل صحیح کہی جاوے وہ مثل شنیدہ ہے۔

اور اس کی ایسی مثال ہے جیسے قریب غروب کوئی عالم فاضل ریاضی دان اپنے فنون میں یکتا روزگار بوسیلہ جیبی گھڑی یوں کہے کہ آفتاب غروب ہو گیا اور ایک جاہل

کندہ ناتراشیدہ۔ کہیں اُونچے پر کھڑا ہُوا اپنی آنکھوں سے دیکھے کہ آفتاب کا کنارہ ہنوز باہر ہے تو جیسے یہ شخص باوجود یکہ اپنی جہل اور اسکے علم وفضل کا معتقد ہو اور گھڑیوں سے اوقات شناسی اور اُن کی غلطی اور صحت کو نہ جانتا ہو پھر بھی اپنے مشاہدہ کے سامنے اُس عالم کے قول مدلل کو نہیں جانتا اور ایک عالم کا کیا ہزار عالم بھی ملکر بوسیلہ جیبی گھڑی غروب کا دعویٰ کریں تب بھی سب کو غلط کہتا ہے۔ ایسے ہی عقل حقیقت میں اپنے اس علم کے سامنے جو بے واسطہ بمنزلہ مشاہدہ ایسے مضامین کے محال ہونے کی نسبت حاصل ہے اُن مضامین کو جو بوسیلہ ذہن میں آئیں اگرچہ بڑے دانشمند اُس طرف ہوں، غلط سمجھے گی۔

غرض جیسے وہ شخص گھڑی کی بات کو غلط سمجھتا ہے اور خود گھڑی کی نسبت کہتا ہے ہونہ ہو یہی غلط ہے میرا مشاہدہ غلط نہیں گو یہ نہ جانے گھڑی میں کیا غلطی ہے اور کہاں نقصان ہے ایسے ہی عقل عام وخاص اپنے مشاہدہ استحالہ کے سامنے انجیل کے دعوے تثلیث کو اگر بالفرض اسکے کسی ایسے فقرہ سے نکلتا ہو جسمیں احتمال الحاق بھی نہ ہو چہ جائیکہ یقین الحاق ہرگز قبول نہ کریگی بلکہ خود انجیل ہی کو غلط کہے گی اور یہ کہے گی کہ ہونہ ہو اس میں غلطی ہے گو یہ نہ جانے کہ کہاں کہاں غلطی ہے ہاں بعض مضامین ایسے ہوتے ہیں کہ استحالہ تو معلوم نہ ہو پر انکی حقیقت بھی کچھ معلوم نہ ہو بلکہ انکی حقیقت میں حیران ہو۔

مولوی محمد قاسم صاحب اس قسم کی تقریر فرما رہے تھے جو پادری صاحب نے اطلاع کی کہ پندرہ منٹ ہوچکے تقریر مذکور کے ناتمام رہ جانے کا اہل اسلام کو افسوس رہا۔ مولوی صاحب کے کہنے سے یہ معلوم ہُوا کہ اُن کو محالات اور متشابہات میں فرق بتلانا منظور تھا کیونکہ متشابہات تو مثل ذات وصفات خداوندی اور ارواح بنی آدم وغیرہ معلوم الوجود مجہول الکیفیت ہوتی ہیں عقل کو ان سب کے حقائق کے دریافت کرنے میں حیرت ہوتی ہے اور محالات کے علم میں حیرت نہیں ہوتی بلکہ علم عدم اور علم استحالہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ علم عدم اور عدم علم میں زمین آسمان کا فرق ہے حاصل تقریر مولوی صاحب تو ہو چکا۔ آگے سنیئے۔

عیسائی پادریوں کی گستاخیاں اور انکا صلہ

مولوی صاحب تو بیٹھے اور پادری صاحب اُٹھے یہ فرمایا کہ مولوی صاحب نے اپنے مذہب کے فضائل کچھ بیان نہ فرمائے ہمارے مذہب پر اعتراض کر دیئے۔

غرض اعتراض کیا تو یہ کیا مضامین پر کچھ اعتراض نہ ہو سکا اسکے جواب میں مولوی صاحب کے اٹھنے کی تو نوبت نہ آئی جناب مولوی احمد علی صاحب ساکن نگینہ وکیل عدالت شاہجہانپور کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا:-

یہ عین اپنے مذہب کی فضیلت ہے کہ اور مذہبوں میں یہ یہ عیب ہیں اور ہمارے مذہب میں ان عیوب میں سے ایک بھی نہیں۔

اس کے بعد بعض دیسی پادریوں نے کھڑے ہو ہو کر سب اہلِ جلسہ کے کان کھائے منجملہ پادریان مذکور مولا داد خاں نام ایک پادری نے ایک مہمل تقریر جس سے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت گستاخی ٹپکتی تھی شروع کی اور یہ نہ کرتا تو اور کیا کرتا۔

پادریوں کا قاعدہ ہے کہ مسلمانوں سے دامن چھڑانے کو گستاخانہ پیش آتے ہیں مسلمان چونکہ ایسی باتوں سے گھبراتے ہیں اور جواب ترکی بترکی دے نہیں سکتے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حواریین اور انبیاء سابقین علیہم و علیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام اگر اُن کے نزدیک بُرے ہوتے تو اس چال چل سکتے ناچار ہو کر زبان کا جواب ہاتھ سے دینے کو تیار ہوتے ہیں جس سے پادریوں کو اس بات کا موقع مل جاتا ہے کہ مسلمانوں کو جواب نہیں آتا لڑنے کو دوڑتے ہیں یا خاموش ہو کر طرح دیتے ہیں۔ جس سے پادریوں کا کام بن جاتا ہے۔

غرض انصاف کو بغل میں مار خوفِ خدا کو طاق میں رکھ بے ادبانہ پیش آتے ہیں۔ سو مولا داد خاں مذکور بھی اسی چال چلے نقل کفر کفر نباشد یہ سمجھکر بدشواری حاصل تقریر مولا داد خاں مذکور لکھتا ہوں ورنہ زبان کو ہلاتا ہوں تو ہلتی نہیں قلم کو اٹھاتا ہوں تو اٹھتا نہیں۔ اُس تقریر ناپاک کا حاصل یہ تھا۔

جیسے مسلمانوں کے نبی نے دعوے کیا بھنگیوں کا لال گورو بھی ایسا

ہی کہتا تھا اور حضرت عیسلے علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے بعد جو آئیں گے چور اور بٹ مار ہوں گے یعنی اس سے یہ معلوم ہوتا ہے بعد عیسلے علیہ السلام کوئی ہادی نہ آئے گا۔

جناب امام فن مناظرۂ اہلِ کتاب مولوی سید ابوالمنصور صاحب نے اس کے جواب میں یہ فرمایا۔

واہ پادری صاحب ساری عمر انجیل پڑھی پھر یہ بھی خبر نہیں کہ انجیل میں کیا ہے انجیل میں یہ نہیں جو میرے بعد آئیں گے چور اور بٹ مار ہونگے بلکہ انجیل میں یوں ہے جو مجھ سے پیشتر آئے وہ چور اور بٹ مار تھے۔

اس نے اپنے قول پر اصرار کیا۔ جناب مولوی سید ابوالمنصور صاحب نے فرمایا اچھا انجیل منگاؤ اس پر پادری نولس صاحب نے فرمایا بھائی سے غلطی ہوئی مولوی صاحب صحیح فرماتے ہیں مگر جس لفظ کا یہ ترجمہ ہے وہ بمنزلہ مضارع دو معنے کے لئے آتا ہے پیشتر اور بعد دونوں اُسکے معنی ہوتے ہیں جناب مولوی سید ابوالمنصور صاحب نے فرمایا۔

اصل لفظ عبری اگر دونوں معنوں کے لئے ہے تو کیا ہُوا لفظ پیشتر تو دونوں معنوں کے لئے نہیں۔ غرض بالفرض اگر اصل لفظ دونوں معنوں کے لئے موضوع بھی ہو تو کیا فائدہ پیشتر کے لفظ سے ترجمہ کرنا خود اس بات پر شاہد ہے کہ بدلیل سیاق و سباق بعد مراد نہیں پیشتر مراد ہے۔

اس پر پادری مولا داد خاں مذکور نے ایسی مونہہ کی کھائی کہ پھر سر نہ اُبھارا اور تا اختتام مناظرہ پھر لب نہ ہلائے باقی زجر و توبیخ کی بوچھاڑ اور نفع میں رہی مسلمانوں نے کہا تو کہا ہندو بھی بُرا بھلا کہتے تھے چنانچہ ایک ڈپٹی صاحب ہندو مذہب جن کا نام غالباً اجودھیا پرشاد ہے کھڑے ہوئے اور اس مضمون کو دیر تک بیان کرتے رہے کہ کسی کے پیشواؤں کو بُرا نہ کہنا چاہیئے۔ پادری صاحب یہ کہتے تھے بھائی

کی یہ غرض نہ تھی کہ توہین کیجیے مگر اہل اسلام کو درصورت تسلیم صحت معنے بعد بھی کچھ دشواری نہ تھی۔ اول حضرات حواریین چور اور بٹ مار بنتے جب کہیں کسی اور کی طرف دیکھنے کی نوبت آتی بہر حال لفظ پیشتر کہیئے یا لفظ بعد پادریوں کی ہر طرح دشواری ہے ایک صورت میں پہلے انبیاء کی نبوت کا انکار ہے اور ایک صورت میں حواریوں کی رسالت کا انکار۔

بائیبل سے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت

القصہ جناب مولوی سید ابوالمنصور صاحب نے جب پادری مذکور کی غلطی پکڑی اور پادری نولس صاحب نے اس کی تصدیق کی تو بایں نظر کہ پادری مولا داد خاں مذکور کی غرض اپنی غلط بیانی سے ابطال نبوت حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ بائیبل منظور تھا بذریعہ بائیبل ہی حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ثبوت میں کچھ چھیڑ چھاڑ ہوئی جناب مولوی سید ابوالمنصور صاحب نے چند پیشین گوئیاں بہ نسبت نبوت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم تورات میں سے نکال کر پیش کیں منجملہ اُن کے وہ پیشین گوئی بھی تھی جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

تیرے بھائیوں میں سے تجھ جیسا ایک نبی پیدا کروں گا، اور اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا۔

اور اس پیشین گوئی کے بعد یہ فرمایا کہ فیمابین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس باتوں میں مماثلت ثابت کر سکتا ہوں۔

اختتام جلسہ اس روز تو سوا تقاریر مرقومہ فیمابین اہل اسلام و نصاریٰ اور کوئی گفتگو قابل تحریر نہیں کہ سوا پادری نولس صاحب اور کوئی شخص لائق گفتگو عیسائیوں میں سے نہ تھا۔ اوروں کو تقریر کی نسبت اگر یوں کہیئے کہ قالب الفاظ میں ابھی معانی ڈالنے کی نوبت نہ آئی تھی اور الفاظ ہی سے خانہ پُری اوقات کرتے تھے تو البتہ ایک عذر معقول ہے۔

نو بجے سے یہ جلسہ شروع ہوا تھا اور دو بجے یہ جلسہ برخاست ہوا اہل اسلام نے اول نماز پڑھی پھر کھانا کھایا اور باہم ایک دوسرے کی تقریر کی خوبی کا ذکر ہوتا رہا

لہ یعنی کتب سابقہ انجیل و توراۃ و زبور ۱۲ منہ

اور افضال خداوندی کو یاد کر کے ان تقریروں کے مزے لیتے رہے۔

اور شہر میں اور اطراف میں یہ شہرت اُڑ گئی کہ مسلمان غالب رہے، چنانچہ اسی وجہ سے دوسرے دن اور بہت شائق آ پہنچے۔

تبلیغ اسلام کے لئے علماء کی کوشش

القصہ اُس روز سب کو یہی ذکر و شغل تھا زبان و کان دونوں اسی قصہ و کہانی میں مصروف تھے مولوی محمد قاسم صاحب نے فرمایا کہ الحمد للہ اب گونہ اطمینان حاصل ہو گیا۔ مجمع پادریوں میں کوئی اس قابل نہیں معلوم ہوتا کہ جس سے بظاہر کچھ اندیشہ بہ خاطر پیدا ہو ہاں اُن کی بے انصافی سے تو دل افسردہ ہوتا ہے بعدہ مولوی صاحب نے واعظین کو فرمایا کہ میلہ میں متفرق ہو کر وعظ بیان کرنا چاہیئے۔ چنانچہ واعظین نے جاکر (بجز مولوی منصور علی صاحب کے) علے الاعلان منادی اسلام و ابطال عیسائیت کو بیان کرنا شروع کیا اور قبل مغرب تک، تمام میلہ میں عجب کیفیت رہی اور عنایت ایزدی سے کوئی پادری مقابل نہ ہُوا۔ خدا معلوم کہاں جان چُرائے پڑے رہے۔ اور مولوی صاحب ایک تحریر جزو کے قریب جلدی لکھ کر اپنے ہمراہ لیتے گئے تھے یہ تحریر حقیت اسلام میں تھی) اور کچھ مضمون ابطال کفارہ وغیرہ میں۔ مولوی صاحب نے بیان فرمایا کہ اس کو بھی بقید تحریر کر لو اور کل کو شاید موقع آ پڑے تو میری تحریر اور اس تقریر کو کھڑے ہو کر پڑھ لینا اور سوا اسکے اور بھی آپس میں صلاح مشورے رہے اس حالت میں عشاء کی نماز پڑھ کر اور کھانا کھا کر سو رہے علے الصباح نماز صبح پڑھ کر بمقتضائے۔ شعر

علے الصباح کہ مردم بکار و بار روند　　　بلا کشانِ محبت بکوئے یار روند

پھر مولوی صاحب نے واعظان مذکورین کو اپنے کام میں مصروف ہونے کی صلاح دی چنانچہ ان حضرات نے میلہ میں جاکر کما ینبغی حق اسلام ادا کیا جزاہم اللہ عن جملۃ المومنین خیرا لجزاء۔

اگرچہ بظاہر ایک امر وہمی معلوم ہوتا ہے مگر حق یہ ہے کہ اس دن اسی وقت سے کیفیت دگرگون معلوم ہوتی تھی ۹ بجے تک برابر وعظ درس کا شور تمام میلہ میں رہا۔

پادری لوگ بھی میلہ میں پھرتے تھے، لیکن جدھر گذر ہوتا تھا۔ عوام لوگ یہی کہتے تھے کہ پادری صاحب ہم کو ہی دھمکاتے کو تھے اب تو کچھ بولئے اور جملہ ہنود بھی خوش تھے۔ اگرچہ اُن کا خوش ہونا۔ از قبیل چو بوش بر سر دکان روستا خورسند تھا٭

کیفیت جلسہ دوم

واقعہ روز دوشنبہ ہشتم مئی ۱۸۷۶ء

جلسہ گاہ : نو بجے ہی خیمہ گفتگو کی طرف سب مناظران اہل اسلام اور سوا اُنکے اور شائقان گفتگو روانہ ہوئے دیکھتے کیا ہیں خیمہ میں چند کرسیاں خالی ہیں باقی پر آدمی ہی آدمی تھے یہ سمجھ کر کہ شاید پھر جائے نہ ملے شوق گفتگو میں پہلے ہی سے اکثر صاحب آبیٹھے تھے اس پر بھی آدمی گھسے چلے آتے تھے اور سوا اُنکے اور عوام خیمہ کے گرد تھے آدمی پر آدمی گرتا تھا سپاہیان پولیس اگر نہ روکتے تو سب اندر ہی پہنچتے جگہ ملتی یا نہ ملتی اس لئے مہتمان جلسہ نے اور بہت سی کرسیاں اور مونڈھے منگائے قریب دو سوا اڑھائی سو کرسی وغیرہ کے اس خیمہ میں ملا ملا کر بچھائی اس پر بھی بہت سے صاحب خیمہ کے گوشوں میں اور کرسیوں کی قطاروں میں کھڑے بیٹھے تھے اور بہر قنات خیمہ کو جسکو بمنزلہ دیوار خیمہ کہئے اٹھا کر پتلی پتلی چوبوں پر استادہ کیا جس سے سایہ کی وسعت ہو گئی اور بہت سے شائق اُس میں آکھڑے ہوئے مگر تسپر اس سے باہر بھی بہت کثرت سے آدمی تھے شوق گفتگو میں نہ لُو کا خیال تھا نہ دھوپ کا دھیان جہاں جہاں تک آواز کے پہنچنے کا احتمال تھا آدمی ہی آدمی تھے گرمی کا موسم تھا گرمی ہی کا وقت تھا مکان جلسہ ایک صحرا شہر سے دور سایہ کے لئے خیمہ یا درخت آم جس کا سایہ آدھا سایہ آدھی دھوپ۔

غرض نہ تپش سے بچنے کا کوئی عمدہ سامان نہ لُو سے بچنے کے لئے کوئی مکان تسپر یہ ہجوم تھا اگر یہ خرابیاں نہ ہوتیں تو خدا جانے کس قدر انبوہ ہوتا، خیر جب آدمی ٹھکانے پر بیٹھ گئے اور اہل جلسہ ہر ایک کو حسب مرتبہ بٹھا چکے تو،

پادری نولس کی طرف سے مقررین کا تعین

اوّل پادری نولس صاحب نے حسب قرار داد باہمی یہ بیان کیا کہ آج ہر فریق کی طرف سے گفتگو کے لئے پانچ پانچ آدمی منتخب ہوئے ہیں کل کی طرح عام اجازت نہیں۔

وجہ اس تغیر کی یہ ہوئی بہت سے کرسٹانوں اور بعض ہنود نے مفت سامع خراشی سے وقت کھو دیا تھا اور اس وجہ سے جلسہ سابق میں گو بدنظمی آگئی تھی اس لئے اہلِ اسلام پادری صاحب سے اس بات کے خواستگار ہوئے کہ ہر کس و ناکس کا بولنا بجز سامع خراشی اور کیا مفید ہے اس سے بہتر ہے کہ ہر فریق میں سے چند آدمی منتخب کئے جائیں سو پانچ پانچ آدمی اس کام کیلئے مقرر ہوئے۔

مناظرہ کے شرکار علماء کے اسمار

اہل اسلام میں سے جناب مولوی سید ابوالمنصور صاحب معروف بہ مولوی منصور علی صاحب و مولوی سید احمد علی صاحب و مرزا موحد صاحب یہ تین صاحب مناظرہ اہل کتاب میں بطور الزام دستگاہ کامل رکھتے تھے اور دو علماء میں سے ایک تو مولوی سید احمد حسن صاحب امروہوی دوسرے مولوی محمد قاسم صاحب مگر اس وقت بیک وجہ یہ نام اُن کا نہیں لکھا گیا بجائے مولوی محمد قاسم صاحب حافظ خورشید حسین صاحب لکھا گیا۔

اور پادریوں میں سے اوّل تو پادری نولس صاحب چار اور جن کے نام یاد نہیں رہے۔

علٰے ہذالقیاس ہنود میں سے بھی پانچ آدمی مقرر ہوئے بلکہ بوجہ اجتماع فرقہائے چند ہنود اس بات کے خواستگار ہوئے کہ ہمارا فرقہ جُدا ہے ہر ایک فرقے میں سے پانچ پانچ آدمی چاہئیں چنانچہ اسی کے موافق قرار پایا۔

عیسائیوں کی طرف سے علماء کے اعتراضات کا جواب دینے سے انکار

قصّہ کوتاہ پادری صاحب جب بیان تغیر و تبدیل قوانین جلسہ سے فارغ ہوئے تو اہل اسلام کی طرف سے یہ استدعا ہوئی کہ پادری صاحب کے ذمہ ہمارے کل کے اعتراض باقی ہیں بغرض اتمام کلام اُن کا جواب اوّل چاہیئے۔ پادری صاحب نے فرمایا کل کی

بات کل کے ساتھ گئی۔ اس میں فریقین سے اصرار و انکار رہا اور اس وجہ سے بعض اہلِ اسلام کبیدہ ہو کر یہ چاہتے تھے کہ اگر یہی ناانصافی ہے تو آج کی گفتگو میں اس سے زیادہ اور کیا ہو گا۔ جس کی توقع پر بیٹھے رہیئے اس سے تو اُٹھ جانا بہتر ہے۔
مگر مولوی محمد قاسم صاحب نے اُن کی نہ مانی اور پادری صاحب سے کہا اچھا یہی سہی یہ خود کھڑے ہو کر باآواز بلند تمام حاضرانِ جلسہ سے یہ کہا۔

صاحبو کل کے ہمارے اعتراضوں کا جواب پادری صاحب عنایت نہیں فرماتے ہم کو پادری صاحب کے انصاف سے یہ توقع نہ تھی مگر جب نہیں مانتے تو کیا کیجیے بہ مجبوری ہم صبر کرتے ہیں، اور تازہ گفتگو کی اجازت دیتے ہیں۔

ادھر موتی میاں صاحب سے یہ کہا آپ اس بات کو لکھ لیجیے۔ اس کے بعد شاید بعض اہلِ اسلام نے یہ کہا کہ مولوی محمد قاسم کی کل کی تقریر بوجہ کوتاہی وقت ناتمام رہ گئی تھی وہی پوری ہو جائے پادری صاحب نے بھی شاید اس کو غنیمت سمجھا فرمایا اچھا آج اہلِ اسلام ہی اوّل بیان کریں اس لئے اہلِ اسلام نے مولوی محمد قاسم صاحب کو اشارہ کیا بسم اللہ۔
مگر گفتگو کے خیمہ میں آنے سے پیشتر جناب قاضی سرفراز علی صاحب شاہجہانپوری جو کبھی ایک بڑے رئیس تھے بیں بگڑ گئے اور لیاقت علمی اور فن مناظرہ میں عمدہ مناسبت رکھتے ہیں ایک تحریر لکھ کر لائے تھے اور مولوی محمد قاسم صاحب وغیرہ کو سُنائی تھی وہ تقریر تو خوب یاد نہیں ناتمام سی ایک بات یاد ہے شاید اس قسم کی بات تھی، کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام آئے تو یہود نے انکار کیا اور حضرت خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو یہود و نصاریٰ دونوں نے انکار کیا" اس سے بھی زیادہ افسوس کچھ یاد نہ رہا اگر یاد رہتی تو وہ بھی ایک دلچسپ بات تھی۔
غرض وہ تقریر باہم سنی سنائی گئی تھی اور یہ ٹھہری تھی کہ آج بجائے وعظ یا جس طرح ہو سکے یہ بھی پڑھی جائے اس لئے مولوی محمد قاسم صاحب نے جناب قاضی

صاحب سے فرمایا آپ تشریف لائیں اور تحریر مسطور سنائیں۔ قاضی صاحب آگے بڑھے مگر پادری صاحب نے پوچھا کہ آپ بھی انہیں پنجتن میں ہیں جو اس کام کے لئے مخصوص ہوئے ہیں قاضی صاحب نے فرمایا کوئی نہیں۔ پادری صاحب نے فرمایا پھر آپ کیوں تشریف لائے ہیں۔ قاضی صاحب نے مولوی محمد قاسم صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ان کو گفتگو کی اجازت ہے یہ مجھ کو اجازت دیتے ہیں پادری صاحب نے فرمایا یہی گفتگو کر سکتے ہیں آپ کو اجازت نہیں ہو سکتی۔ اسلئے مولوی محمد قاسم صاحب ہی کو کھڑا ہونا پڑا

اس پر جناب مولوی احمد علی صاحب وکیل عدالت نے ارشاد فرمایا آج آپ اپنے مذہب کے فضائل ہی بیان فرمائیں کسی پر اعتراض نہ فرمائیں۔

حضرت نانوتویؒ کی تقریر

قصہ کوتاہ جناب مولوی محمد قاسمؒ صاحب اس میز کے پاس تشریف لے گئے جہاں واعظ کھڑا ہو کر وعظ کہتا تھا اور نام خدا توحید و رسالت کا ذکر چھیڑا۔

توحید کے متعلق جو کچھ گفتگو اُس دن ہوئی وہ خوب یاد تو نہیں رہی پر اغلب یہ ہے کہ روز اوّل کی گفتگو کے قریب قریب تھی۔ مگر ہاں اُسی کے ساتھ یہ بھی بیان تھا کہ :-

> مسلمان توحید کے اوپر اس درجہ کو مستقیم ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب میں افضل سمجھتے ہیں اور بعد خداوندِ عالم انہیں کو جانتے ہیں۔ مگر با ینہمہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا بھی عبودیت میں سے ادنٰے درجہ کا ادب ہے اُنکے لئے جائز نہیں سمجھتے۔

پھر اُس کے بعد ضرورت رسالۃ میں غالباً وہی تقریر بیان کر کے جو اوّل بیان کی تھی ایک تقریر بیان کی جس کا حاصل یہ ہے کہ

نبی کی ضرورت اور بنارِ نبوت

اب اس کا دیکھنا ضرور ہے کہ کون نبی ہے کون نہیں مگر یہ بات بے تنقیح اصل و بنار نبوۃ معلوم نہیں ہو سکتی

سو بظاہر دو احتمال ہیں بنائے نبوۃ یا تو معجزات ہوں یا اعمال صالحہ معجزات پر تو بنی
ہیں کہہ سکتے بنائے نبوت معجزات پر ہو تو یہ معنے ہوں کہ اول معجزہ ظاہر ہولے جب
نبوۃ عنایت ہو مگر سب جانتے ہیں کہ امتحان معجزات کے بعد نبوت عنایت نہیں
ہوتی بلکہ عطائے نبوت کے بعد معجزات عنایت ہوتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اعمال صالحہ
کو بنائے نبوت نہیں کہہ سکتے عمل صالحہ اُسی کو کہتے ہیں جو خدا کے موافق مرضی ہو سو
خدا کے حکم احکام کے معلوم ہونے کے لئے ہی تو نبوت کی ضرورت پڑی ہے اور اعمال
صالحہ کا علم اور اُن کی تعمیل خود نبوت پر موقوف ہے نبوت اُن پر کیونکر موقوف
ہوگی جو اُن کو بنائے نبوت کہیے۔

اور سوائے اعمال و معجزات اس کام کے لئے اگر نظر پڑتی ہے[1] تو اخلاق حمیدہ
پر پڑتی ہے اُن کا حصول نبوت پر موقوف نہیں آدمی کی ذات کے ساتھ پیدا ہوتے
ہیں اگر کسی کے اخلاق حمیدہ یعنی موافق مرضی خداوندی ہوں گے تو پھر نظر عنایت خدا
وندی اُس کے حال پر کیوں نہ ہوگی۔

لیکن اتنی بات اور قابل گذارش ہے
کہ جیسے انوار میں باہم فرق مراتب ہے آفتاب و قمر و کواکب و آئینہائے قلعی دار و
ذرات و زمین میں دیکھئے کتنا فرق ہے۔ ایسی ہی اخلاق میں بنی آدم باہم متفاوت
ہیں سو جو لوگ فہم و اخلاق میں بمنزلۂ شمس و قمر و کواکب ہوں وہ تو نبی ہو سکتے
ہیں اور جو لوگ بمنزلۂ آئینہ و ذرہ و زمین میں مستفیض ہوں وہ لوگ سب اُمتی ہوں
گے یوں کوئی ولی یا صالح ہو تو ہو۔

غرض انبیاء کی حقیقت امتیوں کے حقائق کے فہم و اخلاق کی اصل ہوتی ہے
جیسے آفتاب و قمر و کواکب آئینوں اور ذرّوں اور زمین کے انوار کی اصل ہیں سو جو لوگ

---

[1] یعنی جب نہ معجزات سے کام چلا نہ اعمال صالحہ سے یہ کام نکلا تو اب لائق انعام نبوت اگر ہیں تو یہی اخلاق حمیدہ ہیں ورنہ اصل کارگذاری عہدۂ نبوت فہم سلیم سے متعلق ہے نبی کا کام تعلیم ہے جس کو اوّل اپنے علم کی ضرورت ہے اور ظاہر ہے کہ علم اگر ہے تو حصۂ فہم سلیم ہے۔ ۱۲ منہ

دربارۂ اخلاق اصل ہوں قابلِ انعام ہوں گے کیونکہ جب اوروں سے اوپر ہوئے تو خداوند عالم جو سب سے عالی مراتب ہے اُن سے بہ نسبت اوروں کے قریب ہوگا۔ اس لئے تقرب مشارُالیہ جو نبیوں کو ضرور ہے انہیں کو میسّر آئیگا اور خلافت خداوندی کے مستحق وُہی ہونگے کیونکہ بادشاہ کی ماتحتی اور اُس کی خلافت بجز مقربان درگاہ اور کسی کو میسّر نہیں آسکتی سو نبوت میں بجز خلافت خداوندی اور کیا ہوتا ہے جیسے حکام ماتحت کے احکام بعینہ وہ احکام بادشاہی ہوتے ہیں ایسے ہی انبیا علیہم السلام کے احکام بعینہ احکام خدائے تعالیٰ ہوتے ہیں۔ بالجملہ بنار نبوت اخلاق حمیدہ کے کمال پر ہے۔

آنحضرت کے اخلاقِ حمیدہ سے نبوت محمدی پر استدلال

مگر ہم نے غور سے دیکھا تو اخلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کو بڑھ کر نہ پایا۔ آپ کے اخلاق کی ایک تو یہی بڑی دلیل ہے جو اوروں کے نزدیک موجب اعتراض ہے۔

اور لوگ جہاد کو بڑا اعتراض اس مذہب پر سمجھتے ہیں مگر قطع نظر اس سے کہ جہاد اور دینوں میں بھی تھا اور عقل سلیم کے نزدیک بیشک ایک عمدہ سامان تہذیب عالم اور ذریعہ رفع شرک و الحاد و فتنہ و فساد ہے بے لشکر جرار ممکن نہ تھا سو یہ لشکر جرار جس نے روم و شام و عراق و ایران و مصر و یمن کو زیر و زبر کر دیا آپ کو کیونکر میسر آیا۔

بظاہر فراہمی لشکر دُنیا میں دو دیکھتے ہیں مال و دولت یا حکومت کی جبرد تعدّی، سو آپ میں دونوں نہ تھے آپ کہیں گے بادشاہ نہ تھے بادشاہزادے نہ تھے جاگیردار نہ تھے تعلقہ دار نہ تھے جو یوں کہیے لشکر نوکر رکھا اور یہ کار نمایاں کر دکھایا، حاکم نہ تھے جو یوں کہیے ایک ایک دو دو آدمی گھر پیچھے مثلاً جیسے بعض سلطنتوں کے قصّے سُنتے ہیں منگا بھیجے اور یہ ساتحر برپا کیا بجز اخلاق اور کیا چیز تھی جس نے یہ تسخیر کی اور برابر کے بھائیوں کو ایسا مسخر کر دیا کہ جہاں آپ کا پسینہ گرے وہاں خون گریں۔

پھر یہ بھی نہیں کہ ایک دو روز کا ولولہ تھا ہو چکا عمر بھر یہی کیفیت رہی آپ

ہی کے پیچھے گھر سے بے گھر ہوئے زن و فرزند کو چھوڑا گھر بار سب پر خاک ڈالی خویش و اقربا سے لڑے اُن کو مارا یا اُن کے ہاتھوں سے مارے گئے یہ آپ کے اخلاق اور آپ کی محبت نہ تھی تو اور کیا تھا۔

غرض ملک عرب جیسے بے پیروں خود سروں کو ایسا مٹھی میں لیا کہ کسی نرم مزاج غریب طبیعت کے لوگوں کے کسی گروہ کی نسبت بھی ایسی تسخیر آج تک کسی نے نہ سنی ہوگی ایسے اخلاق کوئی بتلائے تو سہی۔

حضرت آدم علیہ السلام میں تھے یا حضرت نوح علیہ السلام میں تھے یا حضرت ابراہیم علیہ السلام میں تھے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام میں تھے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں تھے یا کسی اور میں تھے انصاف سے کوئی صاحب بتلائیں تو سہی اس قسم کے اخلاق کا کوئی اور شخص ہوا ہے۔

یہی تقریر ہو رہی تھی اور لوگوں پر ایک کیفیت تھی ہر کوئی ہمہ تن گوش ہو کے مولوی صاحب کی جانب تک رہا تھا کسی کی آنکھوں میں سنتے ہیں آنسو۔ کسی کی آنکھوں میں حیرت۔ پادریوں کی یہ حالت کہ ششدر بحیص و حرکت۔ جو پادری صاحب نے اطلاع دی آپ کا وقت ہو چکا۔ سننے والوں کو ارمان رہ گیا۔

مولوی محمد قاسم صاحب نے فرمایا صاحبو تنگیٔ وقت سے معذور ہوں ورنہ انشاء اللہ شام کر دیتا جو کچھ کہا دریا میں کا ایک قطرہ سمجھئے۔

موتی میاں صاحب نے پکار کر کہا صاحبو سنا جو کچھ بیان ہوا یہ دریا میں کا ایک قطرہ ہے۔

خیر جناب مولوی محمد قاسم صاحب تو اپنی جائے پر جا بیٹھے اور پادری نولس صاحب کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا۔

پادری نولس کا اعتراف اور تثلیث پر استدلال

"واقعی مسلمانوں میں توحید بہت عمدہ ہے پر کاش اس کے ساتھ تثلیث کا بھی ان میں اعتقاد ہوتا" پھر اس کے بعد اوّل تو عہد عتیق کی کسی کتاب کا حوالہ دے کر کہا کہ "دیکھو اس

سے بھی تثلیث ثابت ہوتی ہے۔ اس کے بعد دلائل عقلیہ پہ جھکے اور بزعم خود یہ ثابت کیا کہ توحید بے تثلیث سمجھ میں ہی نہیں آتی اور توحید بے تثلیث ممکن ہی نہیں فرماتے ہیں "دیکھو ہم ایک کا ہندسہ لکھتے ہیں اور اُس میں طول بھی ہوتا ہے عمق بھی ہوتا ہے وہ ہندسہ ایک ہے پر بے ان تین باتوں کے موجود نہیں ہو سکتا۔ آدمی کی روح ایک ہے مگر اس میں خواہش بھی ہے قوت خیالیہ بھی ہے۔ اور خدا جانے ایک کوئی اور چیز کہی اور کہا دیکھو روح ایک ہے پر بے ان تین باتوں کے ہو نہیں سکتی۔ دیکھو درخت ایک ہے پر اس میں جڑ بھی ہے شاخیں بھی ہیں پتے بھی ہیں۔ وہ ایک بے ان تین چیزوں کے نہیں ہوتا۔

مسئلہ تقدیر پر اعتراض اور اس پر سوال و جواب

غرض اثبات تثلیث میں یہ دلفریب باتیں کرتے کرتے تقدیر کے مسئلہ کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ فرمایا کہ "مسلمانوں کے مذہب میں ایک اور نقصان ہے کہ ان کے ہاں تقدیر کی تعلیم کی جاتی ہے اور اس کی سند میں کہا سورہ تغابن میں ہے ہوالذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مومن۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تم کو اس طرح کہ کوئی تم میں سے کافر اور کوئی مومن۔"

اس پہ مولوی محمد قاسم صاحب بولے پادری صاحب میں کچھ عرض کیا چاہتا ہوں ایک دو بات کہہ لوں پھر آپ فرمائے جائیگا۔ کل آپ ہم پہ یہ اعتراض کرتے تھے کہ آپ نے اپنے مذہب کے فضائل نہ بیان کئے ہم پر اعتراض کر دیئے۔ آج آپ نے بھی وہی شیوہ اختیار کیا دوسرے اس مسئلہ تقدیر کو پیش کرنا آپ کی مغلوبیت کے آثار میں سے ہے۔ پادری صاحبوں کی یہ آخری چال ہوتی ہے۔ جب سب طرف سے مجبور ہو جاتے ہیں تو تقدیر کے مسئلہ کو پیش کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اہل اسلام کو اس کا جواب نہ آئے گا۔ مگر میں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ آپ اس اعتراض کو بھی پیش کر لیجئے ہم انشاء اللہ اس کا بھی جواب دیں گے یہ کہکر کہا اب فرمائیے۔

آخر پادری صاحب نے یہ مضمون ادا کیا کہ اگر تقدیر کو مانئے تو بندہ بے گناہ

"اور خدا ظالم ہوگا جو پہلے سے بہت سے آدمیوں کو جہنم کے لئے تجویز کر دیا اور پھر اُسی کے موافق کیا اُس کو نکالنا تھا نہ دھکا دینا تھا۔ علاوہ بریں آدمی سب ایک سے ہیں جیسے سارے آدمیوں کے ہاتھ پاؤں آنکھ ناک کان ایک سے ہیں۔ ایسے ہی روح کو سمجھئے غرض یہ فرق کفر وایمان پہلے سے نہیں اپنے آپ کوئی مومن ہو جاؤ یا کافر ہو جاؤ"

جس وقت پادری صاحب یہ فرما رہے تھے کہ سب آدمیوں کی آنکھ ناک ایک سی ہیں تو مولوی نعمان خاں صاحب کیا فرماتے ہیں" پادری صاحب مجھ کو اور اپنے آپ کو مستثنیٰ کر لیجیے میں بھی گنجا ہوں آپ بھی گنجے ہیں" یا اس قسم کی بات کسی اور کرسٹان نے کہی تھی۔ اُس پر مولوی صاحب نے یہ فرمایا سو پادری صاحب بھی تبسم کرنے لگے اور ماسٹر جعل وغیرہ کرسٹان جو اُن کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے بہت ہی ہنسے مگر پادری صاحب اپنی کہے چلے جاتے تھے۔

جو پندرہ منٹ ہو چکے اپنے نزدیک مضمون کو ناتمام سمجھ کر مولوی محمد قاسم صاحب وغیرہ کی طرف مخاطب ہو کر کیا کہتے ہیں اگر آپ صاحب مہربانی فرما کر کچھ اور مہلت دیں تو ہم کچھ اور بیان کر لیں۔ اس پر اوروں کی تو رائے نہ تھی کہ اُنکو مہلت دی جائے یعنی جب وہ ہم کو مہلت نہیں دیتے تو ہم کیوں دیں۔ اچھا اُن کا بھی مضمون ناتمام ہی رہیگا۔ مگر مولوی محمد قاسم صاحب نے یہ سمجھ کر کہ ہم اُن کو مہلت دیں گے تو یہ بھی ہم کو مہلت دیں گے پھر ہم انشاء اللہ بہت کچھ بیان کر لیں گے ادھر ان کو اس بات کے کہنے کی گنجائش نہ رہے گی کہ ہمارے اعتراض بیان نہ ہونے پائے ورنہ حقیقت معلوم ہوتی یہ کہا پادری صاحب ہم آپ کی طرح نہیں کہ اجازت ہی نہ دیں ہماری طرف سے اجازت ہے آپ پندرہ منٹ کی جگہ بیس منٹ بیان کریں پچیس منٹ بیان کریں تیس منٹ بیان کریں آپ حسب دل خواہ بیان کر لیں ہم انشاء اللہ سب کا جواب دیں گے۔

قصہ کوتاہ پادری صاحب نے اُس ایک مضمون کو بہت دیر تک بیان کیا اور اپنا سارا خوب زور مارا تیس منٹ جب ہو چکے تب چپکے ہوئے۔

حضرت نانوتویؒ کی دوسری تقریر

وہ بیٹھے اور جناب مولوی محمد قاسم صاحب کھڑے ہوئے اور ہنس کر یہ فرمایا لیجئے پادری صاحب اب ہم کو بھی تیس منٹ کی اجازت دیجئے لاچار ہو کر پادری صاحب کو اجازت دینی پڑی۔ جناب مولوی محمد قاسم صاحب اُسی میز کے پاس تشریف لے گئے اور اوّل یہ کہا کہ کل کے جلسہ میں تو ہماری طبیعت بہت کبیدہ تھی۔ پادری صاحبوں کی طرف سے وہ لوگ کھڑے ہوتے تھے جن کو گفتگو کا سلیقہ نہ تھا الفاظ سے اوقات کی خانہ پُری کر دیتے تھے مگر ہاں آج ہماری طبیعت بہت محظوظ ہوئی۔ پادری صاحب بہت خوش تقریر اور صاحب سلیقہ ہیں اُن کی باتوں کے جواب دینے کو ہمارا بھی جی چاہتا ہے مگر باوجود اس لیاقت کے پادری صاحب نے ایسی ایسی غلطیاں کھائی ہیں کہ کیا کہئے۔ میں بغرض توہین پادری صاحب نہیں کہتا امر واقعی بیان کرتا ہوں۔

پادری نولس کے دعوائے تثلیث اور اس کے دلائل کا تارو پود

پادری صاحب کا دعویٰ کچھ ہے سوال از آسماں جواب از ریسماں۔ دعوے تو یہ کرتے ہیں کہ جیسے ہمارا خدا واحد حقیقی ہے ایسے ہی وہ باوجود وحدۃ حقیقی کے کثیر بھی حقیقی ہے یعنی حقیقت میں تین بھی ہے۔

سو اس اجتماع وحدت حقیقی اور کثرت حقیقی کے لئے پادری صاحب نے دلیل بیان کی تو وہ کی جس سے کثرت حقیقی اور وحدت اعتباری کا اجتماع ثابت ہوتا ہے نہ اصل مطلب کا اثبات۔

پادری صاحب نے جتنی مثالیں بیان فرمائیں۔ سب اسی قسم کی ہیں توضیح کے لیئے، اوّل ایک مثال عرض کرتا ہوں۔ سنئے اگر شکر ایک برتن میں ہو اور کیوڑہ ایک برتن میں اور پانی ایک برتن میں اور پھر ان تینوں کو ایک کٹورے میں ڈال کر شربت بنائیں تو گو دیکھنے میں وہ تینوں فی الحال ایک چیز نظر آتی ہیں مگر عقل صائب ہنوز ان تینوں چیزوں کو بدستور کثیر مختلف الحقیقت سمجھتی ہے۔

غرض ان تین چیزوں کو تین مزوں کے لئے ملایا ہے اگر وہ تینوں شربت بن جانے کے وقت تین نہ رہتیں تو وہ تین باتیں جو مطلوب تھیں یعنی شیرینی اور خوشبو اور تسکین حرارت یا یوں کہیئے رفع تشنگی کاہے کو حاصل ہوتیں کچھ اور ہی بات ہو جاتی۔

سو جیسے یہاں تین چیزیں ایک ظرف میں اکٹھی ہو گئیں ہیں اور اس وجہ سے باوجود کثرت اور تثلیت حقیقی کے مشاہدہ کے وقت ایک نظر آتی ہیں، اور آنکھ سے ہر ایک جزو کو جدا جدا تمیز نہیں کر سکتے ایسے ہی پادری صاحب نے جتنی مثالیں بیان فرمائیں ان سب میں تین تین چیزیں ایک جا اکٹھی ہیں اور نظر سرسری اجمالی میں ہر جگہ وہ تینوں ایک نظر آتی ہیں اور باہم متمیز نہیں ہوتیں ورنہ حقیقت میں سب مثالوں میں مضامین مختلفہ مجتمع ہیں عقل حقیقت بین کی نزدیک ہنوز بدستور ایک دوسرے سے متمیز ہے یعنے ہر ایک کے آثار و لوازم جدے جدے ہیں ہر ایک سے جدی بات مطلوب، ہے خواہش نفسانی کا مثلاً کچھ اور کام ہے اور قوت خیالیہ کا کچھ اور اگر بعد اجتماع کثرت نہ رہتی وحدت ہو جاتی تو یہ تین مطلب کاہے کو حاصل ہوتے اسی طرح اور مثالوں کو سمجھ لیجیے۔

الغرض طول عرض عمق تین مضمون ایک جا اکٹھے ہو گئے ہیں اور اسی طرح جڑ اور شاخیں اور پتے تین جدی جدی باتیں ایک جا اکٹھی ہو گئی ہیں چنانچہ ظاہر ہے (اہل فہم کو معلوم ہوگا کہ درخت کی مثال میں ہر ایک کی جدائی ایسی ظاہر ہے کہ آنکھوں سے بھی معلوم ہوتی ہے)

صرف تثلیت ہی کا اقرار کیوں؟

علاوہ بریں اگر یہی اتحاد اور وحدت ہے تو ایسا اتحاد اور وحدت تو اور اعداد میں بھی پایا جاتا ہے۔ تین ہی کی کیا خصوصیت ہے جو تثلیث کا تو اعتقاد ہے اور تربیع و تخمیس وغیرہ سے انکار پادری صاحب نے جتنی مثالیں بیان فرمائیں انہیں کو غور کیجئے تو تین سے زیادہ زیادہ مضمون مجتمع ہیں ایک کا ہندسہ اگر لکھتے ہیں تو سوا طول و عرض و عمق موہوم کے

اُس میں سیاہی اور سیاہی کی چمک اور خوبصورتی وغیرہ بھی پائی جاتی ہے، ایک جان میں کتنی صفات اور احوال ہوتے ہیں ایک پادری صاحب میں کس قدر اخلاقِ حمیدہ ہیں اور ایک خدا تعالیٰ میں کتنی صفات کمال ہیں۔ ایک درخت میں ہزاروں شاخیں ہزاروں پتے ہیں ہزاروں پھول ہیں اور پھر ہر شاخ و برگ اور پھل پھول میں کس قدر رگیں اور رنگتیں ہیں علیٰ ہذا القیاس یہ ایک خیمہ ہے اور اس میں کتنی چوبیں ہیں اور کتنے آدمی ہیں ایک کے ہندسہ میں یہ سب کچھ ہے۔ اور پھر ایک کا ایک روح انسانی میں یہ سب کچھ ہے اور پھر ہر ایک کی ایک ذات خداوندی میں غیر متناہی صفات کمال ہیں اور پھر ایک کی ایک پادری صاحب میں یہ سب کچھ ہے اور پھر ایک کے ایک درخت میں یہ سب کچھ ہے اور پھر ایک کا ایک۔

اگر یہی اجتماع کثرت حقیقی اور وحدت حقیقی ہے تو پادری صاحب نے تثلیث ہی پر کیوں قناعت فرمائی تربیع تخمیس بلکہ تسدیس و تسبیع و تثمین بلکہ تالیف وغیرہ کا اعتقاد بھی پادری صاحب کو ضرور تھا۔

توحید بے تثلیث نہیں تثلیث بے توحید سمجھ میں نہیں آسکتی

پھر اس پر پادری صاحب نے یہ کیسی الٹی بات کہی کہ توحید بے تثلیث کے نہیں ہوسکتی اگر کہنا تھا تو یہ کہنا تھا کہ تثلیث بے توحید سمجھ میں نہیں آتی اور ممکن ہی نہیں۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ ثلثہ تین واحدوں کو کہتے ہیں تین واحدوں کے اکٹھے ہو جانے سے ثلثہ بن جاتا ہے یعنی تین واحد کے اجتماع سے تین کا عدد حاصل ہوتا ہے سو اس سے ظاہر ہے کہ تین کا سمجھنا اور تین کا وجود بے واحد ممکن نہیں اور ایک کا وجود ایک سمجھ لینا بے تین کے متصور ہے۔

وحدت حقیقی اور کثرت حقیقی ایک شئی میں مجتمع ہونا محال ہے

اور ان سب باتوں سے قطع نظر کیجے وحدت حقیقی اور کثرت حقیقی کا ایک شے میں مجتمع ہونا محال ہے جیسے ایک وقت میں ایک شے کا ہونا اور نہ ہونا کی عقل اور ایک وقت میں ایک جا پر دھوپ اور سایہ کا ہونا اور گرمی اور سردی کا ہونا محال ہے کسی عاقل

اس کو تجویز نہیں کر سکتی ایسے ہی وحدت حقیقی اور کثرت حقیقی اجتماع کو کسی کی عقل تجویز نہیں کر سکتی علاوہ بریں جاہلوں کو ہر فن میں اس فن کے اہل کمال کا اتباع اور تقلید ضروری ہے اس نظر سے بھی اس اجتماع کے محال ہونے کو ماننا لازم تھا کیونکہ یہ مسئلہ منجملہ مسائل معقول ہے سو تمام معقولیوں کا اس پہ اتفاق ہے کہ اجتماع النقیضین اور اجتماع الضدین محال ہے۔ پھر جب وحدت حقیقی اور کثرت حقیقی دونوں باہم متضاد ہوں تو ان دونوں کا ایک جا پر اجتماع کیونکر تسلیم کیا جائے۔

حاصل تقریر متعلق تثلیث تو ہو چکا لیکن بغرض توضیح راقم کی یہ گذارش ہے کہ اگر کوئی کم عقل بھی یہ تجویز کر سکے کہ وحدت حقیقی اور کثرت حقیقی میں تضاد نہیں تو البتہ معتقدان تثلیث کو اہل عقل نہ سہی دیوانوں ہی کے سامنے منہ کرنے کی گنجائش ملتی مگر جب کوئی شخص بھی اس مضمون کو تجویز نہ کر سکے تو پھر خدا جانے کس بھروسہ اس مسئلہ کو اہل توحید کے سامنے پیش کیا کرتے ہیں۔

مسئلہ تثلیث مخالف عقل ہے

تمام جہان کے مذاہب کو دیکھئے تو گو کوئی مذہب کیسا ہی باطل کیوں نہ ہو پر اس میں بھی ایسا مسئلہ مخالف عقل نہ ہوگا جیسا مسئلہ تثلیث مخالف عقل ہے مگر افسوس صد افسوس ایسی بات تو قبول کرلیں اور ایسے ایسے پوچ اعتراض کریں۔ جن کے لئے اہل عقل کے نزدیک جواب کی حاجت ہی نہ ہو۔

تثلیث کو تسلیم کر لینے کے نتائج

اگر اس قسم کی باتوں کا بھی تسلیم کر لینا انسان کے ذمہ ہے تو ظلم، قتل، جھوٹ، فریب، زنا، اغلام وغیرہ گناہان اور مخالفت خدا و انبیاء کا طاعت و عبادت ہونا بھی واجب التسلیم ہوگا کیونکہ ان باتوں کا طاعت و عبادت ہونا اس قدر دور از عقل نہیں جس قدر وحدت حقیقی اور کثرت حقیقی کا اجتماع دور از عقل ہے۔

یہ کیا انصاف ہے کہ تثلیث

یہ کیسا انصاف ہے کہ عیسائیوں کے غیر معقول عقیدوں کو تو تسلیم کیا جائے اور دین محمدی کو نہیں!

اور کفارہ کو تو باوجود مخالفتِ عقل مان لیجیے اور دین محمدیؐ کو جس پر مخالفت عقل سلیم کا کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا تسلیم نہ کیجیے۔

باوجود اجتماع خورد و نوش اور اضطرار بول و براز و مرض و موت اور بیچارگی وقت قتل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کو تسلیم کر لیں اور اُن کے اقرار عبودیت اور بنی آدم ہونے پر بھی کچھ خیال نہ کریں اور باوجود ظہور معجزات اور دلالت اخلاق و افعال و دیگر علامات و عدم مخالفت عقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں تامل ہو عقل رہبر دین و دُنیا ہے۔ اس کی مخالفت پر کمر باندھی تو پھر وہ کیا چیز ہے جس کا اتباع کیا جائے گا۔

مسئلہ تقدیر خیر اس کے بعد اعتراض متعلق مسئلہ تقدیر کی نوبت آئی مگر غالباً مولوی صاحب نے پھر یہ کہا کہ پادری صاحبوں کا دستور ہے کہ جب کچھ بن نہیں پڑتی تو مسئلہ تقدیر کو لے دوڑتے ہیں یہ آخری چال اور آخری تدبیر ان صاحبوں کی ہوتی ہے پادری صاحب کی مغلوبیت کی نشانی ہے جو اس مسئلہ کی نوبت آئی مگر بنام خدا ہم بھی انشاء اللہ اس کا جواب شافی دیتے ہیں ہاں بوجہ تنگی وقت اور نیز لحاظ حاضرین باریک مضامین کے بیان کرنے سے تو میں معذور ہوں ایک دو موٹی بات عرض کرتا ہوں۔ اس پر ایک دیسی پادری صاحب جن کے گلے میں فوجی تمغہ پڑا ہوا تھا نام اُن کا یاد نہیں اینگ تھا یا کچھ اور بولے آپ پہلو تہی کرتے ہیں۔ مولوی احمد حسن صاحب امروہی کو اس پر غصہ آ گیا دو چار ترش باتیں اُن کو سنائیں۔ مگر جناب مولوی محمد قاسم صاحب نے مولوی صاحب کو تھاما اور کہا آپ کو نہیں کہتے مجھ کو کہتے ہیں۔ ادھر پادری صاحب موصوف سے کہا آپ بڑے پادری صاحب سے اجازت دلوائیں پھر دیکھیں میں پہلو تہی کرتا ہوں یا بیان کرتا ہوں۔

ایک مثال سے مسئلہ تقدیر کی وضاحت قصہ کوتاہ پادری صاحب موصوف تو کچھ نہ بولے اور جناب مولوی محمد قاسم صاحب نے اپنا مطلب شروع کیا، بغرض توضیح اوّل ایک مثال بیان کی اور یہ کہا "فرض کرو ایک قطعہ زمین کسی شخص کا افتادہ

ہے جس میں مکان و دیوار کچھ نہیں مالک زمین نے چاہا اس میں مکان بنائے بحیثیت مالکیت مالک مذکور کو اختیار ہے جس طرف جو چاہے بنائے والان بنائے چاہے باورچی خانہ چاہے پاخانہ چاہے غسلخانہ بنائے زمین کی طرف سے کچھ انکار نہیں۔ گویا قطعۂ زمین بزبانِ حال وہ و دستہ عرض کرتا ہے میں ہر طرح حاضر ہوں۔ جس طرف جو چاہیے بنائیے خیر مالک زمین نے اپنے نزدیک مناسب نامناسب دیکھ کر کہیں والان در والان یا آگے پیچھے والان اور کوٹھا بنایا کہیں کوٹھری کہیں باورچی خانہ کہیں غسل خانہ کہیں پاخانہ کہیں بدرو موری کہیں دروازہ بنا کر مکان تیار کیا۔

مگر جیسے قبل تعمیر صاحب زمین کو اس بات کا اختیار تھا کہ جہاں جو چاہے بنائے ایسے ہی بعد بنا لینے کے اس بات کا اختیار ہے کہ جہاں جو چاہے کرے والان میں پاخانہ پھر و تو اس کو انکار نہیں اور پاخانہ میں جا کر جلوس کرو تو اس کو دشوار نہیں۔

ہاں جیسے بناتے وقت مناسب نامناسب کا لحاظ تھا کام کرتے وقت بھی مناسب نامناسب کا لحاظ ہو گا یعنے پہلے مثلاً اس بات کا خیال تھا کہ اگر موقع بے موقع کام کیا جائے گا تو نقشہ مکان ناموزوں ہو جائے گا۔ اب یہ خیال پیش نظر ہو گا کہ اگر موقع بے موقع کام کیا جائے گا۔ تو خلاف تہذیب و عقل سمجھا جائیگا۔

لیکن اس صورت میں اگر فرض کرو پاخانہ کو زبان عنایت کی جائے اور وہ یہ عرض کرے کہ میں نے کیا تقصیر کی ہے جس کے عوض یہ سزا ملتی ہے کہ ہر روز پاخانہ اور نجاست ڈالا جاتا ہے اور والان اور شہ نشین نے کونسا انعام کا کام کیا ہے جس پر بوریا بچھا کر شطرنجی بچھاتے ہیں اور پھر چاندنی اس پہ قالین بچھایا جاتا ہے۔ گاؤ تکئے رکھے جاتے ہیں شیشہ آلات سے آراستہ کرتے ہیں جھاڑ اور فانوس روشن کئے جاتے ہیں گلدستہ رکھے جاتے ہیں۔ عطر سے معطر کرتے ہیں۔ گلاب پاشی سے رشک گلزار بنا دیتے ہیں۔

تو میں حاضران جلسہ سے پوچھتا ہوں کہ اس صورت میں مالک زمین و مکان

غرض ہمارا وجود گو ہم سے متصل ہو پر ہمارے قبضہ میں نہیں خدا کے قبضہ میں ہے گو اُس سے علیحدہ ہے پھر جیسے قبضۂ آفتاب دھوپ سے اُٹھ نہیں سکتا تو اُس کی ملک بھی قابلِ زوال نہیں یعنی علت ملک یہی قبضۂ کامل ہے، جانورانِ صحرائی اور ماہیانِ دریائی وغیرہ اشیاء اگر ملک میں آتی ہیں تو اس قبضہ ہی سے آتی ہیں۔ اور بیع وشرا وغیرہ میں یہ قبضہ ہی منتقل اور تبدل ہو جاتا ہے۔

علاوہ بریں جیسے نور زمین جسے دھوپ کہتے ہیں، زمین کا خانہ زاد نہیں آفتاب سے مستعار ہے اور آفتاب کا خانہ زاد ہے ایسے ہی ہمارا وجود خانہ زاد نہیں ہمارے پاس خدا کی طرف سے مستعار ہے ہاں خدا کا خانہ زاد ہے اور ظاہر ہے کہ مستعار چیز اپنی ملک نہیں ہوتی اُسی کی ملک ہوتی ہے جس کی طرف سے عطا ہوتی ہے یعنی جس کی خانہ زاد ہوتی ہے پھر اُس پر سے اس کا قبضہ اُٹھ نہیں سکتا جو بیع وشراء وہبہ وتملیک کا احتمال ہو اس صورت میں کیونکر کہہ دیجئے کہ خدا کی ملک قابلِ زوال ہے بلکہ خواہ مخواہ اس کا اقرار ضروری ہے کہ خدا کی ملک ازلی اور ابدی ہے۔

الحاصل اس نام کے قبضہ اور مالکیت پر جو ہمیشہ معرضِ سوال میں رہتی ہے ہم کو اُس تحکم کی اجازت ہے اور کسی کو اُس پر اعتراض نہیں تو اُس خداوند عالم مالک الملک کو جس کی ملکیت ازلی اور ابدی ہے اور اُس کا قبضہ دائمی اور سرمدی ہے اُسی کے اپنے وجود سے ہم سب کو وجود عنایت کیا اس قدر تحکم کا کیونکر اختیار نہ ہوگا کیا وہ گنہگاروں سے یہ نہ کہہ سکے گا کہ تم اُسی لائق ہو اور تمہیں اسی لئے بنایا ہے۔ اور مطیع وفرمانبردار اسی لائق ہیں اور انہیں اُسی کے لئے بنایا ہے۔

غرض مجموعۂ عالم میں نیک وبد کے اجتماع سے اس طرح موزونی پیدا ہوتی ہے جیسے دالان اور باورچی خانہ وغیرہ کی فراہمی سے مکان کی موزونی پیدا ہوتی ہے جیسے وہاں دونوں کے اجتماع میں کمال مکان ہے ایسے ہی یہاں بھی دونوں کے اجتماع میں کمال عالم ہے۔

حضرت نانوتوی کی تقریر پہ پادری نولس کا اعتراض اور آپ کا جواب

اس قسم کی تقریروں کے بعد وقت میں گنجائش نہ رہی تیس منٹ ہو چکنے مولوی محمد قاسم صاحب تو بیٹھ گئے پادری نولس صاحب کھڑے ہوئے اور فقط اتنا فرمایا کہ میں جانوں پاخانہ کی مثال اچھی نہیں اور اسی وقت ایک کرشٹان اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے آہستہ سے بولے اچھا زمین کو نعوذ باللہ خدا کا پاخانہ بنایا۔

مولوی محمد قاسم صاحب یہ سنکر پھر وہیں آموجود ہوئے اور یہ کہا کہ مثالوں میں مناقشہ انصاف سے بہت بعید ہے مالک مکان اور مکانات مثل دالان وغیرہا وغیرہ میں اتنا تو تناسب ہے کہ یہ بھی مخلوق وہ بھی مخلوق خدا میں اور مخلوقات میں اتنا بھی تناسب نہیں وہ خالق تو یہ مخلوق وہ واجب الوجود تو یہ ممکن الوجود اُن کا رتبہ تو پاخانہ سے بھی کمتر ہے خصوصاً گنہگاروں اور کافروں کا رتبہ تو اُس سے بھی کم ہے۔

علاوہ بریں خدا تعالیٰ اور بندوں کی مثالیں سب مذہبوں میں موجود ہیں۔ حاصل ان مثالوں کا یہی ہوتا ہے کہ خدا کامل ہے اور مخلوقات ناقص جب امثلہ مشار الیہ میں فقط کمال اور نقصان پر نظر ٹھہری اور سوا اس کے اور خصوصیات پر جو خداوند جل مجدہ میں اُن کا تصور منجملہ تصور محالات ہی نظر نہ ہوئی تو مکان کی مثال مذکور میں بھی اتنی ہی بات پر نظر کرنی چاہیئے کہ جیسے مکان کی عمارات میں فرق کامل و ناقص ہے اور پھر اُس پر سب کے سب زیر حکم و زیر تصرف مالک مکان رہتے ہیں نہ کامل کو سرتابی کی گنجائش نہ ناقص کو حکم و تحکم سے انکار ایسے ہی عالم میں بھی فرق کامل و ناقص ہے پھر اُس پر سب کے سب زیر حکم و تصرف خالق عالم ہیں۔

علاوہ بریں یہ مثال نہیں اور مثال سہی یہ کہہ کر دوسری مثال بیان کی پر وہ مثال یاد نہیں آتی ہاں بعد اختتام مباحثہ اس قسم کے مضامین کے بیان میں مولوی محمد قاسم صاحب نے یہ مثال کئی بار بیان فرمائی کہ بجائے پاخانہ

گدھوں کا طویلہ اور سوروں کی آخور تجویز کر کے وہی سوال و جواب جو پاخانہ اور مالک مکان کے فیمابین فرض کئے تھے فرض کیجیے اور پھر دیکھئے وہ اعتراض کہاں جاتا ہے۔

عیسائی پادریوں کی افسردگی و بوکھلاہٹ کا عجب عالم تھا

قصہ کوتاہ مولوی محمد قاسم صاحب کی خوش بیانی اور پادری صاحب کی افسردگی اُس وقت قابل دید تھی جب مولوی محمد قاسم صاحب فارغ ہوئے پادری صاحب نے فرمایا کہ اب بھائی ہندو اپنا بیان کریں چنانچہ اسی بات کو سُن کر ایک پنڈت موقع گفتگو پر آن کھڑے ہوئے۔

مگر ایک دیسی پادری جو بڑے پادری صاحب کے قریب ہی بیٹھے تھے اور اُن کے اٹھنے بیٹھنے سے یہ نمایاں تھا کہ بعد پادری نول صاحب انہیں کا رتبہ ہے، پادری صاحب کی طرف جُھک کر کان میں کچھ فرمانے لگے ظاہرا یہ معلوم ہوتا تھا کہ دفع بدنامی کے لئے اس بات کے خواستگار تھے کہ بنے یا نہ بنے کچھ غلط صحیح بیان کر کے بات بنانی چاہیئے ورنہ یہی مشہور ہو گا کہ مسلمانوں کی بات کا جواب نہ آیا خیر پادری صاحب اُن صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں، یہ بھائی کچھ بیان کرنا چاہتے ہیں۔

مولوی محمد صاحب نے کہا بیان کریں مگر پھر ہم بھی کچھ بیان کریں گے خیر کچھ گفت و شنید کے بعد وہ پادری صاحب فرمانے پر آئے تو کیا فرماتے ہیں کہ

مولوی صاحب نے منطق کی بہت سی دلیلیں بیان کی ہیں اور منطق ایسا علم ہے کہ اُس کی بہت سی باتیں کسی کی سمجھ میں نہیں آتیں اور دلیلیں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک یعنی مطلق ایک یعنی مقید مطلک وہ ہے جو احاطہ کے اندر ہو اور مکید وہ ہے جو احاطہ سے باہر ہو۔

غرض صحۃ لفظی اور صحۃ معنوی دونوں بدرجہ تمام تھیں قاف کے بدلے کاف سے کام لیتے تھے اور مطلق کی تفسیر میں مقید کے معنے اور مقید کی تفسیر

میں مطلق کے معنے بیان فرماتے تھے اس وقت مولوی رحیم اللہ صاحب مولوی فخر الحسن صاحب اور مولوی محمود حسن صاحب کی طرف دیکھ کر ہنسے اور وہ بھی ہنسے۔

اس پر مولوی محمد قاسم صاحب نے ارادہ کیا کہ کچھ بیان کریں، غرض یہ تھی کہ تم نے منطق جاننے والے دیکھے نہیں تم منطق کی باتوں کے سمجھنے کو کہتے ہو فضل الٰہی سے اب بھی ایسے ایسے آدمی موجود ہیں جو منطق کو نئے سرے سے ایجاد کر دیں مگر مولوی احمد علی صاحب ساکن نگینہ نے روکا اور یہ کہا کہ کس کے مقابلہ میں کھڑے ہوتے ہو حق واضح ہو گیا پھر کاہے کو اٹھتے ہو۔

غرض اس قسم کی گفتگو آخر جلسہ میں بیان کی مگر بعد میں مولوی محمد قاسم صاحب سے سنا کہ پاخانہ کی مثال پر پادری صاحب کس منہ سے اعتراض کرتے ہیں یعنی اُن کا خدا تو بول و براز سے منزہ نہیں۔ خدا جانے نہ بیان کرنے کا یہ باعث تھا کہ کسی کو بُرا نہ لگے یا اُس وقت خیال ہی نہ آیا۔

ہندو پنڈتوں کی تقریریں اور اس پر سوال و جواب

اس کے بعد پھر ہندو کچھ کہتے رہے اور انہیں کی تحریروں میں دو بج گئے۔ اوّل اس پنڈت نے ایک تحریر مختصر پڑھی جس کے موقع گفتگو پر آنے کا ہم اوّل ذکر کر چکے ہیں وہ تحریر ناگری میں لکھی ہوئی تھی۔ مضمون اس کا اکثر اہل اسلام اس وجہ سے کم سمجھے کہ اُس کے اکثر الفاظ زبان سنسکرت کے تھے اپنی سمجھ میں جس قدر آیا اور یاد رہا وہ یہ ہے کہ

مباحثہ میں نفسانیت نہیں چاہیئے اور شاید اُسی تحریر میں یہ بھی تھا کہ پادری صاحب جو ترجموں کی کثرت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ انجیل کتاب آسمانی ہے تو اُس کا یہ مطلب ہوا کہ جو چیز کثرت سے ہو وہ اچھی ہوتی ہے حالانکہ کیڑے مکوڑے عالم میں آدمیوں سے زیادہ ہیں اور افضل بنی آدم ہیں یا یہ مضمون یونہی زبانی اُن پنڈت صاحب نے بیان کیا تھا

اور اغلب یہ ہے کہ اُس وقت اُن پنڈت صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ میں سب سے پوچھتا ہوں اور مولوی محمد قاسم کی طرف اشارہ کرکے کہا خاص ان مولوی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ نبوۃ کے لئے کس چیز کی ضرورت ہے یا اس کے قریب قریب کوئی اور مضمون تھا۔

اس پر مولوی محمد قاسم صاحب سے پہلے پادری نولس صاحب نے فرمایا کہہ تو دیا اخلاق چاہئیں یعنی مولوی محمد قاسم صاحب کی تقریر کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ انہوں نے بیان تو کر دیا ہے کہ نبوۃ کے لئے اخلاق کی ضرورت ہے اور اسی کے ساتھ مولوی محمد قاسم صاحب نے بھی یہی کہا سو وہ تو ایک دو بات کے بعد چپ ہو رہا۔

مگر ایک فقیر سر برہنگ آئے اور ایک تحریر طویل جو بخط ناگری لکھی ہوئی تھی لائے اور پڑھنی شروع کی اکثر الفاظ سنسکرت کے تھے اور اسی زبان کے دوہرے اُس میں مرقوم تھے اس سبب سے اکثر اہل اسلام اُس کو پورا پورا نہ سمجھ سکے کسی قدر سمجھ میں آیا تو یہ آیا کہ ہندوؤں کی نسبت در بارۂ اعمال و اقوال کچھ دُور دیک تھی باقی علمیت کی بات کوئی نہ تھی۔

گوشت خوری پر اعتراض اور اُس کا جواب

اس کے بعد منشی پیارے لال نے ایک تحریر پڑھی اس میں گوشت کے حلال ہونے پر یہ اعتراض تھا کہ یہ ظلم ہے اور پھر اس کے ساتھ یہ بھی تھا کہ اہل اسلام حرم کے جانوروں یعنی مکہ معظمہ کے جنگل کے جانوروں کو نہیں کھاتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک بھی گوشت کھانا جائز نہیں۔

اس پر مولوی احمد حسن صاحب نے کچھ ایسا فرمایا کہ ظلم اُسے کہتے ہیں، جو کسی کی چیز کو اُس کی خلاف مرضی اور بلا اجازت تصرف میں لائے اور اجازت سے تصرف کرے تو اُس کو ظلم نہیں کہتے۔ سو ہم جانوروں کو اگر کھاتے ہیں، تو خدا کی اجازت سے کھاتے ہیں۔ باقی حرم کے جانوروں کا نہ کھانا ایسا ہے

جیسا کہ کوئی شخص اپنے محبوب کے کوچہ کے جانوروں کو باوجودیکہ گوشت کھایا کرتا ہو کچھ نہ کہے۔

اُس کے بعد پادری نولس صاحب نے کھڑے ہو کر کہا شمال کی طرف بعض اقلیموں میں سردی کی کثرت کے باعث کھیتی گھانس کچھ نہیں ہوتی ہاں جانور البتہ ہوتے ہیں اور پھر اس پر وہاں بھی آدمی آباد ہیں اگر جانور حلال نہ ہوں تو وہ سب آدمی ضائع ہو جائیں اور خدائے تعالیٰ کے رحم سے بہت بعید ہے کہ ایک مخلوق کو پیدا کرے اور اُن کے کھانے کے لئے کچھ غذا پیدا نہ کرے غرض وہاں یہی گوشت غذا ہے اگر حلال نہ ہو تو وہاں کے تمام آدمی مرجائیں۔

جب میلہ برخاست ہوا

اس کے بعد جلسہ برخاست ہوا اور اہلِ اسلام سے یہ کہا گیا کہ کل گفتگو اور مباحثہ نہ ہوگا۔ اٹھتے وقت مولوی محمد قاسم صاحب نے پادری صاحب سے کہا کہ ہم آپ کے اخلاق کے بہت مشکور ہیں اور اب ہم رخصت ہوتے ہیں پادری صاحب نے کہا کہ میں آپ کے اخلاق سے بہت خوش ہوا اور پھر نام و نشان و مکان پوچھا مولوی صاحب نے اپنا تاریخی نام خورشید حسین بتلایا اور یہ کہا کہ میں ضلع سہارن پور کا رہنے والا ہوں۔

حجۃ الاسلام محمد قاسم نانوتوی زندہ باد

قصہ مختصر میلہ برخاست ہوا باہر آتے ہی مولوی محمد قاسم صاحب کے گرد ایک ہجوم تھا، ہندو مسلمان سب گھیرے کھڑے تھے مسلمانوں کی اس وقت جو کیفیت تھی سو تھی مگر ہنود بھی بہت خوش تھے۔ آپس میں کہتے تھے کہ نیلی لنگی والے مولوی نے پادریوں کو خوب مات دی وہ پنڈت صاحب بھی اس وقت مولوی صاحب کے پاس آبیٹھے جنہوں نے جلسہ میں یہ کہا تھا کہ میں سب سے پوچھتا ہوں اور مولوی قاسم صاحب کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا خاص کر ان سے اور اُس

وقت یہ کہا کہ میں سچے جی سے مذہب کے مقدمہ میں پوچھنا چاہتا ہوں یہ آدمی اُس سے پوچھے جو دوسرے کو سمجھا سکے یعنی اس لئے مولوی محمد قاسم صاحب نے کہا جو کچھ آپ فرماتے ہیں ہمارے دل کو بھی لگتا ہے اور ہم آپ سے اُمید رکھتے ہیں کہ جو کچھ ہم کہیں گے آپ بھی اُس کو صداقت ہی پر محمول کریں گے، تعصب اور سخن پروری نہ سمجھیں گے مگر مذہب کے باب میں اطمینان بے اس کے متصور نہیں کہ مہینہ پندرہ روز آپ اور ہم ساتھ رہیں اور باہم مذہب کی باتیں کرتے رہیں پنڈت جی نے کہا ہاں ٹھیک ہے اور کسی قدر ہمراہی کا بھی اقرار کیا مگر پھر ان کا پتہ نہ لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد موتی میاں صاحب نے آکر فرمایا پادری کہتے تھے کہ گو یہ صاحب یعنی مولوی محمد قاسم صاحب ہمارے خلاف کہتے تھے پر انصاف کی بات یہ ہے کہ ایسی تقریریں اور ایسے مضامین ہم نے نہ سنے تھے۔

ادھر مولوی احمد علی صاحب نے فرمایا پادری باہم کہتے تھے، آج ہم مغلوب ہو گئے۔

مُلاقاتیں

مرزا موحد صاحب کی پادری نولس سے ملاقات اور تقدیر پر گفتگو

بعد عصر مرزا موحد صاحب پادری نولس صاحب کے پاس گئے ادھر اُدھر کی باتیں کر کے یہ کہا توراۃ میں بتصریح تقدیر کا ثبوت ہے پھر آپ نے یہ کیا کیا جو تقدیر کا انکار کیا پادری صاحب نے فرمایا ہاں توراۃ میں تقدیر کا ثبوت موجود ہے مگر عیسائیوں میں دو فرقے ہیں اور اُن دونوں کے کچھ نام بتلائے خوب یاد نہیں رہے اور پھر یہ کہا کہ ہم اُن لوگوں میں ہیں جو منکر تقدیر ہیں

مگر اہل فہم خود سمجھ گئے ہوں گے کہ اس صورت میں پادری صاحب کا اعتراض بہ نسبت تعلیم تقدیر جو بمقابلہ مولوی محمد قاسم صاحب پیش کیا تھا اور مولوی محمد قاسم صاحب نے اُس کا جواب دندان شکن دیا تھا فقط اہل اسلام ہی پر نہ رہا بلکہ تورات پر بھی اُن کا اعتراض ہوا، جس کے سبب خود اُن کے مذہب کی بیخ و بنیاد اُکھڑ گئی۔

حضرت نانوتویؒ کی نولسؒ سے ملاقات

اور دعوت اسلام

اور سنیئے بعد اختتام جلسہ مولوی محمد قاسم صاحب نے موتی میاں صاحب سے کہا جی چاہتا ہے پادری نولس صاحب سے تنہائی میں ملئے اور دعوۃ اسلام کیجئے انہوں نے پادری صاحب سے کہا ہمارے مولوی صاحب آپ سے تنہا ملنا چاہتے ہیں پادری صاحب نے فرمایا بہتر ہے اس کے بعد مولوی محمد قاسم صاحب پادری صاحب کے خیمہ میں گئے اور اُن کا بیان ہے کہ میں نے پادری صاحب سے یہ کہا کہ ہم آپ کے اخلاق سے بہت خوش ہوئے، اور چونکہ اخلاق باعث محبت ہو جاتے ہیں اور محبت باعث خیر خواہی ہو جایا کرتی ہے تو ہمارا جی چاہتا ہے کہ دو کلمے آپ کی خیر خواہی کے آپ سے کہیں اور آپ سنیں پادری صاحب نے کہا کہئے۔

مولوی صاحب نے کہا دین عیسوی سے توبہ کیجے اور دین محمدی اختیار کیجے دنیا چند روز ہے اور عذاب آخرت بہت سخت ہے۔

پادری صاحب نے کہا بیشک اور یہ کہہ کر چپ ہو رہے۔

مولوی محمد قاسم صاحب نے کہا اگر ہنوز آپ کو تامل ہے تو اللہ سے دعا کیجئے کہ حق واضح کر دے اگر آپ اخلاص سے دعا کریں گے تو اللہ تعالے کا وعدہ ہے ضرور حق کو روشن کر دیگا۔

پادری صاحب نے کہا میں روز دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ میرے دل کو روشن کردے مولوی محمد قاسم صاحب نے کہا یوں دعا کیجئے کہ ان مذاہب مختلفہ میں جونسا مذہب حق ہو وہ روشن ہو جائے اور حق و باطل متمیز ہو جائے پادری صاحب نے فرمایا میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میرے حق میں اتنا فکر کیا اور میں آپ کی اس بات کو یاد رکھوں گا۔

دوسرے پادریوں کی حضرت نانوتوی سے ملاقات

بعد اختتام جلسہ جو پادری صاحب پہلو تہی کا طعنہ دیتے تھے۔ قریب عصر مولوی محمد قاسم صاحب کے پاس آئے اور یہ فرمایا کہ میں ملنے آیا ہوں، اور میں اب رخصت ہوتا ہوں اب جاؤں گا مولوی محمد قاسم صاحب نے کہا آپ نے بڑا کرم کیا نام و نشان طرفین سے پوچھے گئے اس کے بعد پادری صاحب نے فرمایا مولوی صاحب آپ کی تقریر نہایت عمدہ ہے۔ مولوی محمد قاسم صاحب نے کہا۔

گاہ باشد کہ کودک ناداں

بغلط بر ہدف زند تیرے

اس کے بعد سلام کر کے رخصت ہوئے۔

اس کے بعد بعضے اور پادری چلتے پھرتے ملے اور ایسا ہی کچھ کہا۔

ہندوؤں کا حضرت نانوتویؒ سے اظہار عقیدت

جب میلہ برخاست ہونے لگا اور سب اہل اسلام وہاں سے روانہ ہوئے تو میلہ کے ہندو وغیرہ مناظران اہل اسلام کی طرف اشارہ کر کے اوروں کو بتلاتے تھے کہ یہ ہیں۔

تھوڑی دور چلے تھے کہ گاڑیوں کی قطار سے بیس قدم پر ایک جوگی جا رہا تھا پاؤں میں کھڑاویں سر پر لمبے لمبے بال برہنہ سر ہاتھ میں دست پناہ دو چار معتقد اس کے ساتھ مولوی محمد قاسم صاحب کی طرف اشارہ کر کے اپنے

ساتھیوں سے کہنے لگا۔ جب مولبی سے اتفاقاً مولوی محمد قاسم صاحب نے نظر اُدھر کو پلٹی تو اُس نے سلام کیا۔ مولوی محمد قاسم صاحب نے التفات سے ہاتھ اُٹھا کر جواب دیا اُس نے جو دیکھا مولوی صاحب التفات سے جواب دیتا ہے تو وہاں سے دوڑا اور گاڑی کا ڈنڈا پکڑ کر گاڑیبان سے کہا تھام دے اُس نے اوروں کو آواز دے کر کہا تھم جاؤ، القصہ گاڑیاں تھم گئیں۔

جوگی صاحب بولے تم نے بڑا کام کیا۔

مولوی محمد قاسم صاحب نے کہا میں نے کیا کیا پرمیشر نے کیا۔

اُس نے کہا سچ کہتے ہو۔

" پھر جوگی مذکور نے ہاتھ اٹھا کر چار انگشت سے اشارہ کر کے کہا جب تم نے بولی ماری تو ہم نے دیکھا اُس کا (یعنی پادری کا) اتنا سر یہ سُوکھ گیا تھا یا یُوں کہا گھٹ گیا تھا۔

مولوی محمد قاسم صاحب نے فرمایا تم کہاں تھے خیمہ کے باہر تھے۔

جوگی نے کہا ہم بھی خیمہ کے اندر تھے۔

پھر مولوی صاحب ممدوح نے فرمایا آپ کا نام کیا ہے۔

اس نے کہا جانکی داس۔

مولوی صاحب موصوف نے فرمایا آپ نے بڑی مہربانی کی جو آپ آئے۔

اُس نے کہا ہم تو تمہارے بیٹا بیٹی ہیں یہ کہا اور سلام کر کے چل دیا۔

حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے بارے میں عیسائی پادریوں اور ہندوؤں کے تاثرات

سید ظہور الدین صاحب ساکن شاہجہانپور امروہہ میں جناب مولوی

محمد قاسم صاحب سے کہتے تھے ماسٹر جوئل جو مدرسہ انگریزی شاہجہانپور میں مدرس ہیں کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں ایک عالم دیکھا۔

ایک اور پادری سے سید صاحب کہتے تھے میں نے پوچھا تم اُس روز کچھ نہ بولے انہوں نے کہا ہم کیا کہتے مولوی صاحب نے کونسی بات چھوڑ دی تھی جو ہم بولتے ہمارے پادری نولس ہی کو جواب نہ دیا۔

مولوی عبدالوہاب ساکن بریلی جناب مولوی محمد قاسم صاحب سے کہتے تھے کہ ایک پادری سے میری ملاقات ہے اور کچھ پتے ایسے بتلائے، جس سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہی پادری ایک تھا جس نے وقت مباحثہ کے پہلو تہی کا طعنہ دینا چاہتا تھا اور پھر بعد اختتام مباحثہ ملنے آیا تھا اور تقریر کی تعریفیں کرتا تھا۔

غرض بعد مباحثہ مولوی عبدالوہاب صاحب اور اس پادری کے اتفاق سے ملاقات ہوئی تو مولوی صاحب نے پادری صاحب سے کیفیت جلسہ پوچھی، صاحب نے فرمایا کیا پوچھتے ہو ہم کو بہت سے اس قسم کے جلسوں میں شامل ہونے کا اتفاق ہوا اور بہت سے علماء اسلام سے اتفاق گفتگو ہوا پر نہ یہ تقریریں سنیں نہ ایسا عالم دیکھا ایک پتلا دبلا آدمی میلے سے کپڑے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ یہ کچھ عالم ہیں، ہم جی میں کہتے تھے کہ یہ کیا بیان کریں گے یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ حق کہتے تھے پر اگر تقریر پہ ایمان لایا کرتے تو اس شخص کی تقریر پہ ایمان لے آتے۔ اور پھر یہ کہا کہ تقدیر کے مسئلہ کو پادری صاحب جب چھیڑا کرتے ہیں جب کوئی تدبیر غلبہ کی باقی نہیں رہتی پادری نولس صاحب نے لاچار ہو کر یہ باتیں شروع کی تھیں پہ اُس شخص نے ایسا اُن سب کو اڑایا کہ پتا نہ لگنے دیا۔

مولوی محمد احسن صاحب سے بریلی میں رمضان خاں صاحب جو اکثر اُن کے مکان کے قریب مسجد میں اذان کہا کرتے ہیں مسجد ہی میں جناب مولوی محمد قاسم

صاحب کی طرف اشارہ کرکے فرمانے لگے کہ مولوی صاحب تو اوتار ہوگئے کھتریوں میں کچھ آدمی شاہجہانپور سے آئے ہیں کیفیت مباحثہ کچھ اس طور بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی طرف سے ایک پتلا سا آدمی میلے سے کپڑے نیلی لنگی بغل میں، دبی ہوئی بیان کرنے کھڑا ہوا ایسی تقریریں بیان کیں کہ پادریوں کو جواب نہ آیا کوئی اوتار ہوں تو ہوں فقط ۔ تمت
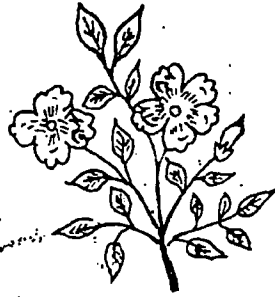
سوالات برائے رسالہ "میلہ خداشناسی"

نوٹ: سوالات بالترتیب بنائے گئے مگر طلبہ کی آسانی کیلئے سوالات کے ساتھ اس صفحے کا نمبر بھی دیا گیا ہے جس میں اس سوال کا جواب موجود ہے۔

س: میلہ خداشناسی والی گفتگوئے مذہبی کس تاریخ کو اور کس مقام پر ہوئی؟ اور اس کو سب سے پہلے کس نے شائع کیا؟ ص ۱، ۷

س: وہ کیا چیز ہے جس کا نعرہ انتہاء تک ایک جہان کے دِلوں کو زندہ کرتا رہے گا؟ ص ۷

س: میلہ خداشناسی کا پس منظر لکھیں اور محل وقوع ذکر کریں ص ۸

س: میلے کے بانی کی اس میلے کی غرض کیا تھی؟ ص ۸

س: مولانا محمد قاسمؒ کس جگہ کے رہائشی تھے ان کو اس اشتہار کی اطلاع کس نے دی؟ ان کا نام اور ان کی مشغولیت بتائیں۔ ص ۸

س: مولانا کب اور کہاں سے روانہ ہوئے راستے میں کہاں کہاں قیام کیا؟ ص ۸

س: مولانا نے اس مباحثہ کے انعقاد کی بابت کیسے تحقیق فرمائی؟ ص ۸، ۹

س: علاقے کے لوگوں نے مولاناؒ سے کس کو ہمراہ لانے کی تاکید کی اور کیوں؟ ص ۹

س: عیسائیوں کا اسلام کے مقابلہ میں کیا دعویٰ تھا؟ ص ۹

س: مولانا پانچ مئی کو کن کے ہمراہ ریل پر دہلی پہنچے اور دہلی میں ساتھ کون ملا؟ ص ۹

س: مولانا شاہجہانپور کس دن کس تاریخ کو اور کس وقت پہنچے؟ ص ۹

س: مولانا شاہجہانپور پہنچ کر رات سرائے کیوں گئے؟ اور ساتھ کسے رکھا؟ ص ۹

س: لوگوں نے سرائے میں رات مولانا کو کتنے بجے ڈھونڈھ نکالا، اور کیسے؟ ص ۹، ۱۰

س: مقام مباحثہ کا محل وقوع بتائیں اور یہ اس مناظرہ کے بانی کون تھے؟ ص ۱۰

س: مولانا مقام میلہ چاندا پور کس وقت پہنچے اور کیسے؟ ص ۱۰

س: سرکار کی طرف سے مباحثہ کا مہتمم کن کو مقرر کیا گیا، مختصر تعارف بھی لکھیں ص ۱۰
س: مناظرہ کے سٹیج کی منظر کشی کیجئے ص ۱۰
س: مناظرہ کی شرطیں کی تھیں؟ مدت مناظرہ کتنی تھی اور مولانا نے کیا مشورہ دیا؟ ص ۱۰
س: مدت وعظ کے حوالے سے مولانا کیا چاہتے تھے جو عیسائی نہ مانے؟ ص ۱۱
س: مناظرہ میں کل فریق کتنے تھے اور زیادہ گفتگو کس کس میں رہی؟ ص ۱۱
س: منشی پیارے لال نے ہندو مذہب کے تصور کی جو تقریر کی اس کا خلاصہ کیا؟ ص ۱۱
س: منشی پیارے لال کی تقریر پر کس نے اعتراض کیے مسلمانوں نے یا عیسائیوں نے؟ اور کیا اعتراض کیے؟ ص ۱۱
س: منشی صاحب کی تقریر کا نتیجہ کیا ہوا؟ ص ۱۲
س: منشی صاحب خود ہندو تھے تو ان سے ہنود کیوں الجھے؟ ص ۱۲
س: عیسائیوں کے بڑے پادری کا نام کیا تھا؟ اور وہ کس قوم سے تھے؟ ص ۱۲
س: پادری نولس کی تقریر کا خلاصہ لکھیں ص ۱۲
س: پادری نولس نے جہاد پر اعتراض کر کے نصرانیت کی افضلیت ثابت کرنے کی کوشش کیسے کی اور اس میں ناکام کیسے ہوئے؟ ص ۱۲
س: مولانا نعمان خانؒ کا مختصر تعارف لکھیں نیز یہ کہ وہ اپنے آپ کو کیا بتاتے تھے جو ان کی مہر میں کندہ تھا؟ ص ۱۳
س: مولانا نعمان صاحب کی تصانیف کے شروع کے دو اشعار لکھئے۔ ص ۱۳
س: مولانا نعمان صاحب نے کھڑے ہو کر کس اخبار کا پرچہ پڑھا؟ ص ۱۳
س: وہ کونسے پادری تھے جنہوں نے امریکہ میں انجیل کی بجائے قرآن کا درس دینا شروع کیا؟ مباحثہ میں اس کو ذکر کرنے سے مسلمانوں کی کیا غرض تھی؟ ص ۱۳
س: انجیل کے کثیر ترجموں کے مقابلہ میں قرآن کا کیا اعزاز ہے؟ ص ۱۴

س: پادری نولس نے مسلمانوں کی باتوں کا کیا جواب دیا؟ ص ۱۴

س: پادری نے اصل انجیل کے ناپید ہونے کے انکار کیا تو مولانا نے کیا کہا؟ ص ۱۴، ۱۵

س: مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے انجیل کے دعوائے تحریف کیلئے مؤرخ کی خبر کے علاوہ اور کس چیز کو دلیل بنایا؟ ص ۱۵

س: مولانا احمد حسنؒ کا مذہب عیسائیت وانجیل کے عالمگیر ہونے پر کیا اشکال تھا؟ ص ۱۵

س: عیسیٰ علیہ السلام کا قول کہ میں فقط بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کیلئے آیا ہوں [دیکھئے انجیل متی ۱۵:۲۴] ان کے عالمگیر نبی ہونے پر دلالت کرتا ہے یا خاص گروہ اور خاص وقت کیلئے نبی ہونے پر؟ اور کس طرح؟ ص ۱۵

س: خاص عام کے حوالے سے پادری نولس نے جو دلیل دی اسے ذکر کریں اور اس کا نامعقول ہونا ثابت کریں۔ ص ۱۵

س: شرح تہذیب کا ذکر کس پادری نے کیا؟ مولانا نے جواب میں کیا فرمایا؟ ص ۱۵

س: مولانا احمد علی نے عام خاص کے حوالے سے تلازم وجودی اور عدم تلازم احکام کا کیا ضابطہ بیان فرمایا؟ وضاحت سے لکھیں ص ۱۶

س: عام وخاص کو متحد ماننے سے احکام میں کیا خرابی لازم آتی ہے؟ ص ۱۶

س: سید ابوالمنصور نے ردِ حقانیت انجیل پر کیا استدلال پیش کیا؟ ص ۱۶

س: انجیل کے ترجموں کی کثرت کس صدی میں ہوئی؟ اور اس سے پادریوں کی طرف سے پیش کی گئی حقانیتِ نصرانیت کی دلیل کا رد کیسے ہوا؟ ص ۱۶

س: انجیل کے ترجموں کے حوالہ سے پادری نولس نے کیا اعتراف کیا اور اس کا اعتراف کس بات پر دلالت کرتا ہے؟ ص ۱۶، ۱۷

س: مرزا موحد کی انجیل کی اشاعت کے حوالے سے روحانی یا جسمانی ہونے کے سوال سے غرض کیا تھی؟ قدرے تفصیل سے لکھیں ص ۱۷

س: اہل اسلام کی باری آنے پر اسلام کی ترجمانی کیلئے رونق محفل کونسی شخصیت بنی؟ ص ۱۷

س: مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنی محققانہ تقریر کی ابتداء کیسے کی؟ ص ۱۷

س: مذہب کی حقانیت کی بنا عقائد پر موقوف ہے یا احکام پر اور کیوں؟ ص ۱۷

س: بنائے معبودیت کس پر ہے؟ نیز عبادت کی تعریف اور اس کی شرط ذکر کریں۔ ص ۱۸

س: اللہ تعالیٰ کے احکم الحاکمین کہلانے کی وجہ بتلایئے۔ ص ۱۸

س: احکام خداوندی میں تجسس کے حوالے سے مولاناؒ نے کیا فرمایا؟ ص ۱۸

س: خالی جگہ پر کریں

فقط...... پر اگر حقیقت مذہب کو موقوف...... جائے تو...... ہے کیونکہ اول تو...... ایک قسم کی...... ہوتا ہے۔ اگر صحیح...... ہے تو یوں کہو مطابق........... ہے اور اگر غلط...... تو یوں کہو ایک ......بات ہے۔ ص ۱۸، ۱۹

س: عقائد کی رو سے سب سے عمدہ مذہب کی تعیین کریں پھر پہلا وہ عقیدہ لکھیں جس پر اسلام کی بنیاد ہے۔ نیز کلمہ طیبہ کا مطلب بھی تحریر کریں۔ ص ۱۹

س: کلمہ طیبہ کے پہلے جز یعنی توحید کے منکر کتنے فرقے ہیں اور کون کونسے؟ ص ۱۹

س: مشرکین عرب خالق زمین و آسمان کتنے خداؤں کو سمجھتے تھے؟ مولانا نے اس بارے میں کونسی آیت پیش کی؟ ص ۱۹

س: توحید کے حوالے سے ہنود کی کیا کیفیت ہے؟ ص ۱۹

س: شرک کے حوالے سے نصرانی مشرکین سے ابتر کیسے ہیں؟ ص ۱۹، ۲۰

س: توحید اور تثلیث کے حوالے سے نصرانیوں کا عقیدہ کیا ہے؟ ص ۲۰

س: توحید اصل ٹھہری تو کن کن مذاہب کے عقائد کا بطلان ثابت ہوا؟ ص ۲۰

س: معبودِ حقیقی کے ایک ہونے کو مولانا نے عقلی دلائل سے کیسے ثابت کر دکھایا؟ ص ۲۰

س: وُجود کے خانہ زاد اور مستعار ہونے کو حرارت و نور کی مثال سے واضح کریں ص ۲۰

س: کچھ چیزوں کو ہم حادث دیکھتے ہیں جیسے پودے کہ پہلے نہ تھے پھر ہو گئے پھر کاٹ کر ختم کر دیئے گئے اور بہت سی چیزوں کو ہم قدیم یعنی ایک حالت میں دیکھتے ہیں جیسے زمین آسمان چاند سورج۔ حادث اشیاء کے وجود کا مستعار ہونا تو واضح ہے لیکن قدیم اشیاء جیسے سورج چاند وغیرہ کا وجود مستعار کیسے ہے؟ ص ۲۰، ۲۱

س: اللہ تعالیٰ کا بے نیاز مطلق ہونا اور تمام مخلوق کا اس کا محتاج ہونا مبرہن کریں ص ۲۱

س: معبود حقیقی کے ایک ہونے کو مولانا نے کس طرح ثابت کیا؟ ص ۲۱، ۲۲

س: عبادت کا مستحق صرف خدا وحده لا شريك له کیوں ہے؟ ص ۲۲

س: مولانا نے اطاعت کے کونسے دو اسباب بتائے؟ ان کو ذکر کریں پھر ان کا بدرجہ اتم اللہ تعالیٰ کیلئے ہونا ثابت کریں۔ ص ۲۲

س: نفع نقصان کا اصل مالک کون ہے اور اس کی مولانا نے کیا پہچان بیان کی؟ ص ۲۲

س: اللہ تعالیٰ تو نفع نقصان کا مالک ہونے کی وجہ سے اطاعت کا مستحق ہے انبیاءؑ کی اطاعت امتیوں پر لازم کیوں؟ ص ۲۲

س: جو ذات خود محتاج ہو مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام، سری رام، سری کرشن ان کو بے نیاز اور مشکل کشا سمجھتے ہوئے ان کی عبادت کرنا کیسا ہے؟ ص ۲۲، ۲۳

س: پادری نولس نے مولانا پر دوران تقریر کس بات سے توہین کا الزام لگایا اور مولانا نے اس الزام کو کیسے رفع دفع کیا؟ ص ۲۳

س: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کا مرتکب ہمارے ہاں کیسا ہے؟ ص ۲۳

س: عقیدۂ تثلیث کیا ہے؟ عقل کی رو سے اس کا بطلان واضح کریں (۱) ص ۲۳

س: نصاریٰ کا اپنے باطل عقیدے کے عقل کی رو سے نہ سمجھنے میں عذر کیا ہے؟ ص ۲۳

---

۱) ''قاموس الکتاب'' عیسائیوں کی مستند کتاب ہے اس میں اگرچہ تثلیث کو ثابت (باقی آگے)

س: اطاعت کی تعریف کریں اور اس کو ثابت کریں کہ کسی کی رضامندی بنا اس کے خبر دینے معلوم نہیں ہوسکتی۔ ص ۲۴

س: کیا اللہ کی رضا کے اعمال کو بندہ اپنی عقل سے بنا اس کی اطلاع کے سمجھ سکتا ہے؟ ص ۲۴

س: حضرتؒ کے انداز میں نبوت ورسالت کی ضرورت ثابت کریں ۲۳،۲۴

س: اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام بندوں تک کیسے پہنچائے؟ اور اس کے لئے کیسے بندوں کا انتخاب کیا؟ ص ۲۴

س: عصمت انبیاءؑ کا ضروری ہونا عقل کی رو سے ثابت کریں ص ۲۴

س: انبیاء کو معصوم عن الخطا نہ ماننے سے اللہ تعالیٰ پر کیا الزام آتا ہے؟ ص ۲۴،۲۵

س: صفات اور اعمال کے ربط کو واضح کریں اور انبیاءؑ کا صفات و اعمال دونوں میں پاک ہونا ثابت کریں ص ۲۵

س: انبیاءؑ کے اختیارات اور تصرفات کس حد تک ہوتے ہیں کس حد تک نہیں۔ ص ۲۵

س: شفاعت کی حقیقت کو ایسے سمجھائیں کہ اس سے انبیاء علیہم السلام کی افضلیت بھی ثابت ہو، اور وصف خداوندی یعنی مشکل کشائی اور بے نیازی کی ان سے نفی بھی ہو؟ ص ۲۵،۲۶

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کرنے کی ناکام کوشش کی ہے مگر وہ تسلیم کرتا ہے کہ یہ لفظ نہ کتاب مقدس میں ہے نہ ابتدائے عیسائیت سے گویا یہ بدعت سیئہ ہے چنانچہ لفظ تثلیث پر بحث کرتے ہوئے شروع میں لکھتا ہے:

تثلیث فی التوحید (تث۔لیث۔فت۔تو حید) مسیحی ایمان کا مرکزی عقیدہ۔

یہاں یہ بیان کرنا اشد ضروری ہے کہ مسیحی عقیدہ تثلیث نہیں بلکہ تثلیث فی التوحید ہے۔

لفظ تثلیث کتاب مقدس میں موجود نہیں اصطلاح تثلیث فی التوحید پہلی مرتبہ دوسری صدی عیسوی کے آخری عشرے میں بزرگ طرطلیان (Tertullian) نے استعمال کی اور یہ مسئلہ مسیحی علم الٰہی میں اس شکل میں چوتھی صدی عیسوی میں بیان کیا گیا۔ تاہم یہ مسیحی مذہب کا بنیادی، امتیازی اور جامع مسئلہ ہے۔ (قاموس الکتاب ص ۲۶۲ طبع ۲۰۱۶ء)

س: عیسائیوں کا عقیدۂ کفارہ کیا ہے، دلائل سے اس کا باطل ہونا ثابت کریں۔ محبت اور عداوت والی مثال دینا نہ بھولیں ص ۲۶

س: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سراپا اطاعت ہونے کے باوجود عیسائیوں کے گناہوں کے عوض جہنم میں جلنے سے ذاتِ باری پر کیا الزام آتا ہے؟ ص ۲۵،۲۶

س: کیا خود نصاریٰ از روئے عقل وحدتِ حقیقی اور کثرتِ حقیقی کا اجتماع ممکن تسلیم کرتے ہیں؟ ص ۲۶

س: اس کو ثابت کریں کہ جس بات کا غلط ہونا عقل بغیر دلیل کے تسلیم کرے اسے دلائل سے درست نہیں کر سکتے، پھر بتائیں کہ مولانا نے اس سے کونسا اہم مسئلہ سمجھایا؟ ص ۲۶،۲۷

س: سورج غروب کے حوالے سے ماہر ریاضی دان اور جاہل کی مثال واضح کریں ص ۲۷

س: انجیل کے کسی فقرے سے دعویٰ تثلیث کا احتمال ثابت ہونے سے کیا تثلیث کا عقیدہ ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں اور کیوں؟ ص ۲۷

س: متشابہات اور محالات میں کیا فرق ہے؟ واضح کریں ص ۲۷

س: مولانا کی تقریر کے بعد اہل نصاریٰ کی بے بسی کا کیا عالم تھا؟ جواب نہ آنے پر مولانا پر کیا اشکال کیا، اور مولوی احمد علی صاحبؒ نے اس کا کیا جواب دیا؟ ص ۲۸

س: مولا داد پادری نے جو مہمل تقریر کی اس کا موضوع کیا تھا؟ ص ۲۸

س: عیسائی مسلمانوں سے اپنا دامن چھڑانے کیلئے کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں پھر مسلمانوں کو کس چیز کا موردِ الزام ٹھہراتے ہیں؟ ص ۲۸

س: مولا داد خان پادری کی تقریر کا حاصل کیا تھا؟ ص ۲۸،۲۹

س: مولا داد پادری نے بائبل کے حوالے سے کیا عبارت پیش کی؟ وہ عبارت کیسے ہے اور بائبل میں کس جگہ ہے؟ ص ۲۹

جواب: پادری نے جو عبارت پیش کی اس میں صیغہ ماضی کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

طرف یہ فرمان منسوب ہے: ''جتنے مجھ سے پہلے آئے سب چور اور ڈاکو ہیں'' (انجیل یوحنا باب ۱۰ آیت ۸) اور پادری نے صیغہ مستقبل کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے یوں کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے بعد جو آئیں گے چور اور بٹ مار ہوں گے یعنی اس سے یہ معلوم ہوتا ہے بعد عیسیٰ علیہ السلام کوئی ہادی نہ آئے گا (میلہ خدا شناسی ص ۲۹) بٹ مار کے معنی بھی ڈاکو ہیں (فیروز اللغات اردو جدید ص ۱۱۴)

مگر چونکہ اس کا معنی دونوں طرح غلط ہے آپؑ سے پہلے جو انبیاء گزرے وہ بھی سچے تھے آپؑ کے بعد آنحضرت ﷺ سچے نبی ہیں اس لئے اس عبارت کی نسبت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف درست نہیں۔ یہ آپؑ کا فرمان نہیں ہے۔

س: ماہر فن مناظرہ سید ابو المنصور نے مولا داد خان کو کیسے چپ کرایا؟ اور اس کے مکر اور بہتان سے پردہ کیسے فاش کیا؟ ص ۲۹

س: اس پادری کا کیا نام جس نے مولا داد کی تحریف کا اعتراف کیا؟ ص ۲۹

س: پادری نولس نے جو کہا کہ بائبل کے الفاظ میں دونوں احتمال ہیں ماضی بھی مضارع بھی لفظ کے زمانے پر دلالت کرنے کے حوالے سے کیا عذر لنگ پیش کیا اور سید ابو المنصور صاحب نے اس کا کیا جواب دیا؟ (۱) ص ۲۹

س: پادری مولا داد خان کے لاجواب ہونے سے عیسائیوں کے مجمع پر کیا اثر پڑا اور تا آخر

---

۱) پادری نولس نے اس بات کو تو مان لیا کہ بائبل کے اردو ترجمہ میں ماضی کے الفاظ ہیں مگر پادری مولا داد کے دفاع میں کہا کہ اصل بائبل میں جو الفاظ ہیں اس میں دونوں ترجمے ہو سکتے ہیں اس پر مولانا ابو المنصورؒ نے فرمایا کہ اگر اصل انجیل کے لفظ کے ترجمہ میں دونوں احتمال بھی ہوں تو اردو ترجمہ کرنے والوں نے ''پیشتر'' کا لفظ استعمال کر کے بتا دیا کہ یہاں ماضی ہی مراد ہے۔

اقول: ہمارے پاس انجیل کے چار نسخے ہیں چاروں سے مولانا ابو المنصورؒ کی بات کی تائید ہوتی ہے، چار میں سے دو نسخوں میں صرف عہد نامہ جدید یعنی انجیل ہے اور دو میں عہد نامہ قدیم (باقی آگے)

مجلس اس کی حالت کیا رہی؟ ص ۲۹

س: اس وقت ایک ہندو نے کس موضوع پر بیان کیا اور پادری صاحب نے معذرت کی ناکام کوشش کیسے کی؟ ص ۲۹،۳۰

س: ماضی ہو یا مضارع، بہرصورت خرابیاں کیا لازم آتی ہیں؟ (۲) ص ۳۰

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بھی ساتھ ہے ان پر کتاب مقدس لکھا ہوا ہے ان سب نسخوں میں انجیل یوحنا باب ۱۰ آیت ۸ میں یہی الفاظ ہیں: ''جتنے مجھ سے پہلے آئے سب چور اور ڈاکو ہیں'' (دیکھئے [۱] انجیل مقدس کا وہ نسخہ جس کے ٹائٹل پر زندہ کلام لکھا ہے طبع U.S.A۔1975 ص ۹۳ [۲] انجیل مقدس طبع انارکلی لاہور ۱۹۸۷ء ص ۸۷ا [۳] انجیل مقدس مع عہد نامہ قدیم طبع پاکستان بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور ۱۹۶۷ء ص ۹۳ [۴] کتاب مقدس مکمل کا نیا ایڈیشن حاشیہ والا کمپیوٹرائز نسخہ طبع پاکستان بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور پاکستان ص ۱۰۴۷۔ اس نسخے پر نمایاں لکھا ہے: اردو زبان کا یہ ترجمہ اصل متن کے مطابق مستند ہے)

۲) اگر ماضی کے سب لوگوں کو چور ڈاکو مانا جائے تو پہلے انبیاءؑ کی نبوت کا انکار ہوتا ہے اور اگر بعد والوں کو ڈاکو مانا جائے تو سب سے پہلے حوارین چور ڈاکو بنتے ہیں جبکہ عیسائی ان کو رسول مانتے ہیں اناجیل اربعہ کے بعد جو کتاب رسولوں کے اعمال وہ انہی کے بارے میں ہے۔ نبی ﷺ تو صدیوں بعد تشریف لائے، حوارین کی عظمت کدھر جائے گی نبی ﷺ کی رسالت کی دلیل رسولوں کے اعمال کے تیسرے باب کی عبارت بہت واضح ہے۔

﴿بائبل کی ایک اہم پیشگوئی﴾

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بائبل سے ایک بہت اہم پیشگوئی ذکر کی جائے ان شاء اللہ کام آئے گی۔ راقم نے اسے اپنی کتاب: **الکلام الفصیح فی اثبات حیاۃ المسیح** ص ۴۲ میں بھی ذکر کیا ہے۔ بائبل میں ایک اور مقام پر ہے:

''مگر جن باتوں کی خدا نے سب نبیوں کی زبانی پیشتر خبر دی تھی کہ اس کا مسیح دکھ اٹھائے گا وہ اس نے اسی طرح پوری کیں پس توبہ کرو اور رجوع لاؤ تاکہ تمہارے گناہ مٹائے جائیں اور اس طرح خداوند کے حضور سے تازگی کے دن آئیں اور وہ اس مسیح کو جو تمہارے واسطے (باقی آگے)

س: مولا داد خان اپنی غلط بیانی سے بحوالۂ بائبل نبی آخر الزمان ﷺ کی نبوت کا باطل کرنا چاہتا تھا اس کے بعد مناظرہ میں کیا موضوع چل پڑا؟ ص ۳۰

س: مولوی سید ابو المنصور نے نبوت نبی آخر الزماں کے اثبات کیلئے تورات سے جو پیشگوئیاں ذکر کیں ان میں خاص پیشگوئی کونسی ہے؟ ص ۳۰

س: مولوی سید ابو المنصور نے پیشگوئیوں کے ذکر کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نبی علیہ السلام میں کتنی باتوں میں مماثلت ثابت کرنے کا دعویٰ کیا؟(۱) ص ۳۰

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مقرر ہوا ہے یعنی یسوع کو بھیجے۔ ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اس وقت تک رہے جب تک کہ وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے جو دنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا جو کچھ وہ تم سے کہے اس کی سننا اور یوں ہوگا کہ جو شخص اس نبی کی نہ سنے گا وہ امت میں سے نیست و نابود کر دیا جائے گا بلکہ سموئیل ؑ سے لے کر پچھلوں تک جتنے نبیوں نے کلام کیا اُن سب نے اِن دنوں کی خبر دی ہے۔ (رسولوں کے اعمال باب ۳، ۱۸ تا ۲۴)

اس عبارت سے پتہ چلا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کے بعد ان کے نزول سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ایک عظیم الشان نبی کا آنا ضروری ہے اور ان کی آمد کی بشارت بہت سے انبیاء علیہم السلام دیتے رہے ہیں اور وہ نبی سوائے آنحضرت ﷺ کے اور کوئی نہیں پھر آنحضرت ﷺ نے چونکہ ختم نبوت کا اعلان کر دیا اس لئے اب کوئی نیا نبی نہیں آسکتا۔

اس سے قادیانیوں کے اہم اعتراض کا جواب بھی نکل آیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر ہونے کا عقیدہ اسلام کے راستے میں رکاوٹ ہے۔ ہمارا عقیدہ رکاوٹ نہیں، بائبل کی اس پیشگوئی کے عین مطابق ہے۔ بلکہ اگر ہمارا یہ عقیدہ نہ ہوتا تب اعتراض کی جگہ تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس عقیدے پر کامل استقامت عطا فرمائے آمین۔

۱) سید ابو المنصور نے پیشگوئیوں کے ذکر کے بعد موسیٰ علیہ السلام اور نبی علیہ السلام (باقی آگے)

س: عیسائیوں میں کام کے آدمی کتنے تھے جو بات چیت کو جانتے تھے؟ ص ۳۰

س: جلسے کے پہلے دن کی مختصر روئیداد لکھئے۔ ص ۳۰

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) میں مماثلت کا دعویٰ اس لئے کیا کہ بائبل کا وہ حصہ جسے عہد نامہ قدیم کہتے ہیں اور جسے عیسائی اور یہودی دونوں مانتے ہیں اس میں ہے: اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں میں ان کے کیلئے ان ہی کے بھائیوں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کہے گا نہ سنے تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا (استثناء باب ۱۸ آیت ۱۷ تا ۱۹) عہد نامہ جدید کے اندر ہی موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے واقعات کے بعد ہے "اور اُس وقت سے اب تک کوئی نبی موسیٰ کی مانند جس سے خدا نے روبرو باتیں کیں نہیں اٹھا (استثناء: باب ۳۴: ۱۰)

اب سوال یہ ہے کہ استثناء باب ۱۸ میں جس پیشگوئی کا ذکر ہے وہ کس کے بارے میں ہے عیسائی کہتے ہیں وہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے جبکہ ہم مسلمان کہتے ہیں کہ وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ہے عیسیٰ علیہ السلام اس کے مصداق نہیں "رسولوں کے اعمال" کی جو پیشگوئی ہم چند سطر قبل ذکر کر کے آئے ہیں اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح نمایاں ہے کہ اس نبی کی آمد عیسیٰ علیہ السلام رفع اور نزول کے درمیان ہوگی پھر ارشادِ باری: انا ارسلنا الیکم رسولا شاهدا علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولا (المزمل: ۱۵) اس سے بھی سمجھ آتا ہے کہ نبی ﷺ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مشابہت ہے۔

حضرت نانوتویؒ نے پیشگوئی کے الفاظ "اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا" کو مدنظر رکھ کر یہ بات کہی چونکہ اللہ کا کلام قرآن کریم ہی ہے نہ تورات وانجیل۔ اور قرآن کریم اللہ نے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے امت کو عطا کیا اس لئے لامحالہ اس پیشگوئی کا مصداق آپ علیہ السلام ہی ہیں، مولانا ابوالمنصور نے پیشگوئی کے الفاظ "تیری مانند ایک نبی" کو لیا اور فرمایا کہ میں چالیس ایسی باتیں بتا سکتا ہے جو موسیٰ علیہ السلام اور نبی ﷺ میں پائی جاتی ہیں مگر عیسیٰ علیہ السلام میں وہ نہیں پائی جاتیں۔ تو جب عیسیٰ علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کی مانند نہ ہوئے تو اس پیشگوئی کے مصداق بھی نہ ہوئے۔ (باقی آگے)

س:　　دوسرے دِن جلسے میں مجمع کثیر کیوں ہو گیا؟　　ص۲۹

س:　　پہلے دن کے جلسہ کے بعد مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے کن الفاظ میں تبصرہ کیا؟ اور اگلے دِن کیلئے کیا لائحہ عمل طے پایا؟　　ص۳۱

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تفسیر حقانی میں سورۃ المزمل آیت ۱۵ کے تحت پیشگوئی کے دو لفظوں کو لے کر بحث کی ایک ''ان ہی کے بھائیوں سے'' دوسرے ''تیری مانند ایک نبی'' اور یہ یہ ثابت کیا ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ میں مشابہتیں پائی جاتی ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں نہیں مگر ان میں بعض باتیں الزامی طور پر ہیں چنانچہ مولانا عبدالحق حقانیؒ فرماتے ہیں:

کما ارسلنا الی فرعون رسولا [المزمل:۱۵] جیسا کہ فرعون کے پاس ہم نے رسول یعنی موسیٰ علیہ السلام بھیجا تھا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل نے ان کی اطاعت کی تو قیدِ فرعون سے نجات پائی۔ شام کی سرزمین نصیب ہوئی، وہاں کے سردار ہوئے اور فرعون نے سرکشی کی تو ہلاک ہوا اسی طرح اس نبی کے مطیع دنیا کی سرسبز بادشاہتوں کے مالک ہوں گے اور آخرت کے بھی درجات حاصل کریں گے اور نافرمان و سرکش خوار و ذلیل ہوں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ قریش بدر میں مارے گئے، سات برس کے قحط میں گرفتار ہوئے، پھر فتح مکہ کے دن مغلوب ہوئے اور صحابہ دنیا اور دین کے سردار ہوئے۔

اس جملہ میں اس بشارت کی طرف بھی اشارہ ہے جو توریت سفر استثناء کے اٹھارہویں باب میں آنحضرت ﷺ کی بابت منقول ہے اس میں موسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف سے بنی اسرائیل کو پہلے سے سناتے ہیں: میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ انتہٰی۔ متعصب عیسائی اس بشارت کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ٹھہراتے ہیں اور سند بھی عیسائی مصنفوں کے اقوال سے لاتے ہیں۔

مگر یہ بشارت بجز آنحضرت ﷺ کے اور کسی پر صادق نہیں آتی کس لیے کہ اصل بشارت میں موافق عبرانی ترجمہ کے ''ان کے بھائیوں میں سے نبی برپا کرنا'' فرمایا ہے　　(باقی آگے)

س: میلہ میں تمام واعظین کے متفرق ہوکر گفتگو کرنے کا مشورہ کس نے دیا؟ اور اس کا مجمع پر کیا اثر ہوا؟ اور پادریوں کے بے بسی کا اس وقت کیا عالم تھا؟ ص ۳۱

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یعنی بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے جو بنی اسماعیل ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں برکت [1] دینے کا وعدہ بھی ہوا ہے۔ اگر اس کا مصداق حضرت (عیسیٰ علیہ السلام) یا اور کوئی اسرائیلی نبی ہو تو بنی اسرائیل میں سے برپا ہوا سمجھا جائے گا نہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے۔ دوسرے اس نبی کی نسبت یوں فرمایا کہ وہ موسیٰ (علیہ السلام) کے مانند ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل میں سے کوئی بھی موسیٰ (علیہ السلام) کے مانند نہیں گزرا بلکہ ہر ایک ان کا شریعت میں متبع تھا۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں تو کوئی بھی مشابہت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نہیں تھی کس لیے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) ماں باپ سے پیدا ہوئے تھے، بیوی اولاد رکھتے تھے، ایک فرد ماندہ قوم کو سرکشوں کے پنجوں سے چھڑا کر لائے اور اس کو ایک ملک کا سردار کر گئے۔ برخلاف حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے کہ وہ بقول نصاریٰ آدم زاد ہی نہیں تھے بلکہ خدازاد یعنی خدا کے بیٹے (تعالیٰ اللہ عن ذلك علوًا کبیرًا) اور نہ ان کی بیوی بیٹے تھے نہ قوم کو رومیوں کی قید سے آزاد کرا گئے۔

اور نیز حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے جانشین ان کی نسل کے غیر لوگ ہوئے جیسا کہ یوشع بن نون ان کے بعد ان کا خلیفہ ہوا حالانکہ آپ کی اولاد بھی موجود تھی۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کے بعد آپ کے جانشین حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہوئے باوجودیکہ آپ کے اقارب و اولاد (باقی آگے)

---

[1] اس جگہ حاشیہ میں مولانا حقانیؒ لکھتے ہیں:

اس تقدیر پر اس بشارت کا مصداق بنی اسماعیل میں سے برپا ہونا چاہیے اور بنی اسماعیل میں بجز آنحضرت ﷺ کے اور کوئی ایسا نہیں گزرا۔ (ص ۱۰۹ حاشیہ) اقول: مولانا حقانیؒ نے اوپر حضرت اسماعیل علیہ السلام کیلئے برکت کے جس وعدے کا ذکر کیا بائبل میں اس کے الفاظ یوں ہیں:

تب خدا نے فرمایا...... اور اسمعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا (پیدائش ۱۸، ۱۹:۲۰)

س: اگلے دن صبح نو بجے یعنی جلسہ کی دوسری نشست شروع ہونے سے قبل جلسہ میں مسلمانوں نے کیا ایمانی رونق لگائی اور نصاریٰ وہنود پر اس پر کیا تاثر تھا؟ ص۳۱،۳۲

س: جلسہ کے دوسرے دن مجمع کیسا تھا اور موسم کی کیا کیفیت تھی؟ ص۳۳

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بھی تھی جن کے عہد میں عرب غیر قوموں پر فتحیاب ہوئے جیسا کہ یوشع بن نون کے عہد میں بنی اسرائیل شام اور فلسطین پر قابض ہوئے۔

اور دونوں کی شریعت میں بھی حلت وحرمت، طہارت ونجاست، قوانین عبادت، احکام معاملات اور دستور عبادات میں بہت مشابہت ہے اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے پاس کوئی نئی شریعت ہی نہ تھی بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے پابند تھے اس لیے فرماتے تھے کہ میں توریت کا ایک شوشہ بھی مٹانے نہیں آیا اور نہ شریعت کو منسوخ کرنے آیا ہوں اور جو بعد میں پولوس وغیرہ نے شریعت بنائی تو اس میں ان باتوں میں سے کچھ بھی نہیں۔

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے جہاد کئے اسی طرح آنحضرت ﷺ نے بھی کئے۔ وہ لوگوں میں صاحب شوکت اور ذو وجاہت تھے ایسا ہی آنحضرت ﷺ بھی۔ برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ محض فقیرانہ اور عاجزانہ پیرایہ میں تھے [یہ بات الزامی رنگ میں کہی گئی کیونکہ عیسائی ان کے بارے میں ایسا ہی اعتقاد رکھتے ہیں اسی لئے تو ان کو مصلوب مانتے ہیں۔ راقم] حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوئی مخالف قتل نہ کرسکا اپنی موت سے مرے۔ ایسا ہی آنحضرت ﷺ برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ بقول نصاریٰ یہود کے ہاتھ سے مارے گئے۔ [اس میں بھی مولانا عبدالحق ؒ نے تصریح کردی کہ عیسائیوں کے کہنے کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام یہودیوں کے ہاتھوں مارے گئے اسلامی عقیدہ تو یہ ہے: وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔ النساء: ۱۵۷، ۱۵۸۔ راقم] الغرض پیدائش سے لے کر شریعت واحکام اور زیست کے حالات اور موت اور بعد میں جانشینوں تک کے حالات میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور محمد ﷺ میں جیسی مشابہت ہے اس کا سواں حصہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں نہیں۔ (تفسیر حقانی پارہ تبارک الذی ص۱۰۹، ۱۱۰)

س: دوسرے دِن لوگوں کو بٹھانے کیلئے کیا انتظام کیا گیا؟ ص ۳۳

س: پادری نولس نے دوسرے دِن گفتگو کیلئے آدمیوں کیلئے انتخاب کے حوالے سے کس قید کا اضافہ کیا؟ ص ۳۴

س: مسلمانوں میں سے کونسے پانچ علماء نمائندگی کیلئے طے پائے ص ۳۴

س: ہندوؤں نے نمائندگی کیلئے زیادہ آدمیوں کا مطالبہ کیوں کیا؟ ص ۳۴

س: اس کی کیا دلیل کہ میلہ خداشناسی میں اسلام کی ترجمانی کرنے والوں میں کوئی حضرت نانوتویؒ کا مخالف نہ تھا؟ ص ۳۳

جواب: اس کی دلیل یہ ہے کہ ہندوؤں نے جب اپنے فرقوں کا ذکر کیا تو اگر حضرتؒ کا کوئی مخالف ہوتا تو وہ بھی آواز اٹھاتا کہ ہمیں بھی ساتھ شامل کرو ہمارا فرقہ جدا ہے۔

س: جلسہ کی ابتداء میں مسلمانوں نے عیسائیوں سے جب گذشتہ دِن کے اعتراضات کے جوابات کا مطالبہ کیا تو ان کا ردِّعمل کیا تھا؟ ص ۳۴، ۳۵

س: مولاناؒ نے اعتراضوں کے جواب نہ ملنے میں کس حکمت عملی کا مظاہرہ کیا؟ ص ۳۵

س: مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی دوسرے دِن کی تقریر میں اظہارِ توحید اور ردِ شرک کے حوالے سے کیا اضافہ ہوا تھا؟ ص ۳۶

س: بناء نبوت میں ظاہراً دو احتمال کونسے ہیں اور حقیقت میں کونسے؟ ص ۳۷

س: نبوت کیلئے اخلاقِ حمیدہ کا معیار کیا ہے؟ نیز عام آدمی اور نبی اخلاق میں جو فرق ہے مثالوں سے واضح کریں ص ۳۷

س: انبیاءؑ کے احکام بعینہٖ احکام خداوندی کیوں ہوتے ہیں؟ ص ۳۸

س: حضور علیہ السلام پر جہاد کا اعتراض مولانا نے کس خوبی سے باطل کر دکھایا؟ ص ۳۸

س: تہذیب عالم اور رفع شرک والحاد کیا بغیر لشکرِ جرار ممکن ہے؟ ص ۳۸

س: فراہمیٔ لشکر کے بظاہر کون سے دو سبب ہیں؟ ص ۳۸

س: حضورﷺ نے لشکرِ جرار مال و جبر سے تیار کیا تھا یا اخلاقِ حمیدہ کے ذریعے لوگ آپ کے گرویدہ ہوئے اور کس دلیل سے؟ ص ۳۸، ۳۹

س: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا آپ علیہ السلام پر جان نچھاور کرنے کا کیا عالم تھا؟ اور اس کا سبب کیا تھا؟ ص ۳۹

س: خالی جگہ پر کریں

غرض ملک...... جیسے بے پیروں خود...... کو ایسا...... میں لیا کہ...... نرم...... غریب...... کے لوگوں...... کسی گروہ کی...... بھی ایسی...... آج تک کسی...... نہ سنی ہوگی۔ ایسے...... کوئی...... تو سہی ص ۳۹

س: مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے تمام انبیاء سے افضل حضورﷺ کی ذات کو کس خوبصورت اسلوب سے ثابت کیا؟ ص ۳۸، ۳۹

س: مولانا کی تقریر کا مجمع میں روحانی اثر کیا تھا؟ ص ۳۹

س: مولانا کی تقریر کا وقت ختم ہونے پر عیسائیوں کا کیا حال تھا، اور مولانا نے تنگیٔ وقت کا گلہ کن الفاظ میں کیا؟ ص ۳۹

س: موتی میاں نے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ذہن میں کثرتِ مضامین کی آمد کی بابت کیا بات کہی؟ ص ۳۹

س: پادری نولس نے تثلیث کو ثابت کرنے کیلئے کونسی بے بنیاد مثالیں دیں؟ ص ۳۹، ۴۰

س: پادری نولس نے تقدیر کے مسئلہ کو چھیڑنا چاہا تو اور مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے کھڑے ہو کر اس سے کیا کہا جس کی وجہ سے وہ مسئلہ کو چھیڑتے ہوئے بھی شرما گیا؟ ص ۴۰

س: عیسائی بے بس ہو جائیں تو کس مسئلہ کو بنیاد بنا کر اسلام پر کیچڑ اچھالتے ہیں؟ ص ۴۰

س: پادری صاحب کی تقریر کے دوران مولوی نعمان خان نے کیا کہا کہ تمام مجمع ہنسنے لگا اور خود پادری بھی؟ ص ۴۰

س: پادری کی تقریر کے ۱۵ منٹ پورے ہونے پر پادری نے کیا کہا؟ اور مولانا نے اس کا کیا جواب دیا؟ ص ۴۱

س: پادری کی تقریر کتنی دیر میں پوری ہوئی؟ ص ۴۱

س: مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اسٹیج پر جلوہ افروز ہوکر پادریوں کی عمومی عادت اور نولس صاحب کی خوش خطابی کے حوالے سے کیا کہا؟ ص ۴۲

س: پادری کی تقریر کے بعد مولانا نے اعتراضات کی بابت کیا تاثر پیش کیا؟ ص ۴۲

س: ''توحید بے تثلیث سمجھ میں ہی نہیں آتی'' اور ''توحید بے تثلیث ممکن ہی نہیں'' اس بارے میں پادری نے کونسی مثالیں پیش کیں، مولانا نے کیا جواب دیا؟ ص ۴۳

س: درج ذیل جملے میں عیسائیت کا رد کیسے ہے:

اگر وحدت اور کثرت کو جمع کرنا ممکن ہے تو یہ تثلیث تک محدود کیوں؟ ص ۴۳، ۴۴

س: خالی جگہ پر کریں ص ۴۴

اگر یہی...... کثرت حقیقی اور...... حقیقی ہے تو پادری صاحب نے...... پر ہی کیوں...... فرمائی، تربیع...... بلکہ تسدیس و...... وتثمین بلکہ تالیف وغیرہ کا...... بھی پادری صاحب کو...... تھا۔

س: پادری کے دعوی ''توحید بغیر تثلیث کے سمجھ نہیں آتی'' مولانا نے اس کو عقل کی رو سے کیسے باطل کیا؟ ص ۴۴

س: توحید بے تثلیث سمجھ نہیں آتی یا معاملہ اس کے برعکس ہے اور کیوں؟ ص ۴۴

س: وحدت حقیقی اور کثرت حقیقی کے اجتماع والے عیسائیوں کے عقیدہ کو مولانا نے مثالوں سے کیسے رد کیا؟ ص ۴۴، ۴۵

س: کوئی ذی عقل توحید اور تثلیث کے اجتماع کو تسلیم کیوں نہیں کرسکتا؟ ص ۴۴، ۴۵

س: مذاہب باطلہ میں سب سے زیادہ خلاف عقل مسئلہ کونسا ہے اور کس طرح؟ ص ۴۵

س: سیاق وسباق کے پیش نظر درج ذیل عبارت کی توضیح کیجئے۔

''تثلیث کو تسلیم کرنے کی صورت میں گناہوں کو طاعت ماننا بھی واجب التسلیم ہوگا''۔ ص ۴۵

س: تثلیث اور کفارہ کا رد کرنے کے بعد حضرتؒ نے عیسائیوں کو دینِ اسلام قبول نہ کرنے پر کس طرح ملامت فرمائی؟ ص ۴۵، ۴۶

س: اس کو ثابت کریں کہ عیسائی عیسیٰؑ کی تعلیم کے برخلاف ان کو خدا مانتے ہیں اور آپؐ میں تمام اوصافِ نبوت کے کامل پائے جانے کے باوجود آپؐ کو نبی نہیں مانتے۔ ص ۴۵، ۴۶

س: مسئلہ تقدیر کا تذکرہ پادری لوگ کیوں چھیڑتے ہیں اور کب؟ ص ۴۶

س: مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے تقدیر کی بابت باریک مضامین کو نہ چھیڑنے پر کیا عذر پیش کیا؟ نیز باریک مضامین کہاں ملیں گے؟ [ج: حجۃ الاسلام میں اور تقریر دلپذیر میں] ص ۴۶

س: مسئلہ تقدیر کو حضرتؒ نے کس مثال سے سمجھایا؟ وضاحت سے ذکر کریں ص ۴۶، ۴۷

س: خالق کے مخلوق پر اختیارات کو مولانا نے کس انداز سے بیان کیا؟ ص ۴۷، ۴۸

س: کیا اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق میں سے اپنی مرضی سے کافر و مسلمان بنانا درست ہے؟ مثال سے واضح کریں۔ ص ۴۸، ۴۹

س: اللہ تعالیٰ کسی گنہگار کو کہہ دے کہ تجھے اسی لئے پیدا کیا ہے تو کیسا ہے؟ ص ۴۹

س: مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تقریر کے جواب سے عاجز ہو کر پادری نے کیا کہا اور مولانا نے اس کا کیا جواب دیا؟ ص ۵۰

س: مولانا کی تقریر کے بعد عیسائیوں کی بے بسی کیسے ظاہر ہوئی؟ ص ۵۱

س: پادری نولس کی تقریر کے بعد نائب پادری نے کیا سرگوشی کی، اور سٹیج پر کیسے آیا؟ ص ۵۱

س: منطق کے بارے میں پادری کی گفتگو کا خلاصہ کیا تھا؟ اور تلفظ الفاظ کے حوالے سے پادری کیا حال تھا؟ ص ۵۱

س: پادری کی یہ بات کہ منطق کی بہت سے باتیں سمجھ نہیں آتیں حضرتؒ اس کا کیا جواب دینا چاہتے تھے؟ ص ۵۱، ۵۲

س: ہندو پنڈت کی تقریر لوگوں کو سمجھ آنے والی کیوں نہ تھی؟ ص ۵۲

س: ترجموں کی کثرت سے پادری نے جو عیسائیت کی حقانیت پر استدلال کیا پنڈت نے اس کا کیا جواب دیا؟ ص ۵۲

س: ہندو پنڈت نے مولانا سے پوچھا کہ نبوت کے لئے کس چیز کی ضرورت ہے اس کے جواب میں پادری نولس نے کیا کہا؟ اور اس سے آپ کیا سمجھے؟ ص ۵۳

ج: اس سے یہ بات سمجھ آئی کہ حضرتؒ نے جو اوصاف نبوت ذکر فرمائے اس پر سب مذاہب کا اتفاق ہو گیا اس لئے کہ پادری نولس نے اس کو تصدیق کے ساتھ نقل کیا اور ہندو پنڈت بھی اس بات کو سن کر خاموش ہو گیا اگر ان کو اتفاق نہ ہوتا تو اعتراض کر دیتے۔

س: منشی پیارے لال نے کس موضوع پر گفتگو کی؟ اور اس کا خلاصہ کیا تھا؟ ص ۵۳

س: حرم میں شکار کے حرام ہونے سے منشی پیارے لال نے کس پر استدلال کیا؟ ص ۵۳

س: مولوی احمد حسن صاحب نے ظلم کی تعریف کے ساتھ کس طریقے سے منشی صاحب کو لاجواب کیا؟ ص ۵۳

س: حرم کے جانوروں کو نہ کھانے کے بارے میں مولوی احمد حسن صاحبؒ نے کیا حکمت ارشاد فرمائی؟ ص ۵۳،۵۴

س: پادری نولس نے گوشت خوری کے حوالے سے شمالی علاقہ جات کے لوگوں کا ذکر کر کے کیا بات کہی؟ ص ۵۴

س: میلہ کا اختتام کیسے ہوا؟ اور مولانا کی پادریوں سے کیا گفتگو ہوئی؟ ص ۵۴

س: مولانا نے اپنا نام اور علاقہ کونسا بتایا؟ ص ۵۴

س: مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنا نام خورشید حسین کیوں بتایا؟ ص ۵۴

س: میلہ کے میدان سے باہر آنے پر مسلمانوں اور ہندوؤں کی کیا کیفیت تھی؟ ص ۵۴

س: مولانا کی بابت ہندو کیا تبصرے کرتے تھے اور مولانا کی پہچان کیا رکھی تھی؟ ص ۵۴

س: دوران جلسہ جس ہندو پنڈت نے مولانا سے نبوت کیلئے مرکزی چیز کے متعلق سوال کیا

تھا بعد میں ملا تو کیا گفتگو ہوئی خلاصہ لکھیں ص ۵۴، ۵۵

س: مولاناؒ نے مذہب کے متعلق اشکالات اور ان کے جوابات کے حوالے سے مہینہ، پندرہ دِن طلب کیے تو ہندو نے کیا زبان دی اور اس کی کس قدر پاسداری کی؟ ص ۵۵

س: موتی میاں صاحب اور مولوی احمد علی صاحب نے مناظرے کے حوالے سے عیسائیوں کے کیا تبصرے نقل کیے؟ ص ۵۵

س: مرزا موحد کی بعد از مناظرہ عصر کے بعد پادری نولس سے کس موضوع پر بات چیت ہوئی؟ ص ۵۵، ۵۶

س: تورات میں عقیدۂ تقدیر کا ذکر ہے(۱) تو پادری نولس نے اپنے تسلیم نہ کرنے میں کیا

---

۱) راقم الحروف نے عمدۃ التفاسیر ج ۱ ص ۱۱۸ کے حاشیہ میں بائبل سے تقدیر کی کچھ عبارات دی ہیں بعض عہد نامہ قدیم سے ہیں بعض عہد نامہ جدید سے۔ ذیل میں دو عبارتیں ملاحظہ ہوں:

[۱] وہ جس پر چاہتا ہے رحم کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے سخت کر دیتا ہے پس تو مجھ سے کہے گا پھر وہ کیوں عیب لگاتا ہے؟ کون اس کے ارادہ کا مقابلہ کرتا ہے؟ اے انسان بھلا تو کون ہے جو خدا کے سامنے جواب دیتا ہے؟ کیا بنی ہوئی چیز بنانے والے سے کہہ سکتی ہے کہ تو نے مجھے ایسا کیوں بنایا؟ کیا کمہار کو مٹی پر اختیار نہیں کہ ایک ہی لوندے میں سے ایک برتن عزت کے لئے بنائے اور دوسرا بے عزتی کے لئے؟ (رومیوں باب ۹: ۱۴ تا ۲۱) [۲] بڑے گھر میں نہ صرف سونے چاندی ہی کے برتن ہوتے ہیں بلکہ لکڑی اور مٹی کے بھی۔ بعض عزت اور بعض ذلت کے لئے۔ پس جو کوئی ان سے الگ ہو کر اپنے تئیں پاک کرے گا وہ عزت کا برتن اور مقدس بنے گا اور مالک کے کام کے لائق اور ہر نیک کام کے لئے تیار ہوگا (۲۔ تیمتھیس باب ۲: ۲۰، ۲۱)

اور یہ دونوں عبارتیں عہد نامہ جدید سے ہیں جن کو خاص عیسائی مانتے ہیں۔ اور ان میں بعض مضامین ویسے ہی ہیں جیسے حضرت نانوتویؒ نے بیان فرمائے۔ جَزَاهُ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنْ سَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا۔

س: مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے جلسہ کے بعد موتی میاں سے کس سے ملاقات کرنے کا شوق ظاہر کیا؟ اور مقصد کیا تھا؟ ص ۵۶

س: مولوی صاحب نے اخلاق، محبت اور خیر خواہی میں ربط کیسے واضح کیا اور کس موقع پر کیا؟ ص ۵۶

س: مولانا صاحب کے تبلیغ اسلام کے حوالے سے مختصر اور پر اثر جامع کلمات کیا تھے جو پادری نولس سے کہے؟ ص ۵۶

س: مولوی محمد قاسم صاحبؒ نے پادری نولس صاحب سے دعا کی کیا تصحیح کرائی؟ اور پادری صاحب نے کیا جواب دیا؟ ص ۵۷

س: جب پادریوں نے مولوی صاحب کی تعریف کی تو مولانا نے کیا شعر پڑھا؟ ص ۵۷

س: مولانا صاحب کی جوگی سے ملاقات کی روئیداد بیان کریں ص ۵۷،۵۸

س: جوگی کا نام کیا تھا؟ اور مولانا نے اس سے کیا برتاؤ کیا؟ ص ۵۸

س: پادری نولس کی بے بسی کے حوالے سے کسی پادری نے کیا کہا؟ ص ۵۹

س: پادری اینک نے مولانا کی خدا ترسی اور عاجزی وانکساری کے حوالے سے کیا منظر نگاری کی اور تقریر کے بارے میں کیا تبصرہ کیا؟ ص ۵۹

س: بریلی میں رمضان خان صاحب نے مولانا کی چال ڈھال پوشاک اور دوسری طرف تقریر کے حوالے سے اپنے تاثرات کا اظہار کس طرح کیا؟ ص ۵۹،۶۰

☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

☆☆☆

☆☆

☆

﴾تعارف مباحثہ شاہجہانپور﴿

حضرت نانوتویؒ کے ہندوؤں عیسائیوں سے مشہور مباحثے دونوں ایک ہی جگہ ضلع شاہجہانپور میں ہوئے۔ پہلے سال یعنی ۱۲۹۳ھ کے مباحثہ کی روئیداد کا نام میلہ خداشناسی یا گفتگوئے مذہبی ہے اور دوسرے سال یعنی ۱۲۹۴ھ کے مباحثہ کی روئیداد کا نام مباحثہ شاہجہانپور ہے۔

دوسرے سال کا مباحثہ اس اعتبار سے خاص اہمیت کا حامل تھا کہ اس میں ہندو پہلی مرتبہ کھل کر مسلمانوں کے مقابلہ میں آئے چنانچہ پنڈت دیانند سرسوتی کی کتاب ستیارتھ پرکاش کا ناشر لکھتا ہے:

چاندا پور کے میلہ میں پنڈت نے آریہ کی تاریخ میں ایک نیا کام شروع کی کہ آریہ آریہ تو آپس میں بحث مباحثہ کرتے ہی تھے لیکن مسلمانوں اور عیسائیوں سے ان کی کبھی نہ لگی تھی اس سے پیشتر یعنی سوامی دیانند کے پرچار کے پہلے یہ حال تھا کہ غیر ہندو (مسلمان عیسائی وغیرہ) ہندوؤں پر اعتراض کرتے اور ہندو خاموش رہ کر برداشت کئے جاتے تھے۔ آریہ دھرم آٹے کا چراغ تھا کچا دھاگہ تھا رشی یعنی پنڈت نے اس وہم کو مٹایا تین دن تک مباحثہ ہونا قرار پایا تھا جس میں مولویوں اور پادریوں کے خلاف رشی نے آریہ دھرم کا دفاع منظور کیا تھا ایک ہی دن میں رشی نے آریہ دھرم کی ترجمانی ایسی مضبوطی سے کی کہ دوسرے دن وہاں دوسرے مذاہب والوں کو نام ونشان بھی نظر نہ آیا۔ آریہ دھرم کی یہ فتح دھرم کے اتہاس میں سونے کے حروف میں لکھنے کے قابل ہے (از ستیارتھ پرکاش طبع دہم ص ۲۳،۲۴)

<u>اقول:</u> یہ بات تو ٹھیک ہے کہ پنڈت نے ہندوؤں کو گفتگو کے میدان میں اسلام کے خلاف کھڑا کیا ،اسی کے مشورے سے بانی مباحثہ جو ہندو تھا اس نے عین موقع پر مناظرین کو پہلا سوال یہ بھیجا تھا کہ خدا نے کائنات کو کس چیز سے بنایا؟ کیونکہ اس کا جواب ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق بہت آسان تھا اس لئے کہ ہندو کہتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ ازلی ابدی ہے اسی طرح کائنات کا مادہ اور ارواح بھی ازلی ابدی ہیں۔ ترکھان چارپائی لکڑی سے بناتا ہے خدا نے کائنات کو مادے اور روح سے بنایا۔

مگر یہ بات قطعاً غلط ہے کہ چاندا پور میں اس کے مقابلے سے سب بھاگ گئے۔ بلکہ حضرت کے مقابلے سے وہی بھاگا ہے دیکھئے مباحثہ،انتصار الاسلام،قبلہ نما۔ اس کے مذکورہ بالا سوال کا جواب آپ مباحثہ میں دیکھ لیں۔ علاوہ ازیں اگر مادہ اور ارواح خدا کی پیدا کردہ نہیں تو خدا سے بڑا ظالم کوئی نہیں کیونکہ پھر اسے خالق اور مالک نہ ہونے کی وجہ سے کائنات میں کسی قسم کے تصرف کا حق ہی نہیں بنتا۔

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط

*

مُباحثہ شاہجہانپور

مُصنّفہ | حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ
بانیٔ دارالعلوم دیوبند

پیرا گراف و عنوانات | مولانا حسین احمد نجیب صاحب مدظلہ

طبع اول پاکستان اپریل [illegible]ء

باہتمام محمد رضی عثمانی

طباعت مشہور پریس کراچی

کتابت عبدالرؤف شیدائی

قیمت ——————
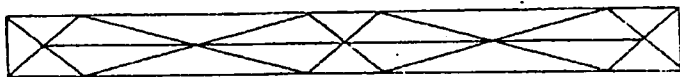
عرضِ ناشر

دارالاشاعت کراچی اپنے قیام کے وقت سے ہی سلسلہ ولی اللّٰہی اور خصوصاً بزرگانِ دیوبند کی تصانیف کی اشاعت میں گذشتہ پچاس سال سے مصروف ہے اور یہ ادارہ اب تک اس سلسلے کی سینکڑوں کتابیں شائع کرچکا ہے۔ لیکن سخت افسوس کا مقام ہے کہ بانیان دارالعلوم دیوبند کی اکثر کتب کمیاب و نایاب ہوچکی ہیں۔ لیکن کسی ادارہ یا ناشر نے ان محسنین امت مسلمہ کی تصانیف کی از سرِ نو طباعت کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ سعادت بھی اللہ تعالیٰ نے اس ادارہ کو مرحمت فرمائی۔ اور اب اس ادارہ نے اکابرین دیوبند مثلاً سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ و مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بانیان دارالعلوم دیوبند۔ اور مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ و مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی نایاب علمی جواہر کو از سرِ نو شائع کرنے کا ایک جامع پروگرام مرتب کیا ہے۔ اور نئی طباعت میں کوشش یہ کی جارہی ہے کہ سب کتابیں طباعت و کاغذ اور صحت کے اعلیٰ معیار کے ساتھ اس طرح شائع کی جائیں کہ ان سے استفادہ زیادہ سے زیادہ آسان ہوجائے۔ چنانچہ جن کتب میں پیراگراف اور عنوانات نہیں تھے ان میں پیراگراف اور عنوانات مستند علماء سے لگوائے گئے۔ اور ہر کتاب میں فہرست مضامین وغیرہ کا اضافہ کردیا گیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس طریقے پر چند کتب شائع ہوکر مقبول ہوچکی ہیں۔ اور آگے بھی یہ سلسلہ انشاء اللہ تعالیٰ جاری رہے گا۔

زیرِ نظر کتاب مباحثہ شاہجہانپور کی تدوین و ترتیب جناب مولانا حسین احمد نجیب صاحب معاون ادارہ تحقیق و تالیف دارالعلوم کراچی نے فرمائی ہے جسکی وجہ سے کتاب کی افادیت بڑھ گئی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کتب سے لوگوں کو فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائیں اور اس خدمت کو شرفِ قبولیت عطا فرمائیں آمین۔ فقط

محتاجِ دعا

بندہ: محمد رضی عثمانی

مارچ ۱۹۷۷ء

فہرست مضامین

کیفیت جلسہ روز دوم

کیفیت جلسہ سوم بروز دوم

عنوان	صفحہ

ابتدائیہ

آفتاب آمد دلیل آفتاب
گر دلیلت باید از وے رومتاب

یا اللہ تیری ذات پاک سب پر محیط اور سب پر غالب۔ سب تیرے جویان اور سب تیرے طالب لیکن تیری معرفت۔ وہم کی رسائی سے الگ خیال کی مجال سے پرے قیاس کی وسعت سے باہر ہے اس لئے تیرے سچے رسولؐ نے وہمی خداؤں کی بندگی سے دنیا کو چھڑایا۔ اور جو قدرتی اصول تو نے ہر انسان کے دل میں رکھ دیئے ہیں۔ ان کو شگفتہ کیا۔ تیرے کلام پاک نے ایمان بالغیب کی تعلیم دی اور تیری جانب رجوع کرنے کا ایسا طریقہ سکھایا کہ جو فی الحقیقۃ ہماری بندگی اور تیری خدائی ہمارے نقص اور تیرے کمال کے شایان ہے۔

یا اللہ تیرا سب سے پچھلا مگر سب سے افضل رسولؐ جو تیرے مقدس کلام سے گویا ہوا اور جس نے تیری روشن ہدایت سے عقل کو نور دل کو سرور بخشا اس نے ایسا علم اور ایسی مستقیم راہ نسل انسان کو بتائی ہے کہ جو انسان کے حق میں کامل رحمت اور اعلیٰ نعمت ہے صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

لیکن طلب صادق اور شوق کامل درکار ہے۔ اب بھی نائبان رسول اور علماء فحول ایسے موجود ہیں جن کا بیان منشاء الٰہی کی تفسیر اور علم انبیاء علیہم السلام کی تشریح ہے اور اس سے سامعین کے دل کو تشفی اور پڑھنے والوں کے قلب کو کامل خوشی حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ میلہ خداشناسی واقع شاہجہانپور میں جو علماء اسلام ہنود و عیسائیوں کا مباحثہ ہوا اسکی کیفیت ناچیز کمترین انام فخر الحسن نام اہل نظر کے روبرو پیش کرتا ہے۔ وھو ہذا

میلہ خداشناسی کے انعقاد کا سبب اور اس کے نتائج

صاحبو! اس جلسہ کے بانی مبانی منشی پیارے لال کبیر پنتھی ساکن چاندا پور ضلع و تحصیل شاہجہاں پور میں ذی مقدور اور صاحب جائداد شخص ہیں۔ پادری نولس صاحب جو پارسال تک مشن اسکول شاہجہاں پور کے ماسٹر رہے اور اب کانپور کو بدل گئے ہیں۔ جب شاہجہانپور کے دیہات کا دورہ کیا کرتے تو چاندا پور میں بھی اکثر وعظ کہتے۔ اور منشی پیارے لال ان کے لکچر کو گوش دل سنتے۔ رفتہ رفتہ پادری صاحب نے اپنی توجہ ان پر ڈالی اور سانس و تپاک پیدا کیا اور پھر آپ جانتے ہیں کہ اول تو پادری صاحب اور پھر وہ بھی یورپین پس ان کے تعلق کی بو اور صحبت کی حرارت پوستی کی آنچ تو تھی نہیں جو خالی جاتی تپ دق کی طرح اعضائے باطنی داخلی تک پہنچ گئی۔ اور پھر یہ بھی ہوا کہ پادری صاحب کی ملاقات سے ان کی عزت اور توقیر بھی بڑھ گئی۔

جب ان کے خیر خواہوں نے دیکھا کہ منشی صاحب اپنی حالت دیرینہ کی طرح اپنے آبائی عقیدہ کو بھی پارینہ سمجھنے لگے تو انہوں نے یہ صلاح دی کہ اپنی مملوکہ زمین اور باغات موضع سر بانگ پور ملحق سواد چاندا پور میں بلب دریائے گرا ایک میلہ خداشناسی مقرر کرو اور اس میں علمائے مذاہب مختلفہ کا مناظرہ ہو۔ اور طرح طرح کی مخلوق دور اور نزدیک کی جمع ہو جس سے تحقیق مذہب بھی ہو جائے گی اور میلہ سے کچھ اور بھی فائدے کی صورت ہوگی۔

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا کہ مسٹر رابرٹ جارج گری صاحب بہادر کلکٹر مجسٹریٹ شاہجہانپور سے اجازت حاصل کر کے پارسال ۷ مئی کو عین شباب گرمی میں یہ میلا منعقد کیا، جس میں مدعی مذہب عیسائی پادری نولس صاحب سب کے سرغنہ تھے۔

اور اہل اسلام کی طرف سے مولوی محمد قاسم صاحب اور مولوی سید ابوالمنصور صاحب۔ پس اس جلسہ کا نتیجہ تو سب پر ظاہر ہی ہوگیا تھا کہ مولوی محمد قاسم صاحب کی نیلی لنگی کے نام سے فتح کا پھریرہ سارے عالم میں مشہور ہوگیا، اور کتاب کیفیت واقعی اس جلسہ کی مطبع ضیائی میں چھپی جس کا تاریخی نام "گفتگوئے مذہبی"[1] ہے۔

مباحثہ شاہجہانپور کے انعقاد کا سبب

غرض جب پارسال کے جلسے سے اس نواح

[1] یہ کتاب بھی دارالاشاعت کراچی سے شائع ہو چکی ہے (ناشر)

کے عام وخاص لوگوں کے دلوں پر کیا وہ لوگ جو جلسہ میں موجود تھے اور کیا وہ جن کو راوی صحیح ملے یہ اثر پیدا ہوا کہ مسلمانوں کے قلوب میں تو مولوی محمد قاسم صاحب کی روشن تقروں نے نور ایمان کو جلا دیدی اور منشی پیارے لال کی بھی آنکھیں کھل گئیں کہ جس طرف ان کی ٹکٹکی لگی ہوئی تھی اُدھر سیاہی جھلکتی نظر آنے لگی۔

اور عام ہنود کی یہ کیفیت ہوئی کہ جس گلی کوچہ میں مولوی صاحب نکلتے تھے اشارہ کرکے یہ لوگ کہتے تھے کہ وہ مولوی یہ ہے جس نے پادریوں کو بند کر دیا تھا اور پھسلتے کو تھام لیا تھا اور مولوی کیا ہے اوتار ہے۔

تو بس اس جلسے کے لطف نے ایسا خداشناسی کا شائق بنایا کہ یہ میلہ ہر سال موسم بہار میں مقرر ہوا۔ چنانچہ اب کے ۱۹ و ۲۰ مارچ کو اس کا انعقاد تجویز ہوکر منشی پیارے لال نے اشتہار جا بجا بھیجے اور جو عالم پارسال شریک جلسہ ہوئے تھے ان کو بھی اور سوائے ان کے اور مشہور عالموں کو اشتہار و خطوط بھیجکر اطلاع دی اخباروں میں بھی اشتہار چھپوایا اور علاوہ اس کے یہ بھی شہرت ہوئی کہ اب کے بڑے بڑے نامی گرامی پنڈت و پادری وہاں آئیں گے اور۔

مباحثہ کے بارے میں حضرت نانوتوی کی رائے

اس شہرت نے یہ اثر کیا کہ مولوی محمد قاسم صاحب اور مولوی ابوالمنصور صاحب نے اس وجہ سے کہ نہ بید ستی میں یہ مفت کی زیر باری اور بے فائدہ تضییع اوقات ہے ارادہ جانے کا نہیں کیا تھا۔ مگر صرف اس خیال و شہرت سے کہ یہ مجمع بڑے بڑے بیدانیتوں اور مشاہیر کا ہوگا۔ مبادا ہمارے نہ جانے کو لوگ طرح دینا سمجھیں۔

حضرت نانوتوی کی شاہجہانپور روانگی اور استقبال

توکل علی اللہ یہ دونوں صاحب اور دس بارہ اور بھی ان کے ساتھ کچھ شوقین کچھ مناظرین دلی سے روانہ شاہجہانپور ہوئے ۱۷ مارچ کو یہ سب صاحب تین بجے شاہجہانپور میں ریل سے اترے اور مولوی حفیظ اللہ خاں صاحب استقبال کے واسطے ریل پر کھڑے تھے

سب کو مولانا عبدالغفور صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کے مکان پر لے گئے اور وہ

مہمان نوازی کی کہ کیا کہئے ۱۸ ار کو آرام کیا جلسے کے اوقات کی نسبت یہ بات معلوم ہوئی کہ دونوں تاریخوں مذکورۂ بالا میں صبح کے ساڑھے سات بجے سے گیارہ بجے تک اور ایک بجے سے چار بجے تک گفتگو ہوگی ۱۹ مارچ کو مناظرین اہل اسلام آخرات سے اٹھ کر راہی میدان مباحثہ ہوئے۔ جو شاہجہانپور سے چھ سات کوس کے فاصلے پر تھا۔

اور سب صاحب سوار مولوی محمد قاسم صاحب پیادہ پا طلوع آفتاب سے کچھ بعد جا پہنچے مولوی محمد قاسم صاحب نے ندی پر استنجے سے فراغت حاصل کرکے وضو کیا اور نوافل ادا کئے اور نہایت خشوع وخضوع سے دعا مانگی غالباً وہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہوگی کیونکہ مولوی صاحب دلی سے برابر یہ ہی ہر شخص سے فرماتے آتے تھے کہ اس بے نیاز سے دعا کرو کہ کلمہ حق غالب آئے۔

میدان مباحثہ الغرض میدان مباحثہ کو دیکھا کہ چند خیمے استادہ ہیں مگر پادری صاحبو کا پتہ نہیں حیران ہوئے کہ وقت مباحثہ تو قریب آیا اور بحث کرنے والا کوئی دکھائی نہیں دیتا۔

خیر اہل اسلام تو اس خیمہ کے متصل جو خاص مسلمانوں کے لئے نصب ہوا تھا درختوں کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ اتنے میں موتی میاں آنریری مجسٹریٹ تشریف لائے اور صاحب سلامت کرکے انتظام میلہ میں مصروف ہوئے جب ۹ بجے ہونگے تب ایک دو پادری چلتے پھرتے نظر آئے۔

غرض ساڑھے سات بجے کی جگہ دس بجے اس خیمہ میں لوگ جمع ہوئے جو مناظرہ کے لئے استادہ ہوا تھا۔

شرائط مباحثہ کے تعین میں بحث وتمحیص اول تو یہ مشورہ ہوا کہ تینوں فریق میں سے چند اشخاص منتخب ہوکر علیحدہ ہو بیٹھیں اور پہلے شرائط مباحثہ تجویز کرلیں بعد اس کے گفتگو شروع ہو۔

اہل اسلام میں سے مولوی محمد قاسم صاحب اور مولوی عبدالمجید صاحب پادریوں میں سے پادری نوئس صاحب اور پادری واکر صاحب۔

اور ہنود میں سے پنڈت دیانند صاحب سرستی اور منشی اندرمن صاحب منتخب ہوئے اور موتی میاں صاحب مہتمم جلسہ بھی شریک ہوئے۔

پادری نولس صاحب نے کہا کہ ہر ایک شخص کے ورس وسوا۔ ۔جواب کے واسطے ۵ منٹ کی مدت مقرر ہو۔

اس پہ علماء اہل اسلام نے کہا کہ ۵ منٹ تھوڑے ہیں اس میں کیا خاک فضائل مذہب واعتراض وجواب بیان ہو سکتے ہیں۔ ہماری رائے میں دو صورتوں میں سے ایک اختیار کرنی چاہیئے یا تو یہ مباحثہ تین دن تک اس طور سے رہے کہ ایک روز ایک مذہب والا اپنے دین کے فضائل گھنٹہ دو گھنٹہ بیان کرے اور پھر اس پر دوسرے مذہب والے اعتراض کریں جواب سنیں یا یہ ہونا چاہیئے کہ ورس کے لئے تو کم از کم ایک گھنٹہ اور زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے مقرر ہوں اور سوال وجواب کیلئے دس منٹ سے بیس منٹ تک۔

سو پادری صاحبوں نے ان دونوں میں سے ایک امر کو بھی منظور نہیں کیا ہر چند ان سے کہا گیا کہ صاحب ۵ منٹ میں تو کچھ بھی بیان نہیں ہو سکتا۔ دنیوی جھگڑے جو فروع سمجھے جاتے ہیں ان میں ہفتوں پنچایت وبحث ہوتی ہے یہ تحقیق مذہب ۵ منٹ میں کیسے ہو سکتی ہے۔ اور ہم لوگ بھی تو اس جلسہ کے ایک رکن ہیں ہماری رائے کی رعایت بھی تو ضرور ہے۔

باوجود ہر طرح کی فہمائش کے پادری صاحبوں نے ایک نہ سنی اور پادری صاحبان یہ چال چلے کہ منشی پیارے لال اور مکتا پرشاد کو بھی رکن شوریٰ قرار دیا اور یہ کہا کہ یہ بانی میانی میلہ ہیں ان کی رائے بھی لینی ضرور ہے اور وہ بوجہ توافق پنہانی اور نیز پنڈت صاحب بھی ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ اس طور پر پادری صاحب کو یہ عمدہ بہانہ ہاتھ آیا کہ کثرت آرا کا اعتبار چاہیئے۔ سب پادریوں کو خیمہ میں بلالیا اور کہا کہ اعتبار کثرت آراء چاہیئے۔

غرض جس بات کو پادری نولس صاحب کہتے تھے حضرات ہنود بھی ہاں میں ہاں ملا دیتے۔ اور تسلیم کرتے تھے۔

ناچار مولوی صاحب یہ کہ کر اٹھ کھڑے ہوئے کہ آپ لوگوں کی جو رائے میں آتا ہے وہی کرتے ہیں ہم سے مشورہ کرنا فضول ہے تین گھنٹے سے ہم مغز مارہے ہیں آپ ایک نہیں سنتے۔ اب جو آپ کی رائے میں آئے سو کیجئے ہم ہر طرح گفتگو کرنے کو موجود ہیں چاہے ۵ منٹ مقرر کیجئے خواہ اس سے بھی کم۔

مولوی صاحب جب اپنے خیمہ میں تشریف لے آئے تو منشی پیارے لال نے چاہا کہ موتی میاں صاحب سے کچھ مشورہ کریں۔ موتی میاں صاحب نے ترش رو ہو کر فرمایا کہ میں آئندہ سال شریک جلسہ نہ ہونگا۔ اس کے کیا معنی کہ مسلمان جو کہتے ہیں ان کے کہنے پر تو التفات بھی نہیں کرتے اور پادری صاحبوں کے کہنے پر بے سوچے سمجھے ہاتھ اٹھا کر تسلیم کر لیتے ہو۔ یہ بات بالکل سازش اور اتفاق باہمی پر دلالت کرتی ہے۔

اس کے بعد منشی پیارے لال مولوی محمد قاسم صاحب کے پاس آئے اور عذر معذرت کرنے لگے کہ میں مجبور ہوں پادری صاحب میری بھی نہیں سنتے۔ البتہ آپ سے مجھ کو توقع ہے کہ آپ میری عرض قبول فرمائینگے۔ اس پر مولوی صاحب نے فرمایا کہ خیر صاحب ہم کو تو ناچار قبول کرنا ہی پڑے گا۔ البتہ آپ سے یہ شکایت ہے کہ آپ بانی جلسہ ہو کر عیسائیوں کی طرفداری کرتے ہیں آپ کو سب کی رعایت برابر کرنی چاہیئے

منشی پیارے لال نے پھر عذر کیا اور مولانا کا بہت کچھ شکریہ ادا کیا کہ آپ صاحب تو سب کچھ قبول کر لیتے ہیں پادری صاحب بڑے ہٹ دھرم ہیں کہ کسی کی نہیں سنتے۔ اگر ان کے خلاف کیا جاوے تو چلے جاتے کا اندیشہ ہے۔

اسی اثنا میں مولانا نے یہ بھی فرمایا کہ منشی صاحب خیر یہ تو جو ہوا سو ہوا لیکن آپ آپ اتنا کیجئے اور پادری صاحب سے کہئے کہ آج کا نصف دن تو اسی جھگڑے میں ختم ہو گیا اس کے عوض میں یہ کرنا چاہیئے کہ ایک روز مباحثہ کے لئے اور بڑھا دیا جاوے اور دو کی جگہ تین دن مقرر ہوں۔ دوسرے یہ کہ وعظ کے لئے ۳۰ منٹ مقرر ہوں۔

منشی پیارے لال نے اس کو تو خود تسلیم کر لیا اور پادریوں کی طرف سے یہ

جواب لائے کہ پادری نولس صاحب کہتے ہیں کہ یہ دونوں امر ہم کو منظور نہیں۔ مگر میرے قیام کے لئے اگر کوئی امر مانع ہوا تو پادری اسکاٹ صاحب جو آج آنے والے ہیں۔ تیسرے روز بھی ٹھہریں گے وہ آپ سے گفتگو کریں گے۔

اس کے بعد اہل اسلام نے کھانا کھایا اور ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر سنا کہ لوگ اب خیمہ مباحثہ میں جانے والے ہیں مناظرین اہل اسلام اس خیمہ میں داخل ہوئے حضرات ہنود کے آنے میں کچھ دیر تھی اور ان کے آنے سے پہلے تمام شامیانہ آدمیوں سے بھر گیا تھا۔ مناظرین اہل ہنود کے آنے میں جو وقت گذرا اس میں مولوی محمد قاسم صاحب نے پادری نولس صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ نے ہمارے بار بار کہنے سے بھی افزائش وقت کو تو تسلیم نہ کیا خیر اس کو قبول کیجئے کہ بعد اختتام وقت جلسہ کے یعنی چار بجے کے بعد کل ہم ایک گھنٹہ وعظ کہیں گے آپ بھی اس محفل میں شریک ہوں۔ اور بعد ختم وعظ کے اعتراض کرنے کا بھی اختیار ہے۔ بلکہ جس صاحب کے دل میں آئے وہ اعتراض کریں ہم جواب دیں گے۔ پادری صاحب نے کہا کہ اگر ہم بھی اسی طرح خارج وقت میں درس دیں گے تو تم بھی سنو گے؟ مولانا نے فرمایا ضرور ہم لوگ بھی شریک ہوں گے۔ بشرطیکہ اعتراض کرنے کے مجاز ہوں۔ پادری صاحب نے کہا اچھا تو ہم بھی شریک ہوں گے

آغاز مباحثہ اور ہنود کی طرف سے پانچ سوال

اسی اثنا میں حضرات ہنود بھی آگئے اور اس باب میں گفتگو ہوئی کہ پہلے کیا مضمون بیان ہوگا باتفاق رائے یہ بات قرار پائی کہ پہلے خدا کی ذات و صفات کا بیان ہو۔ اتنے میں منشی پیارے لال بانی مبانی جلسہ نے ایک کاغذ اردو لکھا ہوا پیش کیا کہ یہ پانچ سوال ہماری طرف سے پیش ہوتے ہیں ان کا جواب پہلے دینا چاہیئے اور وہ سوال یہ تھے کہ۔

سوال اوّل ۔ دنیا کو پرمیشر نے کس چیز سے بنایا اور کس وقت اور کس واسطے؟

سوال دوم ۔ پرمیشر کی ذات محیط کل ہے یا نہیں؟

سوال سوم۔ پمیشر عادل ہے اور رحیم ہے دونوں کس طرح ہے؟

سوال چہارم۔ وید اور بائبل اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں کیا دلیل ہے؟

سوال پنجم۔ نجات کیا چیز ہے اور کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔

انبوہ کثیر کے سبب جلسہ گاہ میں تبدیلی

اہل جلسہ نے ان سوالوں کے جواب دینے کو قبول کیا لیکن انبوہ شائقین اس قدر ہو گیا تھا کہ شامیانے میں نہ بیٹھنے کی جگہ بھی نہ کھڑے ہونے کی اس لئے یہاں سے جلسہ پھر اکھڑا اور شامیانے میں باہر میدان میں فرش ہوا بیچ میں میز بچھائی گئی اور اس کے متصل ایک تخت جس پر واعظ خواہ معترض ہو یا مجیب کھڑا ہو کر تقریر کرے اور گرداگرد کرسیاں اور صندلیاں بچھائی گئیں۔ کرسیوں پر علماء اہل اسلام اور پادری لوگ اور پنڈت اور منتظم جلسہ اور تحریر کرنے والے بیٹھے۔ باقی سب فرش پر اور فرش کے گرد عام لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ کھڑے ہوئے

ابتدائے گفتگو سے ہنود اور عیسائیوں کی پہلو تہی

جب مجلس جم گئی تو اس میں گفتگو ہوئی کہ پہلے کون ان سوالوں کے جواب دینے شروع کرے گا پنڈت صاحبوں سے کہا گیا کہ محفل شوریٰ میں آپ کہہ چکے ہیں کہ آج ہم درس دیں گے سو آپ بیان کریں انہوں نے پہلو تہی کی۔

پادری نولس صاحب جب ان سے اصرار کر چکے تو مولوی محمد قاسم صاحب کی طرف متوجہ ہوئے مولانا نے فرمایا کہ ہمیں کچھ عذر نہیں۔ مگر انصاف مقتضی اسی کا تھا کہ سب کے بعد ہم بیان کرتے کیونکہ دین بھی ہمارا سب سے پچھلا ہے۔

اس پر پادری صاحب نے پنڈت دیانند سرستی صاحب سے کہا کہ آپ کیوں نہیں کہتے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اچھا میں کہتا ہوں مگر جب اور سب بیان کر چکیں گے تو پھر میں بیان کروں گا۔ ورنہ میرا بیان سب سے ماضی پڑ جاوے گا۔

غرض اسی رد و کد میں چار بج گئے۔ تو پادری صاحب نے مولوی صاحب سے کہا کہ اچھا مولوی صاحب آپ اپنا وعظ کل کی جگہ آج ہی کہہ ڈالئے۔ کل پہلے پنڈت

صاحب ان سوالوں کا جواب دیں گے۔

حضرت نانوتوی نے سب سے پہلے وعظ کی حامی بھر لی۔

مولوی صاحب نے فرمایا بہت اچھا مجھے تو سوالوں کے جواب دینے میں آج بھی عذر نہیں آپ خود ایک دوسرے پر حوالہ کرتے ہیں اور نہ کوئی وعظ کی حامی بھرتا ہے نہ جوابوں کی خبر

اب سب صاحب ذرا توقف کریں ہم نماز عصر پڑھ لیں۔

آج وعظ کی ابتدا ہم ہی کرتے ہیں اور کل جواب بھی پہلے ہم ہی دیں گے۔

اور جس صاحب کے جی میں آئے وہ اعتراض کریں۔

یہ کہہ کر مولانا نماز پڑھ آئے اور کھڑے ہو کر ایسا زور شور کا وعظ کہا کہ تمام جلسہ حیران رہ گیا۔ اور ہر شخص پر ایک سکتے کا عالم تھا۔

اس وعظ کی تقریر یہ ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ کی

تقریر

اے حاضران جلسہ! یہ کمترین بغرض خیر خواہی کچھ عرض کیا چاہتا ہے۔ سب صاحب بگوش ہوش سنیں۔ میری یہ گزارش بہ نظر خیر خواہی دنیا نہیں بلحاظ خیر اندیشی دین و آخرت ہے غرض اصلی میری یہ ہے کہ وہ عقائد و احکام جن کو عقائد دینی اور احکام خداوندی سمجھتا ہوں سب حاضران جلسہ کو بالاجمال سناؤں۔

اور اس لحاظ سے مجھ کو یہ وہم ہے کہ شاید حاضران جلسہ میری بدافعالی اور خستہ حالی پر نظر کر کے میری گذارش پر کچھ دل نہ لگائیں اور دل میں یہ فرمائیں کہ

خود را فضیحت و دیگراں را نصیحت،،

مگر اہل عقل خود جانتے ہوں گے کہ طبیب کا بد پرہیز ہونا مریض کو مضر نہیں اسی طرح

اگر میں خود اپنے کہے پر عمل نہ کروں اور دوسروں کو سمجھاؤں تو دوسروں کو کیا نقصان ہے جو میری گزارش کو قبول نہ فرمائیں۔

علی ہذا القیاس منادی کرنے والے کا بھنگی ہونا احکام دنیا کے احکام قبول کرنے اور تسلیم کرنے کو مانع نہیں اسکو کوئی نہیں دیکھتا کہ سنانے والا بھنگی ہے غریب ہوں یا امیر۔ عام لوگ ہوں یا نواب بھنگی کی زبان سے احکام بادشاہی سنکر سرنیاز خم کر دیتے ہیں۔

جب حکام دنیا کے احکام کی اطاعت میں یہ حال ہے تو احکم الحاکمین خداوند رب العالمین کے احکام کی اطاعت میں بھی میری خستہ حالی پر نظر نہ کیجئے اس سے بھی کیا کم کہ مجھ کو بھی بمنزلہ ایک بھنگی کے سمجھئے۔ غرض مجھ کو نہ دیکھئے اس کو دیکھئے کہ میں کس کے احکام سناتا ہوں اور کس کی عظمت اور شان سے مطلع کرتا ہوں۔

انسانی وجود کی حقیقت

وہ بات جو سب میں اوّل لائق توجہ واطلاع ہے اپنے وجود کی کیفیت کون نہیں جانتا کہ سب میں اوّل آدمی کو اپنی ہی اطلاع ہوتی ہے اور سوا اپنے جس چیز کو جانتا ہے۔ اپنے بعد جانتا ہے اس لئے سب میں اول لائق توجہ تام اور دربارۂ علم قابل اہتمام بھی اپنے ہی وجود کی کیفیت ہے مگر اپنے وجود کی کیفیت یہ ہے کہ دائم وقائم نہیں۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ ہم پردۂ عدم میں مستور تھے اور اس کے بعد یہ زمانہ آیا کہ ہم موجود کہلائے اور طرح طرح کے آثار وجود ہم سے ظہور میں آئے اور پھر اس کے بعد ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ یہ ہمارا وجود پھر ہم سے مثل سابق علیحدہ ہو جائے گا۔ اور ہمارا ذکر جانے دو ہم سے پہلے اور ہمارے سامنے کس قدر محدود بنی آدم وغیرہم وجود میں آکر معدوم ہو گئے

غرض زمانہ وجود بنی آدم وغیرہم دو عدموں کے بیچ میں ایک زمانہ محدود ہے اس انفصال واتصال و آمد و شد وجود سے یہ نمایاں ہے کہ ہمارا وجود مثل نور زمین جس کو دھوپ یا چاندنی کہتے ہیں اور مثل حرارت آب گرم صفت خانہ زاد نہیں بلکہ عطائے غیر ہے لیکن جیسے نور زمین اور حرارت آب گرم کا سلسلہ آفتاب اور آتش

پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے بہ نسبت آفتاب و آتش یوں کسی اور کا فیض ہے بلکہ ہر شخص بھی خیال کرتا ہے کہ آفتاب و آتش میں نور و حرارت خانہ زاد ہے اور اس لئے ہر حال میں نور و حرارت آفتاب و آتش کو لازم و ملازم رہے ایسا کبھی نہیں ہوتا ہے کہ مثل نور زمین و حرارت آب آفتاب و آتش سے بھی نور و حرارت منفصل ہو جائے۔

ایسے ہی یہ بھی ضرور ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ضرور ہے کہ ہمارے تمہارے وجود کا سلسلہ کسی ایسے موجود پر ختم ہو جائے جس کا وجود اس کے ساتھ ہر دم لازم و ملازم رہے اور اس کا وجود اس کے حق میں خانہ زاد ہو عطائے غیر نہ ہو ہم اسی کو خدا کہتے ہیں اور اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کا وجود عطائے غیر نہیں خدا سی کا ہے

وجود اشیائے کائنات کی حقیقت اور اس کا حدوث

جب ہماری نسبت بوجہ ناپائداری وجود خدا کا ہونا ضرور ہی ٹھیرا تو اب ان اشیاء کی نسبت بھی اس بات کا دریافت کرنا ضروری ہے جس کا وجود بظاہر نظر پائدار نظر آتا ہے۔ جیسے زمین و آسمان، دریائے شور۔ ہوا۔ چاند و سورج۔ ستارے۔ کہ نہ کسی نے ان کا عدم سابق دیکھا اور نہ اب تک عدم لاحق ہونے کی ان کو نوبت آئی۔

اس لئے گذارش ہے کہ زمین و آسمان وغیرہ اشیاء مذکورہ کو ہم دیکھتے ہیں کہ مثل اشیاء ناپائدار ان میں دو باتیں ہیں ایک تو یہی وجود اور ہستی جو تمام اشیاء میں مشترک معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے وہ بات جس سے ایک دوسرے سے متمیز ہے اور جن کے وسیلے سے ایک کو دوسرے سے پہچان لیتے ہیں اور دیکھتے ہی سمجھ لیتے ہیں کہ یہ فلانی چیز ہے۔ اس چیز کو ہم حقیقت کہتے ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں کہ وجود اور حقیقت دونوں باہم ایسا رابطہ نہیں رکھتے کہ ایک دوسرے سے جدا ہی نہیں ہو سکے اور مثل اثنین اور زوجیت یعنی دو اور جفت ہونے کی ایک دوسرے کے ساتھ ایسا مربوط اور متلازم نہیں کہ ایک دوسرے کا کسی طرح پیچھا ہی نہ چھوٹے عدد اثنین سے اس کی زوجیت نہ خارج میں اس سے جدا ہوا اور نہ ذہن میں علیحدہ ہو۔

علیٰ ہذا القیاس زوجیت سے عدد اثنین علیحدہ نہیں ہوتا چار اور چھ اور آٹھ

وغیرہ اعداد میں بھی اگر زوجیت پائی جاتی ہے تو اسی دو کے عدد کی بدولت پائی جاتی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ زوجیت کے معنی یہی ہیں کہ دو ٹکڑے صحیح بلا کسر برابر نکل آئیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات یعنی دو ٹکڑوں کا برابر نکل آنا اس پر موقوف ہے کہ عدد مفروض چند اثنین یعنے چند دو کا مجموعہ ہو۔

غرض اثنین اور زوجیت میں طرفین سے تلازم ہے نہ یہ اس سے جدا ہو کر نہ وہ اس سے علیحدہ ہو سکے نہ ذہن میں نہ خارج میں اور ظاہر ہے کہ اس قسم کا ارتباط اشیاء مذکورہ کے وجود اور ان کے حقائق میں ہرگز نہیں یہ نہیں کہ جیسے اثنین اور زوجیت کی جدائی کسی کی عقل میں نہ آسکے۔

چنانچہ ظاہر ہے کہ آسمان و زمین کا معدوم ہو جانا عقل میں آسکتا ہے ہاں خود وجود اور اس ذات کا معدوم ہونا جو صفت کے وجود کے حق میں ایسی ہو جیسے زوجیت کے حق میں اثنین البتہ عقل میں نہیں آسکتا کون نہیں جانتا کہ وجود کا معدوم ہو جانا ایسا ہے جیسا خود نور کا نور ہو کر کالا سیاہ ہو جانا اندھیرا بن جانا اور جب وجود قابل عدم نہیں۔ تو پھر وہ ذات جو وجود کی بھی اصل ہے اور وجود اس کے حق میں خانہ زاد ہے کیونکر معدوم ہو سکے۔

الحاصل وجود آسمان و زمین ان کے حقائق سے علیحدہ ہیں۔ اور اس لئے یوں نہیں کہہ سکتے کہ ان کا وجود ان کا خانہ زاد ہو۔ اور جب خانہ زاد نہیں تو پھر بے شک عطائے غیر ہو گی اور قبل عطاء ان کا معدوم ہونا ثابت ہو گا جس سے ان کے وجود کے لئے ابتدا نکل آئے گی اور ان کی قدامت باطل ہو جائے گی گو وہ ابتداء تمام بنی آدم کے موجود ہونے سے سابق ہو اور اس لئے اپنے آپ ہم میں سے کسی کو اس کی اطلاع نہ ہوئی ہو اور اسی طرح ان کا پھر معدوم ہو جانا ممکن ہو گا کیونکہ جب وجود اشیاء مذکورہ مثل نور زمین اور حرارت آب گرم عطائے غیر ہو گا تو مثل نور زمین و حرارت آب ان کا پھر جدا ہو جانا بھی ممکن ہو گا۔ مگر جب وجود اشیاء مذکورہ بھی عطائے غیر نکلا تو بے شک حسب بیان سابق ان غیر کا وجود جس کی یہ عطا

ہے اس کا خانہ زاد ہوگا اور اس لئے اس کا وجود اس سے بھی نہ علیحدہ تھا نہ آئندہ علیحدہ ہو۔ غرض ہمیشہ سے اس کا وجود تھا اور ہمیشہ تک رہے گا۔

وجود غیر محدود ہے | اب یہ بات دیکھنی باقی رہی کہ اس قسم کا موجود جس کا وجود اس کا خانہ زاد ہو ایک ہی ہے یا متعدد ہیں اور ایک ہے تو اس سے زیادہ ممکن ہے یا محال ہے۔ اس لئے یہ گذارش ہے کہ جیسے سیاہی سفیدی انسانیت حیوانیت وغیرہ اوصاف کے احاطہ میں قلیل وکثیر اشیاء داخل ہیں یعنی بہت سی سیاہ بہت سے انسان ہیں بہت سے حیوان ایسے ہی وجود کے احاطہ میں بھی یہی حال ہے لیکن سب اوصاف کے احاطے سے احاطۂ وجود وسیع ہے بلکہ اس سے اوپر کوئی احاطہ ہی نہیں یعنی جیسے انسانیت کے احاطہ سے اوپر احاطہ حیوانیت ہے جس میں انسان غیر انسان گدھا۔ گھوڑا۔ اونٹ۔ بیل۔ بھیڑ بکری وغیرہ سب داخل ہیں ایسے ہی وجود کے احاطہ سے اوپر کوئی اور ایسا احاطہ نہیں کہ اس میں موجود وغیر موجود داخل ہوں کیونکہ غیر موجود اگر ہو تو معدوم ہی ہوگا اور ظاہر ہے کہ معدوم کسی وصف کے احاطہ میں داخل ہی نہیں کیونکہ ہر وصف کے حاصل ہونے کے لئے اول وجود کا ہونا ضرور ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے۔

مگر جب وجود کا احاطہ سب احاطوں سے وسیع اور سب میں اوپر ہے تو بالضرور وجود ایک وصف غیر محدود ہوگا کیونکہ ہر محدود کے لئے یہ ضرور ہے کہ وہ کسی ایسی وسیع چیز کا ٹکڑا ہوگا یا ایسی چیز میں سمائی ہوئی ہو جو اس سے زیادہ ہو مثلاً ہر مکان اور ہر محلہ اور شہر، ضلع ولایت وغیرہ محدود چیزیں ہیں لیکن ان کے محدود ہونے کے یہی معنی ہیں کہ یہ سب چیزیں زمین کے قطعات ہیں جو ان چیزوں سے زیادہ وسیع ہے اور زمین و آسمان اگر محدود ہیں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اس فضائے وسیع میں جو آنکھوں سے نظر آتا ہے سمائی ہوئی ہیں۔

الغرض اگر وجود کو محدود کہیئے تو یہ ضرور ہے کہ وہ کسی وسیع چیز کا ٹکڑا ہو یا کسی وسیع چیز میں سمایا ہوا ہو مگر وہ کون ہے جو نہیں جانتا کہ وجود سے زیادہ

وسیع چیز نہیں تمام اشیاء وجود کے احاطہ میں داخل ہیں پر وجود کسی کے احاطہ میں داخل نہیں اس لئے خواہ مخواہ اس بات کا اقرار کرنا ضرور ہے کہ وجود غیر محدود ہے۔

نہ احاطہ وجود میں خدا کا ثانی ہو سکتا ہے اور نہ وجود کے احاطہ سے خارج

جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو اب یہ خیال فرمائیے کہ نہ احاطۂ وجود میں خدا کا ثانی ہو سکتا ہے اور نہ وجود کے احاطہ سے خارج اس کا ثانی ممکن ہے۔

احاطہ وجود میں محال ہونے کی وجہ تو یہ ہے کہ جب ہمارا تمہارا وجود باوجود اس ضعف کے جو اس کے عطائے غیر ہونے سے نمایاں ہے غیر کو اپنے احاطہ میں گھسنے نہیں دیتا خدا کا وجود اس قوت پر کہ اس کا خانہ زاد ہونا اس کی دلیل ہے کیونکر اپنے ثانی کو اپنے احاطے میں قدم رکھنے دے گا

القصہ جیسے ہم تم جہاں تک پھیلے ہوتے ہیں وہاں تک اور دوسرا نہیں آسکتا اور آجائے پھر ہم وہاں نہیں رہ سکتے۔ علی ہذا القیاس ایک میان میں دو تلواریں نہیں آتیں اور سیر بھر کے برتن میں دو سیر غلہ نہیں سما سکتا ایسے ہی بلکہ اس سے بڑھ کر خدا کے احاطے میں خدا کے ثانی کا آنا اور سمانا سمجھیے۔

کیونکہ آفتاب کے نور کے مقابلے میں جو اس کی ذات کے ساتھ چسپاں نظر آتا ہے یہ دھوپ برائے نام نور ہے اور نہایت ہی درجہ کو ضعیف ہے۔ ایسے ہی بمقابلہ خدا کے وجود کے جو اس کی ذات کے ساتھ لازم وملازم ہے مخلوقات یعنی اور اشیاء کا وجود برائے نام وجود ہے اور نہایت ہی درجہ کو ضعیف ہے مگر جب اس ضعف پر ہمارے وجود میں یہ قوت ہے کہ غیر کو اپنی سرحد میں قدم رکھنے نہیں دیتا تو خدا کا وجود اس قوت پر کاہے کو اور کسی خدا کی مداخلت کا روادار ہوگا۔

اور خارج از احاطہ خدا کے ثانی نہ ہوتے کی وجہ یہ ہے کہ احاطہ وجود غیر محدود اس کے سوا اور اس سے باہر کوئی جگہ ہی نہیں جو کسی دوسرے کے

ہونے کا احتمال ہو اس لئے اس اس کا اقرار ہر عاقل کے ذمے ضرور ہے کہ خالق کائنات کو ایک ذات وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ سمجھے اور احتمال تعدد کو دل سے اٹھا دھرے۔

نصاریٰ کا عقیدۂ تثلیث سراسر غلط ہے۔

اس تقریر سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ مسئلہ تثلیث جس پر مدار کلاایمان نصاریٰ فی زمانناہے سراسر غلط ہے وہاں تعدد کی گنجائش ہی نہیں جو تثلیث تک نوبت پہنچے اور پھر وہ بھی اس طرح کہ باوجود تعدد حقیقی وحدت حقیقی بھی باقی رہے کیونکہ وحدت اور کثرت دونوں باہم ضد یک دیگر ہیں اور ظاہر ہے کہ اجتماع ضدین محال ہے جیسے یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک آن میں ایک شے سیاہ بھی ہو اور سفید بھی ہو گرم بھی ہو اور سرد بھی ہو یا ایک وقت جگہ دن بھی ہو اور رات بھی ہو دوپہر بھی ہو آدھی رات بھی ہو۔ ایک شخص ایک وقت میں عالم بھی ہو جاہل بھی ہو بیمار بھی ہو تندرست بھی ہو موجود بھی ہو معدوم بھی ہو ایسے ہی یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ خدا تعالیٰ ایک بھی ہو اور نہ تین بھی ہو وحدت بھی حقیقی ہو اور کثرت بھی حقیقی ہو۔

خدا تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں سب اس کے محتاج ہیں

علی ہذا القیاس جیسے اضداد مذکورہ کا اجتماع محال ہے ایسے ہی خدائی اور احتیاج کا اجتماع بھی محال ہے کیونکہ خدائی کو استغنا ضرور ہے آفتاب تو فقط اسوجہ سے کہ زمین کی نسبت معطی نور ہے نور میں زمین کا محتاج نہ ہو۔ خداوند عالم باوجودیکہ تمام عالم کے حق میں معطی وجود ہے عالم کا یا عالم میں سے کسی کا محتاج نہ ہو۔

کیونکہ ہر چیز وصف ہو یا موصوف ہو اپنی ہستی میں خدا کی محتاج ہے پھر کیونکر ہوسکتا ہے کہ خداوند عالم کسی بات میں کسی کا محتاج ہو جس چیز میں خدا کو محتاج کہئے گا اس سے پہلے اس چیز کو خدا کا محتاج کہنا پڑے گا اور ظاہر ہے کہ احتیاج کے یہی معنی ہیں کہ اپنے پاس ایک چیز نہ ہو اور جس کی طرف احتیاج ہو اس کے پاس وہ چیز موجود ہو جب ہر بات میں ہر چیز کو خدا تعالیٰ

کا محتاج مانا تو جو کچھ جہان میں احتیاج کے قابل ہوگا خداوند عالم میں وہ پہلے ہوگا۔ ہاں خود احتیاج اور سامان احتیاج اس میں نہ ہوگا

جو کسی صورت میں بھی دوسرے کا محتاج ہو خدا نہیں ہو سکتا۔

علی ہذا القیاس یہ بھی ظاہر ہے کہ خود محتاج کا اس پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ہو سکتا جس کا خود محتاج ہے۔ ہاں معاملہ بالعکس ہوا کرتا ہے یعنی ہمیشہ محتاج پر اس کا دباؤ رہتا ہے جس کا محتاج ہوتا ہے اسلیئے یہ ضرور ہے کہ نہ خدا تعالیٰ میں کسی قسم کی احتیاج ہو نہ اس پر کسی قسم کا دباؤ ہو اس کا وجود ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ کو رہے یہ نہ ہو کہ اس کے وجود کے لئے ابتدا انتہا ہو اس صورت میں کہہ دیجیئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا سری رام چندر جی وغیرہ خدا تھے ان کے وجود کی ابتداء اور انتہا معلوم کھانے پینے کا محتاج ہونا اور پاخانہ پیشاب مرض اور موت کا دباؤ سب پر آشکارا ایسی چیزوں کی دباؤ کے بعد بھی خدائی کا اعتقاد عقل و انصاف سے سراسر بعید ہے۔

خدا تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا و وحدہٗ لاشریک لہٗ اور صفات و کمالات میں جامع ہے

اس کے بعد پھر یہ گذارش ہے کہ وہ خداوند عالم جیسے اپنی ذات میں یکتا اور وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے ایسے ہی جامع کمالات و صفات بھی ہے اور کیوں نہ ہو عالم میں جس صفت کو دیکھیئے اپنے موصوف کے حق میں وجود کی تابع ہے یعنی قبل وجود کسی صفت کا ثبوت ممکن نہیں۔ رہا امکان اور عدم واقع میں یہ دونوں باتیں وصف نہیں بلکہ سلب وصف ہیں عدم میں تو ظاہر ہے سلب وجود ہوتا ہے رہا امکان اس میں سلب ضرورت وجود ہوتا ہے اور عام لوگوں کے محاورے کے موافق امکان کا استعمال قبل وجود ہوتا ہے۔ جب یوں بولتے ہیں کہ ہر چیز ممکن ہے تو ہر کوئی یہی سمجھتا ہے کہ یہ چیز بالفعل موجود نہیں۔ مگر ہاں جیسے سایہ جو واقع میں عدم النور ہے بوجہ غلطی ایک چیز نظر آتی ہے ایسے ہی عدم اور امکان میں بھی بوجہ غلط فہمی اوصاف معلوم ہوتے ہیں۔

مگر جب تمام اوصاف اپنے ثبوت و حصول میں وجود کے محتاج ہوئے تو بیشک

یہی کہنا پڑے گا کہ تمام اوصاف اصل میں وجود کے اوصاف ہیں یعنی وجود کے حق میں عطاء غیر نہیں بلکہ تمام اوصاف یعنی کمالات وجودی وجود کے حق میں خانہ زاد ہیں ورنہ جیسے نور زمین اور گرمی آب گرم زمین اور پانی سے علیحدہ ہو کر بھی پائی جاتی ہیں ایسے ہی اوصاف وجودی بھی وجود سے علیحدہ ہو کر پائے جاتے ہیں۔ اس صورت میں بالضرور جو منبع وجود ہوگا وہی منبع اوصاف بھی ہوگا۔ پر جہاں جہاں وجود ہوگا وہاں وہاں تمام اوصاف بھی قلیل اور کثیر ضرور ہوں گے اگر فرق ہوگا تو ایسا ہوگا جیسا آئینہ اور پتھر میں فرق ہے یعنی بوجہ فرق حسن قابلیت وعدم حسن قابلیت آئینہ میں بہ نسبت پتھر کے زیادہ نور آجاتا ہے اس لئے یہ ضرور ہے کہ تمام کائنات میں علم وادراک وقوت حس وحرکت قلیل وکثیر ضرور ہو۔ بہت ہو تو یہ ہو کہ انسان وغیرہ میں علم وادراک زیادہ ہو اور حیوانات میں اس سے کم ہو اور نباتات میں اس سے کم اور جمادات یعنی زمین وآسمان اینٹ پتھر وغیرہ میں اُن سے بھی کم۔

یا فرض کیجئے معاملہ بالعکس ہو مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ زمین پہاڑ اینٹ پتھر علم وادراک اور قوت حرکت سے بالکل خالی ہوں۔ باقی رہا ہم کو نہ معلوم ہونا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ اوصاف نہ ہوں چنانچہ ظاہر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری تمام عالم کے ذمہ واجب ولازم ہے	ہر حال خداوند عالم بلکہ تمام عالم میں تمام کمالات کا ہونا ضروری ہے اور تمام کائنات

کا وجود اور کمالات میں خداوند عالم کا محتاج ہونا لابدی ہے اس لئے یہ بھی ضرور ہے کہ خداوند عالم تمام عالم کے حق میں واجب الاطاعت ہو اور تمام عالم کے ذمے اس کی اطاعت اور فرمانبرداری واجب ولازم ہو۔

وجوہِ فرمانبرداری اور اسباب واطاعت تین ہیں	کیونکہ وجوہ فرمانبرداری بظاہر کل تین ہیں۔ اور حقیقت میں دو ہیں۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کوئی کسی کی تابعداری یا امید نفع پر کرتا ہے جیسے نوکر اپنے میاں کی تابعداری تنخواہ کی امید پر کرتا ہے یا اندیشۂ نقصان

کے باعث اس کی فرمانبرداری اور تابعداری کرتا ہے جیسے رعیت حکام کی اطاعت اور مظلوم ظالم کی تابعداری کیا کرتے ہیں۔ یا بوجہ محبت کوئی کسی کی تابعداری کیا کرتے ہیں جیسے عاشق اپنے معشوقوں کی تابعداری کیا کرتے ہیں مگر امید و اندیشہ کو دیکھئے تو اختیار نفع و نقصان کی طرف راجع ہیں جس کے اصل کو ٹٹولئے تو مالکیت اور اوصاف و کمالات نکلتے ہیں یعنی مالک اصلی کو اختیار داد و ستد اوصاف و کمالات ہوتا ہے اور مستعیر کو اختیار ردّ و انکار نہیں ہوتا۔

چنانچہ آفتاب و زمین کے حال سے نمایاں ہے کہ آفتاب وقت طلوع زمین کو نور عطا کرتا ہے تو زمین اس کو رد نہیں کر سکتی اور وقت غروب اس نور کو آفتاب چھین لیتا ہے تو زمین سے انکار نہیں ہو سکتا۔ وجہ اس کی بجز اس کے اور کیا ہے کہ آفتاب مالک النور ہے اور زمین فقط مستعیر ہے۔

الحاصل وجوہ فرمانبرداری و اسباب و اطاعت بظاہر تین ہیں۔ امید نفع اندیشۂ نقصان، محبت اور حقیقت میں کل دو سبب ہیں ایک مالکیت دوسری محبت اور اس سے زیادہ تنقیح کیجئے تو اصل سبب اطاعت محبت ہے۔ اتنا فرق ہے کہ کہیں محبت مطاع موجب اطاعت ہوتی ہے اور کہیں محبت مال و جان باعث فرمانبرداری ہو جاتی ہے عشاق کی اطاعت اور فرمانبرداری میں مطاع کی محبت باعث اطاعت ہوتی ہے اور نوکر کی اطاعت میں محبت مال و جان علی ہذا القیاس رعیت کی اطاعت میں محبت جان و مال موجب فرمانبرداری ہوتی ہے۔

اطاعت الٰہی اور اطاعت مخلوق کی حقیقت۔

مگر ہر چہ بادا باد وجہ اطاعت ایک ہو یا دو ہو یا تین ہو جو کچھ ہو وہ خدا میں اول ہے اور وں میں اس کے بعد کیونکہ مالکیت اور اختیار نفع و نقصان بھی ہستی اور وجود پر موقوف ہے اور جمال و محبوبیت بھی وجود و ہستی ہی پر موقوف ہے جہاں وجود اور ہستی کی اصل ہو گی وہیں مالکیت اور اختیار مذکور اور جمال و محبوبیت بھی ہوں گی بمثل وجود، مالکیت و اختیار محبوبیت بھی اوروں میں اسی کی عطا ہو گی اور اسی کا فیض ہو گا۔

جب مخلوقات میں وجوہ مذکورہ سراپا اطاعت ہیں تو خداوند عالم کے حق میں یہ باتیں کیوں کر سامان اطاعت و فرمانبرداری نہ ہوں گی۔

القصہ جیسا اسباب اطاعت و فرمانبرداری کے سبب کے سبب خداوند عالم میں موجود ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ اوروں میں اس قسم کی چیز اگر ہے تو اسی کا بخشش ہے تو بیشک خداوند عالم تمام عالم کے حق میں واجب الاطاعت ہوگا۔

اطاعت و فرمانبرداری کی حقیقت

لیکن اطاعت اور فرمانبرداری اور تابعداری اسکو کہتے ہیں کہ دوسروں کی مرضی کے موافق کام کیا جاوے ورنہ خلاف مرضی کرنے پر بھی طاعت اور بندگی اور فرمانبرداری ہی رہی تو پھر گناہ و خطا اور اطاعت و بندگی میں کیا فرق رہے گا۔

الحاصل اطاعت کے لئے توافق رضا ضرور ہے لیکن رضا و عدم رضا کا یہ حال ہے کہ ہم باوجودیکہ سراپا ظاہر ہیں ہماری مرضی و عدم مرضی ایسی ہی مخفی ہے کہ بے ہمارے اظہار کے ظاہر نہیں ہو سکتی بے ہمارے تبلائے کسی کو اطلاع نہیں ہو سکتی۔ بے ہماری تصریح یا اشارہ کنایہ کے کسی کو اس کی خبر نہیں ہو سکتی۔

بعثت انبیاء کی ضرورت و اہمیت

اس صورت میں اس خداوند عالم کی مرضی و عدم مرضی اس پوشیدگی پر کہ آج تک خدا تعالیٰ کو کسی نے دیکھا ہی نہیں بے خدا کے تبلائے کسی کو کیوں کر اطلاع ہو سکتی ہے لیکن بادشاہان دنیا و محبوبان دار فنا کو ہم دیکھتے ہیں کہ اس تمام کی مالکیت اور محبوبیت اور ذرا سے سامان نخوت پر مکان مکان اور دوکان دوکان اپنے مطیعوں سے کہتے نہیں پھرتے کہ یہ بات ہماری موافق مرضی ہے اس کی تعمیل کرنی چاہیے اور یہ بات خلاف مرضی ہے اس سے احتراز لازم ہے بلکہ مقربان درگاہ اُن کے ارشادات اور اشارات کے موافق اوروں کو مطلع کر دیا کرتے ہیں اور حسب ضرورت اشتہار و منادی کرا دیتے ہیں۔ اس صورت میں خداوند عالم کو اس سامان بے نیازی پر کہ وہ

کسی کا کسی بات میں محتاج نہیں اور سوا اس کے سب اس کی سب باتوں میں محتاج کب سزاوار ہے کہ ہر کسی سے کہتا پھرے کہ اس کام کو کرنا چاہیئے اور اس کام کو نہ کرنا چاہیئے وہ بھی اپنے مقربان خاص کے ذریعہ سے اوروں کو اپنی رضا و غیر رضا سے مطلع کرے گا ہم انہیں مقربوں کو جو خداوند عالم کے ارشادات کی اطلاع اوروں کو کرتے ہیں۔ پیغمبر۔ نبی اور رسول کہتے ہیں وجہ تسمیہ خود ظاہر ہے۔

عصمت انبیاء | لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ کوئی کسی کا مقرب جبھی ہو سکتا ہے جب کہ اس کی موافق مرضی ہو جو لوگ مخالف مزاج ہوتے ہیں قربت و منزلت اُن کو میسر نہیں آ سکتا چنانچہ ظاہر ہے۔

مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص یوسف ثانی اور حسن میں لاثانی ہو پر اس کی ایک آنکھ مثلاً کانی ہو تو اس ایک آنکھ کا نقصان تمام چہرہ کو بدنما اور ناز یبا کر دیتا ہے۔ ایسی ہی اگر ایک بات بھی کسی میں دوسروں کے مخالف مزاج ہو تو ان کی اور خوبیاں بھی ہوئی نہ ہوئی برابر ہو جائیں گی۔

غرض ایک عیب بھی کسی میں ہوتا ہے تو پھر محبوبیت اور موافقت طبیعت و رضا متصور نہیں جو امید تقرب ہو اس لئے یہ بھی ضرور ہے کہ انبیاء اور مرسل سراپا اطاعت ہوں۔ اور ایک بات بھی ان میں خلاف مرضی خداوندی نہ ہو اسی وجہ سے ہم انبیا کو معصوم کہتے ہیں اور اس کہنے سے یہ مطلب ہوتا ہے ان میں گناہ خداوندی کا مادہ اور سامان ہی نہیں۔ کیونکہ ان میں جب کوئی صفت بری ہی نہیں تو پھر ان سے برے افعال کا صادر ہونا بھی ممکن نہیں اس لئے کہ افعال اختیاری تابع صفات ہوتے ہیں۔ اگر سخاوت ہوتی ہے تو داد و دہش کی نوبت آتی ہے اور اگر بخل ہوتا ہے تو کوڑی کوڑی جمع کی جاتی ہے شجاعت میں معرکہ آرائی اور بزدلی میں پس پائی ظہور میں آتی ہے۔

انبیاء سے لغزش کے صدور کی حقیقت | ہاں یہ بات ممکن ہے کہ بوجہ

سہو یا غلط فہمی جو گاہ گاہ بڑے بڑے عاقلوں کو بھی پیش آ جاتی ہے اور سوائے خداوند علیم و خبیر اور کوئی اس سے منزہ نہیں کسی مخالف مرضی کام کو موافق مرضی اور موافق مرضی کو مخالف مرضی سمجھ جائیں اور اس وجہ سے ظاہر خلاف مرضی کام ہو جائے تو ہو جائے یا بوجہ عظمت و محبت مطاع ہی مخالفت کی نوبت آجائے گی اس کو گناہ نہیں کہتے گناہ کے لئے یہ ضرور ہے کہ عمداً مخالفت کی جائے بھول چوک کو لغزش کہتے ہیں گناہ نہیں کہتے۔ یہی وجہ ہے کہ موقع عذر میں یہ کہا کرتے ہیں کہ میں بھول گیا تھا یا میں سمجھا نہ تھا اگر بھول چوک بھی گناہ ہی ہوا کرتا تو یہ عذر اور الٹا اقرار خطا ہوا کرتا عذر نہ ہوا کرتا۔

اخلاق اور عقل و فہم کی ضرورت

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ افعال تابع صفات ہیں تو اب دو باتیں قابل لحاظ باقی رہیں۔ ایک اخلاق یعنی صفات اصلیہ دوسرے عقل و فہم۔ اخلاق کی ضرورت تو یہیں سے ظاہر ہے کہ افعال جن کا کرنا نہ کرنا عبادت اور اطاعت اور فرمانبرداری میں مطلوب ہوتا ہے ان کا بھلا برا ہونا اخلاق کی بھلائی برائی پر موقوف ہے اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ اصل میں بھلی اور بُری اخلاق و صفات ہی ہوتی ہیں۔

اور عقل و فہم کی ضرورت تو اس لئے ہے کہ اخلاق کے مرتبہ میں موقع بے موقع دریافت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ افعال میں بوجہ بے موقع ہو جانے کے کوئی خرابی اوپر سے نہ آجائے دیکھئے سخاوت اچھی چیز ہے لیکن موقع میں صرف ہونا پھر بھی شرط ہے اگر مساکین اور مستحقین کو دیا جائے تو فبہا ورنہ رنڈیوں اور بھڑووں کا دینا یا شراب خواروں اور بھنگ نوشوں کو عطا کرنا کون نہیں جانتا کہ اور برائیوں کا سامان ہے۔ وجہ اس کی بجز اس کے اور کیا ہے کہ بے موقع صرف ہوا۔

بالجملہ افعال ہر چند تابع صفات ہیں لیکن موقع بے موقع کا پہچاننا بجز عقل

عہ مثلاً اپنا مخدوم اپنے برابر بٹھلائے اور یہ بوجہ ادب برابر نہ بیٹھے ۱۲ منہ

سلیم و فہم مستقیم ہرگز متصوّر نہیں۔

انبیاء کیلئے اخلاقِ حمیدہ اور عقل کامل کا ہونا لازمی ہے

اس لئے ضروری ہے کہ انبیاء میں عقل کامل اور اخلاق حمیدہ ہوں ظاہر ہے کہ جب اخلاق حمیدہ ہوں گے تو محبت بھی ضرور ہوگی کیونکہ خلق حسن کی بنا محبت ہی ہے اور جب موقع اور محل کا لحاظ ہے اور عقل کامل موجود ہے تو پھر خدا سے بڑھ کر اور کون سا موقع سزاوار محبت ہوگا مگر خدا کے ساتھ محبت ہوگی تو پھر عزم اطاعت وفرمانبرداری بھی ضرور ہوگا جس کا انجام یہی نکلے گا کہ ارادہ نافرمانی کی گنجائش ہی نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اسی کو معصومیت کہتے ہیں۔

مدار کارِ نبوت عقل کامل اور اخلاق حمیدہ پر ہے معجزات پر نہیں

اب یہ گذارش ہے کہ مدار کار نبوت عقل کامل اور اخلاق حمیدہ پر ہے رہے معجزات وہ خود نبوت پر موقوف ہیں نبوت ان پر موقوف نہیں یعنی یہ نہیں کہ جس میں معجزات نظر آئیں اس کو نبوت عطا کریں ورنہ خیر بلکہ جس میں نبوت ہوتی ہے اس کو معجزات عنایت کرتے ہیں تاکہ عوام کو بھی اس کی نبوت کا یقین ہوجائے اور نبی کے حق میں اس کے معجزے بمنزلہ سند ودستاویز ہوجائیں اس لئے اہل عقل کے نزدیک اول عقل کامل اور اخلاق حمیدہ ہی کا تجسس چاہیئے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عقل واخلاق میں سب انبیاء سے افضل واعلیٰ ہیں۔

اگر عقل اور اخلاق میں دیکھا تو حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو سب میں افضل واعلیٰ پایا۔

عقل وفہم میں اولیت وافضلیت کے لئے تو اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہوگی کہ آپ بذات خود اُمّی ان پڑھے۔ جس میں پیدا ہوئے اور جہاں ہوش سنبھالا بلکہ ساری عمر گذری علوم سے یک لخت خالی نہ علوم دینی کا پتہ نہ علوم دنیوی کا نشان نہ کوئی کتاب آسمانی نہ کوئی کتاب زمینی بباعث جہل کیا کیا کچھ خرابیاں نہ تھیں۔

اب کوئی صاحب فرمائیں کہ ایسا شخص اُمّی ان پڑھا ایسے ملک میں اول سے آخر تک عمر گذارے جہاں علوم کا نام ونشان نہ ہو پھر اس پر ایسا دین اور ایسا آئین ایسی کتاب لاجواب اور ایسی ہدایات بینات ایک عالم کو جس پر ملک عرب کے جاہلوں کو علوم آلہیات یعنی علوم ذات وصفات خداوندی ہیں جو تمام علوم سے مشکل ہے اور علم عبادات اور علم اخلاق اور علم سیاسیات اور علم معاملات اور علم معاش ومعاد میں رشک ارسطو وافلاطون بنا دیا جس کے باعث تہذیب عرب رشک شائستگی حکماء عالم ہو گئے چنانچہ ان کے کمال علمی پہ آج اہل اسلام کے کتب مطولہ جو خارج از تعداد ہیں شاہد ہیں ایسے علوم کوئی بتلائے تو سہی کس قوم اور کس فریق میں ہیں جس کے فیض یافتہ اور تربیت یافتہ دونوں کا یہ حال ہے ان کے استاد اول اور معلم اوّل یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہوگا۔

اور اخلاق کی یہ کیفیت کہ آپ کہیں کے بادشاہ نہ تھے بادشاہزادے نہ تھے امیرزادے نہ تھے نہ تجارت کا سامان تھا نہ کھیتی کا بڑا اسباب تھا نہ میراث میں کوئی چیز ہاتھ آئی نہ بذاتِ خود کوئی دولت کمائی ایسے افلاس میں ملک عرب کے گردن کشوں جفاکشوں برابر کے بھائیوں کو ایسا مسخر کر لیا کہ جہاں آپ کا پسینہ گرے وہاں اپنا خون بہانے کو تیار رہیں۔

پھر یہ بھی نہیں کہ ایک دو روز کا ولولہ تھا آیا نکل گیا۔ ساری عمر اسی کیفیت سے گزار دی یہاں تک کہ گھر چھوڑا باہر چھوڑا زن وفرزند چھوڑے۔ مال ودولت چھوڑا آپ کی محبت میں سب پر خاک ڈال اپنوں سے آمادہ جنگ وپیکار ہوئے کسی کو آپ مارا کسی کے ہاتھ سے آپ مارے گئے یہ تسخیر اخلاق نہ تھی تو اور کیا تھی یہ زور شمشیر کس تنخواہ سے آپ نے حاصل کیا ایسے اخلاق کوئی بتلائے تو سہی۔ حضرت آدم میں تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام میں تھے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام میں تھے یا حضرت عیسیٰؑ میں تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل اجب عقل واخلاق کی یہ

کیفیت ہو اس پر زہد کی یہ حالت جو آیا دہی لٹایا نہ کھایا نہ پہنا نہ مکان بنایا۔

تو پھر کون سا عاقل یہ کہہ دے گا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام وغیرہم تو نبی ہوں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی نہ ہوں۔ ان کی نبوت میں کسی کو تامل ہو کر نہ ہو پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں اہل عقل و انصاف کو تامل کی گنجائش نہیں بلکہ بعد لحاظ کمالات علمی جو آپ کی ذات میں ہر عام و خاص کو ایسے نظر آتے ہیں جیسے آفتاب میں نور۔

آپ تمام انبیاء کے سردار سب میں افضل اور سب کے خاتم ہیں

یہ بات واجب التسلیم ہے کہ آپ تمام انبیاء کے قافلہ سالار اور سب رسولوں کے سردار اور سب میں افضل اور سب کے خاتم ہیں۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عالم میں جو کچھ ہے انبیاء کے کمالات ہوں یا اولیا کے سب عطاء خدا ہیں چنانچہ مضامین مسطورہ بالا سے یہ بات عیاں ہے مگر عالم خصوصاً بنی آدم میں کمالات مختلفہ موجود ہیں۔ کسی میں حسن و جمال ہے تو کسی میں فضل و کمال ہے کسی میں زور قدرت ہے تو کسی میں عقل و فراست ہے اس لیے خدا کے اور بندوں کی اس وقت ایسی مثال ہو گی۔ جیسے فرض کیجیئے کسی استاد جامع کمالات کے پاس مختلف فنون کے طالب آئیں اور ہر شخص جدا علم سے فیض یاب ہو کر اپنے کمالات دکھلائیں مگر ظاہر ہے کہ اس کے شاگردوں کے آثار سے یہ بات خود نمایاں ہو جائے گی کہ یہ شخص کونسے فن میں استاد مذکور کا شاگرد ہے اگر فیض منقول اس شاگرد سے جاری ہے تو معلوم ہو جائے گا کہ فن منقول میں یہ شخص شاگرد استاد مذکور کا ہے اور اگر فیض معقول جاری ہے تو معلوم ہو گا کہ فن معقول میں استاد مذکور سے مستفید ہوا ہے۔ بیماروں کا علاج کرتا ہے تو استفادۂ طب کا پتہ لگے گا اور شاعروں میں غزل خوانی کرتا ہے تو تحصیل کمال شاعری کا سراغ نکلے گا۔

الحاصل شاگردوں کے احوال خود بتلا دیں گے کہ استاد کے کونسے کمال

نے اس میں ظہور کیا ہے۔

تمام انبیاء خدا کی کسی ایک صفت سے مستفید تھے	الحاصل جب بنی آدم خصوصاً انبیاء میں مختلف قسم کے حالات موجود ہوں اور پھر سب کے سب

خدا ہی کا عطاء اور فیض ہوں تو بدلالت آثار وکاروبار انبیاء یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ یہ نبی خدا تعالیٰ کی کون سی صفت سے مستفید ہے اور وہ نبی کونسی خدا کی صفت سے مستفیض ہے یعنی گو ایک کے ساتھ اور سب صفتیں قلیل وکثیر آئیں پر اصل منبع فیض کوئی ایک ہی صفت ہو گی مگر بدلالت معجزات انبیاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور صفت سے مستفید ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور صفت سے مستفید ہیں۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں بدلالت احیاء موتی وشفاء امراض مضمون جان بخشی کا پتہ لگتا ہے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں بدلالت اعجوبہ کاری عصائے موسوی کہ کبھی عصا تھا کبھی اژدھا تھا معلوم ہوتا ہے کہ صفت تبدیل وتقلیب کا سراغ نکلتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی صفت علم سے مستفید ہیں یہی آپ کے خاتم الانبیاء ہونے کی دلیل ہے	مگر حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بدلالت اعجاز قرآنی وکمال علمی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صفت علم سے مستفید

ہیں اور بارگاہ علمی میں باریاب ہیں۔

مگر سب جانتے ہیں کہ علم وہ صفت ہے کہ تمام صفات اپنی کارگزاری میں اس کے محتاج ہیں پر علم اپنے کام میں کسی کا محتاج نہیں۔ کون نہیں جانتا کہ ارادۂ قدرت وغیرہ صفات بے علم وادراک کسی کام کے نہیں۔

روٹی کھانے کا ارادہ کرتے ہیں اور پھر کھاتے ہیں تو اول یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ روٹی ہے پتھر نہیں۔ اور پانی پینے کا ارادہ کرتے ہیں یا پیتے ہیں تو یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ پانی ہے شراب نہیں یہ علم نہیں تو اور کیا ہے مگر روٹی کو روٹی سمجھنا اور پانی کو پانی سمجھنا ارادۂ قدرت پر موقوف نہیں اگر روٹی سامنے آجائے یا پانی

سامنے سے گذر جائے تو بے ارادہ و اختیار وہ روشنی اور پانی معلوم ہوگا۔

الغرض علم کو اپنے معلومات کے تعلق میں کسی صفت کی ضرورت نہیں۔
مگر باقی تمام صفات کو اپنے تعلقات میں علم کی حاجت ہے۔

غرض جو صفات غیر سے متعلق ہوتے ہیں ان سب میں علم اول ہے اور
سب میں علم اولیٰ ہے اور سب پر افسر ہے اور علم سے اول اور کوئی صفت
نہیں بلکہ علم ہی پر مراتب صفات متعلقہ بالغیر ختم ہو جاتے ہیں۔

اس لئے وہ نبی جو صفت العلم سے مستفیض ہو اور بارگاہِ علمی تک باریاب
ہو تمام انبیاء سے مراتب میں زیادہ اور رتبہ میں اول اور سب کا سردار اور سب
کا مخدوم مکرم ہوگا اور سب اس کے تابع اور محتاج ہوں گے اس پر مراتب کمالات
ختم ہو جائیں گے۔ اس لئے وہ نبی خاتم الانبیاء بھی ضرور ہی ہوگا۔

خاتمیت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر استدلال

وجہ اس کی یہ ہے کہ انبیاء بوجہ احکام رسانی مثل گورنر وغیرہ نواب خداوندی ہوتے ہیں
اس لئے ان کا حاکم ہونا ضرور ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے اس لئے جیسے عہدہائے
ماتحت ہیں سب میں اوپر عہدہ گورنری یا وزارت ہے اور سوا اس کے اور سب
عہدے اس کے ماتحت ہوتے ہیں اوروں کے احکام کو وہ توڑ سکتا ہے اس
کے احکام کو اور کوئی نہیں توڑ سکتا وجہ اس کی یہی ہوتی ہے کہ اس پر مراتب
عہدہ جات ختم ہو جاتے ہیں۔

ایسے ہی خاتم مراتب نبوت کے اوپر اور کوئی عہدہ یا مرتبہ ہوتا ہی نہیں جو
ہوتا ہے اس کے ماتحت ہوتا ہے اس لئے اس کے احکام اوروں کے احکام
کے ناسخ ہوں گے۔ اوروں کے احکام اس کے احکام کے ناسخ نہ ہوں گے۔

اور اس لئے یہ ضرور ہے کہ وہ خاتم زمانی بھی ہو کیونکہ اوپر کے حاکم تک
نوبت سب حکام ماتحت کے بعد میں آتی ہے اور اس لئے اس کا حکم اخیر حکم ہوتا
ہے چنانچہ ظاہر ہے پارلیمنٹ تک مرافع کی نوبت سب ہی کے بعد میں آتی ہے۔

یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ کسی اور نبی نے دعویٰ خاتمیت نہ کیا۔ کیا تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا۔ چنانچہ قرآن وحدیث میں یہ مضمون بتصریح موجود ہے سوا آپ کے اور آپ سے پہلے اگر دعویٰ خاتمیت کرتے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کرتے مگر دعویٰ خاتمیت تو در کنار انہوں نے یہ فرمایا کہ میرے بعد جہان کا سردار آنے والا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے اپنی خاتمیت کا انکار کیا۔ بلکہ خاتم کے آنے کی بشارت دی کیونکہ سب کا سردار خاتم الحکام ہوا کرتا ہے۔ اور بر صورت مخالف رائے اس کے احکام آخری احکام ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ مرافعہ کرنے والوں کو خود ہی معلوم ہے۔

معجزات میں افضلیت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

جب افضلیت محمدی اور خاتمیت محمدی دونوں معلوم ہو گئیں تو اب یہ گذارش ہے کہ فقط افضلیت محمدی کمالات ہی میں واجب التسلیم نہیں بلکہ معجزات میں بھی افضلیت محمدی واجب الایمان ہے اور کیوں نہ ہو معجزات خود آثار کمالات ہوتے ہیں۔

اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مردے زندہ ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عصائے بے جان اژدہائے جاندار بن گیا تو کیا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل سے کبھی کا سوکھا کھجور کی لکڑی کا ستون زندہ ہو گیا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایک زمانہ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کے روز مسجد کے ایک ستون کے ساتھ جو کھجور کا تھا پشت لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے جب ممبر بنایا گیا تو آپ اس ستون کو چھوڑ کر ممبر پر خطبہ پڑھنے تشریف لائے اس ستون میں سے رونے کی آواز آئی آپ ممبر سے اتر کر اس ستون کے پاس تشریف لائے اور اپنے سینہ سے لگایا اور ہاتھ پھیرا وہ ستون ایسی طرح چپکا ہوا جیسے روتا ہوا بچہ سبکتا سبکتا چپکا ہو جاتا ہے اس واقعہ کو ہزاروں نے دیکھا جمعہ کا دن تھا اور پھر وہ زمانہ تھا جس میں نماز سے زیادہ اور کسی چیز کا اہتمام ہی نہ تھا خاص کر جمعہ کی نماز جس

کے لئے اس قدر اہتمام شریعت میں کیا گیا ہے کہ اس سے زیادہ اور کسی چیز کا اہتمام ہی نہیں۔

الغرض چھوٹے بڑے سب حاضر تھے ایک دو اس وقت ہوتے تو احتمال دروغ یا وہم غلط فہمی بھی تھا ایسے مجمع کثیر میں ایسا واقعہ عجیب پیش آیا کہ نہ احیاء موتی کو جو اعجاز عیسوی تھا اس سے کچھ نسبت اور نہ عصائے موسوی کے اژدہا بنجانے کو جو معجزۂ موسوی تھا اس سے کچھ مناسبت۔

شرح اس معمّٰی کی یہ ہے کہ تن بے جان اور جسم مردہ کو قبل موت تو روح سے علاقہ تھا۔ ستون مذکورہ کو تو نہ کبھی روح سے تعلق تھا نہ حیات معروف سے مطلب۔

علاوہ بریں جسم انسان وحیوان گو منبع حیات نہ ہو مگر قابل اور جاذب حیات ہونے میں تو کچھ شک بھی نہیں، یہی وجہ ہوئی کہ روح علوی کو اس خاکدان سفلی میں آنا پڑا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایام حیات کی ملازمت طویلہ کے بعد روح کو بدن کے ساتھ انس ومحبت کا ہونا ضروری ہے جس سے ادھر کی نگرانی اور معاودت کی آسانی ثابت ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں ستون مذکور میں مفقود ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے اگر عصا اژدہا بن گیا اور زندہ ہو کر ادھر ادھر دوڑا تو اس کی حرکات و سکنات بعد انقلاب شکل و ماہیت ظاہر ہوئی۔ اور ظاہر ہے کہ اس شکل اور اس ماہیت کو جو بعد انقلاب حاصل ہوئی حیات سے ایک مناسبت قوی ہے یعنی سانپوں اور اژدہاؤں کے افعال اور حرکات اور ان کے وہ پیچ وتاب اور وہ کاٹنا اور نگل جانا اسی ماہیت اور اسی شکل کے ساتھ مخصوص ہے اور زندوں سے بھی وہ کام نہیں ہو سکتے چہ جائے کہ نباتات یا جمادات سے۔

القصہ شکل مذکورہ اور ماہیت مشارٌ الیہ میں روح کا آنا چنداں مستبعد اور بعید اور عجیب وغریب نہیں جتنا سوکھے ستون میں جو بالیقین بالفعل منجملہ جمادات تھا روح وحیات کا آجانا محل استعجاب ہے۔

علاوہ بریں عصائے موسوی سے وہی کام ظہور میں آیا جو اور سانپوں اور اژدہاؤں

سے ظہور میں آتا ہے کوئی ایسا کام ظہور میں نہیں آیا جو ذوالعقول اور بنی آدم سے ظہور میں آتے ہیں چنانچہ ظاہر ہے اور ستونِ خشک کا در فراق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا موقوفی خطبہ سے جو اس کے قریب پڑھا جایا کرتا تھا رونا اور چلانا وہ بات ہے جو سوائے ذوی العقول بلکہ ان میں سے بھی بجز افراد کاملہ اور کسی سے ظہور میں نہیں آسکتے شرح اس معا کی یہ ہے کہ جیسے محبت جمالی کے لئے اول آنکھ کی ضرورت ہے اور پھر قابلیت طبیعت کی حاجت جس کے سبب سے میلان خاطر اور توجہ دلی متصور ہو ایسے ہی محبت کمالی کے لئے اول عقل وفہم کی ضرورت ہے اور پھر قابلیت مذکورہ کی حاجت اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں تنہا تنہا بھی اور بحیثیت مجموعی بھی بجز بنی آدم اور ان میں سے بھی بجز کاملین عقل وطبیعت متصور نہیں۔

پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ کمالات مذکور سے بھی جبھی متصور ہے کہ کمالات محبوب کے علم کی نوبت علم الیقین اور عین الیقین سے گذر جائے اور مرتبہ حق الیقین حاصل ہو جائے۔ کیونکہ قبل مرتبہ مذکورہ محبت کا حاصل ہونا ایسا ہی دشوار بلکہ غیر ممکن ہے۔ جیسے قبل ذائقہ شیرینی وغیرہ نعماء لذیذہ شیرینی کی رغبت غیر ممکن ہے یہ کبھی نہ سنا ہوگا کہ چکھنے سے پہلے فقط دیکھنے ہی کے سبب کسی غذا النفیس ولطیف کی طرف رغبت حاصل ہو جائے خواہ اس وقت چکھنے کا اتفاق ہو جس وقت وہ غذا سامنے آئے یا اس سے پیشتر اتفاق ہو چکا ہو خواہ بدلالت شکل وصورت یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس غذا میں وہ مزا ہے جو پیشتر نصیب ہو چکا ہے یا کسی کے بتلانے سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس غذا میں وہ مزا ہے جو پہلے اڑا چکے ہیں۔

بہر حال قبل ذائقہ چشی رغبت ومحبت اغذیہ تصور بے جا ہے اور کیوں نہ ہو وجہ محبت کوئی خوبی اور صفت ہی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نکمی چیزیں کسی کو مرغوب نہیں ہوتیں۔

اور اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ جمالی محبت میں فقط مرتبہ عین الیقین کافی ہے دیدار خوبرویاں جو مرتبہ عین الیقین ہے محبت کے لئے کافی ہے کسی اور مرتبہ کی ضرورت

نہیں چنانچہ ظاہر ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حصول حق الیقین کے لئے ہے اس حاسہ کے سوا جو سامان عین الیقین ہوتا ہے کسی اور حاسہ کی ضرورت ہوتی ہے جیسے غذاؤں میں ہوتا ہے کہ عین الیقین تو بذریعہ چشم میسر آتا ہے اور حق الیقین بوسیلۂ زبان حاصل ہوتا ہے اور کبھی حصول حق الیقین کے لئے حواس ظاہرہ میں سے سوائے اس حاسہ کے جو آلۂ عین الیقین ہوتا ہے اور کسی حاسہ کی ضرورت نہیں ہو بلکہ دونوں مرتبے اسی ایک حاسہ سے متعلق ہوتے ہیں یا کوئی حاسہ باطنی آلۂ حق الیقین ہو جاتا ہے سو محبت جمالی میں یہ قصہ ہے کہ جو آلۂ عین الیقین ہے وہی آلہ حق الیقین ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ غذاؤں کی کی محبت بوجہ صورت نہیں ہوتی بوجہ ذائقہ ہوتی ہے اور جمال کی محبت بوجہ صورت ہی ہوتی ہے کسی اور وجہ سے نہیں ہوتی اس لئے جمال میں عین الیقین اور حق الیقین ایک ہی حاسہ سے متعلق ہوتی ہیں اور غذاؤں وغیرہ میں مرتبہ عین الیقین آنکھوں سے متعلق ہے تو مرتبہ حق الیقین زبان سے متعلق ہے کیونکہ عین الیقین اس کو کہتے ہیں کہ خبر نہ رہے مشاہدہ ہو جائے اگر نوبت مشاہدہ نہیں آئی بلکہ ہنوز خبر ہی خبر ہے تو بشرط یقین وہ علم خبری علم الیقین سمجھا جائے گا اور اگر مشاہدے سے بڑھ کر یہ نوبت بھی آجائے کہ اس شے کو استعمال میں لائے اور اس کے منافع سے منتفع ہو پھر یہ علم مرتبہ حق الیقین کو پہنچ جائے گا۔

الحاصل مرتبہ حق الیقین کا مرتبہ عین الیقین کے ساتھ ساتھ ہونا بعض مواقع میں موجب اشتباہ ہو جاتا ہے اور یہ گمان ہوتا ہے کہ مرتبہ عین الیقین ہی میں محبت اور رغبت پیدا ہو جاتی ہے

جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو اب سنئے کہ جب پیدائش محبت مرتبہ حق الیقین سے متعلق ہوئی تو بالضرور اس بات کا اقرار لازم ہوا کہ ستون مذکور کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات کا علم درجہ حق الیقین کو پہنچ گیا تھا اور

ظاہر ہے کہ جیسے یقین میں اس مرتبہ سے بڑھ کر اور کوئی مرتبہ نہیں۔ ایسے ہی کمالات روحانی کی نسبت اس مرتبہ کا حاصل ہونا ہر کسی کو میسر نہیں آتا کیونکہ روح اور کمالات روحانی ایسے مخفی ہیں کہ بجز ارباب بصیرت و مکاشفہ اور کسی کو اس کا حصول متصور نہیں مگر ظاہر ہے کہ ارباب بصیرت اور صاحب مکاشفہ ہونا ایسا کمال ہے جس کے کمال ہونے میں بجز احمق اور کسی کو شک نہیں ہو سکتا۔

الغرض عصائے موسوی اگر اژدہا بن گیا اور اژدہا بن کر چلا دوڑا تو یہ وہ کام ہے کہ جتنے سانپ ہیں سبھی یہ کام کرتے کچھ سانپوں کے مرتبے سے بڑھ کر کوئی کام نہیں اور ستون محمدی اگر فراق محمدی میں رویا تو اس کا رونا محبت کمال محمدی پر دلالت کرتا ہے جو بجز مرتبہ حق الیقین متصور نہیں جو بہ نسبت کمالات روحانی بجز ارباب کمال یعنی اصحاب بصیرت و مکاشفہ اور کسی کو میسر نہیں آ سکتا اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں معجزہ موسوی کو معجزہ احمدی کے سامنے کچھ نسبت باقی نہیں رہتی۔

● اور سنئے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاں پتھر سے پانی نکلتا تھا تو حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگشتان مبارک سے پانی کے چشمے جاری ہوئے تھے اور ظاہر ہے کہ زمین پر رکھے ہوئے پتھر سے پانی کے چشمے کا بہنا اتنا عجیب نہیں جتنا گوشت و پوست سے پانی کا نکلنا عجیب ہے کون نہیں جانتا کہ جتنی ندیاں اور نالے ہیں سب پہاڑوں اور پتھروں اور زمین ہی سے نکلتے ہیں پر کسی کے گوشت و پوست سے کسی نے ایک قطرہ بھی نکلتا نہیں دیکھا علاوہ بریں ایک پیالی پانی پر دست مبارک کے رکھے دینے سے انگشتان مبارک سے پانی کا نکلنا صاف اس بات پہ دلالت کرتا ہے کہ دست مبارک منبع البرکات ہے اور یہ سب جسم مبارک کی کرامات ہیں۔ اور سنگ[1] موسوی سے زمین پر رکھ دینے کے بعد پانی کا نکلنا اگر دلالت کرتا ہے تو اتنی بات

---

[1] سنگ موسوی میں سے زمین پر رکھ دینے کے بعد بضرب عصاء موسوی بارہ چشمے جاری ہو جاتے تھے اس سے اگر نکلتی ہے تو تاثیر سنگ مذکور نکلتی ہے یا تاثیر عصائے مشار الیہ مگر تاثیر سنگ مذکور اگر ہوگی تو یہی ہوگی کہ زمین سے پانی کو ایسی طرح جذب کر لیا جیسے مقناطیس لوہے کو جذب کیا کرتا ہے اور تاثیر عصائے مذکور اگر ہوگی کہ ضرب عصا کے صدمہ سے پتھر کے مسامات ایسی طرح کھل گئے جیسے پستان کے دبانے سے اس کا منہ کھل جاتا ہے اور دودھ نکل آتا ہے۔ امنہ

پر دلالت کرتا ہے کہ خداوند عالم بڑا قادر ہے۔

ھ اور سنئے اگر باعجاز حضرت یوشع علیہ السلام آفتاب دیر تک ایک جا ٹھیرا رہا یا کسی اور نبی کے لئے بعد غروب آفتاب لوٹ آیا تو تو اس کا ماحصل بجز اس کے اور کیا ہوا کہ بجائے حرکت سکون عارض ہوگیا یا بجائے حرکتِ روز مرہ حرکتِ معکوس وقوع میں آئی اور ظاہر ہے کہ یہ بات اتنی دشوار نہیں جتنی یہ بات دشوار ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ کیونکہ پھٹ جانا تو ہر جسم کے حق میں خلاف طبیعت ہے اور یہ سکون کسی جسم کے حق میں بحیثیت جسمی خلاف طبیعت نہیں بلکہ حرکت ہی خلاف طبیعت ہے یہی وجہ ہے کہ جیسے اجسام کے پھٹ جانے کے لئے اور اسباب کی ضرورت ہوتی ہے ایسے ہی حرکت کے لئے بھی اور اسباب کی ضرورت پڑتی ہے اور سکون کے لئے کسی اور سبب کی ضرورت نہیں ہوتی۔

معجزات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت قرآن و سنت سے ملتا ہے

ان تمام وقائع اور مضامین کے استماع کے بعد شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ معجزات مرقوم بالا کا جو منجملہ معجزاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم مذکور ہوئے کیا ثبوت ہے اور ہم کو کاہے سے معلوم ہوا کہ یہ معجزات ظہور میں آئے ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کو کاہے سے معلوم ہوا کہ اور انبیاء اور اوتاروں سے وہ معجزات اور کرشمے ظہور میں آئے ہیں جو ان کے معتقد بیان کرتے ہیں اگر توراۃ و انجیل کے بھروسے ان معجزات اور کرشموں پہ ایمان ہے تو قرآن و حدیث محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتماد پر معجزات محمدی پہ ایمان لانا واجب ہے کیونکہ توریت و انجیل کی کسی کے پاس آج کوئی سند موجود نہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ کس زمانے میں یہ کتابیں لکھی گئیں اور کون اور کس قدر ان کتابوں کے راوی ہیں۔

قرآن و سنت کا صحیح الاسناد ہونا مسلم ہے۔

اور قرآن و حدیث کی سند اور اسناد کا یہ حال ہے کہ یہاں سے لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک راویوں کی تعداد معلوم، نسب اور سکونت معلوم نام اور احوال معلوم۔ پھر

تماشا ہے کہ توریت و انجیل تو معتبر ہو جائیں اور قرآن و حدیث کا اعتبار نہ ہو اس سے بڑھ کر اور کیا ستم اور کونسی نا انصافی ہوگی۔ اگر توریت و انجیل وغیرہ کتب مذاہب دیگر لائق اعتبار ہیں تو قرآن و حدیث کا اعتبار سب سے پہلے لازم ہے۔

اسلام کے سوا دیگر مذاہب کی اصل حقیقت

اب یہ گذارش ہے کہ ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ اور مذاہب اور دین بالکل ساختہ اور پرداختہ بنی آدم ہیں بطور جعلسازی ایک دین بنا کر خدا کے نام لگا دیا۔ نہیں دو مذہبوں کو تو ہم یقیناً دین آسمانی سمجھتے ہیں ایک دین یہود اور دوسرے دین نصاریٰ ہاں اتنی بات ہے کہ بوجہ تحریف بنی آدم کے رائے کی آمیزش بھی ان دونوں دینوں میں ہو گئی۔

باقی رہا دین ہنود اس کی نسبت اگرچہ ہم یقیناً نہیں کہہ سکتے کہ اصل سے یہ دین بھی آسمانی ہے مگر یقیناً یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ دین اصل سے جعلی ہے خدا کی طرف سے نہیں آیا کیونکہ اول تو قرآن شریف میں یہ ارشاد ہے "وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ" جس کے یہ معنی ہیں کہ کوئی امت یعنی گروہ عظیم ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گذرا ہو۔ پھر کیونکر کہہ دیجئے کہ اس ولایت ہندوستان میں جو ایک عریض و طویل ولایت ہے کوئی ہادی نہ پہنچا ہو کیا عجب ہے کہ جس کو ہندو صاحب اوتار کہتے ہیں اپنے زمانے کے نبی یا ولی یعنی نائب نبی ہوں دوسرے قرآن شریف میں یہ بھی ارشاد ہے "مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ" جس کا حاصل یہ ہے کہ بعض انبیاء کا قصہ تو ہم نے تجھ سے بیان کر دیا ہے اور بعضوں کا قصہ بیان نہیں کیا۔ سو کیا عجب ہے کہ انبیا ہندوستان بھی انہیں نبیوں میں سے ہوں جن کا تذکرہ آپ سے نہیں کیا گیا۔

دیگر مذاہب کے بانیوں کی طرف منسوب لغویات و کفریات کی حقیقت۔

رہی یہ بات کہ اگر ہندوؤں کے اوتار انبیاء یا اولیا ہوتے تو دعویٰ خدائی نہ کرتے ادھر افعال ناشائستہ مثل زنا چوری وغیرہ ان سے سرزد نہ ہوتے حالانکہ

اوتاروں کے معتقد یعنی ہندو ان دونوں باتوں کے معتقد ہیں جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ دونوں باتیں بے شک ان سے سرزد ہوئی ہیں۔

سو اس شبہ کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف دعویٰ خدائی نصاریٰ نے منسوب کر دیا اور دلائل عقلی و نقلی اس کے مخالف ہیں۔

ایسے ہی کیا عجب ہے کہ سری کرشن اور سری رامچندر جی کی طرف بھی یہ دعویٰ بدروغ منسوب کر دیا ہو جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بدلالت آیات قرآنی اور نیز بدلالت آیات انجیل اپنے بندہ ہونے کے مقر اور معترف تھے اور پھر وہی کام مدت العمر کیا کئے جو بندگی کو سزاوار ہیں دعوے خدائی پہ نہیں پھبتے یعنی نماز روزہ ادا کئے زبان سے عجز و نیاز کرتے رہے جب کہا اپنے آپ کو ابن آدم کہا اور بندہ قرار دیا پھر اس پر ان کے ذمے تہمت دعویٰ خدائی لگا دی گئی۔ ایسے ہی کیا عجب ہے کہ سری کرشن اور سری رامچندر کی نسبت تہمت خدائی لگا دی ہو۔

علیٰ ہذا القیاس جیسے حضرت لوط اور حضرت داؤد علیہما السلام کی نسبت باوجود اعتقاد نبوت یہود و نصاریٰ تہمت شراب خواری اور زنا کاری لگاتے ہیں اور ہم ان کو ان عیوب سے بری سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی کیا عجب ہے کہ سری کرشن اور سری رامچندر بھی عیوب مذکورہ سے مبرا ہوں۔ اوروں نے ان کے ذمے یہ تہمت زنا و سرقہ لگا دی ہو الحاصل ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ اور ادیان اور اور مذاہب اصل سے غلط ہیں دین آسمانی نہیں بلکہ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ اس زمانے میں سوائے اتباع محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کسی طرح نجات متصور نہیں اس زمانے میں یہ دین سب کے حق میں واجب الاتباع ہے

اس زمانے میں اتباع دین محمدی کے سوا نجات متصور نہیں۔

باقی رہا یہ شبہ کہ اس صورت میں اور دین منسوخ ٹھیریں گے اور یہ وہم پیدا ہوگا کہ پہلے

لہ وجہ انحصار نجات یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے سردار اور سب سے افضل چنانچہ اس سے پہلے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے اور ظاہر ہے کہ حاکم بالادست کے ہوتے حکام ماتحت کی اطاعت در صورت مخالفت احکام حکام ماتحت اپنے ذمہ نہیں رہتی ۱۲ منہ

احکام میں خدا تعالیٰ سے کچھ غلطی ہوئی ہوگی جس کے تدارک اور اصلاح کے لئے یہ حکم بدلا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نسخ ایک لفظ عربی ہے اس لفظ کے معنی ہم سے پوچھنے چاہئیں نسخ فقط تبدیل احکام کو عربی زبان میں کہتے ہیں۔ مگر احکام دنیا چونکہ اپنے احکام جبھی بدلتے ہیں جب کہ پہلے حکم میں کچھ نقصان معلوم ہوتا ہے اس لئے نسخ کے لفظ کو سن کر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے۔ ورنہ نسخ محض تبدیلی احکام کو کہتے ہیں

اور صورت تبدیل احکام خداوندی یہ ہوتی ہے کہ جیسے منضج و مسہل اپنے اپنے وقت میں مناسب ہوتے ہیں اور اس لئے بعد اختتام میعاد منضج بجائے نسخہ منضج نسخہ مسہل بدلا جاتا ہے اور اس تبدیلی کو بوجہ غلطی نسخہ منضج کوئی نہیں سمجھتا

ایسے ہی دین موسوی اور دین عیسوی اپنے اپنے زمانہ میں مناسب تھے اور اس زمانہ میں یہی مناسب ہے کہ اتباع دین محمدی کیا جائے کیونکہ اور دینوں کی میعادیں ختم ہوگئیں اب اسی دین محمدی کا وقت ہے عذاب آخرت اور غضب خداوندی سے نجات اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے اتباع میں منحصر ہے۔

جیسے اس زمانہ میں گورنر زمانہ سابق لارڈ ناتھ بروک کے احکام کی تعمیل کافی نہیں بلکہ گورنر زمانہ حال لارڈ لٹن کے احکام کی تعمیل کی ضرورت ہے۔

ایسے ہی اس زمانہ میں اتباع ادیان سابقہ کافی نہیں بلکہ دین محمدی کا اتباع ضروری ہے سزائے سرکاری سے نجات اور رستگاری جبھی متصور ہے جب کہ زمانہ حال کے گورنر کا اتباع کیا جائے۔ اگر کوئی نادان یوں کہے کہ گورنر سابق بھی تو ملکہ ہی کا نائب تھا تو اس عذر کو کوئی نہیں سنتا۔ ایسے ہی یہ عذر کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تو رسول خدا تھے اس وقت قابل استماع نہیں۔ بلکہ جیسے اس وقت اگر گورنر سابق بھی موجود ہو تو لارڈ لٹن ہی کا اتباع کرے جو گورنر زمانہ حال ہے ایسے ہی اس زمانہ میں اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی موجود

ہوتے تو ان کو ناچار رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا اتباع کرنا پڑتا۔ اور اگر کوئی شخص اپنے خیال کے موافق بوجہ غلطی کوئی عیب ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ لگائے بھی تو ہم ہزار عیب ان کے بزرگوں میں نکال سکتے ہیں یہی تقریر ہو رہی تھی جو پادری صاحب نے فرمایا کہ گھنٹہ پورا ہو گیا خیبر

حضرت نانوتوی کی تقریر کا ماحصل اور اسپر پادری محی الدین کے چار اعتراض

مولوی صاحب تو بیٹھ گئے اور عیسائیوں کی طرف سے پادری محی الدین پشاوری اٹھے اور مولوی صاحب کی تقریر پر چار اعتراض کئے جن کے دیکھنے کے بعد اہل فہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ جیسے ہنود کی طرف سے مولوی صاحب کی تقریر کے رد میں آخر جلسہ تک کوئی صدا نہ اٹھی پادری صاحبوں نے بھی گویا مطالب ضروری کو اس تقریر کے تسلیم ہی کر لیا۔ کیونکہ مطالب اصلی اور ضروری تو اس تقریر میں کل آٹھ باتیں تھیں۔ ۱ خدا تعالیٰ کا ثبوت۔ ۲ اس کی وحدانیت ۳ اس کا واجب الاطاعت ہونا ۴ نبوت کی ضرورت ۵ نبوت کے علامات اور صفات ۶ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ۷ ان کی خاتمیت ۸ ان کے ظہور کے کے بعد انہیں کے اتباع میں نجات کا منحصر ہو جانا۔

ان آٹھوں باتوں میں سے تو ایک بات پر بھی پادریوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا ہاں پادری محی الدین مذکور نے مضامین ملحقہ اور زائدہ پر البتہ اعتراض کر کے انجام کار خود نادم ہوئے اور پادری صاحبوں کو نادم کرایا۔

وہ چار اعتراض یہ ہیں ایک تو انبیاء کی معصومیت[عہ] پر یہ اعتراض کہ حضرت آدم علیہ السلام نے باوجود ممانعت خداوندی گیہوں کھا لیا اور مخالفت خداوندی کی اور ظاہر ہے کہ اس مخالفت ہی کو گناہ کہتے ہیں۔ علی ہذا القیاس حضرت داؤد علیہ السلام

عہ معصومیت پر اعتراض مذکور سے نہ معلوم پادری صاحبوں کو کیا نفع تھا انبیاء کو خود وہ تسلیم کرتے ہیں اور ان کے اتباع کو اپنے ذمے واجب سمجھتے ہیں جب باوجود اعتقاد گنہگاری انبیاء ان کا اتباع واجب ہے تو بصورت معصومیت ان کے اس بات میں کیا فرق آجائے گا ۱۲ منہ

کی نسبت زن اوریا کے ساتھ نعوذ باللہ زنا کا الزام ۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی نسبت بت پرستی کا تہمت لگا کر یہ کہا کہ زنا اور بت پرستی دونوں گناہ ہیں ۔ اور یہ دونوں نبی ہیں سو باوجود ایسے ایسے بڑے بڑے گناہوں کے صدور کے ان کو معصوم کہنا سراسر غلط ہے اور پھر اس پر یہ کہا کہ یہ قصے کلام اللہ میں مذکور ہیں یہ اعتراض تو وہ ہے جس کی مدافعت خود اثناء تقریر میں مولوی صاحب کر چکے تھے ۔ مگر بایں ہمہ عوام کے دکھلانے کو پادری صاحب اپنا کام کر گذرے ۔

دوسرا اعتراض معصومیت محمدی پر ہے دوسرے مضمون آیت وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ پر جس کا ترجمہ یہ ہے کوئی امت یعنی گروہ عظیم ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا خدا کی طرف سے نہ گذرا ہو یہ اعتراض کیا کہ تم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہر گروہ میں نبی کے آنے کی ضرورت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پیشتر ملک عرب میں کونسا پیغمبر تھا اور اس کے ساتھ پادری صاحب کو یہ اشارہ کرنا بھی منظور تھا کہ قبل بعثت محمدی کوئی پیغمبر ملک عرب میں نہ نکلا تو پھر چالیس برس کی عمر تک جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کا آغاز اور اول زمانہ تھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اپنے افعال میں مخالف دین خداوندی ہونا لازم آئے گا جس سے معصومیت انبیاء میں صاف رخنہ پڑ جائے گا۔ عہ

عہ قرین عقل و قیاس اتنی ہی بات ہے کہ خداوند عالم اپنے بندوں کو اپنی مرضی غیر مرضی سے کسی اپنے مقرب خاص کی معرفت اطلاع کرا دے اور بعد اطلاع اس کی یادگاری اور حفاظت بندوں کے ذمہ ہے ہاں بعد ضائع ہو جانے اور گم ہو جانے ان حکمناموں کے جو خدا کی طرف سے اس کے مقربان خاص کی معرفت یعنی انبیاء یا ان کے نائبوں کے ذریعہ سے پہنچی تھی جو لوگ پیدا ہوں گے نہ وہ اس جرم میں ماخوذ ہوں گے کہ وہ حکمنامے کیوں کھو دیئے گئے اور نہ اس جرم میں ماخوذ ہوں گے کہ ان کے موافق عمل کیوں نہ کیا ۔ بلکہ اس زمانہ میں مثل زمانہ اول خدا کی طرف سے پھر اس لطف کی امید ہو گی کہ وہ پھر کسی خاص بندے کو اپنے احکام دے کر بھیجے چنانچہ یہی وجہ ہوئی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اس زمانہ میں کوئی دین آسمانی بجنسہ محفوظ نہ تھا نہ دین ابراہیمی نہ دین موسوی نہ دین عیسوی اصول خراب ہو گئے بلکہ بعض دینوں میں تو

(بقیہ حاشیہ آگے)

(بقیہ حاشیہ) جیسے دین ابراہیمی سوائے ایک دو ایسے حکموں کے جن کو قطع نظر ارشاد انبیاء بھی اہل عقل بلکہ تمام عالم تسلیم کرتا ہے جیسے ظلم کی برائی احسان کی بھلائی مثلاً اور کوئی حکم بجنسہ موجود و معلوم نہ تھا۔ پھر اس کے ساتھ اصول دین میں یہ بھول بھیل گیا تھا کہ بجائے توحید شرک تھا خدا کی طرح اوروں کو عالم الغیب جانتے تھے اپنا نفع نقصان ان کے قبضہ قدرت میں سمجھتے تھے قیامت کا انکار تھا۔ عذاب و ثواب سے کچھ کار نہ تھا۔

ادھر دین عیسوی کی یہ حالت تھی کہ ایک اللہ کے بدلے تین خدا کا اعتقاد اعتقاد کفارہ عیسوی کے بدولت شریعت اور احکام شریعت سے دست برداری اور سبکدوشی۔ علی ہذا القیاس دین موسوی کا بھی یہی حال تھا کہیں تو یہ اعتقاد تھا کہ حضرت عزیر خدا کے بیٹے تھے۔ کہیں اپنے آپ کو خدا کا دوست اور خدا کا فرزند سمجھتے تھے جس کے باعث خدا کے احکام کی تعمیل سے بالکل فارغ البال تھے۔ اسی قسم کے خیالات بیجا کے رفع کرنے کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا ان کو نبی بھی چھوڑ یہ بھی نہ سمجھا کہ کوئی بھی آدمی ہیں چنانچہ اسی وجہ سے ان سے وہ سلوک کیا کہ سبھی جانتے ہیں۔

الغرض کوئی دین قبل بعثت محمدی الیسا نہ بچا تھا جس میں ایجاد بندہ نہ ہو گیا ہو اس لئے وہ زمانہ ایسا ہو گیا تھا جیسا وہ زمانہ تھا جس میں سب سے پہلے پیغمبر تشریف لائے ہوں گے یعنی حق و باطل و موافق و مخالف مرضی خداوندی کے اصلاً تمیز باقی نہ رہی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے وقت میں کوئی شخص بوجہ احکام لائق عذاب نہیں ہو سکتا کیونکہ عذاب اس وقت مناسب ہے کہ کوئی شخص باوجود علم و امکان اطلاع خدا کے احکام کی تعمیل نہ کرے۔ یہاں علم احکام و امکان اطلاع احکام کی کونسی صورت تھی۔ اسلئے ایسے وقت میں اتنی بات کافی ہے کہ اپنی طرف سے ہر دم بصدق دل اس پر آمادہ رہے کہ اگر کسی طرح کوئی حکم معلوم ہو جائے تو اس کی تعمیل کروں اور پھر حسب ہدایت عقل جس قدر معلوم ہو اس کا کاربند رہوں۔

سو یہ بات بحمد اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو قبل بعثت حاصل تھی شرک زنا چوری قتل شراب خوری جھوٹ وغیرہ امور مذمومہ منہیہ سے احتراز تھا۔ اور غار حرا میں تنہا بیٹھ کر اپنے خدا سے راز و نیاز تھا اور ظاہر ہے کہ اسی کو اطاعت اور فرمانبرداری کہتے ہیں۔ بلکہ اصل طاعت یہی ہے اطلاع احکام سے غرض اصلی اسی آمادگی کا امتحان ہوتا ہے۔ (بقیہ حاشیہ آگے)

تیسرا اعتراض معجزات محمدی کے ثبوت پر:۔ تیسرا اعتراض یہ کہ معجزات محمدی کا ثبوت آپ کو قرآن سے دینا تھا قرآن سے آپ نے ثبوت نہیں دیا۔

چوتھا اعتراض رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت پر:۔ یہ تھا کہ مسلمانوں کے ہاں درود اس طرح پر ہے۔ اللھم صلی علی سیدنا محمد و علیٰ ال سیدنا محمد کما صلیت علی سیدنا ابراھیم و علی ال سیدنا ابراھیم انک حمید مجید - اس درود میں لفظ کما صلیت جو تشبیہ پر دلالت کرتا ہے خود اس جانب مشیر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہوں۔ کیونکہ تشبیہ میں مشبہ بہ مشبہ سے افضل ہوا کرتا ہے۔

یہ چار اعتراض کر کے انہوں اور پادری نولس صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ اعتراض

(بقیہ حاشیہ) القصہ اس صورت میں نہ یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ جب ملک عرب میں آپ سے پہلے ایک عرصہ سے کوئی نبی ہی نہ تھا اور احکام خداوندی کی تعمیل کی کوئی صورت ہی نہ تھی تو پھر بوجہ تعمیل آپ معصوم نہ رہے نعوذ باللہ متبہا گناہگار نکلے اور نہ یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ آپ سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی تھے آپ نے ان کا اتباع نہ کیا اس لئے نعوذ باللہ خدا کے نافرمان ٹھیرے کیونکہ عدم تعمیل اس وقت مضر ہے جب علم و اطلاع بھی ہو۔ اور کسی نبی کا اتباع اس وقت ضروری ہے جب کہ اس کی ہدایت محفوظ و معلوم بھی ہوں اور اگر بہدایت عقل سلیم یہ معلوم ہو جائے کہ اب اس دین کے اصول غلط ہو گئے جیسے تثلیث کے استماع سے ظاہر ہے۔ تو پھر کیونکر کہہ دیجئے کہ دین بجنسہ محفوظ ہے۔ اصول ہی غلط ہوں تو پھر فروع کا کیا اعتبار

علاوہ بریں جیسے حاکم ضلع کی اطاعت اس ضلع والوں کے ذمے ہوتی ہے اور افسر اعلیٰ گورنر وغیرہ کے ذمہ اس کی اطاعت نہیں ہوتی بلکہ افسر اعلیٰ اطاعت اس کے اور سب کے ذمہ ہوتی ہے۔

ایسے ہی سوائے خاتم الانبیاء اور انبیاء کی اطاعت انہیں لوگوں کے ذمہ ہوگی جن کے لئے وہ بھیجے گئے ہاں خاتم کی اطاعت البتہ سب کے ذمہ ہوگی۔ انجیل پڑھنے والوں کو معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم نہ تھے ورنہ خاتمیت کا دعویٰ ضرور کرتے بلکہ آپ نے تو اپنی خاتمیت سے انکار ہی کیا ہے جو یہ فرمایا کہ جہان کا سردار آنے والا ہے اور فارقلیط کی بشارت دی غرض اس وجہ سے بھی حضرت عیسیٰ کا اتباع نہ کرنا معصومیت میں رخنہ انداز نہیں ہو سکتا۔ ۱۲ منہ

تو اور بھی تھے مگر بوجہ طول تقریر یاد نہیں رہے۔

پادری صاحب کے اعتراضات کی حقیقت	مگر ان چار اعتراضوں کے معائنہ سے ناظرین کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ اگر بالفرض والتقدیر پادری صاحب اپنے

بیان میں سچے ہی ہوں یعنی ان کے زبان میں اثناء تقریر میں کچھ اور بھی اعتراض آئے ہی ہوں مگر بوجہ طول تقریر یاد نہ رہے ہوں تو بھی یہ چار اعتراض تو ان سب میں گل سرسبد اور ان سب کا انتخاب ہی ہوں گے جو یاد رہے پھر جب ان کا یہ حال ہے کہ پادری صاحب بیان ہی نہ کرتے تو اچھا تھا۔ نہ بیان کرتے نہ نادم ہونا پڑتا تو اور اعتراض تو کس شمار میں ہیں

حضرت نانوتویؒ کی طرف سے اعتراضات کا جواب

الغرض پادری صاحب تو بیٹھے اور مولوی صاحب کھڑے ہوئے اول تو یہ فرمایا کہ۔

گناہ کے معنی اور حقیقت	آپ اب تک گناہ کے معنی ہی نہ سمجھے گناہ فقط مخالفت امر و ارشاد و نہی و منع ہی کو نہیں کہتے۔ بلکہ یہ بھی ضرور ہے کہ وہ مخالفت

عمداً ہو بوجہ نسیان و غلطی نہ ہو یہی وجہ ہے کہ موقع عذر میں یوں کہا کرتے ہیں کہ میں بھول گیا تھا یا میں سمجھا نہ تھا۔ اگر باوجود نسیان و غلط فہمی بھی مخالفت کو گناہ کہئے تو پھر موقع عذر میں یہ کہنا کہ میں بھول گیا تھا سراسر لغو ہوا کرے۔

بہرحال گناہ یعنی سرکشی کے لئے یہ بھی ضرور ہے کہ مخالفت مذکورہ بوجہ نسیان و غلطی نہ ہو عمداً ہو اور عمداً بھی ہو تو اس شخص کی محبت اور عظمت جس کی مخالفت کرتا ہے باعث مخالفت نہ ہوئی ہو چنانچہ اثنائے تقریر میں ہم نے خود اس مضمون کی طرف اشارہ کر کے یہ کہہ دیا تھا کہ کبھی بھولے چوکے یا بتقاضاء محبت بھی انبیاء سے مخالفت ہو جاتی ہے البتہ عمداً نہیں ہوتی۔

گناہ اور لغزش میں فرق	الحاصل گناہ وہ مخالفت ہے جو عمداً ہو اور باعث مخالفت

اس کی محبت و عظمت نہ ہوئی ہو جس کی مخالفت کرتا ہے اگر بوجہ نسیان یا بوجہ تقاضاء محبت و عظمت مخالفت سرزد ہو جائے تو پھر اس کو گناہ نہیں کہتے بلکہ زلت کہتے ہیں جس کا ترجمہ لغزش ہے

حضرت آدم علیہ السلام کی ممانعت حکم خداوندی کی حقیقت۔

مگر اس صورت میں حضرت آدم علیہ السلام کے گیہوں کھا لینے کو موافق اصول اہل اسلام گناہ اور جرم قرار دینا غلط ہے کیونکہ اول تو حضرت آدم علیہ السلام نے یہ حرکت مخالف امر خداوندی بھول کر کی تھی چنانچہ قرآن شریف میں حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں وارد ہے۔ فنسی ولم نجد لہ عزما جس کا حاصل یہ ہے کہ آدم علیہ السّلام بھول گئے اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی اور اگر حضرت آدم علیہ السّلام سے عمداً یہ مخالفت ظہور میں آئی تو اس کا باعث کوئی ہوا و نفسانی نہیں ہوئی بلکہ بتقضاء محبت خداوندی ان سے یہ حرکت سرزد ہوئی۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ قرآن شریف میں اس قصہ کو اسطرح فرمایا ہے۔
ما نھاکما ربکما عن ھذہ الشجرۃ الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخالدین وقاسمھما انی لکما من الناصحین فدلھما بغرور۔

جس کا حاصل اوپر کی عبارت کے ملانے سے یہ نکلتا ہے کہ شیطان نے حضرت آدم علیہ السّلام اور حضرت حوّا سے یہ کہا کہ اس پھل کے کھانے سے تم کو خدا نے فقط اس لئے منع کیا ہے کہ اسے کھا کر کہیں فرشتے نہ بن جاؤ۔ کہیں ہمیشہ رہنے والوں میں سے تم بھی نہ ہو جاؤ پھر بعد اس کے شیطان نے قسم کھا کر کہا کہ میں تمہارے

لہ یہی وجہ ہے کہ کوئی مخدوم مکرم اپنے چھوٹوں کو سرہانے بیٹھنے کو کہے اور وہ اسکے کہنے کو نہ مانے تو اس نہ ماننے کو کوئی شخص سرکشی نہیں کہتا اور منجملہ جرم شمار نہیں کرتا بلکہ عین دلیل اطاعت شمار کرتا ہے ۱۲ منہ
سلہ اور ظاہر ہے کہ لغزش اسی حرکت کو کہتے ہیں جو بے اختیارانہ صادر ہو کسی اور کے دھکے اور صدمہ سے وقوع میں آئے مگر ایسی حرکت کو کوئی عاقل جرم اور بغاوت اور سرکشی کے اقسام میں شمار نہیں کرتا۔ ۱۲ منہ

خیر خواہوں میں سے ہوں۔ سو اس طور پر فریب دے کر ان کو نکال

باہر کیا اور اس بلندی سے نیچے گرا دیا۔ یہاں تک حاصل مطلب

قرآنی تھا۔

اب ہماری سنئے کہ جب وجہ مخالفت فرشتے ہو جانے اور خلود[1] یعنی ہمیشگی کا شوق

ہے چنانچہ سیاق آیت سے ظاہر ہے تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کی طرف موافق اہل

اسلام گناہ الزام عائد نہیں ہو سکتا کیونکہ فرشتے مقربان بارگاہ الٰہی ہوتے ہیں اور

آرزوئے تقرب خداوندی اسی شخص کو ہو سکتی ہے جو خدا کو عظیم الشان سمجھتا ہو اور

خدا سے محبت رکھتا ہو سو اس مخالفت کو گناہ کہنا جو بالیقین بتقاضائے محبت خداوندی

اور بلحاظ عظمت خداوندی ظہور میں آئے سراسر ناانصافی ہے۔ الحاصل حضرت آدم علیہ السلام

کا گیہوں کھالینا منجملہ گناہ نہیں بلکہ از قسم زلت ولغزش ہے[2]

---

[1] جو چیز عزیز ہوتی ہے تا مقدور اس چیز کو حفاظت سے رکھتے ہیں اور خراب نہیں ہونے دیتے سو حضرت آدم علیہ السلام کو خلود کی آرزو وہ بھی تا زو نعمت میں اسی غرض سے تھی کہ خدا کے نزدیک عزیز ہو جاؤں ۱۲ منہ

[2] اگر کسی کو یہ شبہ دامنگیر ہو کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے تھے تو یہ آیت جس میں یہ ہے مانہاکما ربکما عن هذه الشجرة الا ان تكونا ملكين او تكونا من الخالدين غلط ہوگی کیونکہ اس آیت میں صاف اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ممانعت خداوندی یاد تھی۔ اور اگر عمداً یہ حرکت ان سے وقوع میں آئی تو پھر آیت فنسی ولم نجد له عزما غلط ہوگی۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں آیتیں اسی قصہ کے متعلق ہیں تو پھر آیت فنسی ولم نجد له عزما کا یہ مطلب ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ایک تو یہ بات بھول گئے کہ وجہ ممانعت وہ نہیں جو شیطان بیان کرتا ہے بلکہ وجہ ممانعت پاس عزت وراحت حضرت آدم وحضرت حوا علیہما السلام تھا چنانچہ خود قرآن شریف میں فرماتے ہیں۔ ولا تقربا هذه الشجرة فتكونا من الظالمين جس کا حاصل یہ ہے کہ اے آدم وحوا تم دونوں اس درخت کے پاس مت پھٹکنا یعنی اس کا پھل مت کھانا ورنہ ظالم ہو جاؤ گے غرض اس فعل کا نتیجہ حسب ارشاد خداوندی ملکیت وخلود نہ تھا بلکہ ظلم تھا جس کا انجام سب جانتے ہیں کہ بد ہوتا ہے سو حضرت آدم علیہ السلام ایک تو نتیجہ مخالفت کو جو بوجہ ممانعت تھی بھول گئے

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی نسبت | **حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی طرف نسبت گناہ کی حقیقت۔**

آپ کا یہ فرمانا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے نعوذ باللہ زنا کیا یا حضرت سلیمان علیہ السلام نے نعوذ باللہ بت پرستی کی اور یہ باتیں قرآن مجید میں موجود ہیں بالکل غلط ہیں قرآن شریف میں کہیں ان باتوں کا پتہ نہیں۔ اگر تم کو قرآن شریف یاد ہوتا تو تم کو شان نبوت

پھر اس کے بعد یہ فرمایا کہ آپ جو یہ ارشاد کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم | **نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نبی کے وجود کا مطلب۔**

سے پہلے کون نبی تھا سو اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے یہ کب کہا تھا کہ ہر قرن اور ہر زمانہ میں نبی کا ہونا ضرور۔ اگر میں یہ کہتا تو البتہ تمہارا یہ اعتراض بجا تھا میں نے فقط اتنا کہا تھا کہ ہر گروہ میں کوئی ڈرانے والا خدا کی طرف سے چاہیئے اور ظاہر ہے کہ اس مضمون پر آپ کا اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد اعتراض ثالث کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ اول تو قرآن شریف میں مذکور ہونا کوئی شرط ثبوت نہیں۔ روایت صحیح چاہیئے سو بحمد اللہ روایات احادیث

(بقیہ حاشیہ) دوسرے یہ بات بھی بھول گئے کہ خداوند کریم نے یہ نسبت شیطان فرما دیا تھا کہ۔ ان عدو لکما فلا یخرجنکما من الجنة فتشقی جس کا حاصل یہ ہے کہ شیطان تم دونوں کا دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ تم دونوں کو جنت سے نکالدے اور تو بدبخت ہو جائے یعنی ایسا نہ ہو کہ تم کو فریب دے دلا کر ہماری مخالفت کرادے اور اس سبب سے تم جنت سے نکالے جاؤ غرض ارشاد خداوندی بہ نسبت شیطان اور نیز بہ نسبت وجہ ممانعت دونوں بھول گئے فقط ممانعت یاد رہی اور اس بھول کے باعث نوبت یہاں تک آئی۔ اگر آیت فنسی ولم نجد لہ عزما کسی اور قصہ کے متعلق ہے جیسے بعض حدیثوں میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے خدا سے یہ استدعا کی کہ میری عمر میں سے کسی قدر گھٹا کر حضرت داؤد علیہ السلام کو دیدی جائے اور پھر وقت تشریف آوری ملک الموت یہ فرمایا کہ میں نے اپنی عمر نہیں دی جس سے انکار بہ نسبت اپنی استدعا کے بھول جانا ثابت ہوتا ہے تو پھر دونوں آیتوں میں ظاہری مخالفت بھی نہ رہے گی جو نوبت استفسار آئے البتہ اس صورت میں جواب اول کام کا نہ رہے گا ۱۲ منہ

اہل اسلام جن میں اکثر معجزات محمدی منقول ہیں ایسے صحیح ہیں کہ توراتؔ انجیل کی روایات اس کے ہم پلہ نہیں ہو سکتیں۔ علاوہ بریں معجزہ انشقاق قمر اور پیشین گوئی خلافت وغیرہ قرآن شریف میں نہیں اور کا ہے میں ہیں۔

اعتراض وجواب کا نیا ضابطہ۔ اتنے میں پادری نولس صاحب نے فرمایا کہ دس منٹ ہو چکے اس لئے مولوی صاحب مجبوری بیٹھ گئے پر غالباً یہ ارشاد فرمایا کہ تنگئی وقت سے مجبور ہوں ورنہ جواب اعتراض رابع موجود ہے اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ ایک ایک اعتراض کرنے چاہیئے اور جواب لیتے جاہیئے بہت سے اعتراض اکھٹے ہو جاتے ہیں تو بوجہ تنگئی وقت جواب میں دقت پڑتی ہے کیونکہ اعتراض میں تو کچھ دیر نہیں لگتی البتہ جواب کے لئے زمانہ واسع چاہیئے۔ پادری محی الدین نے کہا کہ اب سے ایسا ہی ہوگا۔ خیر سننے والوں کے دل میں ارمان رہ گیا مگر سر رشتہ اختیار اپنے ہاتھ سے بجز خاموشی کچھ بن نہ پڑا کیونکہ پادری صاحبوں کے اعتراض وجواب کے لئے دس دس منٹ مقرر کر دئے تھے اور ہنود بھی انہیں کے ہمصفیر ہو گئے تھے اس لئے مسلمانوں کی خواہش دربارہ عدم تعیین وقت کچھ کارگر نہ ہوئی۔

عہ نصاریٰ کے اعتقاد کے موافق الفاظ تورات وانجیل خدا کی طرف سے نہیں آئے ادھر سے فقط الہام معانی ہوا ہے انبیاء یا حواریوں نے اپنے الفاظ میں اُن مضامین کو ادا کر دیا چنانچہ ترجموں کو تورات و انجیل کہنا بھی اس پر دلالت کرتا ہے سو اس بات میں احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حسب اعتقاد اہل اسلام تورات وانجیل کی برابر ہوئیں کیونکہ احادیث کی نسبت بھی اعتقاد اہل اسلام بعینہٖ یہی ہے پھر اس پر یہ بات علاوہ رہی کہ اہل اسلام میں تو یہاں سے لے کر اوپر تک راویوں کی تعداد نام نشان مراتب علم ودین سب معلوم اور تورات وانجیل کے راویوں کی نسبت ان باتوں میں سے ایک بھی معلوم نہیں ادھر یہاں بوجہ احتیاط ترجموں کو حدیث نہیں کہتے کیونکہ پیغمبروں کی طرف توجہ قرب وکمال عقل یہ احتمال نہیں کہ خدا کا مطلب نہ سمجھے ہوں ورنہ منصب پیغمبری قابل اطمینان نہ رہی اور مترجموں کیطرف بوجہ کم فہمی و الف دلعنی ذہن نشینی وخوگردگی وعادت اور نیز مذہبی وغیرہ سو طرح کے احتمال ہیں یہی بلا اہلکتاب کے حق میں سرمایہ ضلالت ہو گئی ۱۲ منہ۔

پادری عمی الدین کی حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام پر الزام گناہ کے ثبوت کی کوشش۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مولوی صاحب تو بیٹھے اور پادری عمی الدین پھر کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے زنا اور بت پرستی کا بیان گو قرآن میں نہیں پر بائیبل یعنی تورات و انجیل و زبور میں یہ افسانے موجود ہیں اور قران میں بائیبل کی تصدیق موجود ہے۔

توراۃ انجیل میں تحریف واقع ہو چکی ہے۔

یہ کہہ کر تو بیٹھے اور مولوی صاحب کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا کہ قرآن شریف میں بے شک تورات و انجیل کی تصدیق ہے مگر اس تورات و انجیل کی تصدیق ہے جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوئی تھی۔ اس تورات و انجیل کا مذکور نہیں جو آپ صاحبوں کے ہاتھ میں ہے اس کا اعتبار نہیں کیونکہ اس میں تحریف یعنی تغیر و تبدل واقع ہو چکی ہے۔

اس پر پادری عمی الدین صاحب بہت جھلا کر اٹھے اور فرمایا کہ اگر آپ تحریف ثابت کر دیں تو ابھی فیصلہ ہے مولوی صاحب نے فرمایا ابھی سہی۔ اور یہ کہہ کر جناب امام فن مناظرہ اہل کتاب یعنی مولوی ابوالمنصور صاحب کی طرف مخاطب ہو کر یہ فرمایا۔ کہ ہاں مولوی صاحب انجیل کے اس درس کی نسبت جو آج صبح آپ نے ہم کو مع اس کے حاشیہ کے دکھلایا تھا علماء نصاریٰ کی رائے سے پادری صاحب کو مطلع فرما دیجئے۔

انجیل میں تحریفات کا ثبوت

امام صاحب نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ تحریفات تو بہت ہیں مگر مشتے نمونہ از خروارے درس ۷ باب پانچواں یوحنا کا نامہ دیکھئے اس میں یہ مضمون ہے کہ وہ تین ہیں جو آسمان پر گواہی دیتے ہیں باپ اور کلام اور روح القدس اور یہ تینوں ایک ہیں،، اور پھر فرمایا جب یہ کتاب مرزا پور میں باہتمام اکابر پادریان بہت اہتمام سے سوسائٹی کی طرف سے عبرانی اور یونانی زبان سے اردو میں ترجمہ ہو کر ۱۸۷۰ء میں چھپی تو درس مذکور کی نسبت حاشیہ پر اُن پادریوں

نے جو اس کے طبع کے مہتمم تھے یہ عبارت چھاپ دی ہے کہ (یہ الفاظ کسی قدیم نسخہ میں نہیں پائے جاتے)

اس پر پادریوں نے انکار کیا اور یہ کہا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مولوی محمد قاسم صاحب امام فن مناظرہ اہل کتاب جناب مولوی ابوالمنصور صاحب سے یہ عرض کیا کہ آپ وہ کتاب ہی منگا لیجئے۔ اس لئے حسب اشارہ امام صاحب ان کا ایک خادم دوڑا اور خیمہ میں سے وہ کتاب اٹھا لایا۔ امام صاحب نے وہ مقام کھول کر دکھلا دیا دیکھتے ہی پادریوں کے تو ہوش اڑ گئے اور اہل جلسہ پر یہ بات آشکارا ہو گئی کہ مسلمان بازی جیتے۔

عیسائی پادری کا ثبوت تحریف انجیل پر لفظی الجھاوا اور اس کی حقیقت

مگر اس پر بھی پادری عمی الدین صاحب نے حیا کو کام فرمایا اور شرم اتار نے کو یہ فرمایا کہ یہ تحریف نہیں کمی وبیشی ہے۔ ہر چند جواب تو اس کا یہی تھا کہ کمی بیشی خود اقسام تحریف میں سے ہے اس لئے کہ حاصل تحریف فقط تغیر و تصرف ہے کسی طرح ہو مگر حسب بیان مولوی صاحب موصوف مولوی صاحب کو پادری صاحب کی انصاف پرستی سے یہ کھٹکا ہوا کہ پادری صاحب اس باب میں لا و نعم کرتے کرتے وقت کو خراب کر دیں گے اس لیے یہ فرمایا کہ اگر یہ تحریف نہیں کمی بیشی ہے تب بھی ہمارا مطلب ہاتھ سے نہیں جاتا اثبات تحریف سے اہل اسلام کو اس سے زیادہ اور کیا مقصود ہے کہ توراۃ و انجیل قابل اعتبار نہیں سو در صورت تسلیم کمی و بیشی یہ بات بدرجہ اولیٰ ثابت ہو جائے گی۔

تحریف انجیل کو برحق ثابت کرنے کیلئے عیسائی پادری کا قرآن میں کمی بیشی واقع ہونیکا دعویٰ

اس اثناء میں پادری جان ٹامس صاحب کرسٹان اٹھے اور در بارہ نسخ کچھ فرمانا چاہا مگر کھڑے ہو کر ایک دو ہی لفظ کہنے پائے تھے کہ جو رہ گئے اور لاچار ہو کر ان کو یہ کہنا پڑا کہ ہاں مولوی صاحب آپ کیا فرماتے تھے۔

مولوی محمد قاسم صاحب نے فرمایا کہ معقول آپ کو اصل بات تو معلوم ہی نہیں اعتراض کرتے کس بھروسے پر آپ کھڑے ہوئے تھے۔ اس پہ اکثر اہل جلسہ یہاں تک کہ پادری

لوگ بھی ہنس پڑے مگر جوں توں سنبھل سنبھلا کر پادری صاحب نے یہ فرمایا کہ اہل اسلام کے نزدیک اخبار میں نسخ نہیں ہوتا احکام میں ہوتا ہے اور آیات قرآنی بعضے تو منسوخ التلاوت بھی ہیں اور منسوخ الحکم بھی ہیں اور بعضے منسوخ الحکم ہیں اور بعضے فقط منسوخ التلاوت ہیں۔ اس قسم کی بات بیان کر کے حسب عادت بس کر کے بیٹھ گئے مگر کسی کو یہ معلوم نہ ہوا کہ پادری صاحب نے کس بات پہ اعتراض کیا موافق مثل مشہور "المعنی فی بطن الشاعر" پادری صاحب کے سوا اور کسی کو ان کا مطلب نہ کھلا۔ اور میں جانتا ہوں کہ شاید وہ بھی اتنا ہی سمجھے ہوں کہ کوئی مطلب کی بات میں نے نہیں کہی گو بہت کھینچ تان کیجئے تو تقریر سابق سے پادری صاحب کے کلام کو اس سے زیادہ مناسبت نہیں نکل سکتی کہ آیات منسوخ التلاوت کا قرآن سے نکال دینا قرآن کی نسبت بھی کمی کے اقرار کا باعث ہے شاید اس لئے۔

قرآن میں وقوع نسخ کی حقیقت

اس کے جواب میں غالباً مولوی محمد قاسم صاحب نے یہ فرمایا کہ جب ہم کو بالیقین یہ معلوم ہے کہ پہلے اتنا تھا اور اب اتنا ہے پہلے یہ حکم تھا اب یہ حکم ہے اور پھر جو کچھ ہوا خدا کے حکم سے ہوا ہمارا تصرف نہیں تو پھر قرآن کو تورات و انجیل پر قیاس کرنا سخت ناانصافی ہے۔

تحریف انجیل کے ثبوت و اقرار پر چند بدیہی مثالوں سے استدلال

اس کے بعد پادری نولس نولس صاحب بولے بے شک یہ فقرہ زائد ہے اور جو کچھ پادریان مرزا پور نے حاشیہ پر لکھا صحیح و درست ہے مگر یہ چھاپ دینا اور اس کے الحاق کا اقرار کر لینا اُلٹا ہماری دیانت کی دلیل اور ہماری راستبازی کی علامت ہے کہ جو بات

---

[1] یعنی تورات و انجیل میں کمی بیشی تغیر و تبدل جو کچھ ہوا بندوں کے تصرف سے ہوا خدا کے حکم سے نہیں، ہوا پھر یہ معلوم نہیں کہ اصل کیا تھی، الفاظ کیا تھے اس کے معنی کیا تھے۔ غرض نسخ تلاوت آیات قرآنی اس مطلب کے خلط ملط ہو جانیکا باعث نہیں ہوا بخلاف انجیل کے کہ ایک ای فقرے کے بڑھا دینے سے کسقدر خرابی واقع ہوئی کہ توحید کو چھوڑ کر تمام نصاریٰ تثلیث کے معتقد ہو گئے حالانکہ اس فقرے کی نسبت حسب تحریر سابق یہ بھی اعتقاد ہے کہ یہ فقرہ الحاقی ہے ۱۲ منہ

غلط تھی اس کو غلط کہتے ہیں صحیح نہیں کہتے

اس پر جناب مولوی منصور علی صاحب نے یہ فرمایا کہ ہم یہ کب کہتے ہیں کہ آپ جھوٹے ہیں آپ سچے سہی ہمارا مطلب یہ ہے کہ آپ کا دین جھوٹا ہے سو اس کا جھوٹا ہونا آپ کے اقرار سے ثابت ہو گیا؂ ادھر اول تو مولوی محمد قاسم صاحب نے یہ فرمایا کہ اگر یہ فقرہ الحاقی ہے تو اس کو انجیل سے نکال ڈالئے اور عقیدہ تثلیث سے توبہ کیجئے۔ مگر اس پر پادری جان ٹامس صاحب نے یہ کہا کہ ہم کو اس مضمون کی تعلیم اور طریقہ سے ہوئی ہے۔

اور پھر پادری نولس صاحب کی طرف مخاطب ہو کر یہ فرمایا کہ پادری صاحب اگر ایک پیالے پانی میں ایک قطرہ پیشاب کا گر جائے تو وہ قطرہ سارے پانی کو ناپاک بنا دیتا ہے وہ پانی باوجودیکہ قطرہ سے اضعاف مضاعف اور کہیں زیادہ ہے اس قطرہ کو پاک نہیں بنا دیتا۔

اس پر پادری صاحب کو شور کرنے کے لئے ایک بہانہ ہاتھ آ گیا کھڑے ہو کر نہایت تیزی سے یہ فرمایا کہ انجیل خدا کا کلام ہے اس قابل نہیں کہ اس میں ناپاکی ملائی جائے آپ ایسی بری تشبیہ نہ دیجئے۔

ہر چند پادری صاحب کا یہ شور بیجا تھا کیونکہ مولوی صاحب نے انجیل کو پاک ہی پانی سے تشبیہ دی تھی ناپاک سے نہ دی تھی قطرۂ ناپاک و قطرۂ پیشاب سے اگر تشبیہ دی تھی تو الحاقیات کو دی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ اس میں کوئی بے ادبی نہیں بلکہ الحاق کو بے ادبی کہئے تو سراسر بجا ہے۔ مگر حسب بیان مولوی صاحب اس

؂ جائے غور ہے اہل اسلام سے تو معجزات کا ثبوت قرآن سے مانگا جائے حالانکہ معجزات پر بناء نبوت نہیں بلکہ معجزات ہی خود نبوت پر مبنی ہیں اور بناء نبوت فقط کمال عقل و فہم و اخلاق پر ہے جس کا ثبوت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت آفتاب سے زیادہ روشن ہے چنانچہ پہلے واضح ہو چکا ہے اور اپنا یہ حال ہو کہ اصل عقیدہ ہی جس پر بناء کار نصرانیت ہے انجیل میں نہ ہو۔ ۱۲ منہ ؂ یہ وہ جواب ہے جس کو موٹا بھی کہہ سکتے ہیں اور باریک بھی کہہ سکتے ہیں الزامی بھی کہہ سکتے ہیں اور تحقیقی بھی کہہ سکتے ہیں اور ایسے لطیف جواب ظرافت آمیز کمتر دیکھنے میں آتے ہیں۔ ۱۲ منہ

وقت مولوی صاحب نے تطبیق مثال میں گفتگو کرنی فضول سمجھی اور اس اندیشہ سے کہ مبادا اس میں وقت ختم ہو جائے یہ کہا کہ پادری صاحب آپ کہاں تک ایسی باتیں کریں گے آپ ایک مثال میں گفتگو کریں گے میں اور دس مثالیں بیان کر دوں گا یہ تو آپ اس سے کہئے جس کو اور مثال نہ آتی ہو۔ آپ یہ مثال نہ سنیئے دوسری مثال سنئے۔

۵۔ اگر کوئی شخص حسن میں لاثانی ہو جمال میں یوسف ثانی ہو مگر اس کی ایک آنکھ کانی ہو تو اس کا یہ عیب ساری خوبیوں کو خراب کر دے گا باقی اعضاء کا حسن اور ان کی خوبی اس آنکھ کے عیب کو خوبی نہ بنا دے گی۔

۵۔ ایسی ہی اگر کسی دستاویز کسی وثیقہ میں ایک جگہ مخدوش ہو تو باقی دستاویز اور وثیقہ کی درستی اس ایک مقام مخدوش کو درست اور صحیح نہ بنا دے گی۔ اس ایک جگہ کا مخدوش ہونا تمام دستاویز اور تمام وثیقہ کو مخدوش بنا دے گا۔ پھر تماشا ہے کہ مقدمات دنیوی میں تو ایسی دستاویزیں قابل اعتماد نہ رہیں حالانکہ اہل عقل کے نزدیک متاع دنیا چنداں قابل اہتمام اور مقدمہ دینی میں ایسی دستاویز مخدوش قابل اعتبار ہو جائے۔

اور اتفاق سے حالت وعظ میں منصف شہر یعنی شاہجہانپور بھی آگئے تھے اور مولوی صاحب کے سامنے ہی بیٹھے ہوئے تھے مولوی صاحب نے یہ کہکر منصف صاحب کی طرف اشارہ کر کے پادری نولس صاحب سے فرمایا کہ اس مقدمہ میں ہمارے آپ کے حُکم منصف صاحب ہی رہے اوروں کے مقدمات اور جھگڑے بھی یہی فیصل کرتے ہیں ہماری ڈگری بھی یہی کریں گے۔ اور پھر منصف صاحب کی طرف مخاطب ہو کر یہ فرمایا کیوں منصف صاحب آپ ہی فرمائیں اگر کوئی دستاویز جعلی آپ کے ہاں آئے اور اس کا جعل کھل جائے خود مدعی اقرار جعل کرے یا اور کسی طریقہ سے اس کا جعلی ہونا ثابت ہو جائے تو قانون سرکاری اس کی نسبت کیا ہے اور آپ اس مقدمہ میں کیا فیصلہ فرمائیں گے۔؟

مگر منصف صاحب نے بطور اعلان کچھ نہ فرمایا تبسم کرتے رہے ہاں بعض صاحبوں سے سنا کہ منصف صاحب نے یہ فرمایا کہ دعویٰ ڈسمس دستاویز مسترد مدعی اور گواہوں کو چودہ چودہ برس کی قید شاید یہ بات منصف صاحب نے اپنے پاس کے صاحبوں سے فرمائی ہو اور اس

وقت اوروں نے نہ سنی ہو۔

اور بعض کا یہ مقولہ ہے کہ یہ بات موتی میاں صاحب یا مولوی عبدالحی صاحب نے فرمائی مگر راقم حروف نے دونوں صاحبوں سے نہیں سنی پر جس کسی نے کہی انصاف کی بات کہی۔

ہاں ایک اور بات اپنی سنی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ جس شب کو چاندا پور سے شاہجہانپور آئے اس کی صبح کو راقم حروف مولوی محمد علی صاحب کی خدمت میں حاضر تھا اور واقعہ چاندا پور کے متعلق ہی باتیں ہو رہی تھیں جو ایک صاحب قوم کے مسلمان مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے انداز ملاقات سے یہ معلوم ہوا کہ مولوی صاحب کے آشناؤں میں سے ہیں۔ اس ذکر میں انہوں نے یہ بھی ذکر کیا کہ منصف صاحب یہ فرماتے تھے مولوی محمد قاسم صاحب نبوت کے متعلق تقریر بیان کر رہے تھے۔ جو میں بھی اُن کے وعظ میں پہنچ گیا مجھ کو وہ تقریر نہایت پسند آئی۔ اس کے بعد انہوں نے پادری کو تو ایسا ذلیل کیا کہ غیرت ہو تو منہ نہ دکھائے اور میں ان کو نہیں جانتا تھا اور وہ مجھ کو نہیں جانتے تھے خدا جانے انہوں نے مجھ کو کاہے سے پہچان لیا جو بار بار میری طرف مخاطب ہو کر کہتے تھے منصف صاحب آپ ہمارے حکم رہے آپ اوروں کے مقدمے فیصل کرتے ہیں۔ ہمارا مقدمہ بھی آپ ہی فیصل کر دیجیے۔

پہلے روز کا جلسہ برخاست ہوا

القصہ پادری صاحبوں کو مولوی منصور علی صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب کی باتوں کا جواب نہ آیا ادھر وقت مغرب بھی آ گیا تھا اسلئے جلسہ برخاست ہوا مگر ان دو بار کے بعد جن کا مذکور ہو چکا پادری محی الدین پھر نہ اٹھے ایک بار کسی قدر آمادہ بھی ہوئے مگر اور پادری ان کی طرف گھورنے لگے اور ان کا گھورنا بجا تھا انہیں کی بدولت پادریوں کو یہ ندامت اٹھانی پڑی۔ اس لئے بطور ظرافت مولوی منظور علی صاحب نے اس وقت پادریوں سے یہ کہا دیکھنا پھر ان کو مت کھڑا کرنا نہیں تو پھر اسی طرح فضیحت کرائیں گے۔

رہے ہنود ان میں سے کوئی صاحب اس جلسہ میں اول سے آخر تک بولا بھی نہیں خیر وقت غروب آفتاب جلسہ برخاست ہوا۔ اہل اسلام شاداں و فرحاں اپنی فرود گاہ پر آئے۔

بعد مغرب | درود شریف میں افضلیت ابراہیم علیہ السلام کا اعتراض اور اسکا جواب

مولوی محمد قاسم صاحب اور مولوی منصور علی صاحب وغیرہ خیمہ میں بیٹھے ہوئے تھے کسی نے مولوی محمد قاسم صاحب سے یہ کہا کہ بوجہ تنگی وقت اس اعتراض کا جواب نہ دیا جو پادری عمی الدین نے بدرنسا ویز درود شریف رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی افضلیت پر کیا تھا اگر آپ اس کا جواب بیان کرتے تو کیا کرتے۔

مولوی صاحب نے کہا پادری عمی الدین کا یہ اعتراض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت پر بوجہ تشبیہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو درود شریف میں واقع ہے وارد نہیں ہوسکتا کیونکہ مشبہ بہ کا افضل ہونا تشبیہات مجازی میں ضرور ہے تشبیہات حقیقی میں ضرور نہیں بلکہ تشبیہات حقیقی میں یہ ضرور ہے کہ مشبہ۔ اور مشبہ وجہ شبہ میں دونوں برابر ہوں کوئی کسی سے کم و زیادہ نہ ہو ورنہ تشبیہ سراسر غلط ہوگی اور ظاہر ہے کہ درود شریف میں تشبیہ حقیقی ہے تشبیہ مجازی نہیں ہاں اس وقت شبہ پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت پھر بھی ثابت نہیں ہوسکتی کیونکہ اگر مشبہ بہ مشبہ سے تشبیہ حقیقی میں افضل نہیں ہوتا تو موافق بیان ہذا دونوں کا مساوی ہونا لازم آئے گا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں ہم پلہ ہو جائیں گے ایک دوسرے سے افضل نہ رہے گا

اس شبہ کا اول جواب تو یہ ہے کہ تشبیہ فی النسبۃ میں نسبت کا مساوی ہونا ضرور ہے تو منسوب الیہ اور منسوب کا برابر ہونا ضرور نہیں۔ مثلاً یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک کو دو کے ساتھ وہی نسبت ہے جو ایک کروڑ کو دو کروڑ کے ساتھ نسبت ہے تو اس صورت میں نسبت فیما بین تو بحکم تشبیہ مساوی ہے پر اس نسبت کا منسوب الیہ اس نسبت کے منسوب الیہ کے ساتھ اور اس نسبت کا منسوب اس نسبت کے منسوب کے ساتھ کوئی نسبت نہیں رکھتا یعنی ایک کو ایک کروڑ کے اور دو کو دو کروڑ کے ساتھ کچھ نسبت نہیں۔

علی ہذا القیاس یوں کہہ سکتے ہیں جیسے روح ویسے فرشتے یعنی اگر اچھی روح ہے تو وقت موت اس کے لینے کے لئے رحمت کے فرشتے آتے ہیں اور اگر بری روح ہے تو اس کو لینے کے لئے عذاب کے فرشتے آتے ہیں۔

ایسے ہی یوں بھی کہہ سکتے کہ جیسی روح ویسا بدن یعنی اگر روح انسانی ہے تو بدن انسانی ہوتا ہے اور شکل انسانی ہوتی ہے اور اگر روح خنزیری ہوتی ہے تو جسم و شکل بھی خنزیری ہی ہوتی ہے مگر سب جانتے ہیں کیا ارواح بنی آدم کجا فرشتے کجا ارواح کجا اجسام یہ نہیں کہ ارواح بنی آدم اور فرشتے برابر ہوجائیں۔ اور ارواح بنی آدم وغیرہ اور اجسام بنی آدم وغیرہ برابر ہوجائیں باوجود سمت تشبیہ ان مواقع میں ان اشیاء کا برابر نہ ہونا اسی بات پر مبنی ہے کہ تشبیہ فی النسبت میں نسبت کا برابر ہونا چاہیئے اطراف کا مساوی ہونا ضرور نہیں علی ہذا القیاس یوں کہہ سکتے ہیں۔ جیسا آفتاب ویسی دھوپ جیسا چاند ویسی چاندنی جیسا تخم ویسی۔ شاخ و برگ جیسا درخت ویسا ہی پھل۔

سو اسی طرح درود شریف میں بھی خیال فرمالیجئے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جیسے درویشی اور طریقت کے سلسلے متعدد ہیں ایسے ہی نبوت کے بھی سلسلے متعدد ہیں۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ایک سلسلہ میں ہیں یہ سلسلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چلا اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوگیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک سلسلہ میں ہیں یہ سلسلہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے چلا اور دور تک چلا گیا گیا مگر سلسلہ اول میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بمنزلہ تخم سمجھئے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بمنزلہ درخت کامل سمجھئے جس میں شاخ و برگ پھول پھل سب موجود ہوں۔

لہ تشبیہ فی النسبت درود شریف میں یوں بھی منصور ہے کہ بوجہ کمال عبودیت و اخلاق بمقتضائے کرم خداوندی رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم مثل حضرت ابراہیم علیہ السلام مستحق عنایت اور حقدار کرم ہوں اور تشبیہ کی علیت سے یہ غرض ہو کہ خداوند عالم جیسا تو نے بمقتضائے کرم حقوق بندگی ابراہیم علیہ السلام کو ادا کردیا ایسا ہی بمقتضائے کرم حقوق بندگی محمدی بھی ادا کر غرض تشبیہ فی النسبت وجوب الاداء مقصود ہو تشبیہ فی مقدار الحقوق مراد نہ ہو جو تساوی مراتب ابراہیمی و مراتب محمدی لازم آئے اور افضلیت محمدی ہاتھ سے جائے کیونکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ جیسا کسی کا ایک پیسہ واجب الاداء ہے ایسے ہی اس کے سو روپے بھی واجب الاداء اور ظاہر ہے کہ اس سے مساوات وجوب الاداء سمجھ میں آتی ہے مساوات حقوق لازم نہیں آتی بلکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ مقدار حقوق میں زمین و آسمان کا فرق ہے ۱۲ منہ۔

علیٰ ہذا القیاس سلسلہ ثانی میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو منزلۂ تخم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منزلہ درخت کامل خیال فرمائیے اور پھر فرمائیے کہ باوجود امکان صحت تشبیہ تساوی کیونکر لازم آتی ہے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت کسطرح ہاتھ سے جاتی ہے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر فرض کیجئے کوئی شخص ایک ماشہ سونا کندن لیکر ہزار من سونا خریدنا چاہے اور ماشہ بھر کندن سونے کو دکھلائے اور یہ کہے ایسا خریدنا منظور ہے تو یہ تشبیہ تو صحیح ہوتی ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ ماشہ بھر اور ہزار من برابر ہو گئے جتنی ہزار من والے کو عزت اور ثروت حاصل ہے اتنی ہی ماشہ بھر والے کو بھی ثروت اور عزت حاصل ہے بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس قسم کا ہو اس نوع کا ہو غرض تشبیہ فی النوع مراد ہوتی ہے اور اس وجہ سے تساوی نوعی ضرور ہے مگر تساوی نوعی کو یہ لازم نہیں کہ مراتب شخصی بھی برابر ہو جائیں جو ہزار من والے کا افضل ہونا اور ماشہ بھر والے کا کمتر ہونا لازم نہ آئے۔

شرائط مباحثہ کے بارے میں نئی تجاویز

اسی اثنا میں منشی پیارے لال صاحب تشریف لے آئے اور مولوی محمد قاسم صاحب سے یہ فرمانے لگے کہ بعد مغرب پادری اسکاٹ صاحب وغیرہم بھی آپہنچے اور گفتگو کے متعلق شرائط سن کر یہ فرمانے لگے کہ درس کے لئے ایک گھنٹہ سے کم نہ ہونا چاہیئے اس باب میں مسلمانوں کی رائے ٹھیک ہے۔ کیونکہ ایک گھنٹہ سے کم میں کوئی کیا بیان کرے گا اس لئے پادری نولس صاحب وغیرہ نے مجھے بھیجا ہے کہ آپ جو درس کے لئے ایک گھنٹہ تجویز کرتے تھے اب ہم بھی وہی تجویز کرتے ہیں اس پر مولوی صاحب نے فرمایا اب ہم کو منظور نہیں۔ ہم نے تین گھنٹہ تک مغز زنی کی اور ہزار منت پادری صاحب سے عرض کیا کہ کم سے کم ایک گھنٹہ درس کے لئے رکھئے مگر پادری صاحب نے ایک نہ سنی اب پادری اسکاٹ صاحب نے کہا تو ہم سے کہتے ہیں کہ اچھا ایک ہی گھنٹہ سہی۔ ہم پادری صاحب کے محکوم نہیں پادری صاحب اس میلے کے حاکم نہیں کہ جو وہ چاہیں

سو ہو۔ اس کے بعد منشی صاحب سے مولوی صاحب نے یہ کہا کہ ہم کو ایک گھنٹہ سے انکار نہیں پر پادری صاحب کو ذرا ٹھہرانا بھی چاہیئے مجھ کو ان کا ٹھہرانا منظور ہے اول ان کو ٹھہراکر پھر اجازت دی جائے گی۔

پھر مولوی صاحب نے منشی صاحب سے کہا کہ آپ شاید پادری صاحب یہ بھی درخواست کرے کہ پادری اسکاٹ صاحب بھی مناظرہ کرنے والوں میں داخل کیے جائیں اور وہ جو آج پانچ پانچ آدمی گفتگو کے لئے مقرر ہوئے تھے اور ان کے نام متعین ہو گئے تھے وہ شرط بھی ترمیم کی جائے منشی صاحب نے کہا ہاں وہ اس بات کے بھی خواستگار ہیں اور اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر اہل اسلام چاہیں تو وہ بھی کسی اور کو شامل کر لیں۔

ہر چند یہ بات عین مطابق رائے مولوی صاحب کے تھی۔ کیونکہ مولوی محمد علی صاحب بھی بعد مغرب ہی تشریف لائے تھے اور بوجہ کمال علمی مولوی صاحب موصوف مولوی محمد قاسم صاحب اور تمام مناظرین اہل اسلام کی یہ آرزو تھی کہ ان کا نام بھی مناظرین میں داخل کیا جائے بلکہ بلحاظ تشریف آوری منشی اندرمن ان کا مناظرین میں داخل ہونا ضرور تھا بلکہ خاص اسی لئے تکلیف دی گئی تھی۔ مگر تاہم بغرض مکافات درشتی پادری صاحب و الزام حجت اس وقت بظاہر مولوی صاحب نے یہی فرمایا کہ منشی صاحب مجھ کو کسی بات پر خواہ مخواہ اڑ نہیں مگر ہاں پادری صاحب کی اس کج رائی پر کہ ہم منتخب کریں اور وہ تسلیم نہ کریں بالفعل ہماری طرف سے یہی جواب ہے کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا آپ ان کو سنا دیں باقی جو کچھ ہوگا وقت پہ دیکھا جائے گا۔

پھر منشی صاحب کی طرف مخاطب ہو کر کہا منشی صاحب آپ نے دیکھا پادری صاحب نے کیسے کیسے حیلے بہانے کئے اور کس کس طرح اہل اسلام کو اظہار مطالب اور اثبات مدعا سے مجبور کرتے ہیں کہیں کہتے ہیں دو روز سے زیادہ مباحثہ نہ ہو۔ کبھی فرماتے ہیں چار منٹ حد نہایت بیس منٹ سے زیادہ درس کے لئے وقت نہ دیا جائے۔ کوئی پادری صاحب سے پوچھے کہ پہلے سے کون اپنے مطالب کو ناپ تول کر لاتا ہے جو وقت قلیل محدود الطرفین میں بیان کرے اور مذہبی مباحثے چار پانچ منٹ یا دس بیس منٹ میں کوئی کیوں

کر پورا کر سکتا ہے۔

بلکہ مولوی صاحب نے بعض مواقع میں یہ بھی فرمایا تھا کہ جس کے مذہب میں ایک دو فضیلت ہو وہ دو چار منٹ میں بیان کر سکتا ہے پر جس کے مذہب میں ہزاروں فضائل ہوں وہ اتنے تھوڑے عرصہ میں کس طرح بیان کر سکتا ہے۔

منشی صاحب نے مولوی صاحب کے اس فرمانے پر فرمایا کہ واقعی اتنا ہم کو بھی معلوم ہوتا ہے کہ پادری صاحب آپ سے گھبراتے ہیں اور ان میں آپ کے مقابلہ کی طاقت معلوم نہیں ہوتی پھر مولوی صاحب نے فرمایا منشی صاحب ہمکو آپ سے یہ بڑی شکایت ہے کہ ہم اور پادری صاحب دونوں آپ کے بلائے ہوئے دونوں آپ کے مہمان ہیں آپ کو لازم تھا کہ دونوں کو برابر سمجھتے مگر جب آپ ڈھلتے ہیں جب تائید کرتے ہیں انہیں کی کرتے ہیں انہیں کی ہاں میں[1] ہاں ملاتے ہیں۔

منشی صاحب نے فرمایا ہم تو سبھی کے خادم ہیں پر اتنا فرق ہے کہ پادری صاحبوں سے ناخوشی کا اندیشہ ہے ڈرتا ہوں کہیں ناخوش ہو کر چلے نہ جائیں۔ اور آپ کے اخلاق سے اس بات کا اندیشہ نہیں علاوہ بریں آپ تو سب کی مان لیتے ہیں اور پادری صاحب کسی کی نہیں مانتے۔

برسبیل تذکرہ | خیر منشی صاحب تو چلے گئے اور مولوی محمد قاسم صاحب اسی پس و پیش میں مولوی محمد علی صاحب کی خدمت میں موتی میاں صاحب کے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ باتوں باتوں میں موتی میاں صاحب مولوی محمد قاسم سے فرمانے لگے کہ پنڈت دیانند سرستی اور منشی اندرمن آپ کی اور مولوی منصور علی صاحب کی بہت تعریف کرتے تھے اور آپ دونوں صاحبوں کی تقریر اور علم کے بہت مداح تھے بعد اس کے موتی میاں صاحب نے مہمان نوازی کو کام فرمایا خاطر و تواضع سے سب کو مکلف کھانا کھلایا نماز عشاء سے فارغ ہو کر ہر ایک کو سونے کی سوجھی۔

---

[1] مطلب یہ تھا کہ در بارۂ شرائط مناظرہ آپ نے انہیں کی سی کہی۔ حالانکہ بذریعہ تحریر بواسطہ موتی میاں صاحب مولوی صاحب کی درخواستیں در بارۂ شرائط منشی صاحب نے بہتر منظور کر لیں تھیں۔ ۱۲ منہ

شائقین اور مہمانوں کی کثرت آمد | مگر علاوہ ساکنان شاہجہانپور دیوبند۔ میرٹھ۔ دلی۔ خورجہ۔ سنبھل مرادآباد۔ رامپور۔ بریلی۔ تلہر تک سے بعض بعض شائق تشریف لائے تھے۔ اور سب ملکر ایک مجمع کثیر ہو گیا تھا۔ اس لئے وہ خیمہ جو موتی میاں صاحب نے خاص باہر کے مہمانوں کے لئے حسب استدعاء مولوی محمد قاسم صاحب کے نصب کرادیا تھا کافی نظر نہ آیا اور ادھر موسم کی یہ کیفیت کہ شب کو کسی دن کم کسی دن زیادہ سردی ہوا کرتی تھی اس روز اتفاق سے زیادہ سردی تھی۔ پھر اس پر جنگل کی ہوا دریا کا کنارہ شب کا وقت اور درختوں کی آڑ اور خیمہ کے سایہ کے سوا اور کوئی بچاؤ نہ تھا سردی کو۔ گیا سمجھ کر سامان سرمائی اکثر صاحب ساتھ نہ لائے تھے مولوی محمد قاسم صاحب کو اوروں کا فکر ہوا موتی میاں صاحب کی خدمت میں جا کر یہ سب ماجرا بیان کیا اور یہ کہا کہ آپ کے مہمان بکثرت ہیں وہ خیمہ جو آپ نے مہمانوں کے لئے کھڑا کرایا تھا کافی نہ ہوا۔

اب بجز اس کے چارہ نہیں کہ آپ اجازت دیں جن صاحبوں کو جائے نہ ملے وہ آپ کے خیمہ میں آرام کریں۔ مگر موتی میاں صاحب کے اخلاق کریمانہ اور مہمان نوازی کی کیا تعریف کیجئے۔ سنتے ہی بکمال اخلاق یہ فرمایا مولوی صاحب یہ بات آج آپ کے پوچھنے کی نہیں۔ آج تو میں آپ سے پوچھوں تو بجا ہے کہ میں کہاں سوؤں ہ مگر اتنی مہلت دیجئے کہ جو صاحب باقی ہیں وہ کھالیں القصہ کچھ یہاں کچھ وہاں جہاں کسی کو جگہ ملی سر رکھ کر پڑ گیا۔ صبح ہوتے ہی پھر وہی ذکر و فکر تھا جو اتنے میں ساڑھے سات بج گئے

کیفیت جلسہ روز دوم

نئی شرائط مباحثہ کی منظوری | ساڑھے سات بجتے ہی گفتگو کرنے والے اور سننے والے سب میدان مناظرہ میں اکٹھے ہوئے اہل اسلام بھی بسم اللہ کر کے پہنچے۔ جب سب اپنے اپنے ٹھکانے پر بیٹھ گئے تو اس وقت پادری نولس صاحب وغیرہ نے مولوی محمد قاسم صاحب سے اس بات کی درخواست کی وقت وعظ بڑھا دیا جائے اور آج ہماری طرف سے پادری اسکاٹ صاحب درس دیں گے مولوی صاحب نے

فرمایا کل ہم بہ ہزار منت آپ سے اس بات کے خواستگار رہے کہ کم سے کم درس کے لئے ایک گھنٹہ عنایت کیجئے ہماری التماس اور عجز و نیاز پر تو آپ نے نظر نہ فرمائی۔ آج اگر کسی کے کہنے سننے سے اپنا نفع نظر آیا تو آپ ہم سے اتنی بات کے خواستگار ہوتے ہیں جس کا ہم سے انکار کر چکے ہیں جو ہو چکا سو ہو چکا اب کیا ہوتا ہے نہ وقت مقررہ میں تبدیلی ہو سکتی ہے نہ پادری اسکاٹ صاحب کو درس کی اجازت ہو سکتی ہے یہ بات وقت تجویز شرائط کے ساتھ گئی اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ ورنہ اس کے یہ معنی ہوئے کہ ہم باوجودیکہ رکن مباحثہ ہیں مباحثہ کے حساب سے کالعدم ہیں جو کچھ ہوئے آپ ہی ہوئے۔

اس پر پادری نولس صاحب نے فرمایا آپ پادری اسکاٹ صاحب سے ڈرتے ہیں مولوی صاحب نے فرمایا میں تو خدا کی عنایت سے پادری صاحب کے استاد ہوں تو ان سے بھی نہ ڈروں بلکہ انشاء اللہ تعالیٰ تمام پادری بھی اکھٹے ہو جائیں تو نہیں ڈرتا۔ مجھ کو فقط یہ جتلانا تھا کہ بات کو مقرر کر کرا کر کون قائم رہتا ہے اور کون پھر جاتا ہے۔ ہمارا تو یہ قول ہے کہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ دو گھنٹہ جس قدر چاہیں آپ درس کے لئے مقرر کریں جس کو چاہیں درس کے لئے تجویز کریں ہم ہر طرح سے موجود ہیں پر آپ کی طرف سے پادری اسکاٹ صاحب داخل مناظرہ کئے جاتے ہیں تو ہم جناب مولوی محمد علی صاحب کو شامل کریں گے

مگر ایسا یاد پڑتا ہے کہ گفتگو ہو ہوا کر تینوں فریق کی رضا سے یہ بات مقرر ہوئی کہ آدھا گھنٹہ درس کے لیے رہے اور دس دس منٹ اعتراض و جواب کے لیے دیے جائیں

موضوع مباحثہ کے تعین میں بحث و تمحیص

اسی اثنا میں یہ جھگڑا بھی ہوتا رہا کہ اول کون کھڑا ہو۔ مولوی محمد قاسم صاحب نے چند بار فرمایا کہ اگر اور صاحب اول کھڑا ہونے سے گھبراتے ہیں تو مجھ کو اجازت ہو میں سب میں اول کھڑا ہوتا ہوں۔ جب یہ مرحلہ طے ہو چکا تو پادری صاحبوں نے اور پلٹی کھائی۔ کیا فرماتے ہیں ان سوالات میں سے جو منشی پیارے لال کی طرف سے پیش ہوئے اول سوال چہارم میں گفتگو ہونی چاہیے

مولوی محمد قاسم صاحب نے فرمایا اگر لحاظ اثبات و تحقیق مذہب سے تو جیسا ہم کل عرض کرتے تھے اول ذات باری میں گفتگو ہو کہ ہے یا نہیں اور ہے تو ایک ہے یا متعدد۔ پھر صفات باری میں گفتگو ہو کہ صفات مخصوصہ ذات خالق کیا کیا ہیں اور کون کون سے صفات اس میں پائے جاتے ہیں کون سے نہیں پائے جاتے پھر تجلیات جناب باری میں گفتگو ہو یعنی جیسے آئینہ وغیرہ میں آفتاب وغیرہ کی جلوہ افروزی ہوتی ہے خدا کی جلوہ افروزی کس کس چیز میں اور کہاں کہاں ممکن ہے اس کے بعد نبوت میں گفتگو ہو کہ انبیاء علیہم السلام کی ضرورت ہے کہ نہیں اور کون ہے کون نہیں۔ اس کے بعد احکام میں مباحثہ ہو کہ کونسا حکم اصول مذکورہ پر منطبق ہو سکتا ہے اور کون سا حکم منطبق نہیں ہو سکتا۔ اور کونسا حکم قابل تسلیم ہے کونسا نہیں۔ اگرچہ بروئے انصاف بعد ثبوت نبوت شخص معین و صحت روایت عقل نارسا سے احکام کی بھلائی برائی کی تفتیش امر لاطائل بلکہ نازیبا ہے کیونکہ عقل سے یہ کام ہو سکتا تو انبیاء علیہم السلام کی ضرورت ہی کیا تھی اور نبی کا کہنا واجب التسلیم ہو گا تو پھر جو کچھ وہ فرمائیں بسر و چشم۔

بہر حال اگر اثبات و تحقیق مذہب پر نظر ہے تو ترتیب عقلی یہ ہے جو ہم نے کل عرض کی اور اگر اثبات مذہب سے کچھ بحث نہیں منشی پیارے لال صاحب ہی کے فرمانے کا اتباع ہے تو جو ترتیب ان کی تجویز کی ہوئی ہے اس کے موافق کام کیا جائے۔ بایں ہمہ ہم اس پر بھی راضی ہیں اگر پنڈت صاحب وغیرہ مناظران ہنود راضی ہو جائیں۔

موضوع مباحثہ کے تعین میں اہل اسلام عیسائی اور ہندو تینوں فریقوں کا انداز فکر۔

غرض اہل اسلام کی طرف سے کسی امر میں یہ اصرار نہیں ہوا کہ یوں ہو یوں نہ ہو مگر ہندوؤں اور عیسائیوں کی طرف سے دربارہ سوالات اور تعیین اوقات البتہ اصرار رہا۔

ہندوؤں نے جو سوالات مذکورہ کی نسبت اصرار کیا اور درس کیوقت بڑھانے پر راضی نہ ہوئے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ حسب بیان بعض معتبرین سوالات مذکورہ

پنڈت دیانند کے تجویز کئے ہوئے تھے گو بظاہر سائل منشی پیارے لال تھے چنانچہ سوالات خود کہے دیتے ہیں کہ کس نے تجویز کئے۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص خود سوالات تجویز کرے گا۔ اور وہ بھی اس طور پر کہ ایک ہفتہ پہلے سے اسی کام کے لئے آیا ہو اس کو ان سوالات کے جوابات میں کچھ دقت نہیں ہوتی۔ ہاں جو شخص پہلے سے بے خبر ہو اس قسم کا سامان کتب اس کے ساتھ نہ ہو اس کی دشواری دیکھنی چاہیئے۔ اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کو افزائش وقت سے اول اول انکار رہا یہ سمجھا ہوگا کہ ہم تو سمجھے سمجھائے ہوئے ہیں جو کچھ ہوگا جھٹ پٹ بیان کر دیں گے۔ پر جو شخص پہلے سے بے خبر ہو وہ اگر کچھ بیان بھی کرتا ہے تو بدقت اور بدیر بیان کرتا ہے۔

بایں ہمہ عجب نہیں پنڈت صاحب کو یہ بھی خیال ہو کہ پادری لوگ تو فلسفیہ اور الٰہیات سے بے خبر ہی ہوتے ہیں۔ رہے اہل اسلام ان میں اگرچہ ان علوم کو ایسا جانتے ہیں کہ عالم میں اب اور کوئی نہیں جانتا مگر جو صاحب پادریوں کے مباحثہ کا شغل رکھتے ہیں وہ صاحب اکثر ان علوم سے بے بہرہ ہوتے ہیں وہی صاحب تشریف لائے ہوں گے ان سوالات کے جوابوں میں خواہ مخواہ رہ جائیں گے ہاں اور قسم کے سوالات پیش کئے گئے تو پھر اہل اسلام سے بازی جیتنی البتہ امر محال ہے۔

علاوہ بریں جلسہ سال گذشتہ میں اہل اسلام کی تڑاق پڑاق کی گفتگو کے افسانے سنے ہوئے تھے اسلئے یہ چال چلنی مناسب سمجھے۔

اور پادری نولس صاحب وغیرہ جو ان سوالات پر اڑے ہوئے تھے تو اسکی دو وجہ معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ مولوی محمد قاسم صاحب نے جو روز اول در بارہ تغیر سوالات بطور مشار الیہ بہت کچھ کہا سنا تو وہ بھی مثل پنڈت صاحب شاید یہ سمجھے کہ ان سوالوں کے جواب میں یہ لوگ عاری ہیں انہیں سوالات میں گفتگو ہو تو بہتر ہے ہم کو جواب آئے کہ نہ آئے پر کسطرح سینہ سے سال گذشتہ کا داغ جائے۔ پار سال کا اہل اسلام کا غلبہ کسی طرح خاک میں ملجائے کہ ہم بھی لاجواب رہیں مگر اس مجمع میں ہم کو کوئی کہے گا تو بعد ہی میں کہے گا اول بدنام ہونگے تو اہل اسلام ہی ہونگے ہ

شادم کہ از رقیبان دامن کشاں گذشتی　گو مشتِ خاکِ ما ہم برباد رفتہ باشد

یہ نہ سمجھئے کہ مولانا محمد قاسم صاحب کا التماس سُندا جانے کس غرض سے ہے۔ دوسرے اس وقت تک ان کو یہ بھی بھروسہ تھا کہ پادری اسکاٹ صاحب علم معقول میں یکتا ہیں پسال منطق کی تصنیف پر سرکار سے پانسو روپیہ انعام پاچکے ہیں شام تک وہ آجائیں گے آج جوں توں دن کو ٹلاؤ۔ چنانچہ یہی ہوا کہ روز اول اصرار اور انکار ہی میں وقت جلسہ گذر گیا اور گفتگو نہ ہونے پائی۔ مگر شام کو پادری اسکاٹ صاحب تشریف لائے تو سوالات کو سنکر گھبرائے اس لئے اس بات کے مستدعی ہوئے کہ سوال چہارم میں اول گفتگو ہو اور در بارہ وقت درس اگر پادری نولس صاحب نے غالباً بلحاظ وسعت تقریر مناظران اہل اسلام جو سال گذشتہ میں دیکھ چکے تھے بہت کچھ تنگی کرنی چاہی۔ چار منٹ سے بڑھ کر بیس منٹ پر آئے اور باوجودیکہ ان کو یاد دلایا گیا کہ سال گذشتہ میں آپ باوجود اصرار اہل اسلام پندرہ منٹ سے زیادہ نہ بڑھے اور پھر خود اپنے درس کے وقت آپ کو مولوی محمد قاسم صاحب سے پندرہ منٹ کی اجازت لینی پڑی۔ اس تجربہ کے بعد بھی آپ وہی کہے جاتے ہیں انہوں نے ایک نہ مانی۔

لیکن پادری اسکاٹ صاحب کو اپنے دن بھی نظر آئے اس لئے باوجود تقریر شرائط شرط وقت میں ترمیم کی تدبیر کے درپے ہوئے کمی سے زیادتی کی طرف آئے مگر اہل اسلام کی طرف سے روز اول تو در بارہ شرائط کچھ تکرار ہوا اور سوالات میں اس لئے کہ مطلب اصلی یعنی تحقیق مذہب ہاتھ آئے حاضران جلسہ جو اکثر اسی امید میں آئے ہیں محروم نہ جائیں علاوہ بریں اس ۔ کی باتیں چونکہ اکثر کانوں میں پڑتی رہتی ہیں ہر کوئی سمجھ سکتا ہے جو باتیں کبھی سنی بھی نہیں ان کو کون سمجھے گا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس طور سے دوسروں کی نسبت اپنی درماندگی اور عجز کا ابہام منظور ہو تا کہ اس بنا پر حریف تو مغرور ہو جائے اور حاضران جلسہ کو ان سے کچھ امید نہ رہے پھر اس کے بعد حریف کو پچھاڑا تو زیادہ لطف ہوگا اور سب کو یاد رہے گا مگر آخر کار بایں خیال کہ مبادا حاضران جلسہ کو گریز کا وہم ہو اور پادری لوگ اور پنڈت لوگ یہ کہتے پھریں کہ اہل اسلام گریز کر گئے۔

مولوی محمد قاسم صاحب نے یہ فرمایا کہ ہم ہر طرح سے آمادہ ہیں پنڈت صاحب کو راضی کر لیجیئے۔ مگر پنڈت صاحب راضی نہ ہوئے آخر کار منشی پیارے لال کی رائے پر منحصر رکھا گیا۔ مگر انہوں نے بھی اس وقت پنڈت جی کی سی ہی کہی۔ یہ کہا کہ میری رائے میں بھی یہی ہے کہ گفتگو ہو تو حسب ترتیب سوالات ہو اس لئے

پادری اسکاٹ کی تقریر

پادری صاحب کو مجبور ہونا پڑا اور یہ کہا کہ میں کل بعد شام آیا تھا عیسائی بھائیوں نے مجھ سے یہ کہا کہ کل تم کو سوال چہارم کا درس دینا پڑے گا میں نے اسی سوال کو دیکھ بھال سوچ سمجھ رکھا تھا۔ مگر جب آپ صاحب نہیں مانتے تو مجبوری میں اسی سوال کا درس دیتا ہوں۔ جو ان سوالات میں اول ہے وہ سوال یہ تھا۔ خدا نے دنیا کو کب پیدا کیا اور کاہے سے پیدا کیا۔ اور کیوں پیدا کیا۔

پادری اسکاٹ کی تقریر کا خلاصہ

غرض اس سوال کا جواب دینے کے لئے پادری اسکاٹ صاحب اس چوکی پر تشریف لائے جو گفتگو کرنے والوں کے لئے بیچ میں بچھائی گئی تھی۔ اور یہ فرمایا۔ سائل جو یہ پوچھتا ہے کہ خدا نے دنیا کو کاہے سے پیدا کیا اس کا جواب تو یہ ہے کہ نیستی سے پیدا کیا اپنی قدرت سے پیدا کیا اپنے ارادہ سے پیدا کیا اور یہ جو وہ پوچھتا ہے کہ کب پیدا کیا۔ یہ بات قابل سوال نہیں اس سے بندہ کو کیا مطلب ہے کہ کب پیدا کیا جو اس کی تحقیق کیجیئے۔ غرض مباحثہ مذہبی سے اس کو کچھ تعلق نہیں اور نہ کتب مذہب کی رو سے اس کا ثبوت ہو سکتا ہے۔ البتہ مورخین اس میں کچھ لکھتے ہیں سو ان کے اقوال خود مختلف ہیں مگر اتنی بات یقینی ہے کہ عالم کے باوجود کے لئے ایک ابتدا ہے۔

رہی یہ بات کہ کیوں پیدا کیا اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا خوشی جو اس کے جی میں آیا اسنے کیا عالم کے بنانے میں اس کا کچھ نفع نہیں اگر ہوگا تو کسی اور ہی کا نفع ہوگا

خلاصہ جواب پادری صاحب تو اتنا ہی ہے اگرچہ الفاظ اتنے کچھ تھے کہ ایک وسیع وقت پادری صاحب نے ان کے بیان میں صرف کیا۔

حضرت نانوتویؒ کی تقریر

پادری اسکاٹ سوال ہی نہیں سمجھے

خیر پادری صاحب تو فارغ ہو کر کرسی پر بیٹھے اور مولوی محمد قاسم صاحب کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا کہ پادری صاحب مطلب سوال ہی نہ سمجھے۔ سائل کا یہ مطلب ہی نہیں کہ موجود ہونے سے پہلے معدوم تھا یا نہ تھا یا خدا نے جو عالم کو پیدا کیا تو اس کے بنانے میں قدرت سے یا کسی اور آلہ سے کام لیا اگر یہ مطلب ہوتا تو البتہ پادری صاحب کا یہ جواب مطابق سوال ہوتا سائل کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ مادۂ عالم[1] کیا ہے خداوند عالم نے عالم کو کس مادہ اور اصل سے بنایا یہ کہکر منشی پیارے لال اور لالہ[2] مکتا پرشاد وغیرہم کی طرف متوجہ ہو کر استفسار مطلب سوال کا ارادہ کیا ہی تھا کہ لالہ مکتا پرشاد نے کہا ہاں مولوی صاحب یہی مطلب ہے جو آپ نے بیان کیا۔ اس کے بعد مولوی صاحب نے فرمایا کہ جب پادری صاحب مطلب سائل ہی نہیں سمجھے تو ان کا جواب سراسر لغو ہو گیا سوال از آسمان جواب از ریسمان اسی کو کہتے ہیں۔ ہاں جواب سوال ہم بیان کرتے ہیں حاضرین جلسہ متوجہ ہو کر سنیں۔

مخلوقات کی ہستی اور وجود کی اصل خدا کا وجود ہے

عالم کو خداوند عالم سے ایسی نسبت سمجھئے جیسے دھوپ کو آفتاب سے نسبت ہوتی ہے جیسے آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کے نور سے عالم منور ہو جاتا ہے اور غروب ہوتا ہے تو اس کا نور اس کے ساتھ چلا جاتا ہے اور روئے زمین و آسمان تیرہ و تاریک رہ جاتے ہیں ایسے

---

[1] مخلوقات کا قبل پیدائش معدوم ہونا ایسا نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو جو نوبت سوال آتی علی ہذا القیاس خالق کا صاحب اختیار اور صاحب قدرت ہونا بھی بدیہی ہے یہ بھی لائق استفسار نہیں البتہ مادۂ عالم ایسی چیز ہے کہ اس کی حقیقت ہر کسی کو معلوم نہیں اس لئے مولوی صاحب نے یہ فرمایا تھا کہ مطلب سائل کا وہ نہیں جو پادری صاحب سمجھے تھے بلکہ مطلب سائل اور ہی کچھ ہے ۱۲ منہ

[2] کہنے کو تو منشی پیارے لال میلے کے باب میں زیادہ مشہور تھے مگر دیکھنے بھالنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ لالہ مکتا پرشاد بھی شریک و مہتمم ہیں ۱۲ منہ۔

ہی ارادۂ ایجاد خداوندی سے مخلوقات موجود ہو جاتے ہیں اس کے ارادہ فناء سے مخلوقات
فنا اور معدوم ہو جاتے ہیں جیسے دھوپوں کا مادہ وہ نور آفتاب ہے جو اس سے لیکر
دور دور تک پھیلا ہوا ہے اور تمام زمین و آسمان کو اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہے۔
ایسے ہی تمام مخلوقات کی ہستی کا مادہ خدا کا وجود ہے جو تمام کائنات کو محیط ہے
اور سب کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے جیسے دھوپوں کی روشنی کی اصل آفتاب کا نور
مذکور ہے اور دھوپوں کے اشکال مختلفہ مربع مثلث منحرف دائرہ وغیرہ موافق تقطیعات
صحن و روشندان وغیرہ اس پر عارض ہو جاتے ہیں ایسے ہی مخلوقات کی ہستی اور
وجود کی اصل تو خدا کا وجود مذکور ہے پر اشکال مختلفہ مخلوقات جن کے وسیلے سے
ایک کو دوسرے سے تمیز کر سکتے ہیں موافق علم خداوندی اس پر عارض ہو جاتی ہیں۔
غرض جیسے کشتی اور کشتی میں بیٹھنے والوں کی حرکت تو ایک ہوتی ہے پر کشتی اور
کشتی میں بیٹھنے والے باہم مغائر ہوتے ہیں کشتی اور ہے اور کشتی نشین اور۔ پھر
میں اور ہوں اور تم اور ایسے ہی خداوند عالم اور عالم کا وجود تو واحد ہے پر خدا
اور ہے اور عالم اور ہے میں اور ہوں اور تم اور غرض جیسے نور مذکور اور حرکت
مذکورہ دونوں طرف منسوب ہے آفتاب اور کشتی کی طرف انتساب صدوری اور انتساب
اولی اور ذاتی اور حقیقی ہے اور زمین اور کشتی نشین کی طرف انتساب وقوعی اور انتساب
ثانوی اور عرضی اور مجازی ہے ایسے ہی وجود واحد دونوں طرف منسوب ہے خدا کی
طرف تو نسبت صدوری اور ذاتیت اور حقیقت اور اولیت ہے اور عالم کی طرف
نسبت وقوع اور عرضیت اور مجازیت اور ثانویت ہے۔

حقائق عالم خدا کے ارادۂ ایجاد سے صادر ہوتے ہیں

جیسے دھوپوں کی شکلیں مربع ہوں یا مدور مثل نور
آفتاب کی طرف سے صادر ہو کر اور اس میں سے نکل
کر نہیں آتیں۔ اور اس لئے مثل نور اس کی عطا اور اس کا فیض اور اس کی صفت نہیں
بلکہ یوں کہتے ہیں کہ آفتاب کے سبب پیدا ہو گئی ہیں آفتاب طلوع نہ ہوتا تو یہ شکلیں
پیدا نہ ہوتی۔ ایسے ہی حقائق مخلوقات یعنی ان کی اشکال ممیزہ خواہ ظاہرہ ہوں

جیسے حقائق اجسام یا باطنہ جیسے حقائق ارواح مثل وجود خدا کی ذات سے صادر ہو اور اس سے نکل کر نہیں آئیں جو ان کو فیض خداوند عالم اور عطاء خداوند عالم اور صفت خداوند عالم کہیئے بلکہ خداوند عالم کی ذات کے بدولت یہ تمام حقائق پیدا ہو گئے ہیں۔ اگر وہ ارادہ ایجاد نہ کرتا تو یہ کارخانہ پردۂ عدم سے جلوہ گاہ وجود میں نہ آتا۔ اس صورت میں حقائق کی بھلائی برائی خالق کی بھلائی برائی کا باعث نہ ہوگی وہ اشکال ہی بھلے برے کہلائیں گے۔

اس کی ایسی مثال ہے جیسے صفحہ کاغذ و دفترین پر کوئی خوشنویس بھلے اور برے حروف لکھ دے۔ ظاہر ہے کہ وہ حروف ہی بھلے یا برے معلوم ہوں گے کاتب اور خوشنویس ان کے سبب بھلا یا برا معلوم نہ ہوگا ایسے ہی حقائق ممکنہ کی بھلائی یا برائی خدا کی بھلائی یا برائی کا باعث نہ ہوگی۔ وہ بھلائی اور برائی ان حقائق تک ہی رہے گی۔

حقائق ممکنہ کا وجود خدا کے وجود کا فیض مستعار ہے

بالجملہ حقائق ممکنہ خدا سے بھی مغائر اور باہم بھی مغائر۔ البتہ مادۂ حقائق مذکورہ وہ وجود مشترک ہے جس کو خدا کی ذات سے وہ نسبت ہے جو آفتاب کی شعاعوں کو اس کی ذات سے نسبت ہوئی ہے مخلوقات اپنے وجود میں اس کی ایسی محتاج ہیں جیسی دھوپ میں اپنے وجود میں شعاعوں کی محتاج ہیں۔ یا حرارت آب وگرم اپنے وجود میں حرارت آتش کی محتاج ہے چنانچہ مخلوقات کے وجود کے ناپائیداری اور آمد و شد ہی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان کا وجود خانہ زاد نہیں مستعار ہے کسی ایسے کا فیض ہے جس کا وجود اس کا خانہ زاد اور اس کی ذات کے ساتھ مثل حرارت آتش و نور آفتاب لازم و ملازم رہتا ہے۔

خدا نے دنیا کو کب پیدا کیا

رہی یہ بات کہ خدا نے دنیا کو کب پیدا کیا۔ اس کے جواب میں ہم پادری صاحب ہی کے ہمصفیر ہیں۔ واقعی یہ بات از روئے مذہب قابل استفسار نہیں اگر قابل استفسار ہے تو یہ بات ہے کہ روٹی کا ہے کے لیے پکائی

جاتی ہے۔

خدا نے عالم کو بغیر کسی غرض اور حکمت کے یوں ہی پیدا نہیں کر دیا

سو غرض پیدائش عالم جو سوال اول کی نمبری شق ہے البتہ قابل استفسار اور لائق جواب ہے اس لیے ہم بھی عرض کرتے ہیں مگر اول یہ عرض کرتے ہیں کہ پادری صاحب کا بہ نسبت غرض پیدائش یہ کہنا کہ اس کی خوشی یعنی خدا کی خوشی میں آیا عالم کو بنا دیا ایسی بات ہے کہ جس کو بعد تنقیح مطلب پادری صاحب کوئی عاقل تسلیم نہیں کرتا اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ عالم کے پیدا کرنے میں کوئی غرض اور حکمت نہیں یونہی جو خوشی میں آیا کر لیا اگر یہ ہے تو یوں کہو کہ پادری صاحب نے خدا کے افعال کو بچوں کے افعال کے برابر کر دیا یہ شان بچوں کی ہوتی ہے کہ جو جی میں آیا کر لیا جی چاہا بیٹھ گئے جی چاہا کھڑے ہو گئے جی چاہا کودنے لگے جی چاہا تھم گئے کھانے کو جی چاہا کھا لیا سونے کو جی چاہا سو رہے خدا کجا اور یہ بات کجا اس کے افعال میں بھی حکمت نہ ہو تو اور کس کے افعال میں حکمت اور مصلحت ہوگی اس کے بندوں میں تو یہ صفت ہو کہ جو کریں اس کے لئے کوئی نتیجہ سوچ لیں کوئی حکمت اور مصلحت خیال میں بٹھا لیں خداوند عالم میں یہ عمدہ بات کیونکر نہ ہوگی۔

ایجاد عالم کا فائدہ خدا کو نہیں مخلوق کو ہے

مگر ہاں یہ مسلم کہ مطالب مقصودہ دو طرح کے ہوتے ہیں کبھی تو یوں ہوتا ہے کہ کرنے والا نتیجۂ افعال اور مقاصد اعمال کا محتاج ہو جیسے بیمار طبیب سے نسخہ لکھوانے جاتے ہیں تو اس کو اس کی حاجت ہوتی ہے اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ افعال کا کرنے والا ان کے نتیجہ کا محتاج نہ ہو بلکہ کوئی دوسرا محتاج ہو اور اس کی کارروائی مقصود ہو۔ مثلاً اگر طبیب نسخہ لکھتا ہے تو بحیثیت طب طبیب کو اس کی حاجت نہیں ہوتی بلکہ دوسروں کی حاجت روائی مقصود ہوتی ہے ایسے ہی خداوند عالم کو عالم کی پیدائش سے اس قسم کا مطلب تو ہرگز مرکوز خاطر نہیں جس کی نسبت اس کا محتاج ہونا لازم آئے کیونکہ محتاج ہوگا تو خدا ہی کیا ہوگا بلکہ خدائی کو یہ لازم ہے کہ تمام موجودات اپنے وجود میں اس کے محتاج

ہوں چنانچہ ہم کل ثابت کر چکے ہیں کہ اس کے افعال میں حکمت ہوگی تو دوسری ہی قسم کی ہوگی چنانچہ عالم کے پیدا کرنے کے معنی بھی یہی ہیں کہ وجود اور لوازم وجود سے اس کو سرفراز فرمایا ہاں البتہ ان افعال میں جن میں دوسری قسم کی حکمت ہو خاص اپنی ذات کے لئے بجز اعزاز و تعظیم اور کچھ مقصود نہیں ہوتا۔ ہوتا ہے تو یہی ہوتا ہے بلکہ ضرور ہوتا ہے اس لئے یہ داد و دہش وجود و صفات وجود بھی جو خلاصہ ایجاد ہے کسی نہ کسی غرض کے لیے ہوگی

تخلیق عالم سے خدا کی غرض اسکی عبادت و بندگی اور مخلوق کا عجز و نیاز ہے۔

وہ غرض کیا ہے عبادت و بندگی اور عجز و نیاز ہے جو اصل مطلوب خدا ہونا چاہیئے یعنی اور جس صفت کو دیکھئے خدا کی درگاہ میں اول موجود ہے اور کوئی عالم ہے تو وہ علیم ہے اور قادر ہے تو وہ قدیر ہے اسی کے علم و قدرت کا پرتو ہے جو مخلوقات میں علم و قدرت نمایاں ہیں یعنی جیسے آئینہ میں عکس آفتاب اور پرتو آفتاب نظر آتا ہے درحقیقت آئینہ میں کوئی نور نہیں ہوتا۔ ایسے ہی مخلوقات میں بھی عکس و پرتو خداوندی ہے۔ درحقیقت ممکنات میں نہ علم ہے نہ قدرت اس لیے اس قسم کی صفات تو مطلوب نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ صفات تو خود اسی کے دیئے ہوئے ہیں۔

مطلوب وہ چیز ہوگی جو اس کے پاس نہ ہوگی ایسی چیز بجز عبادت و عجز و نیاز اور کیا ہو سکتی ہے یہی ایک ایسی چیز ہے جو خدا کے پاس نہیں خدا کی درگاہ میں اس کا پتہ نہیں۔

سارا عالم انسان کیلئے ہے اور انسان خدا کی عبادت و بندگی کیلئے

مگر سارے عالم کا اس غرض سے مخلوق ہونا اس طرح پر ہے کہ سارا عالم انسان کے لیے ہے اور انسان اس کام کے لئے ہے اس وقت باقی عالم اور انسان کی ایسی مثال ہوگی جیسے کہا کرتے ہیں گھاس دانہ گھوڑے کے لئے اور گھوڑا سواری کے لئے مگر ظاہر ہے کہ اس وقت میں گھاس دانہ سے مطلب بھی وہی سواری ہوگی۔

علیٰ ہذا القیاس روٹی کھانے کے لئے ہوتی ہے اور لکڑی اپلے روٹی کے لیئے

؎ چنانچہ عالم کے پیدا کرنیکے معنی بھی یہی ہیں کہ وجود اور کمالات وجود یعنی لوازم وجود سے اسکو سرفراز فرمایا یہ عطا اور نفع غیر نہیں تو اور کیا ہے

ہوتے ہیں مگر سب جانتے ہیں کہ اس وقت لکڑیاں اور اپلے بھی کھانے کے لئے مطلوب ہوں گے اس لئے لکڑی اپلے وغیرہ سب کے دام لگا کر کہا کرتے ہیں کہ کھانے میں اتنا صرف ہوا۔

الغرض جو کسی کا سامان ہو وہ چیز اسی حساب میں اور اسی مد میں لکھی جاتی ہے اور اسی ذیل میں شمار کی جاتی ہے۔ مگر زمین سے آسمان تک جس چیز پہ نظر پڑتی ہے انسان کے کار آمد نظر آتی ہے پر انسان ان چیزوں میں سے کسی کے کام کا نہیں۔ اعتبار نہ ہو تو دیکھ لیجئے زمین اگر نہ ہوتی تو کاہے پر تھمتے اور کاہے پر بیٹھتے۔ کاہے پر سوتے کاہے پر چلتے پھرتے کاہے پر کھیتی کرتے کاہے پر مکان بناتے کاہے پر باغ لگاتے۔ غرض زمین نہ ہوتی تو انسان کو جینا محال تھا اور انسان نہ ہوتا تو زمین کا کچھ نقصان نہ تھا۔

علیٰ ہذا القیاس پانی نہ ہوتا تو کیا ہوتا اور نہ پیتے تو کیونکر جیتے۔ کاہے آٹا گوندھتے اور کاہے سے سالن وغیرہ پکاتے کاہے سے کپڑے دھوتے کاہے سے نہاتے غرض پانی نہ ہوتا تو انسان کی زندگی دشوار تھی اور انسان نہ ہوتا تو پانی کا کیا نقصان تھا ہوا نہ ہوتی تو سانس کیونکر چلتا کھیتی وغیرہ کا کام کیونکر نکلتا یہ ٹھنڈی ہوائیں روح افزا کہاں سے آتی۔ غرض ہوا نہ ہوتی تو جان ہوا ہو جاتی ہم نہ ہوتے تو ہوا کو کیا دقت پیش آتی اسی طرح اوپر تک چلے چلو سورج چاند ستارے اگر نہ ہوتے تو دیکھنا بھالنا چلنا پھرنا ایک امر محال تھا انسان نہ ہوتا تو نہ سورج کا نقصان تھا نہ چاند و سورج کو کوئی دشواری تھی۔ آسمان اور اس کی گردشیں نہ ہوتیں تو یہ ساشیانی کون کرتا اور یہ گرمی جاڑے کے موسم کیونکر آتے اور انسان نہ ہوتا تو نہ آسمان کا نقصان تھا نہ گردشوں میں کوئی دقت تھی۔

الغرض انسان کو دیکھے تو زمین و آسمان میں سے کسی کے کام پر سوا اس کے جو چیز ہے سب انسان کے کام کی ہے۔ اس صورت میں اگر انسان خدا کے کام کا بھی نہ ہو تو یوں کہو کہ انسان سے زیادہ کوئی نکما ہی نہیں۔ مگر تمہیں فرمائے کہ اس دانش

وکمال اور اس حسن وجمال پر انسان کو کون نکما کہدے گا اگر انسان اس افضلیت مسلمہ
اور مشہورہ پر بھی نکما ہے تو یوں کہو اس سے زیادہ برا ہی کوئی نہیں اس لئے چار و ناچار
یہی کہنا پڑے گا کہ انسان خالق جہان کے کام کا نہیں ہے ایسی خوبی اور اس اسلوبی
پر ایسے ہی بڑے کام کے لئے ہوگا۔

مگر ظاہر ہے کہ خداوند عالم کسی بات میں کسی کا محتاج نہیں پھر انسان سے
محتاج کا تو کیا محتاج ہوگا جس کا سب سے زیادہ محتاجگی اسی سے ظاہر ہے کہ زمین
سے لے کر آسمان تک تمام عالم کی اس کو ضرورت ہے اس لئے یہی کہنا پڑے گا
کہ اس کو بندگی اور عجز و نیاز کے لئے بنایا ہے کیونکہ یہی ایک ایسی چیز ہے جو خدا کے
خزانہ میں نہیں۔ مگر چونکہ یہ عجز و نیاز خدا کے مقابلہ میں موافق تقریر بالا ایسا ہوگا جیسا
طبیب کے سامنے بیمار کی منت و سماجت تو جیسے بیمار کی منت و سماجت کا یہ ثمرہ ہوتا
ہے کہ طبیب اس کے حال زار پر مہربان ہو کر چارہ گری کرتا ہے ایسے ہی انسان کی
بندگی یعنی عجز و نیاز کی بدولت خداوند عالم اس پر مہربان ہو کر اس کی چارہ گری کیوں
کر نہ کرے گا۔

بہرحال تمام عالم انسان کے لئے ہے اور انسان عبادت کے لئے ہے اس
لئے جیسے بایں وجہ کہ گھوڑا سواری کے لئے اور گھاس دانہ گھوڑے کے لئے ہے
تو گھاس دانے کو بھی سواری کے لئے سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی بایں وجہ کہ انسان عبادت
کے لئے ہے اور تمام دنیا انسان کے لئے ہے تمام عالم کو بھی عبادت ہی کے
لئے سمجھئے۔

غرض مقصود اصلی پیدائش عالم سے عبادت ہے جو سامان حاجت روائی
بنی آدم ہے اپنی حاجت روائی مقصود نہیں۔

اس قسم کے مضامین مولوی صاحب بیان کر رہے تھے جو میعاد معینہ ختم
ہوگئی اس لئے مولوی صاحب تو بیٹھے اور پنڈت صاحب کھڑے ہوئے

حضرت نانوتوی کی تقریر پر ہندو پنڈتوں کا تبصرہ | مگر ہم نے سنا ہے کہ منشی پیارے

لال یا منشی مکتا پرشاد نے مولوی صاحب کے اس جواب کو سنکر یہ کہا۔ جواب اس کو کہتے ہیں یا یہ کہا جواب تو یہ ہوا مگر جو کچھ کہا بجا کہا۔

پنڈت دیانند کی تقریر اور عالم کے قدیم ہونے کا دعویٰ

خیر مولوی صاحب تو بیٹھے اور پنڈت دیانند صاحب موقع گفتگو پر تشریف لائے اور اپنے محاورات میں کچھ فرمانا شروع کیا مگر چونکہ ان کی زبان میں الفاظ سنسکرت بہت ملے ہوئے تھے بلکہ اکثر جملے کے جملے سوائے کے کا وغیرہ حروف ربط کے سنسکرت میں ہوتے تھے تو سوائے دو چار آدمیوں کے حاضران جلسہ میں سے ان کے مطلب کو کوئی نہ سمجھا ہوگا۔

ہاں ایک دو بات اس قسم کی سمجھ میں آئیں کہ جیسے کمہار گھڑا وغیرہ برتن بناتا ہے تو اول گارا ہونا ضرور ہے گارا نہ ہو تو پھر برتن نہیں بن سکتا ایسے ہی خدا نے جو اس عالم کو بنایا تو اس کا مادہ پہلے سے ہونا چاہیئے وہ بھی مخلوق ہو تو پھر عالم کا بنانا ایسا ہوگا جیسے بے گارے برتن بنائے۔ غرض مادۂ عالم قدیم ہے اور پھر قدیم سے عالم کا وجود ہے اور ہمیشہ ایسا ہی چلا جائے گا۔

اور جیسا کہ پادری کہتے ہیں کہ قدرت الٰہی سے نیست سے ہست ہو یہ بات معقول نہیں کیونکہ نیست کوئی چیز نہیں اس سے کوئی چیز پیدا نہیں ہو سکتی۔

تناسخ کا دعویٰ

مگر ان دو ایک بات کے سوا اور کچھ کسی کی سمجھ میں نہ آیا یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ غرض پیدائش عالم انہوں نے کچھ بیان کی یا نہ کی اور بیان کی تو کیا بیان کی۔

ہاں اوروں کے بیان سے اتنا معلوم ہوا کہ پنڈت صاحب اس وقت تناسخ یعنی آواگون کے بھی مدعی ہوئے۔ خدا جانے اس دعویٰ کے لئے دلیل کیا پیش کی ہوگی۔

پنڈت صاحب کی تقریر کا رد عمل

الغرض اصل مطلب تو بوجہ دقت زبان معلوم نہ ہوتا تھا اس لئے مولوی محمد قاسم صاحب نے عین اس وقت جس وقت پنڈت صاحب تقریر کر رہے تھے اپنی کرسی سے اٹھ کر آہستہ سے منشی اندرمن صاحب سے یہ کہا کہ آپ اگر خود کچھ بیان نہیں فرماتے تو یوں ہی کیجئے کہ آدھے وقت میں تو پنڈت صاحب جو کچھ ان کو بیان کرنا ہو کر لیا کریں اور آدھے وقت میں آپ اس کا ترجمہ کر دیا کریں

جو ہم بھی کچھ سمجھیں ورنہ پھر نہ تسلیم کی کوئی صورت ہے نہ اعتراض کی کوئی جگہ، مگر منشی صاحب نے اس کے جواب میں یہ کہا سچ تو یہ ہے کہ مجھ کو کبھی لکچر دینے کا اتفاق نہیں ہوا جو لوگ یہ کام کرتے رہتے ہیں انہیں سے ہو سکتا ہے اس لئے میں معذور ہوں خیر چار ناچار پنڈت صاحب نے جو کچھ سنایا سننا پڑا۔

پادری اسکاٹ نے کوئی اعتراض نہ کیا

جب وہ فارغ ہوئے تو حسب ترتیب اول پادری اسکاٹ صاحب پھر کھڑے ہوئے مگر باوجودیکہ وقت اعتراض تھا اپنی اپنی تقریر اول پیش کی۔

اہل اسلام کی طرف سے عالم قدیم ہونے کے نظریہ کا ابطال

جب پادری صاحب اپنا کام کر چکے اور اہل اسلام کی نوبت آئی تو مولوی محمد قاسم صاحب نے جناب محمد علی صاحب کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ یہ نیاز مند تو پنڈت صاحب کی تقریر کچھ سمجھا نہیں اس لئے اب آپ ہی کو تکلیف کرنی پڑے گی اگر میں کچھ سمجھتا ہوتا تو انشاء اللہ تعالیٰ تا مقدور آپ کو تکلیف نہ کرنے دیتا، مگر مولانا محمد علی صاحب نے فرمایا میں پورا پورا نہیں سمجھا مگر مولوی محمد قاسم صاحب نے عرض کیا کہ میں بھی کچھ نہیں سمجھا۔ اس لئے مولانا محمد علی صاحب اٹھے اور یہ فرمایا کہ پنڈت صاحب کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ عالم ازلی ہے اور مادہ بھی قدیم ہے اور پیدا کیا ہوا کسی کا نہیں لازم آیا کہ مادہ واجب الوجود ہے پس دو واجب الوجود موجود ہوئے اور توحید جاتی رہی علاوہ بریں ضرورت تسلیم باری تعالیٰ کیا رہی، سوا اس کے یہ بات ظاہر ہے کہ عالم مرکب ہے اور ترکیب کے واسطے حدوث لازم ہے اس صورت میں قدم عالم بالبداہت باطل ہے۔

پنڈت دیانند کا عالم قدیم ہونے کے نظریہ کو چھوڑ کر مادۂ عالم کے قدیم ہونیکا دعویٰ

پھر پنڈت صاحب کھڑے ہوئے اور حسب بیان اہل فہم اول تو انہوں نے پادری صاحب پر وہی اعتراض سابق کیا۔ بعد ازاں اپنے اوپر کے اعتراض کا جواب اس طور پر دیا کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے بیان کو ہمارے مقابل فریقوں نے

حـہ بوجہ شنلی رد ہنود مولانا محمد علی صاحب کسی قدر زبان سنسکرت سمجھتے تھے ۱۲ منہ

اچھی طرح نہیں سمجھا۔ ہم صرف مادۂ عالم کو قدیم کہتے ہیں۔ عالم کو قدیم نہیں کہتے۔

عالم کو مادۂ قدیم سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے

عالم کو اس مادہ سے خدا تعالیٰ نے ایجاد کیا ہے۔ اور چونکہ ایجاد کرنے والا عالم کا خدا تعالیٰ ہے اس لئے خدا تعالیٰ کے ماننے کی ضرورت ہوئی کیونکہ مادہ سے خود بخود عالم پیدا نہیں ہو گیا بلکہ پیدا کرنے والا عالم کا خدا تعالیٰ ہے۔

غرض خلاصہ بیان پنڈت صاحب یہ تھا اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ دس منٹ پورے ہوگئے اس لئے پنڈت صاحب تو چوکی سے اترے اور یہ یاد نہیں رہا کہ پھر کون کھڑا ہوا۔ ترتیب مشارٌ الیہ تو یوں کہتی ہے کہ پادری صاحبوں میں سے کوئی کھڑا ہوا ہو۔ چنانچہ اتنا یاد ہے کہ سوائے پادری اسکاٹ صاحب دیسی پادریوں میں سے بھی بعض صاحب اٹھے تھے۔ مگر چونکہ ان کی تقریر قابل التفات نہ تھی تو کچھ یاد نہیں رہا۔ کہ انہوں نے کیا بیان کیا اور کیا نہ کیا۔

مادۂ عالم بھی قدیم ہے اور خدا تعالیٰ بھی! دو قدیم ماننے کے دعویٰ پر حضرت نانوتوی کا استفسار

البتہ اتنا یاد ہے کہ اسی اثناء میں ایک بار مولوی محمد قاسم صاحب پھر کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا کہ پنڈت صاحب جس کو مادۂ قدیم کہتے ہیں۔ اگر وہی وجود مذکور ہے جس کو ہم نے مادہ عالم قرار دیا ہے تو بچشم ما روشن دل ما شاد۔ پنڈت صاحب بھی ہمارے ہی ہمصفیر ہوگئے اور اگر کچھ اور چیز ہے یعنی خدا کی صفت اور اس کی تجلی نہیں بلکہ ایک امر مستقل اور خدا کی ذات سے منفصل ہے تو وہ اگر مخلوق ہی نہیں بلکہ اپنے آپ ہی موجود ہے تو وہ خود خدا ہوگا۔ خدا اسی کو کہتے ہیں کہ خود بخود موجود ہو اپنے موجود ہوتے میں اس کو خالق کی ضرورت نہ ہو اور اگر مادۂ مذکورہ مخلوق ہے تو پھر اس کے قدیم ہونے کی کوئی صورت نہیں کیونکہ جو چیز اپنے آپ موجود نہیں کسی دوسرے کے موجود کرنے سے موجود ہے تو اس کا وجود اس کا خانہ زاد نہ ہوگا اسی کی عطاء ہوگا جس نے اس کو موجود کیا۔ اور اس وقت اس کی ایسی مثال ہوگی جیسے زمین اپنے آپ منور نہیں آفتاب کے منور کرنے سے منور ہوتی ہے تو اس کا نور بھی

عطاءِ آفتاب ہی ہوتا ہے مثل نور آفتاب خانہ زاد نہیں ہوتا۔

مادۂ عالم کے مخلوق ہونیکی دلیل

الغرض اگر مادہ مذکور مخلوق ہوگا تو یہ معنی ہوں گے کہ خالق کے موجود کرنے سے موجود ہوا جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اس کا وجود اس کا خانہ زاد نہیں بلکہ عطاءِ خالق ہے مگر چونکہ عطاءِ وجود مثل عطاءِ نور مذکور بے اس کے متصور نہیں کہ ادھر سے وجود آئے اور جیسے آفتاب سے نور آکر زمین پہ واقع ہوتا ہے اس پہ وجود مشار الیہ آکر واقع ہو تو خواہ مخواہ ایک حرکت کا اُدھر سے اِدھر کو تسلیم کرنا پڑے گا جس کا مبدأ اُدھر ہوگا اور منتہاء اِدھر اور ظاہر ہے کہ حرکت کی وجہ سے جو چیز حاصل ہوتی ہے۔ اس میں عدم اول ہوتا ہے اور وجود دوم یعنی حرکات مکانی اگر مثلاً ہوتی ہے تو کسی مکان تک پہنچنے سے پہلے یہ شخص اس مکان میں نہ تھا بعد حرکت وہ مکان اس شخص کو میسر آیا۔ اور یہ شخص اس مکان میں آسمایا اس لئے یہ کہنا پڑے گا اوّل وہ مادہ موجود[ع] نہ تھا پھر بوجہ عطاءِ مذکور موجود ہو گیا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات

ع مادہ مذکور جس کو حکما ہیولی کہتے ہیں اگر مخلوق خداوندی ہے تو موافق قاعدۂ مقررہ پنڈت صاحب کو ہر مخلوق کے لئے مادہ اور ہیولی کی ضرورت ہے خود اس مادہ اور ہیولی کے لئے بھی مادہ اور ہیولی ہوگا اور پھر اس مادہ اور ہیولی کی نسبت بھی یہی کہا جائے گا کہ اگر مخلوق ہے تو اس کے لئے بھی موافق قاعدہ مشار الیہ مادہ اور ہیولی کی ضرورت علی ہذا القیاس آگے تک چلے چلو اگر اسی طرح یہ سلسلہ الی غیر النہایہ چلا گیا تب تو تسلسل محال لازم آئیگا۔ اور کہیں ختم ہو گیا تو پنڈت جی کا یہ قاعدہ غلط ہو جائےگا کہ مخلوقات کے لئے مادہ کی ضرورت ہے اور اگر مادۂ مذکور مخلوق نہیں تو خود خدا اور واجب الوجود ہوگا کیونکہ جو چیز خود موجود ہو کسی کی مخلوق نہ ہو تو اس کا خدا ہونا اور واجب الوجود ہونا دونوں ضروری ہیں اور کیوں نہ ہو جو خود موجود ہو وہ بھی خدا نہ ہو تو اور کون ہوگا اور جس کا ہونا کسی کے ہونے پہ موقوف نہ ہو بلکہ اوروں کا ہونا اس پہ موقوف ہو تو اس کا ہونا بھی واجب نہ ہوگا اور کس کا ہونا واجب ہوگا ورنہ خدا کا ثبوت پھر دشوار ہے خدا کی خدائی اسی سے معلوم ہوئی کہ اوروں [illegible] وجود مستقل نظر نہ آیا بلکہ ان کا وجود کسی اور پہ موقوف پایا اس موقوف علیہ کو خدا اور واجب الوجود کہتے ہیں خدا اس لئے کہ وہ خود موجود ہے اور واجب الوجود اس لئے کہ
باقی اگلے صفحہ پر

قدم کے مخالف ہے بلکہ اسی کو حدوث کہتے ہیں علاوہ بریں ہر انقلاب کو حرکت لازم ہے یہی وجہ ہے کہ انقلاب طلوع و غروب کو دیکھ کر یہ یقین ہو جاتا ہے کہ آفتاب متحرک ہے یا زمین متحرک ہے ورنہ خود آفتاب اور زمین کی حرکت قطع نظر انقلاب مذکور سے آنکھوں سے یا اور کسی طریقہ سے محسوس نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ علماء علم ہیئت میں اس باب میں اختلاف ہے کہ آفتاب متحرک ہے یا زمین متحرک ہے اگر حرکت خود محسوس ہوتی تو یہ اختلاف کیوں ہوتا سب کے سب ایک ہی چیز کو متحرک کہتے۔

انقلاب حرکت پر موقوف ہے۔	الحاصل انقلاب حرکت پر موقوف ہے بحرکت انقلاب متصور نہیں

ورنہ انقلاب کو دیکھ کر حرکت کا یقین نہ ہوا کرتا مگر جس قسم کا انقلاب ہوتا ہے اسی قسم کی حرکت ہوتی ہے اور اسی قسم کی حرکت سمجھ میں آتی ہے انقلابات طلوع و غروب وغیرہ چونکہ از قسم انقلاب مکانی ہیں۔ تو حرکت مکانی کی طرف ذہن دوڑتا ہے یعنی مثلاً جب یوں

(بقیہ حاشیہ) موافق محاورہ عوام تو بوجہ توقف مذکور اس کا ہونا واجب ہے اور موافق محاورہ علماء بوجہ لزوم ذاتی وجود جو فیمابین وجود خدائے واجب الوجود ضرورت نسبت کو مقتضی ہے اس کے وجود کا ضروری ہونا حسب اصطلاح منطق لازم ہے کیونکہ جب باوجود تحقق اس کا وجود عطاء غیر نہیں یعنی مخلوق نہیں تو پھر اس کا وجود اسی کا خانہ زاد ہوگا اور وصف خانہ زاد کو یہ لازم ہے کہ موصوف کے حق میں اسی طرح لازم ذات ہو جیسے زوجیت اربعہ کو لازم ہے اور ظاہر ہے کہ لوازم ذات موصوف کے حق میں ضروری الثبوت ہوتے ہیں ان کا زوال اور انفصال ممکن نہیں ہوتا مگر یہ ہے تو پھر وجود بھی ضروری ہے۔ لیکن مادہ بھی واجب الوجود اور خدا ہوگا تو پھر توحید خداوندی جو بدلائل قاطعہ و عقلا سابق میں ثابت ہو چکی ہے اور نیز سب کے مسلّم ہے یک لخت باطل ہو جائے گی اس لئے یہ کہنا لازم ہے کہ مادۂ عالم کوئی صفت نہیں خداوندی ہوتا کہ یہ قاعدہ بھی صحیح رہے کہ جیسے برتنوں کے لئے گارے کی حاجت ہے تمام مصنوعات کے لئے بھی کوئی مادہ چاہیئے اور یہ بات بھی غلط نہ ہو کہ خداوند عالم وحدہ لاشریک لہ ہے کیونکہ واجب الوجود کا تعدد اگر محال ہے بطور استقلال محال ہے چنانچہ دلائل ابطال تعدد سے جو دعظ میں گذر چکی ہے خود ظاہر ہے۔

دیکھتے ہیں کہ بعد صبح آفتاب طلوع ہوا تو اس کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ آفتاب مثلاً پہلے اور مکان میں تھا اب افق پر آ گیا علیٰ ہذا القیاس جب افق سے گزر کر سر پر آفتاب آتا ہے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ آفتاب مکان اول سے جس کو افق کہتے ہیں اس مکان میں آ گیا جس کو نصف النہار کہتے ہیں۔ مگر چونکہ یہ انقلاب مکانی ہے تو حرکت مکانی ہی ذہن میں آتی ہے حرکت کیفی یا حرکت کمی یا حرکت وضعی سمجھ میں نہیں آتی۔

انقلاب وجود عدم کو حرکت وجودی اور حرکت عدمی لازم ہے | اس لئے انقلاب وجود عدم کو حرکت وجودی اور وجودی و حرکت عدمی لازم ہوگی۔ مگر مخلوق ہونا ایک انقلاب وجودی و عدمی ہے کیونکہ مخلوق اسی کو کہتے ہیں کہ پہلے نہ ہو اور پھر موجود ہو جائے اور ظاہر ہے کہ یہ انقلاب وجودی و عدمی ہے اور انقلاب حرکت ہمجنس پر دلالت کرتی ہیں۔ تو یہ انقلاب کیوں کر حرکت ہم جنس پر دلالت نہ کرے گا۔ جس قدر اور انقلاب ہیں وہ اسی انقلاب کے متضمن ہونے کے باعث انقلاب کہلاتے ہیں اگر یہ عام اور یہ مطلق اور انقلابات خاصہ اور مقیدہ میں ملحوظ اور ماخوذ نہ ہو تو پھر ان انقلابوں کا انقلاب ہونا بھی غلط ہے انقلاب مکانی کے یہی معنی ہیں کہ پہلے ایک چیز اس مکان میں نہ تھی اب اس مکان میں موجود ہو گئی۔

امتداد حرکت وجودی کو زمانہ کہتے ہیں۔ | غرض وہی ہونا نہ ہونا جس کا حاصل وہی وجود و عدم ہے انقلاب مکانی میں ملحوظ و ماخوذ ہوتا ہے اور اس سبب سے وہ انقلاب مذکور انقلاب کہلاتا ہے اس لئے یہ ضرور ہے کہ اس انقلاب اعظم میں وہ بات بدرجہ اولیٰ ہو۔ جو اور انقلابوں میں بوجہ انقلاب ہوتی ہے مگر وہ کیا چیز ہے یہی حرکت ہے جس کا ہم جنس انقلاب ہونا تقریر بالا سے روشن ہو چکا ہے لیکن حرکت مجانس انقلاب وجود و عدم وہ حرکت وجودی و عدمی ہے اس لئے حرکت وجودی کا مخلوقات میں ماننا ہر عاقل کے ذمہ ضرور

ہے اور اس وجہ سے اس کا تسلیم کرنا لازم آتا ہے کہ جیسے حرکت مکانی میں ہر دم
نیا مکان آتا ہے اور اس کے سبب سے مکان اول جاتا ہے ایسے ہی حرکت
وجودی میں ہر دم ایک نیا وجود آئے گا اور وجود سابق زائل ہو جائے گا جس سے
ہر دم ایک نئے عدم کا آنا لازم آئے گا اس امتداد حرکت وجودی ہی کو زمانہ
سمجھئے کیونکہ زمانہ سے اوپر اور کوئی ایسی چیز نہیں جس میں مثل حرکات و زمانہ
ایک نئی بات ہو اس لئے بہ یقین کامل ہوتا ہے کہ زمانہ یہی حرکت وجودی ہے
جو سب حرکات میں اول اور سب سے اوپر ہے اور کیوں نہ ہو وجود سے اوپر
کوئی اور چیز ہو تو البتہ حرکت وجودی سے اوپر بھی کوئی حرکت ہو۔ مگر ہر چہ بادا
باد جب حرکت وجودی واجب التسلیم ہوئی تو بایں وجہ کہ حرکت میں اول عدم
اور پھر وجود آتا ہے چنانچہ اوپر عرض کر چکا ہوں۔

زمانہ اور عالم کے لئے ابتدا کا ہونا ضروری ہے انتہا کا ہونا ضروری نہیں

اور نیز ظاہر ہے کہ زمانہ اور عالم کے لئے ابتدا کا ہونا تو ضروری ہے اور انتہاء
کا ہونا ضروری نہیں کیونکہ عدم سابق خود حد اول ہو جائے گا جن کا حاصل
وہی ابتداء وجود ہے جو قدم عالم کے بالکل مخالف ہے اور انتہاء کے جانب
میں چونکہ وجود ہی عدم نہیں تو انتہاء کا ہونا ضروری نہ ہوا۔ ہاں یہ بھی ضروری
نہیں کہ برابر وجود ہی برابر چلا جائے اس لئے ابدیت یعنی مستقبل کی جانب
ہمیشگی اور انتہا دونوں برابر ہو گئے اور عقل کی رو سے کوئی بات معین نہ ہوئی
فقط مدار کار مشاہدہ پر رہا یا اس بات پر کہ ارادہ خالق و بانی عالم کا کیا ہے کیونکہ
جیسے اس مکان کا حال جو نیا بنایا جاتا ہے عقل سے معلوم نہیں ہو سکتا معلوم
ہوتا ہے تو یا تو مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے جو بالیقین بعد وجود میسر آتا
ہے۔ قبل وجود امکان مشاہدہ نہیں یا بنانے والا سے معلوم ہوتا ہے
کہ کیا بنائے گا۔ اور یہ بات قبل وجود بھی ممکن ہے۔

ابدیت وانتہائے عالم کے بارے میں صحیح علم کے لئے انبیاء کی ضرورت	ایسے ہی عالم کی یہ کیفیت کہ کہاں تک بنتا جائے گا یا تو مشاہدہ سے معلوم

ہوگی جو بالیقین آئندہ کی بات ہے یا خدا کے بتلانے سے معلوم ہوگی مگر حسب تقریر وعظ مشار الیہ خدا تعالیٰ بجز انبیاء علیہم السلام اور کسی کو راز کی باتوں کی اطلاع نہیں کرتا اس لئے دربارۂ ابدیت وانتہاء عالم انبیاء کے بیان کی پابندی ضرور ہے۔ انہوں نے بحوالہ خداوندی اطلاع کردی کہ ایک روز نہ ایک روز یہ عالم نیست ونابود ہوکر پردۂ عدم میں مستور ہوجائے گا۔ اور پھر سب کو بعد مدت نئے سر سے پیدا کرکے اپنے اپنے کردار کو پہنچائیں گے۔

اسی قسم کے مضامین مولوی صاحب بیان کررہے تھے جو مدت معینہ پوری ہوگئی اس لئے وہ تو بیٹھے اور گمان غالب یہ ہے کہ ان کے بعد پنڈت جی کھڑے ہوئے کیونکہ موافق ترتیب درس اول بعد اہل اسلام معبودی کا نمبر تھا اور ہنود میں سوائے پنڈت صاحب اور کوئی صاحب اول سے آخر تک کھڑے ہی نہیں ہوئے جو اور کسی کا احتمال ہوتا اس لئے یہی گمان ہوتا ہے کہ بعد مولوی صاحب متصل ہی پنڈت صاحب کھڑے ہوئے اگرچہ یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ عیسائیوں کی طرف سے بعض دیسی پادری جو اس جلسہ میں کھڑے ہوئے تھے۔ اور ایسی لاطائل تقریریں کی تھیں کہ جن کے سننے کو بھی اہل جلسہ میں سے کسی کا جی نہیں چاہتا تھا چہ جائے کہ یاد رہتیں۔ وہ بعد مولوی صاحب کھڑے ہوئے ہوں مگر اتنا یقیناً یاد ہے کہ سب سے پچھلی تقریر جو اس جلسہ میں ہوئی وہ پنڈت صاحب کی تقریر تھی۔

مادۂ عالم کو صفت خداوندی کہنے سے خدا کا برائی کے ساتھ موصوف ہونا لازم آئیگا پنڈت صاحب کا اعتراض	اور یہ بھی یاد ہے کہ پنڈت صاحب

ایک دو بار وقت اعتراض عیسائیوں پر اعتراض کرکے جب تقریر ختم کرنے کو ہوئی تو یہ کہا کہ کیا کہیے وقت ہو چکا ورنہ مولوی صاحب کی بات کا بھی کچھ جواب دیا جاتا خدا جانے یہ ان کا ارشاد واقعی تھا یا جیسا بظاہر معلوم ہوتا تھا مولوی صاحب کی تقریر پر لاجواب ہو کر یہ چال چلتے تھے۔

ہاں اخیر تقریر میں جس کے بعد جلسہ ہی برخاست ہو گیا۔ مولوی صاحب کی تقریر پر یہ اعتراض کیا کہ اگر مادۂ عالم حسب تقریر مولوی صاحب صفت وجود خداوندی ہو تو خدا کا برائی کے ساتھ موصوف ہونا لازم آئے گا کیونکہ مخلوقات میں بھلے برے سب ہیں اگر بھلوں کا وہ مادہ ہے تو بروں کا بھی وہی مادہ ہوگا اور اس لئے اس کا برا ہونا لازم آئے گا۔

ہندؤں اور پادریوں کا حضرت نانوتوی کی بات سننے سے انکار

پنڈت جی تو یہ فرما کر فارغ ہوئے اور مولوی صاحب اس چوکی پر پہنچے مگر چونکہ گیارہ بج گئے تھے یا بجنے کو تھے تو پادریوں نے فرمایا کہ بس جلسہ کا وقت ہو چکا۔

مولوی صاحب نے فرمایا دو چار منٹ ہماری خاطر سے اور ٹھیریئے بندہ درگاہ جھٹ پٹ پنڈت جی کے اعتراض کا جواب عرض کئے دیتا ہے۔ مگر پادریوں نے نہ مانا۔ اس پر مولوی صاحب نے پنڈت صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ پنڈت صاحب فقط آپ ہی ٹھیر جائیں وقت جلسہ ہو چکا ہے تو کیا ہوا دو چار منٹ خارج از جلسہ ہی سہی۔ مگر پنڈت جی نے بھی نہ مانا اور یہ فرمایا کہ اب بھوجن کا وقت آگیا ہے اب ہم سے کچھ نہیں ہو سکتا۔

مخلوقات کی بھلائی برائی خدا کے وجود تک نہیں پہنچ سکتی

جب مولوی صاحب نے دیکھا کہ پنڈت جی بھی نہیں مانتے اور کیوں کر مانتے انجام کار آغاز سے نظر آتا تھا تو بناچاری مولوی صاحب کے منشی اندرمن صاحب کا ہاتھ پکڑ کر یہ فرمایا کہ منشی صاحب پنڈت صاحب تو نہیں سنتے آپ ہی سنتے جائیں۔ اور یہ کہہ کر فرمایا میں اس اعتراض کا جواب ضمن؂ مثال میں

؂ اس کا حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

وقت بیان اصل مطلب دے چکا ہوں۔ مگر پنڈت صاحب نے اس کا کچھ خیال نہ کیا۔ اور جو اعتراض نہ کرنا تھا اوروں کے سنانے کو کر گئے ہیں۔ میں کہہ چکا ہوں کہ مخلوقات کو خدا تعالیٰ اور اس کے وجود کے ساتھ جو اس کے حق میں بمنزلہ شعاعہائے آفتاب ہے ایسی نسبت ہے جیسے دھوپوں کی تقطیعات مختلفہ کو جو روشندان کے کینڈوں اور صحن خانوں کے پیمانوں کے مطابق ہوا کرتے ہیں۔ آفتاب اور اس کی شعاعوں کے ساتھ ہوا کرتی ہے۔ جس شخص نے اس مثال کو غور سے سنا ہوگا کہ جیسے تقطیعات مذکورہ کی بھلائی برائی اور سوا ان کے اور احکام مختلفہ انہیں اشکال و تقطیعات تک رہتے ہیں آفتاب اور نور آفتاب یعنی شعاع آفتاب تک نہیں پہنچتی۔

ایسے ہی مخلوقات کی بھلائی برائی خدا تعالےٰ اور اس کے وجود تک نہیں پہنچ سکتی اگر کوئی مثلث شکل کی دھوپ ہوگی تو بے شک اس کے تینوں زاویے مل کر دو قائموں کے برابر ہوں گے اور اس کے دو ضلع مل کر تیسرے خط سے بڑے ہوں گے مگر ظاہر ہے کہ ان باتوں کو ذات آفتاب اور اس کے اصل نور تک رسائی نہیں آفتاب اور اس کے نور میں نہ زاویہ نہ اضلاع جو یہ احکام اس میں جاری ہوں۔ علیٰ ہٰذا القیاس مخلوقات کی تقطیعات کے احکام خدا تعالیٰ اور اس کے وجود تک نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ وہاں

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) عہ بلکہ بصراحت یہ بات مدلل مرقوم ہو چکی تھی کہ بھلائی برائی مخلوقات کی خالق کی طرف عائد نہیں ہوتی یعنی مخلوقات کی بھلائی برائی سے خالق کو بھلا برا نہیں کہہ سکتے ۱۲ منہ

عہ مخلوقات کی بھلائی برائی جو خالق تک نہیں پہنچتی اور دھوپوں کی اشکال کے احکام جو آفتاب اور نور تک نہیں پہنچتے تو اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ فاعل اور فعل کے احکام تو مفعول تک جاتے ہیں اور مفعول کے احکام فاعل کی طرف نہیں آتے ورنہ فاعل مفعول اور مفعول فاعل ہو جائے اور سب کارخانہ الٹ جائے یہی وجہ ہے کہ نور آفتاب سے پاخانہ اور پیشاب روشن ہو جاتے ہیں پر پاخانہ پیشاب سے نور آفتاب ناپاک نہیں ہو جاتا ۱۲ منہ

نہ یہ تقطیعات نہ ان کے لوازم جو بھلائی برائی کو اس کے خواص میں سے ہیں
اس تک رسائی ہو اور اس سبب سے اس کا برا ہونا لازم آئے گا
یہ کہہ کر فرمایا کہ آپ پنڈت صاحب کو یہ جواب سنا دیں۔

مولوی صاحب نے فرمایا اس بات کا جواب پنڈت جی سے قیامت تک نہ آئے گا۔

یہ کہکر مولوی صاحب تو مع رفقاء اپنے ڈیرے کی طرف چلدئیے اور منشی صاحب وغیرہ اپنی اپنی فرودگاہوں کی طرف روانہ ہوئے۔

عیسائیوں کے درس میں شرکت کیلئے حضرت نانوتوی درخواست مگر مولوی صاحب ابھی خیمہ تک نہ پہنچے تھے جو پادری نولس صاحب۔ اور ایک پادری نولس کی

اور ولایتی پادری جھپٹ کر آئے اور مولوی صاحب سے فرمانے لگے آج چار بجے کے بعد پادری اسکاٹ صاحب درس دیں گے آپ بھی اس درس میں تشریف لائیں گے۔

مولوی صاحب نے فرمایا کل جو ہم نے آپ سے ایک گھنٹہ کی اجازت لے کر ایک گھنٹہ تک اپنے مذہب کے فضائل اور اس کی حقانیت خارج از جلسہ چار بجے کے بعد بیان کئے تھے تو اس کی یہ وجہ ہوئی تھی کہ آپ جلسہ میں اتنا وقت نہ دیتے تھے کہ کوئی دل کھول کر فضائل بیان کر سکے جب ہم نے آج آپ کو وقت میں وسعت دیدی تو پھر خارج از جلسہ تکلیف کرنے سے کیا فائدہ۔

پادری صاحب نے فرمایا اب تو آپ مہربانی کر کے اس بات کو قبول ہی کر لیں۔

مولوی صاحب نے فرمایا بہت بہتر اگر پادری صاحب درس دیں گے تو ہم بھی انشاء اللہ سنیں گے۔ پادری صاحب نے پوچھا آپ اعتراض کریں گے۔ مولوی صاحب نے فرمایا اگر اعتراض کی اجازت ہو گی تو بیشک

اعتراض کریں گے پادری صاحب نے فرمایا اعتراض کے لئے آپ کو کتنا وقت چاہئیے۔ مولوی صاحب نے فرمایا وقت کی تحدید کے کیا معنی پہلے سے کون شخص اپنے مطلب کو ناپ تول کرلاتا ہے جو اس کے موافق وقت مقرر کیا جائے وقت اگر مقرر کیا جاتا ہے تو اس سے اندیشہ کیا جاتا ہے کہ مبادا کوئی شخص مفت مغز زنی کرنے لگے اگر وقت محدود نہ کیا جائے گا تو ایسا شخص بے وجہ مغز کھائے گا۔ اور سوا اس کے کسی کو بولنے کی گنجائش نہ ملے گی مگر آپ ہی انصاف سے فرمائیں کہ میں کونسی بات لغو اور بیہودہ کہتا ہوں جو آپ میرے وقت کو محدود کرتے ہیں۔ پادری نولس صاحب نے فرمایا نہیں آپ تو بیہودہ باتیں نہیں کرتے مولوی صاحب نے فرمایا پھر کس لئے آپ میرے لئے وقت کو محدود کئے دیتے ہیں۔ پادری نولس صاحب نے فرمایا اچھا آپ کیلئے وقت کی کچھ تحدید نہ سہی۔ مگر دوسرے پادری صاحب نے کہا کہ نہیں وقت کو ضرور محدود کرنا چاہیئے۔ نہیں تو ہر شخص یوں جتنا چاہے گا بیان کئے جائے گا۔ پادری نولس صاحب نے مولوی صاحب سے فرمایا اچھا آپ کے لئے بیس منٹ سہی اور اوروں کے لئے دس منٹ۔

حضرت نانوتوی کے بارے میں پادری اسکاٹ کا تاثر

اثناء راہ میں جب یہ فیصلہ ہو چکا تو پھر سب صاحب اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچے اور قضاء حوائج اور ادائے ضروریات میں مشغول ہوئے کھانا کھا ہی رہے تھے جو موتی میاں صاحب نے مولوی محمد قاسم صاحب سے فرمایا پادری اسکاٹ صاحب آپ کی تعریف کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ اس شخص کی باتیں بہت ٹھکانے کی ہیں یہ مولوی نہیں یہ صوفی ہے۔ مولوی سخاوت حسین صاحب سہسوانی وکیل عدالت دیوانی بھی اس وقت اتفاق سے آ نکلے وہ بھی فرمانے لگے کہ پادری صاحب مولوی محمد قاسم صاحب کو کہتے تھے کہ یہ شخص صوفی مولوی ہے۔ ادھر اثناء جلسہ میں جب مولوی صاحب کھڑے ہوتے تھے تو تمام جلسہ میں ایک سکتہ کا عالم ہو جاتا تھا اور جب مولوی صاحب

کسی تقریر سے فارغ ہوتے تھے تو اکثر صاحبوں کی زبان سے صدائے آفرین و تحسین سنائی دیتی تھی۔

حضرت نانوتوی کا بارگاہ ایزدی میں عجز و انکسار اور اسکی وجہ

غرض غلبہ جانب اسلام ایسا نمایاں تھا کہ بجز نا انصاف حاضران جلسہ میں سے کوئی شخص اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ شاید یہ ثمرۂ انکسار مولوی صاحب اور دعا اہل اسلام تھا مولوی صاحب نے جب سے شاہجہانپور کا ارادہ کیا تھا جس سے ملتے تھے یا جس کو اہل دعا سمجھتے تھے استدعاء دعا کرتے تھے خود یہ کہتے تھے کہ ہر چند ہماری نیت اور ہمارے اعمال اسی قابل ہیں کہ ہم مجمع عام میں ذلیل و خوار ہوں مگر ہماری ذلت و خواری میں اس دین برحق کی ذلت اور اس رسول پاک کی ذلت متصور ہے جو تمام عالم کا سردار اور تمام انبیاء کا قافلہ سالار ہے اس لئے خود بھی یہی دعا کرتے تھے اور اوروں سے بھی دعا کراتے تھے کہ الٰہی ہماری وجہ سے اپنے دین اور اپنے حبیب پاک شہ لولاک کو ذلیل و خوار مت کر اپنے دین اور اپنے حبیب پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت اور طفیل میں ہم کو عزت اور افتخار سے مشرف فرما۔

القصہ اہل اسلام کو کھانے سے فارغ ہو کر نماز کی فکر ہوئی بارہ بجتے ہی وضو کر کر انماز کی ٹھیرائی نماز ظہر سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ جو ایک بج گیا اس لئے دوسرے جلسے کے لئے سب صاحب تیار ہوئے

کیفیت جلسہ سوم بروز دوم

آغاز جلسہ میں ہندوئں اور عیسائیوں کی موضوع مباحثہ میں عجب جیل و حجت

ایک بجتے ہی مناظر اور شائقان مناظرہ میدان مناظرہ کی طرف روانہ ہوئے اہل اسلام بھی ادھر سے بسم اللہ کر کے پہنچے گفتگو شروع ہونے سے پہلے منشی

پیارے لال صاحب نے یہ کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ صرف سوال اخیر پر مباحثہ ہووے اور باقی سوالات پر بحث ملتوی کی جائے وجہ اس کی کچھ معلوم نہ ہوئی مگر قرینہ اس بات کو مقتضی ہے کہ یہ بات فقط بنظر اتباع حضرات پادریان نصاریٰ تھی انہیں کی طرف سے صبح کو یہ اصرار ہوا تھا کہ پہلے مسئلہ رابع میں گفتگو ہو جائے سو اس وقت مسئلہ رابع کے بدلے مسئلہ خامس کا لینا اس غرض سے ہو گا کہ بالکل راز نہ کھل جائے۔ غرض مسئلہ ثانی و ثالث تو مسئلہ اول علوم حقائق و فلسفہ سے متعلق تھا پادریوں کو بوجہ ناواقفیت علوم مذکورہ ان کی جواب دہی مشکل نظر آئی۔ البتہ مسئلہ رابع و خامس فقط مذہب سے متعلق اور ان کے بیان کا اکثر اتفاق رہتا ہے اس لئے صبح کو تو اس پر اصرار رہا کہ مسئلہ رابع میں گفتگو ہو اس وقت تو ان کے پاس نہ کوئی حجت اپنے اصرار کی نظر آئی اور نہ منشی پیارے لال سے ساز کی گنجائش ملی۔ اس مہلت اور تنہائی میں جو گیارہ بجے سے لے کر ایک بجے تک تھی کیا عجب ہے کہ منشی صاحب سے اس بات میں کہہ سن لیا ہو ورنہ صبح تک تو منشی صاحب کا بھی یہی قول تھا کہ ترتیب وار سوالات معلومہ میں گفتگو ہو۔"

علاوہ بریں پہلے روز تو منشی صاحب کا بات بات میں پادریوں کی تائید کرنا جس کی وجہ سے اہل اسلام خصوصاً مولوی محمد طاہر صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب کو ان کی شکایت کی نوبت آئی۔ اور وہ ارتباط دلی جو منشی صاحب کو پادریوں کے ساتھ مشہور ہے۔ اور مسائل مذکورہ کا حقائق و فلسفہ سے متعلق ہونا اور پادریوں کا ان علوم سے بے بہرہ ہونا زیادہ تر اس خیال کے مؤید ہے کہ ہو نہ ہو یہ پادری صاحبوں کی ہی چالاکی تھی بایں ہمہ پہلے روز پادری نولس صاحب کا بار بار یہ کہنا کہ ہم کو زیادہ فرصت نہیں آج اور کل ٹھیر سکتے ہیں اور بھی اس خیال کے لئے قرینہ صادقہ ہے۔ اگرچہ اس وقت مولوی صاحب نے کھلم کھلا یہ فرمایا کہ یہ بات ہمارے کہنے کی تھی باوجود

افلاس و بے سروسامانی قرض دام لے کر اپنی ضرورتوں پر خاک ڈال کر ایک مسافت دور دراز قطع کر کے یہاں تک پہنچے پھر اس پہ یہ قول ہے کہ جب تک حسب دل خواہ فیصلہ نہ ہو جائے گا نہ جائیں گے اور آپ صاحب تو اسی کام کے تو کر آنے جانے میں کوئی وقت نہیں اس کے کیا معنی کہ آپ کو فرصت نہیں۔ یہ عذر کرتے تو ہم کرتے۔

مگر اس پہ بھی پادری صاحبوں کو کچھ اثر نہ ہوا اور کیوں ہوتا قلت فرصت کا بہانہ کر کے مباحثہ کو مختصر کر دینا اس سے آسان نظر آیا کہ اہل اسلام کے مقابلہ میں مغلوب ہوں اور کوئی عذر نہ ہو آخر اہل اسلام کو کچھ پہلے دیکھے بھالے تھے اور کچھ فی الحال دیکھا۔

اور کیا عجب ہے کہ پنڈت صاحب اور منشی اندر من صاحب کی بھی یہی رائے ہو منشی اندر من صاحب کا اول سے آخر تک نہ بولنا بلکہ باوجود اصرار مولوی محمد قاسم صاحب و ضرورت بیان مطالب پنڈت صاحب ان کا یہ کہہ دینا کہ مجھ کو کبھی لکچر دینے کا اتفاق نہیں ہوا جو لوگ یہ کام کرتے رہتے ہیں انہیں سے یہ کام ہو سکتا ہے بجز اس کے اور کس بات پر محمول ہو سکتا ہے کہ علاوہ شور غلبہ اہل اسلام بہ نسبت سال گذشتہ اس سال میں پہلے روز اہل اسلام کی جودت طبعی اور خوش بیانی اور ان کے مطالب کی خوبی اور تسلسل معانی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔

اور پنڈت صاحب بھی اگر چہ مولوی محمد قاسم صاحب اور مولوی ابوالمنصور صاحب کی حسن لیاقت کی داد دے چکے تھے مگر دنیا بامید قائم یوں سمجھ کر کہ شاید علوم حقائق اور علوم فلاسفہ کی طرف بوجہ فقدان اسباب توجہ علوم مذکورہ نہ ہو اور اس وجہ سے کیا عجب ہے کہ سوالات مذکورہ کے جواب میں رہ جائیں اور رہ ہم بایں وجہ کہ خود ہی ان سوالات کے مجوز ہیں ان کے جوابوں کو مستحضر کر رکھا ہے میدان مناظرہ میں اہل اسلام سے گوئے سبقت لے جائیں۔ اول سینہ سپر

ہو گئے تھے مگر قدم عالم کے ابطال اور حادثہ عالم کے بیان کو اہل اسلام سے سن کر وہ بھی ٹھنڈے ہو گئے تھے۔

غرض ان وجوہ سے عجب نہیں کہ منشی اندرمن صاحب اور پنڈت دیانند صاحب بھی اسی طرف مشیر ہوئے ہوں اور مشیر بھی نہ ہوئے ہوں تو مانع بھی نہ ہوئے ہوں مگر ہر چہ بادا باد اس وقت مجبوری اہل اسلام کو یہی ماننا پڑا کہ اس وقت مسئلہ خامس ہی میں گفتگو ہو جائے لیکن اس رد وکد میں آدھا گھنٹہ گذر گیا اور چار بجنے میں فقط اڑھائی گھنٹے باقی رہ گئے اس لئے یہ تجویز ٹھیری کہ یہ جلسہ ساڑھے چار بجے تک رہے اہل اسلام نے کہا خیر مضائقہ نہیں ہم آج نماز عصر آدھ گھنٹہ بعد ہی پڑھ لیں گے۔

پادری اسکاٹ کی طرف سے الوہیت عیسیٰ اور انکے گناہوں کا کفارہ بن کر مصلوب ہونیکا دعویٰ

الغرض گفتگو شروع ہوئی اول پادری اسکاٹ صاحب کھڑے ہوئے اور سوال خامس یعنی اس سوال کے جواب میں کہ نجات کسے کہتے ہیں اور نجات کا کیا طریقہ ہے ایک تقریر طویل بیان کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ نجات گناہوں سے بچنے کو کہتے ہیں۔ مگر جب خدا تعالیٰ نے یہ دیکھا کہ تمام عالم گناہوں میں ڈوبا جاتا ہے تو خود مجسم ہو کر آیا اور عیسیٰ مسیح کہلایا اور سب خلائق کا کفارہ بنا یعنی بار گناہان بنی آدم اپنے سر پر رکھ کر اس کی سزا میں مصلوب ہوا اور پھر نعوذ باللہ ملعون ہو کر تین دن جہنم میں رہا اس لئے سب کو لازم ہے کہ عیسیٰ مسیح کی الوہیت پر ایمان لائیں اور عیسائی دین اختیار کریں بدون اس کے نجات نہیں اور گناہوں سے بچاؤ نہیں ہو سکتا

ع‍‍ہ نجات کو سب جانتے ہیں کہ مصائب سے بچ جانے کو کہتے ہیں سو دینداروں کو جس مصیبت پر نظر ہوتی ہے وہ عذاب آخرت ہے اس پادری صاحب کا یہ کہنا غلطی سے خالی نہیں مگر ہاں شاید مجازاً گناہوں سے بچنے کو نجات اس لئے کہہ دیا ہو کہ گناہوں کے ذریعہ جس سے عذاب سے نجات متصور ہے یا پادری صاحب کی طاقت لسانی ہے مگر ہر چہ بادا باد اپنے یاد کے موافق تو پادری صاحب نے یہی فرمایا جو درج اوراق کیا گیا۔ ۱۲ منہ

عیسائی مذہب کے سچا ہونے کی دلچسپ دلیل

ایک روز کا ذکر ہے کہ میں نے یہ دعا کی کہ اے عیسیٰ مسیح میرے حال پر نظر عنایت فرما اس کے بعد میرے دل میں ایسا چین اور ٹھنڈک معلوم ہوئی کہ میں بیان نہیں کر سکتا بالکل اور باتوں سے دل پھر گیا۔

ایسے ہی ایک دن کا ذکر ہے کہ ایک شخص بڑا تندرست اور موٹا تھا جیسے ہمارے پنڈت جی[1] اور وہ بڑا شریر تھا کبھی گرجا میں نہ جاتا نہ انجیل سنتا تھا میں نے اس سے کہا تو انجیل سنا کر اس نے کہا میں کیوں انجیل سنوں اور کیوں گرجا میں آؤں آخر کو میں نے اس کو انجیل سنائی دوسرے روز اس کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ خود بخود وہ میرے پاس آیا اور سب برائیاں چھوڑ دیں اور صدق دل سے نیک و صالح ہو گیا اور تمام لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ فلاں شریر آدمی نیک آدمی ہو گیا۔

ناطقہ سر بگریبان ہے ۔۔۔ ؟!

ادھر دیکھو جب تک عیسائیوں کی عملداری ہندوستان میں نہیں تھی ہندوستان میں کیسی کیسی غارت گری اور فتنہ و فساد اور رہزنی ہوا کرتی تھی جب سے عیسائیوں کی عملداری ہوئی کس قدر امن و امان ہو گیا سونا اچھالتے چلے جاؤ کوئی نہیں پوچھتا۔ دیکھو کتنی گناہوں میں کمی آگئی یہ ایک بڑی دلیل ہے حقیقت عیسائی مذہب کی۔

نجات گناہوں سے بچنے میں۔ پنڈت جی کی تقریر

بعد اس کے پنڈت دیانند سرسّتی صاحب کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی ایک تقریر طویل بیان فرمائی خلاصہ اس تقریر کا بعض ان صاحبوں کے بیان کے موافق جو کسی قدر ان کی زبان سمجھتے تھے یہ ہے کہ مکتب یعنی نجات اس میں ہے کہ آدمی گناہوں سے بچے اور نیک کام کرے۔

الوہیت عیسیٰ کا دعویٰ غلط ہے

اور پادری صاحب نے جو یہ بیان کیا کہ خدا تعالیٰ مجسم ہو کر آیا خلائق کے گناہوں کا کفارہ ہوا سراسر غلط ہے یہ کیوں

[1] یہ اشارہ پنڈت دیانند سرستی کی طرف تھا وہ بہت لمبے چوڑے موٹے تازے آدمی تھے

کہ ہو سکتا ہے کہ وہ ذات پاک جس کی کوئی حدود نہایت نہیں وہ ایک مٹھی میں آجاوے

عیسائی مذہب میں نجات نہیں ایک دلچسپ دلیل	اور پادری صاحب جو اپنے مذہب کو گناہوں سے نجات کا سبب سمجھتے ہیں تو یہ صاف بے اصل

بات ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صاف حکم ہوا تھا کہ مکان مقدس میں جوتا اتار کر آؤ۔ ہمارے پادری صاحب برعکس اس کے جوتے کی جگہ ٹوپی اتارتے ہیں اور جوتا پہنے رہتے ہیں۔ اور بہت باتیں برخلاف حکم خدا کے کرتے ہیں اور ان کو سمجھتے ہیں پس ایسے مذہب میں نجات[2] کسی طرح نہیں ہو سکتی۔

حضرت نانوتوی کی تقریر

بعد اس کے مولوی محمد قاسم صاحب کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا کہ:

نجات کسے کہتے ہیں اور وہ کیسے ہو سکتی ہے؟	نجات قہر الٰہی اور عذاب الٰہی سے بچ جانے کو کہتے ہیں۔ مگر طریق حصول نجات بجز احتراز معصیت وگناہ

اور کچھ نہیں اس لئے یہ بات گناہ کے دریافت کرنے پر موقوف ہے۔ پادری صاحب و پنڈت صاحب نے تو یہ فرمایا کہ نجات گناہوں سے بچنے کو کہتے ہیں یا نجات گناہوں سے بچنے میں ہے۔ مگر یہ نہ فرمایا کہ گناہ کس کو کہتے ہیں

گناہ کسے کہتے ہیں؟	گناہ کی دو چار مثالیں اور دو چار قسمیں تو مثل زنا و چوری وغیرہ بیان پر اس کی تعریف کچھ بیان نہ فرمائی سو ہم اول تعریف

گناہ بیان کرتے ہیں سنئے۔ گناہ خلاف مرضی الٰہی کو کہتے ہیں۔ اور اطاعت موافق مرضی الٰہی کا نام ہے

خدا کی مرضی اور غیر مرضی محض عقل سے معلوم نہیں ہو سکتی	مگر کل ہم عرض کر چکے ہیں کہ مرضی غیر مرضی کی اطلاع بے ہمارے بتلائے کسی کو معلوم نہیں

[1] مراد یہ تھی کہ مجسم و محدود نہیں ہو سکتا ۱۲

[2] یعنی نجات مبحوث عنہ یعنی جس نجات کا ذکر ہو رہا ہے ۱۲ منہ

ہو سکتی۔ اگر سینہ سے سینہ ملا دیں بلکہ دل کو چیر کر دکھلا دیں تب بھی دل کی بات نظر نہ آئے جب تک زبان نہ ہلائیے یا اشارہ سے اطلاع نہ فرمائیے تب تک مرضی غیر مرضی کی اطلاع دوسروں کو ممکن نہیں باوجود کثافت اور اس ظہور کے کہ ہم جسمانی ہیں یہ حال ہے تو خداوند عالم تو کمال ہی درجہ[1] لطیف ہے اس کے دل کی بات بے اس کے بتلائے کسی کو کیونکر معلوم ہو سکتی ہے۔ عقل نارسا کو اتنی رسائی کہاں کہ اس کے مافی الضمیر تک پہنچے عقل سے ہو سکتا ہے تو یا تناہی ہو سکتا ہے کہ کسی بات کا حسن و قبح کسی قدر معلوم کر لے سو یہ بات بھی اول تو ہر بات میں متصور نہیں جو عقل ہی کے بھروسے بیٹھ رہے۔ دوسرے خداوند گو علیم و حکیم ہے اور اس وجہ سے یہ اعتقاد ہے کہ نہ وہ اچھی بات سے منع فرمائے نہ بری بات کا ارشاد فرمائے لیکن تاہم خدا ہے بندہ نہیں حاکم ہے محکوم نہیں عقل کا مطیع نہیں عقل اس کی مطیع[2] ہے اس لئے اگر بالفرض وہ زنا کو حلال اور طاعت کو حرام کر دے تو بیشک زنا طاعت اور طاعت گناہ ہو جائے بقول شخصے ؎

گر طمع خواہد ز من سلطان دین
خاک بر فرق قناعت بعد ازین

خدا کی مرضی اور ناراضگی معلوم کرنے کیلئے انبیاء کرام کی ضرورت

اس لئے بندہ کے ذمہ یہ ضرور ہے کہ مرضی غیر مرضی کے دریافت کرنے میں اسی کی طرف نظر رہے اپنی عقل نارسا کو اس قصہ سے علیحدہ رکھے۔ مگر ہم عرض کر چکے ہیں کہ بادشاہان دنیا اس تھوڑی سی نخوت پر اپنا مافی الضمیر ہر کسی سے کہتے

---

[1] یہی وجہ ہے کہ باوجود اس احاطہ کے کہ خداوند عالم تمام عالم کو محیط ہے آج تک کسی نے اس کو نہ دیکھا حالانکہ احاطہ وجود ہے جو اسی کا فیض ہے یہ بات عیاں ہے کہ جیسے دھوپ اور آفتاب کے میان کوئی حجاب نہیں ایسا ہی وجود عالم اور خداوند عالم کے بیچ میں کوئی پردہ نہیں اور وجود عالم اور عالم میں کوئی حجاب نہیں کیونکہ یہ سب میں پہلی صفت ہے اس پر بھی نظر نہ آئے تو بجز لطافت اور کیا کہا جائے ۱۲۔ [2] چنانچہ سب کی عقل اس بات پر شاہد ہے کہ خداوند عالم جو کچھ فرمائے اگرچہ وہ بات بری ہی کیوں نہ ہو اس کی ہی تعمیل کرنی چاہیئے ۱۲ منہ

نہیں پھرتے خداوند عالم اس تکبر اور بے نیازی پر جس پر اس کی خدائی خود دلالت کرتی ہے کیونکر اپنے دل کی بات ہر کسی سے کہتا پھرے گا۔ یہاں تو مخلوقیت سے لے کر انسانیت تک سب باتوں میں اشتراک خدا اور مخلوقات میں تو کسی بات میں بھی اشتراک نہیں اس لئے بادشاہان دنیا جیسے اپنے مافی الضمیر کی اطلاع اپنے مقربان خاص کے ذریعہ سے کرا دیتے ہیں ایسے ہی بلکہ بدرجہ اولیٰ خداوند عالم بھی اپنا مافی الضمیر بذریعہ مقربان خاص اوروں کو سنا دے گا انہیں مقربوں کو ہم لوگ انبیاء اور رسول کہتے ہیں۔

انبیاء کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے ان کی اتباع میں ہی نجات ہے

اس لئے انبیاء علیہم السّلام کے اتباع اور اقتداء ہی میں نجات منحصر ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں ان کی اطاعت خاص خدا کی اطاعت ہوگی اور ان کی نافرمانی خاص خدا کی نافرمانی ہوگی۔

اب نجات کیلئے محمد رسول اللہ صلی اللہ کی اتباع ہی ضروری ہے

مگر جیسے ہر ہر زمانے میں ایک جدا حاکم ہوتا ہے پہلے زمانہ میں اگر لارڈ نارتھ بروک گورنر تھے تو آج لارڈ لٹن ہیں۔ پہلے اور کلکٹر تھا اب اور کلکٹر ہے ایسے ہی ہر زمانے میں مناسب وقت ایک جدا ہی نبی ہوگا۔ جیسے آج کل لارڈ لٹن کے احکام کی تعمیل ضرور ہے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی بزرگی اور نبوت مسلم ان کا منکر ہمارے نزدیک ایسا ہی کافر ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ہمارے نزدیک کافر ہے علیٰ ہذا القیاس سری رامچندر اور سری کرشن کو بھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے پر آج کل نجات کا سامان بجز اتباع نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کچھ نہیں۔

جیسے اس زمانہ میں باوجود تقرر گورنر حال لارڈ لٹن گورنر سابق لارڈ نارتھ بروک کے احکام کی تعمیل پر اگر کوئی شخص اصرار کرے اور لارڈ لٹن کے احکام

کی تعمیل سے انکار کرے تو باوجود اس کے کہ لارڈ نارتھ بروک بھی سرکاری کی طرف سے گورنر تھا۔ اس وقت میں اصرار بے شک منجملہ بغاوت و مقابلہ سرکاری سمجھا جائے گا۔

ایسے ہی اگر کوئی شخص اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر اوروں کی اتباع کرے تو بے شک اس کا یہ اصرار اور یہ انکار از قسم بغاوت خداوندی ہوگا جس کا حاصل کفر و الحاد ہے القصہ اس وقت اتباع حضرت عیسیٰ وغیرہم ہرگز باعث نجات نہیں ہو سکتا۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پہ شہادت

ہاں حضرت عیسیٰ وغیرہم اگر خاتم الانبیاء ہوتے تو پھر بے شک نجات انہیں کے اتباع میں منحصر ہو جاتی لیکن ایسا ہوتا تو بالضرور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سد باب ضلالت کے لئے دعویٰ خاتمیت کرتے تاکہ آئندہ کو لوگ اوروں کے اتباع سے گمراہ نہ ہو جائیں انبیاء کا یہ کام نہیں کہ ایسے موقع میں چپکے بیٹھے رہیں اور آدمیوں کو گمراہ ہونے دیں۔

مگر سب جانتے ہیں کہ سوائے حضرت رسول عربی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کسی نے دعویٰ خاتمیت نہیں کیا۔ اگر کرتے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کرتے انہوں نے بجائے دعویٰ خاتمیت کے الٹا یہ فرمایا کہ میرے بعد دو جہان کا سردار آنے والا ہے جس سے بروئے انصاف آشکارا ہے کہ وہ آنے والا خاتم الانبیاء ہوگا کیونکہ تمام انبیاء اپنے زمنوں کے موافق امتیوں کے سردار

[1] علاوہ بریں بعد صدور احکام حاکم بالادست حکام ماتحت کے احکام کی اطاعت اور احکام حاکم بالادست کی نافرمانی کی برائی ہر عاقل پر روشن ہے فقط انصاف کی حاجت ہے ۱۲ منہ

[2] انصاف کی قید اس غرض سے ہے کہ عیسائی بھی لاجواب ہو کر یہی فرمانے لگتے کہ جہان کے سردار سے مراد شیطان ہے مگر اہل عقل و انصاف سمجھتے ہیں کہ یہ کتنی ناانصافی ہے اگر یہ بات ہے تو ایسی ناانصافی ان بشارتوں میں بھی چل سکتی ہے جن کو بزعم خود نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں سمجھتے ہیں ۱۲ منہ

اوران کے حاکم ہوتے ہیں اور کیوں نہ ہوں ان کی اطاعت انہوں کے ذمے منزور اس لئے جو سب کا سردار ہوگا وہ سب کا خاتم ہوگا کیونکہ وقت مرافعہ بادشاہ کا حکم سب میں آخر رہتا ہے یہ اس کی خاتمیت حکومت خاص اسی وجہ سے ہے کہ وہ سب کا سردار ہوتا ہے۔

تمام عالم کیلئے اتباع محمدی کے لازم ہونے کی دلیل

الغرض اتباع محمدی اب تمام عالم کے ذمہ لازم ہے انہوں نے دعویٰ نبوت کے ساتھ دعویٰ خاتمیت بھی کیا اور وہ معجزے دکھلائے کہ اوروں کے معجزے ان کے سامنے کچھ نسبت نہیں رکھتے چنانچہ بطور مشتے نمونہ از خروارے کل بعض معجزات کی تفصیل اور انبیاء دیگر کے معجزات پر ان کی فوقیت اور افضلیت ہم بیان بھی کر چکے ہیں۔ پھر اب ان کے اتباع میں کیا تامل ہے خاص کر قرآن شریف[1] ایک ایسا عمدہ معجزہ ہے کہ کوئی اس کے برابر نہیں ہوسکتا۔

الوہیت عیسیٰ کے مہمل عقیدہ کا ابطال

رہا ثبوت الوہیت یہ ایک ایسا مہمل عقیدہ ہے کہ کوئی عاقل تسلیم نہیں کرسکتا ہمکو عقلاء فرنگ کی عقل پر بڑا افسوس آتا ہے کہ سب کے سب ایسی موٹی غلطی میں پڑے ہوئے ہیں اوروں پر کیسے کیسے خفیف اعتراض کرتے ہیں جن کی جوابدہی کے لئے عقلاء کو تامل کی حاجت نہیں اور اپنے آپ ایسے ایسے اعتراض سر پر لئے بیٹھے ہیں جن کا جواب قیامت تک نہیں آسکتا افسوس ہزار افسوس وہ خداوند کریم جو ہر طرح سے مقدس اور ہر

---

[1] پہلے دن وعظ میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جیسے علم عمل سے افضل ہے عمل اپنے ہونے میں علم کا تابع ہے ایسے ہی معجزات علمیہ معجزات عملیہ سے بڑھ کر ہونگے اور چونکہ علم سے اوپر اور کوئی ایسی صفت نہیں علم قدرت وغیرہ صفات پر حاکم ہے یعنی سب اس کے کوئی صفت کسی کام کے ایسے ہی علم پر وہ صفت حاکم ہوا [illegible] علم خاتم صفات حاکمہ ہوگا اور اس لئے اس صفت کا اعجاز اس شخص کو دیا جائے گا جو خاتم النبیاء ہوگا یہی وجہ ہوئی کہ قرآن شریف سوا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کسی کو نہیں ملا ۱۲ منہ پھر اس پر یہ اور تماشہ ہے کہ قیامت تک باقی رہنے والا ہے اور معجزوں میں یہ بات کہاں مخالفوں کے اسکات کے نہ زباقی اگلے صفحہ پر

وجہ سے بے نیاز اور تمام عیوب اور جملہ نقصانات سے پاک ہے اس کو تو اس پیرایہ میں کہ عیسیٰ مسیح بن کر مجسم ہوا اور زمین پر آیا اور کھانے پینے بول و براز بھوک پیاس خوشی غم وغیرہ حوائج انسانی میں مبتلا ہوا کہیں سولی پر چڑھا کہیں یہودیوں کے ہاتھ میں مقید ہو کر ایلی ایلی پکارا کہیں معذب و ملعون ہو کر اوروں کے لئے کفارہ بنا کیا کیا کچھ برا بھلا کہہ دیتے ہیں۔

اگر کوئی شخص پادری صاحب کو چمار کہہ دے تو ابھی مرنے مارنے پر تیار ہو جائیں یہ کیسا ظلم صریح ہے کہ اپنے آپ کو ذرا بھی کوئی برا کہہ دے تو پھر خیر نہیں اور خداوند قدوس کو جو چاہیں کہہ لیں۔ چمار اور پادری صاحب میں کیا فرق ہے وہ مخلوق اور خدا کا محتاج تو پادری صاحب بھی مخلوق خدا اور خدا کے محتاج۔ پادری صاحب انسان تو چمار بھی انسان پادری صاحب کی دو آنکھیں تو چمار کی بھی دو آنکھیں پادری صاحب کی ایک ناک اور دو کان تو اس کی بھی ایک ناک اور دو کان ان کے دو ہاتھ تو اس کے بھی دو ہاتھ چمار کو بھوک پیاس لگتی ہے

(بقیہ حاشیہ) لئے اس سے بڑھ کر اور کونسی دلیل ہوگی اور ہر سند روایات اہل اسلام ایسی عمدہ کہ کسی مذہب ملت میں یہ بات نہیں بالجملہ جو وجہ شہرت اور انبیاء کے اتباع اپنی انبیاء کے ثبوت کی نسبت دے سکتے ہیں اس سے بہتر ہم سے لیتے جائیں روایتوں سے عمدہ معجزات اور دلائل معجزات اور دلائل سے عمدہ ۱۲

؎۲ باوجود اس شہرت و دانش کے اس غلطی کا باعث یہ ہے کہ ہمہ تن دنیا کی طرف مائل ہیں سو جیسے آنکھ سے اسی طرف دیکھ سکتے ہیں جس طرف آنکھ ہو اسی طرح عقل سے بھی اس چیز کو سمجھ سکتے ہیں جس طرف عقل متوجہ ہو اور جب نصاریٰ ہمہ تن دنیا کی طرف متوجہ ہوئے تو امور آخرت میں یوں ہی ٹھوکریں کھائیں گے کوئی تثلیث کا قائل ہے کوئی توحید و تثلیت دونوں کا منکر ہے نرا ملحد ہے آجکل انگلستان میں خصوصاً اور تمام یورپ میں عموماً الحاد کا زور شور ہے لاکھوں آدمی دہریہ ہیں اور ہوتے جاتے ہیں نہ خدا کو خدا جانتے ہیں نہ حضرت عیسیٰ کو مانتے ہیں فقط ہوا و ہوس کے پابند ہیں نہ انکے نزدیک کوئی چیز حلال ہے نہ حرام نہ کوئی مذہب ہے نہ کوئی دین ہاں پادری لوگ جن کی روٹی اسی پر ہے کہ دین عیسوی کے برائے نام منادی کرتے پھریں وہ کچھ زبانی جمع وخرچ کرتے پھرتے ہیں۔ ورنہ ان میں بھی دین وایمان کی کوئی بات نظر نہیں آتی اس پر مسلمانوں سے بھڑنا اور امید فلاح رکھنا تمام خیالی ہے بلکہ ہاتھی سے گنے کھانے ہیں۔ ۱۲ منہ

تو پادری صاحب ابھی اس میں مبتلا ہیں چمار کو بول و براز کی حاجت ہے تو پادری صاحب کو بھی یہ حاجت ستاتی ہے غرض ذاتی باتوں میں کچھ فرق نہیں دونوں یکساں ہیں اگر فرق ہے تو دولت حشمت وغیرہ خارجی باتوں میں فرق ہے اس اتحاد پر تو پادری صاحب کو یہ نخوت ہے کہ چمار کہہ دیجیئے تو تھامے نہ تھمیں۔

اور خدا تعالیٰ کو بشر کیساتھ کچھ اتحاد نہیں۔ بشر کو خدا کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں کچھ نسبت نہیں اس کا موجود خانہ زاد بشر کا وجود اسی سے مستعار۔ وہ خدا یہ بندہ اس پر خدا کو بشر کہے جائیں اور ہرگز نہ شرمائیں۔ افسوس کیا ظلم صریح کرتے ہیں اور ہرگز نہیں ڈرتے۔

عاقلان فرنگ کو کیا ہو گیا اجتماع النقیضین اور اجتماع الضدین کا بطلان ایسا نہیں جو کوئی نہ جانے پھر اس پر انسانیت اور الوہیت کے اجتماع کی تسلیم میں کچھ تامل نہیں۔ یہ تو ایسا قصہ ہے جیسا یوں کہیئے کہ ایک شئی نور بھی ہے ظلمت بھی ہے گرمی بھی ہے سردی بھی ہے موت بھی ہے حیات بھی ہے وجود بھی ہے عدم بھی ہے کیونکہ انسانیت کو مخلوقیت اور احتیاج لازم اور الوہیت کو استغنا اور خالقیت ضرور ہے یہ دونوں ضدین مجتمع ہوں تو کیونکر ہوں مگر اس پر بھی اپنی وہی مرغی کی ایک ٹانگ چلی جاتی ہے

عبودیت کا اقرار کرنے والا معبود کیونکر ہو سکتا ہے | اگر انصاف سے دیکھئے تو شیطان فرعون و نمرود و شداد وغیرہ کی نسبت کسی بے وقوف کو گمان الوہیت ہو تو اتنا بعد از عقل نہیں جتنا حضرت عیسٰی اور دیگر انبیاء کرام یا اولیاء عظام کی نسبت یہ خیال تمام دور از عقل ہے کیونکہ حضرت عیسٰی وغیرہ انبیاء اولیاء تو برابر ساری عمر اپنی عبودیت اور عاجزی کا اقرار کرتے رہے اور سجدہ اور عبادت وغیرہ اعمال بندگی جن سے انکار الوہیت مثل آفتاب نمایاں

۱؎ اس عقیدے کا بطلان تو ایسا کچھ ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا ہو گرمی سردی وغیرہ میں تو اتنا اتحاد ہے کہ دونوں ممکن اور مخلوق ہیں یہاں تو یہ بھی نہیں ۱۲ منہ۔

سے بجالاتے رہے۔

ہاں شیطان فرعون نمرود وغیرہ البتہ مدعی الوہیت ہوئے اور کبھی وہ کام نہ کیا جس سے بندگی کی بو بھی آئے ان کو اگر کوئی نادان خدا سمجھے تو خیر سمجھے پر اس شخص کو خدا سمجھنا جو خود مقر عبودیت ہو طرفہ ماجرا ہے۔

اصل اور واقعی عیسائی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار ہیں

حق یہ ہے کہ آج کل کے عیسائی حقیقت میں عیسائی نہیں واقعی عیسائی اگر ہیں تو محمدی ہیں حضرت عیسیٰ کے جو عقیدے تھے وہ محمدیوں کے عقیدے ہیں۔ وہ بھی خدا کو وحدہ لاشریک کہتے رہے اور کبھی تثلیث کا دعویٰ نہ کیا محمدی بھی یہی کہتے ہیں حضرت عیسیٰ بھی اپنے آپ کو بندہ سمجھتے رہے چنانچہ انجیل موجود ہے محمدی بھی ان کو بندہ ہی سمجھتے ہیں۔ علاوہ بریں ان کی شان میں ہرگز کسی قسم کی گستاخی نہیں کرتے نہ ان کی نسبت ملعون ہونے کے خیال کو دل میں جگہ دیتے ہیں اور نہ احتمال عذاب کو ان کی نسبت ممکن الوقوع سمجھتے ہیں بلکہ جو شخص حضرت عیسیٰ کی نسبت اس قسم کے عقیدے رکھے اس کو دشمن دین و ایمان اور بے دین اور بے ایمان سمجھتے ہیں۔ اور حضرات نصرانیوں کا یہ حال باوجود مخالفت اعتقاد یہ سب کچھ گستاخیاں بھی کئے جاتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو عیسائی کہے جاتے ہیں کبھی یہ ترقی کہ خدا بنا دیا کبھی یہ تنزل کہ عذاب پہنچا دیا اب پادری صاحب انصاف فرمائیں کہ حضرت عیسیٰؑ کا اتباع ہم کرتے ہیں یا وہ کرتے ہیں۔

بعد کو وضع ہونیوالی چیز کا نتیج وضع مقدم نہیں ہو سکتی

باقی رہا پادری صاحب کا یہ فرمانا کہ عیسائی عمل داری سے پہلے ہندوستان میں یہ لوٹ مار تھی کہ جو پردیں قزاقوں سے بچنا ایک امر محال تھا اور جب سے عیسائی عمل داری آئی تب سے یہ امن وامان ہے کہ سونا اچھالتے چلے جاؤ کوئی شخص یہ نہیں پوچھتا تم کون ہو اس ارشاد سے مجھکو کمال درجہ حیرت ہے اگر یہ بات اور کوئی صاحب فرماتے تو فرماتے پادری اسکاٹ صاحب کی معقول

دانی پر یہ استدلال کہاں تعجب انگیز ہے میں نے تو جب سے یہ سنا تھا کہ پادری صاحب معقول ہی کا ماہر ہیں صلہ تصنیف رسالہ منطق میں سرکار سے پانسو روپیہ انعام پاچکے ہیں یوں منتظر تھا کہ دیکھئے کیا کچھ ہوں گے۔ مگر انہوں نے یہ ایسی بات کہی کہ کوئی معقول دان ایسی بات نہ کہے کیا پادری نے کتب منطق میں یہ نہیں دیکھا کہ استدلال بانی ناتمام ہوتا ہے و منع تالی نتیج و منع مقدم نہیں ہوتی آثار سے موثر پہ استدلال نہیں ہو سکتا پتھر کو گرم پائیں تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ آگ ہی سے گرم ہوا ہے یہ بھی تو احتمال ہے کہ آفتاب سے گرم ہو گیا ہو الغرض اثر کیجانب عموم کا احتمال ہوتا ہے اس لئے اس کے وسیلہ سے کسی خاص موثر پہ استدلال نہیں ہو سکتا۔

اسناد امکان کا قیام دلیل سچائی مذہب ہے تو اسلام ہی سچا مذہب ہے

پھر پادری صاحب نے یہ کیونکر کہہ دیا کہ یہ امن وامان عیسائی عملداری ہی کی برکت ہے نہیں اس امن وامان کی علت بجز پاس ملک آرزوے ترقی تجارت اور کچھ نہیں مذہب سے اس بات کو کچھ علاقہ نہیں ادھر ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے خلفاء کے زمانہ میں وہ امن وامان تھا کہ کبھی نہ ہوا نہ ہوگا اگر یہی بات دلیل حقانیت مذہب ہے تو دین محمدی بدرجہ اولیٰ حق ہوگا

توراۃ وانجیل میں جن گناہوں سے منع کیا گیا ہے عیسائی سب کرتے ہیں

علاوہ بریں کچھ گناہ اس چوری اور قزاقی ہی میں منحصر نہیں جو یہ خیال ہو کہ ببرکت دین عیسوی گناہوں سے نجات میسر آگئی انجیل و توراۃ میں خنزیر کی حرمت موجود ہے ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ اہل اسلام میں سے کوئی شخص سور کا گوشت نہیں کھاتا جو اس جرم کا الزام اس کے سر پہ آئے اور نصرانیوں میں شاید ایسا کوئی ہو جو اس گناہ سے بچا ہوا ہو۔

توراۃ وانجیل میں شراب کی ممانعت موجود ہے اور ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ اہل اسلام میں بہت کم اس بلا میں مبتلا ہوں گے اور نصرانیوں میں بہت کم

آدمی اس بلا سے بچے ہوئے ہوں گے علیٰ ہٰذا القیاس سرکاری عملداری میں زنا کی جس قدر کثرت ہوئی ہے اس قدر کبھی نہ ہوئی ہوگی جس پر تماس لندن اور انگلستان کا حال تو پوچھئے ہی نہیں۔

کیا پادری صاحبوں کو لندن کے اخباروں کی اب تک خبر نہیں کہ وہ کیا لکھتے ہیں ہر روز کئی سو بچے ولد الزنا پیدا ہوتے ہیں اور صبح کو راستوں پر پڑے ہوئے ملتے ہیں یہ باتیں گناہ نہیں تو اور کیا ہے۔؟

علیٰ ہٰذا القیاس اور بہت سی ایسی باتیں ہیں جو از روئے توریت و انجیل ممنوع ہیں اور نصرانیوں میں مروج ہیں پھر کیونکر کہہ دیجئے کہ برکت دین عیسوی ہندوستان سے چوری قزاقی اس لئے موقوف ہوگئی کہ اس دین کا اثر ہی ہے کہ گناہوں سے آدمی محترز ہو جائے۔

اس تقریر میں وقت مقررہ ختم ہوگیا اس لئے مولوی صاحب تو بیٹھے۔

پادری محی الدین کی طرف سے حضرت نانوتوی کے رویہ کی شکایت

اور پادری محی الدین پشاوری کھڑے ہوئے اول تو مولوی صاحب کی طرف مخاطب ہوکر یہ فرمایا کہ آپ نے کل بھی بعض کلمات سخت کہے تھے اور آج بھی آپ نے بعض کلمات سخت بیان کئے۔ مطلب یہ تھا کہ پہلے دن تو مولوی صاحب نے الحاقات انجیل کو وقت اثبات تحریف بول و براز سے تشبیہ اور اس وقت پادری صاحب کو بیمار سے تشبیہ دی گئی اس پر غالباً مولوی صاحب نے اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے یہ فرمایا کہ یہ گستاخی نہیں مثال فرضی میں[2] گستاخی نہیں ہوتی۔ خیر یہ تو اوپر کی بات تھی۔

---

[1] اور کیوں نہ ہو عورتوں کو فعل مختاری کا پروانہ زنا پر کوئی سزا نہیں اور سب عملداریوں میں اس جرم کی روک ٹوک ہی ہے ۱۲ منہ

[2] علاوہ بریں غرض اصلی تو مولوی صاحب کی یہ تھی کہ اس قسم کی باتیں موجب رنج ہوتی ہیں اس لئے خدا کی نسبت بدرجہ اولیٰ ان باتوں کا کہنا ممنوع ہوگا سو پادری صاحب نے فرضی طور پر کہنے کی جب شکایت کی تو یوں کہو کہ اعتراض مذکور کو تسلیم کرلیا اور الزام اپنے سر لے لیا۔ منہ

الوہیت عیسٰی پر ایک فرضی روایت کا سہارا	پادری صاحب نے شکایت گستاخی کے بعد بلکہ اس گستاخی کی پاداش میں کسی قدر تیز وتند بپین بجبین ہو کر

اور یہ فرمایا کہ ہم تمہارے سن وسال کا لحاظ کرتے ہیں یہ فرمایا کہ آپ جو حضرت عیسٰی کی الوہیت پر اعتراض کرتے ہیں دیکھئے تمہاری ہی کتاب روضۃ الانبیاء میں جس کے مصنف کا نام ریاض الدین رومی ہے اور وہ کتاب اہل اسلام کے نزدیک معتبر ہے حضرت عیسٰی کی الوہیت کو خوب ثابت کیا ہے۔

اور یہ کہہ کر ایک عبارت عربی بے سروپا الفاظ صحیح نہ اعراب ٹھیک نہ کلمات میں ربط بنام نہاد حدیث بیان کی ہر چند وہ عبارت بجنسہٖ یاد نہیں رہی پر اتنی بات یاد ہے کہ اول انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ عین کے پیش اور رے کی تنوین کے ساتھ کہہ کے واقفان عربیہ کو ہنسا کر ایک عبارت پڑھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

حضرت عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے ایک شخص سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ سوائے خدا کسی کو سجدہ نہ کرنا چاہیئے مگر حضرت آدم اور حضرت عیسٰی کو لوگوں نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ آپ نے فرمایا کہ حضرت آدم میں شان الوہیت تھی یہی وجہ تھی کہ فرشتوں نے ان کو سجدہ کیا اور حضرت عیسٰی کی شان میں اللہ جل شانہ فرماتا ہے

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عیسٰی میں بھی شان الوہیت ہے اس لئے ان کو سجدہ کرنا چاہیئے اور اگر میں ان کے سامنے ہوتا تو ان کو سجدہ کرتا۔

عیسٰی انسان کامل اور معبود کامل دونوں تھے	غرض اس قسم کے کلام بے سروپا بیان فرما کے یہ فرمایا کہ ہم حضرت عیسٰی کو انسان کامل اور معبود کامل۔

دونوں کہتے ہیں اور ساں ہیں دونوں وصف انسانیت اور الوہیت پورے پورے ہمارے عقیدہ کے موافق موجود ہیں۔ اوصاف قدوسیت اور بے نیازی جو جہت الوہیت سے ان میں موجود تھی اور حاجت بول وبراز بھوک پیاس وغیرہ منافیات قدوسیت وغیرہ جہت انسانیت سے ان میں موجود تھی یہ اوصاف منافیت قدوسیت ان میں جہت انسانیت سے تھے نہ جہت الوہیت سے۔

اور حاضران جلسہ میں سے ایک صاحب کا یہ بھی بیان ہے کہ یہ بات انہیں پادری صاحب نے اس وقت فرمائی تھی کہ حضرت عیسیٰ کی الوہیت کی ایسی مثال ہے جیسے لوہے کو آگ میں گرم کر لیجئے تو وہ بھی ایک آگ ہی بنجاتا ہے مگر راقم الحروف کو یہ یاد نہیں آتا کہ یہ بات کس نے کہی تھی مگر ہرچہ باد ا باد پادری صاحب تو زور مار کر بیٹھے اور۔

حضرت نانوتوی کی طرف سے پادری محی الدین کی موضوع روایت کا جواب

مولوی محمد قاسم صاحب کھڑے ہوئے اول تو یہ فرمایا کہ وہ ریاض الدین رومی بھی ایسے ہی ہوں گے جیسے آپ محی الدین پشاوری ہیں آپ کی شکل وصورت بھی مسلمانوں ہی کی سی ہے نچی ڈاڑھی کرتہ پہنے ہوئے ہیں نام بھی مسلمانوں ہی کا سا ہے آپ کو بھی کوئی دیکھے اور نام سنے تو مسلمان ہی سمجھے وہ بھی ایسے ہی ہوں گے یہ بات پادری صاحب پر ایسی بھی کہ دیکھنے والے ہی جانتے ہیں اس وقت پادری صاحب کو خلاف توقع شرمانا ہی پڑا۔ پھر مولوی صاحب نے یہ فرمایا کہ اہل اسلام اس کتاب اور اس مصنف کو جانتے بھی نہیں۔ قرآن شریف کی آیت یا صحاح ستہ وغیرہ کی روایت ہوتی تو البتہ موقع بھی تھا یہ کتنی ناانصافی ہے کہ اپنی طرف سے ایک روایت بنالی اور اس پر اہل اسلام سے مقابلہ کو آموجود ہوئے۔ اگر یہی انداز ہے کہ کسی کے بزرگوں کے نام کوئی عبارت یا روایت لگالی اور مقابلہ کو آپہنچے تو پھر اہل اسلام کو بھی گنجائش ہے۔ یہاں آکر اس روایت کو پادری صاحب رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر کے حضرت عیسٰی کی الوہیت ثابت کرتے ہیں تو ہم بدرستاویز انجیل برنباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت ثابت کریں گے۔

انجیل برنباس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت کی بشارت

انجیل برنباس میں صاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت موجود ہے غرض اگر روایت مشار الیہ سے حضرت عیسٰی کی الوہیت ثابت ہوتی ہے تو انجیل برنباس کی آیت بشارت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت ثابت ہوتی پھر کیا انصاف ہے کہ ہم پر تو ایسی روایات سے الزام لگانے کو تیار ہیں اور آپ انجیل برنباس[1] کی آیت کو نہ مانیں علاوہ بریں یہ عبارت ہی خود اس بات پہ دلالت کرتی ہے کہ یہ روایت جعلی ہے نہ الفاظ صحیح ہیں نہ اور کوئی بات ٹھکانے کی ہے اہل زبان کا یہ کام نہیں کہ ایسی مہمل عبارت ناکارہ منہ سے نکالیں اس کے موضوع ہونے میں کچھ شک وشبہ نہیں۔

اسلام کے عقاید قرآن شریف اور صحاح کی احادیث سے ہی ثابت ہو سکتے ہیں

ہم کو الزام دینا منظور ہے تو ہماری کتب معتبرہ سے دینا چاہیئے۔ قرآن شریف کی آیت لائیے یا صحاح ستہ وغیرہ کتب معتبرہ مشہورہ احادیث کی روایت دکھلائیے ہماری تمام کتب مشہورہ میں سجدۂ غیر کی ممانعت

---

[1] منجملہ حواریان عیسٰیؑ ایک حضرت برنباس بھی ہیں ایک انجیل ان کی طرف بھی منسوب ہے جیسے اناجیل مشہورہ حضرت یوحنا وغیرہم کی طرف منسوب ہیں اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت موجود ہے نصرانی اس قسم کی باتوں کے لحاظ سے اس کو جعلی بتلاتے ہیں حالانکہ قدیمی انجیل اور مشہور کتاب ہے۔ اور روضۃ الانبیاء کو تو اہل اسلام میں سے کوئی جانتا بھی نہیں بلکہ اس روز سے پہلے کبھی اہل اسلام کے کان میں یہ روایت پڑی ہی نہیں تھی ۱۲ منہ

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بندہ ہونے کا دعویٰ ایسا کھلا کھلا بکثرت لکھا ہے کہ سب جانتے ہیں کوئی مذہب ایسا نہیں کہ اہل اسلام کے اس اعتقاد اور ان کی تمام کتب کی شہادت اس اعتقاد پر نہ جانتا ہو غرض قرآن شریف اور تمام کتب احادیث جو ماخذ اعتقاد اہل اسلام ہیں حضرت عیسیٰ کے بندے ہونے اور نہ ہونے سے مالامال ہیں پھر کس منہ سے پادری صاحب نے اس روایت کو پیش کیا اپنے گھر کی خبر نہیں کہ انجیل برنباس کیا کہتی ہے۔

حضرت عیسیٰ کا بیک وقت انسان کامل اور معبود کامل ہونا انتہائی مہمل اور نامعقول ہے	باقی یہ جو پادری صاحب نے ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ مجمع الجہتین ہیں انسان کامل بھی ہے اور معبود کامل بھی جہت انسانیت سے

اکل و شرب مرض و موت بول و براز ان کو لاحق تھے اور بے نیازی و قدوسیت وغیرہ جہت الوہیت سے ان کو حاصل تھی سو یہ ایک ایسی مہمل بات ہے کہ کوئی عاقل اس کو قبول نہیں کر سکتا جیسے باپ بیٹا اور بیٹا باپ نہیں ہو سکتا ایسے ہی بندہ خدا اور خدا بندہ عابد معبود اور معبود عابد نہیں ہو سکتا وہ محال ہے تو یہ بھی سب ہے اور اگر بفرض محال یہ احتمال تسلیم بھی کیا جائے۔ خدائی اور بندگی دونوں حضرت عیسیٰ میں مجتمع مان لیجاویں تو بایں لحاظ کہ اس صورت میں الہ اور انسان ایک ذات واحد عیسوی ہوگی۔

عیسیٰ کا مجمع الجہتین ہونا انسانیت کے تمام عیوب و نقصانات کو خدا میں ثابت کرتا ہے	اور یہ دونوں حسب زعم نصاریٰ ان میں حقیقی ہوں گے تو انسانیت کے عیوب اور نقصانات سب کے سب

جہت الوہیت کو لاحق ہوں گے اور ایسی صورت ہو جائے گی۔ جیسے کرتہ انگر کھہ وغیرہ بھی ہوتا ہے اور کپڑا بھی ہوتا ہے انگر کھہ وغیرہ اگر ناپاک ہو جائے تو کپڑا بھی ناپاک ہو جاتا ہے اور کپڑا اگر ناپاک ہو جائے تو انگر کھہ وغیرہ بھی ناپاک ہو جاتا ہے غرض اگر ایک ناپاک ہو جاتا ہے تو دوسرا بھی ساتھ ہی

ناپاک ہو جاتا ہے۔ وہ ہرگز پاک نہیں رہ سکتا۔ اگر اسی طرح بالفرض والتقدیر الوہیت اور انسانیت ذات عیسوی میں مجتمع ہو جائیں تو عیوب انسانیت خواہ مخواہ الوہیت کو لاحق ہوں گے۔ وہ ان عیوب سے منزہ نہیں رہ سکتے۔

عیسائی پادری نے خود تثلیث سے انکار کر دیا!

یہاں تک تو ان باتوں کے جواب ہیں جنکو ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ پادری محی الدینؒ نے بیان کی تھیں رہی وہ بات جس میں ہم کو شک ہے کہ قائل اس کا کون تھا یعنی یہ بات کہ حضرت عیسیٰ کی الوہیت کی صورت ایسی ہے جیسے لوہے کو آگ میں تھوڑی دیر ڈالے رکھتے ہیں تو وہ بھی آگ بنجاتا ہے اس بات کے جواب میں خواہ پادری محی الدین کی کہی ہوئی ہو خواہ کسی اور کی غالباً مولوی صاحب نے یہ فرمایا تھا کہ اس مثال سے صاف یہ بات عیاں ہے کہ خدا ایک ہے متعدد نہیں اور حضرت عیسیٰ بندہ ہیں خدا نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ لوہا دیکھنے میں ظاہر پرستوں کو ہمرنگ آتش نظر آتا ہے پر حقیقت میں اس وقت بھی وہ لوہا لوہا ہی رہتا ہے آگ نہیں ہو جاتا ہے فقط پرتو آتش سے اس کا رنگ بدل جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ آگ سے علیحدہ کر لیجئے تو پھر وہ لوہا اپنی حالت پہ آجاتا ہے۔ اگر واقعی آگ ہو جایا کرتا اور انگاروں کی طرح ساتھ رہتا یا علیحدہ ہوتا تو دونوں حالتوں میں یکساں رہتا اور شاید اسی اعتراض کے وقت بمجرد سننے کے مولوی صاحب نے کرسی سے کھڑے ہو کر یہ کہدیا کہ دیکھئے پادری صاحب اس وقت تثلیث سے انکار کرتے ہیں۔ اور میں جانتا ہوں کہ وجہ اس کی یہی تھی جو اوپر مذکور ہوئی۔

لہ یہ آخری ذکر پادری صاحب کا ہے اس لئے ان کی آخری کیفیت بھی عرض کرنی لازم ہے اس وقت تک تو پادری صاحب پادری تھے مگر انجام کار توفیق یزدانی رفیق ہوئی تقریباً ایک سال کے بعد اس واقعہ سے پادری صاحب مسلمان ہو گئے جس کے باعث اب ان کو محی الدین کہنا چاہیئے۔ ۱۲ منہ

عیسائی پادری لاجواب ہو گئے۔ اس کے بعد مولوی صاحب بیٹھے پر کسی پادری صاحب کو یہ حوصلہ نہ ہوا کہ ان اعتراضوں کا جواب دیتا یا ان جوابوں پہ نقض کرتا جو مولوی صاحب سے سنے تھے ہاں اتنا ہوا کہ پادری نولس صاحب کھڑے ہوئے اور دیر تک سپلا سپلا کر اپنے مذہب کے فضائل بے دلیل بیان کرتے رہے یا وہی پہلے ہی مضمون کا اعادہ کرتے رہے بلکہ الفاظ کا پھیر تھا ورنہ اسی تقریر اول کا اعادہ تھا کوئی نئی بات بھی نہ کہی۔ چہ جائیکہ اعتراضوں کا جواب دیتے غرض پھر کوئی ایسی بات کسی نے نہ کہی جو سننے سنانے کے قابل ہو بجز سمع خراشی اور کچھ نہ تھا البتہ قابل بیان باتیں اور بھی تھیں جن کا وقت اور موقع یاد نہیں رہا فقط وہ باتیں یاد رہ گئی ہیں۔

ہندوؤں کی طرف سے شیطان کے وجود پہ اعتراض اور عیسائیوں کا ادھورا جواب ایک تو یہ کہ کسی موقع میں پادریوں کی طرف سے صبح کے جلسہ میں یا تیسرے پہر کے جلسہ میں کسی نصرانی نے اتفاقاً شیطان کا ذکر کیا تھا اور غالباً غرض یہ ہوگی کہ گناہ کا باعث شیطان ہے اس پہ پنڈت صاحب نے یہ فرمایا تھا کہ دنیا کے بادشاہ بھی تو اتنا انتظام کر لیتے ہیں کہ اگر ان کے ملک میں کوئی لٹیرا یا قزاق کھڑا ہو جاتا ہے تو اس کو گرفتار کرا لیتے ہیں اور قتل کرا دیتے ہیں اور یہ تو کوئی بادشاہ بھی نہیں کرتا کہ اپنے ملک میں ڈاکو اور قزاق اپنی طرف سے چھوڑ دے کیا خدا کی طرف یہ گمان ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے ملک میں دین کا قزاق چھوڑ دے اور اس کو اسی کام پہ مقرر کر دے اس کو تو یہ مناسب تھا کہ اگر بالفرض والتقدیر ایسا ہوتا بھی تو اس کو گرفتار کرا لیتا نہ یہ کہ الٹا اپنی طرف سے اس کام کے لئے اس کو مقرر کرتا۔

اس کے بعد پادری نولس صاحب نے یہ فرمایا تھا کہ اگر پنڈت جی شیطان کا انکار کرتے ہیں تو یوں کہو کہ یہ سب برائی خدا تعالیٰ کرتا ہے کیونکہ اس صورت میں کم سے کم اتنا تو کہنا پڑے گا کہ ایسے بُرے آدمی خدا نے پیدا کئے جن سے بُرے

کام ظہور میں آئے۔ غرض اگر شیطان کو نہ مانا جائے اور برائی کو آدمیوں کے حق میں ذاتی کہی جائے تو یہ برائی دور تک پہنچے گی کیونکہ اس وقت برائیوں کا خالق خدا کو کہنا پڑے گا

ہندوؤں کا جنت کے وجود پر اعتراض

دوسرے ایک اور بات بھی ایسی ہی ہے کہ اس کا موقع یاد نہ رہا جس کی وجہ سے اس کے لکھنے کا اتفاق سوا اور حقیقت میں لکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ پادریوں میں سے کسی نہ کسی بات کے بیان میں کہیں جنت کا ذکر آیا تھا اس پر پنڈت صاحب نے یہ فرمایا تھا کوئی بتلائے تو جنت کہاں ہے اس پر مولوی محمد قاسم صاحب نے اپنی جائے پر بیٹھے ہوئے یہ فرمایا کہ پنڈت صاحب ہم کو اگر وقت تقریر دیا جائے گا تو ہم انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو بتلا دیں گے مگر اس کے بعد پھر وقت ہی نہ ملا بلکہ پادری نولس صاحب کے خاموش ہونے کے بعد مولوی محمد قاسم صاحب کھڑے ہوئے تو پادریوں نے ایسی ہٹ دھرمی کی جس کا کوئی ٹھکانا نہیں۔

عیسائیوں کا مباحثہ سے فرار!

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہنوز چار بجنے میں بھی کسی قدر دیر تھی اور بایں وجہ کہ شروع جلسہ میں آدھ گھنٹہ اس تکرار میں ضائع ہو گیا تھا کہ اس وقت کون سے سوال پر بحث ہونی چاہیئے یہ ٹھیر گئی تھی کہ آدھ گھنٹہ چار کے بعد بڑھا دیا جائے اور اہل اسلام نے بھی یہ کہہ لیا تھا کہ خیر آج ہم ساڑھے چار بجے ہی نماز پڑھ لیں گے، ابھی آدھ گھنٹے کی اور گنجائش تھی مگر اس پر بھی پادری لوگ کھڑے ہو گئے اور یہ کہا جلسہ کا وقت ختم ہو گیا، مولوی صاحب اور موتی میاں صاحب اور نیز اہل اسلام نے ہر چند اصرار کیا کہ زیادہ نہیں دو چار منٹ جو چار بجنے میں باقی ہیں انہیں میں ہم کچھ کہہ لیں گے مگر پادری صاحبوں نے ایک نہ سنی اہل اسلام کا غلبہ یوں تو تقریرات گذشتہ سے ثابت ہی تھا پر یہ انکار و اصرار ان کے غلبہ

اور عیسائیوں کی شکست کے لئے ایسا ہوگیا جیسا غنیم کا میدان سے بھاگ جانا ہوا کرتا ہے پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ اس سراسیگی اور پریشانی میں جو رنج پنہانی کے باعث پادریوں کو لاحق تھی پادری لوگ اپنی بعض کتابیں بھی دہیں چھوڑ گئے ان کے اٹھانے کے بھی ہوش نہ رہے۔

القصہ اس وقت پادریوں کو بجز اس بات کے اور کوئی بات اپنی دامن گذاری کے لئے سمجھ میں نہ آئی۔ اور پادریوں کا یہ کھڑا ہو جانا اس وقت ہندؤں کے لئے غالباً غنیمت معلوم ہوا وہ بھی ان کے ساتھ ہو لیئے پر یہ بات عام و خاص نگاہوں میں اہل اسلام کے غلبہ پر اور بھی دلیل کامل ہوگئی مگر جب مولوی صاحب نے یہ دیکھا کہ حضرات عیسائی صاحبان نہیں مانتے تو مولوی صاحب نے یہ فرمایا کہ اچھا آپ نہ سنئے ہم اپنی طرف سے بیان کئے دیتے ہیں۔ مگر پادری صاحبوں نے بغرض برہمی جلسہ شور کرنا شروع کر دیا ایک طرف تو ایک صاحب انجیل لے کر کھڑے ہو گئے اور ایک طرف کچھ انکار اور اصرار کا شور غل اٹھا یئے۔

جلسہ کی برہمی کے بعد حضرت نانوتوی کی تقریر سننے کے لئے لوگوں کا دوبارہ اجتماع۔

اس وقت تو مولوی صاحب باین خیال کہ ناحق نماز عصر میں دیر ہوتی ہے نماز کے لئے تشریف لے گئے اور پھر نماز سے فارغ ہوتے ہی اس موقع پر پہنچ کر اس چوکی پر جس پر گفتگو کرنے والے کھڑے ہوا کرتے تھے کھڑے ہوئے یہ دیکھتے ہی اطراف و جوانب سے لوگ آ پہنچے۔

مولوی صاحب نے اول یہ فرمایا کہ ہم نے ہر چند چاہا کہ پادری صاحب ہماری ایک دو بات سن لیں پر چونکہ اہل اسلام سے عہدہ برائی کی امید نظر نہ آتی تو انجام کار یہ کام کیا اور بعد اس کے اس قسم کی باتیں فرمائیں کہ اہل جلسہ کو یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ اہل اسلام کے اعتراضوں کا کسی نے جواب نہ دیا اور اسلام نے سب کے اعتراضوں کا جواب ایسا دیا کہ پھر کسی کو جواب نہ آیا۔ اور پھر کچھ ایسا کہا کہ اب بر سبیل انصاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت ثابت

ہوگئی اور پھر کسی شخص کو یہ دسئے انصاف کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ اور اسی ضمن میں پادری صاحب کی اس تقریر کا جواب دیا جو انہوں نے اعادہ کر کے بیان کی تھی مگر چونکہ ان جوابوں کے مضمون بھی قریب قریب انہیں جوابوں کے تھے جو مولوی صاحب اول دے چکے تھے اس لئے ان کے لکھنے میں بجز تطویل اور کچھ چنداں حاصل نہیں۔

پادریوں کی گھبراہٹ کا عجیب عالم! | مگر ہاں پادری لوگ گھبراہٹ میں جو دو کتابیں چھوڑ کر چلے گئے تھے جس وقت مولوی صاحب نے بعد نماز پھر کچھ بیان کرنا شروع کیا تو اس وقت پادری جان ٹامس گھبرائے ہوئے آئے اور یہ کہا کہ ہماری وہ کتابیں رہ گئیں۔ حاضران جلسہ نے کہا پادری صاحب ایسے کیوں گھبرا گئے تھے کہ کتابیں بھی چھوڑ گئے۔

ہندوؤں کی حضرت نانوتوی سے عقیدت | الغرض مولوی صاحب بعد انفراغ وہاں سے چلے اور لوگوں کا یہ حال تھا کہ کوئی واہ واہ کہتا جاتا تھا کوئی سلام کرتا تھا راقم الحروف نے دیکھا کہ اس وقت بعض ہندوؤں نے یہ کہا کہ واہ مولوی صاحب۔ اور بعض ہندو آتے تھے اور مولوی صاحب کو سلام کرتے تھے بالجملہ اہل اسلام کا غلبہ اس وقت سب کے نزدیک آشکارا تھا۔

شرکاء مباحثہ کی روانگی۔ | اس کے بعد دیکھا کہ پادریوں نے چلنے کی تیاری کر دی اور وعدۂ وعظ جو چاسیے پر ٹھیرا تھا وفا نہ کیا ادھر پنڈت صاحب اور منشی اندرمن صاحب چاندا پور کو چل دیئے اس لئے بمجبوری اہل اسلام نے بھی قصد روانگی کیا۔ کیونکہ ٹھیرنے کی ضرورت نہ رہی ادھر جنگل میں ہر قسم کی تکلیف تھی بارش اولوں وغیرہ کا اندیشہ تھا پھر کس لئے وہاں رہ کر تکلیف اٹھاتے کچھ دن رہے وہاں سے روانہ ہوئے اور حسب خواہش مولوی محمد طاہر صاحب ان کے مکان پہ فروکش ہوئے مگر وہ ان کی مہمان نوازی اور دلجوئی اس وقت آنکھوں میں پھرتی ہے

حضرت نانوتوی کے بارے میں منصف شاہجہانپور کا تاثر۔

صبح کو مولوی محمد علی صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب پاس پاس بیٹھے ہوئے تھے جو ایک صاحب تشریف لائے گو نام ان کا راقم کو معلوم نہیں پر اہل اسلام ہی سے تھے اور کیفیت ملاقات سے یوں معلوم ہوا کہ مولوی محمد علی صاحب سے کسی قسم کا سابقہ اور رابطہ تھا چونکہ چاندا پور کے میلے ہی کا افسانہ ہو رہا تھا تو انہوں نے بھی فرمایا کہ منصف صاحب فرماتے تھے اول روز میں بھی اس وقت پہنچ گیا تھا جس وقت مولوی محمد قاسم صاحب نبوت کے متعلق تقریر کر رہے تھے وہ تقریر مجھ کو نہایت ہی درجہ پسند آئی اس کے بعد مولوی صاحب نے پادری صاحب کو تو ایسا ذلیل کیا کہ غیرت ہو تو منہ نہ دکھائیں۔ اور مجھ کو بڑا تعجب آتا ہے کہ مولوی صاحب کی اور میری ملاقات کبھی نہیں ہوئی پھر نہ معلوم انہوں نے کس طرح مجھ کو پہچان لیا جو بار بار میری طرف اشارہ کر کے یوں کہتے تھے کہ منصف صاحب ہی ہمارے حکم رہے۔

حضرت نانوتوی کے بارے میں پادری اسکاٹ کا تاثر

اور شاید اسی روز پادری اسکاٹ صاحب مولوی عبدالمجید صاحب کو بازار میں مل گئے مولوی صاحب کا بیان ہے کہ میں نے پادری صاحب سے کہا آپ نے وقت تقریر کوئی ایسی بات نہ کہی جو معقول ہوتی پادری صاحب نے فرمایا مجھ کو موقع نہ ملا اس کے بعد جناب مولوی محمد قاسم صاحب کی نسبت تو یہ فرمایا کہ مولوی صاحب مولوی نہیں۔ صوفی مولوی ہیں اور اس قسم کا علم اب اہل اسلام میں نہیں رہا۔ اور پھر یہ کہا کہ کوئی شخص الٰہیات میں اہل اسلام کا ہم پلہ نہیں۔

مولانا محمد علیؒ کی طرف سے پنڈت اندرمن کو قدم عالم اور تناسخ کے موضوع پر مباحثہ کی دعوت اور اسکا انکار

اسی روز یہ بھی ہوا کہ غالباً مولوی محمد قاسم صاحب نے مولوی محمد علی صاحب سے عرض کیا۔ کیا کہئے منشی اندرمن

کی اور آپ کی گفتگو نہ ہوئی وہ کچھ بولے ہی نہیں ۔ یہ ارمان دل کا دل ہی میں رہا
اگر آپ فرمائیں تو مولوی محمد طاہر کی معرفت ان کو ایک خط اس مضمون کا لکھا
جائے مولوی محمد علی صاحب نے فرمایا میں نے تو ایک بڑے مسئلہ میں یعنی
قدم عالم میں کچھ مختصر گفتگو شروع بھی کی تھی اور یہ مسئلہ ایک بڑا مسئلہ منجملہ عقائد
لالہ اندرمن ہے اسی پر بناء تناسخ ہے جو ان کے نزدیک منجملہ عقائد ضروریہ
ہے مگر وہ ایسے خاموش بیٹھے رہے کہ کھڑے بھی نہ ہوئے ۔ اور پنڈت
دیانند صاحب کی تقریر سے بھی بطلان قدم عالم اور بطلان اقوال لالہ اندر
من مندرجہ کتاب ''تحفۃ الاسلام'' وغیرہ ظاہر تھا بس اب ان سے مباحثہ
کی کیا ضرورت ہے اور اگر آپ کو منظور ہے میں شاہجہانپور میں ٹھیرا ہوا ہوں
۔ آخر لالہ اندرمن بھی اسی راہ سے مراد آباد کو جائیں گے آپ ان کو لکھ بھیجئے
چنانچہ مولوی محمد طاہر صاحب نے ان کو لکھا کہ آپ براہ کرم بہمراہی پنڈت
دیانند صاحب تشریف لاکر قبول دعوت سے مرہون منت فرمائیں اس تقریب
میں آپ کے اور مولوی محمد علی صاحب کے مباحثہ کا بھی جلسہ ہو جائے گا مگر انہوں
نے شاہجہانپور آنے سے انکار کیا ۔ اور چونکہ صاف انکار اپنی توہین تھی تو یہ لکھا
کہ آپ ہی مولوی صاحب کو لے کر یہاں تشریف لے آئیں اس پر مولوی محمد
طاہر نے باشارۂ مولوی محمد قاسم صاحب وحسب صلاح مولوی محمد علی صاحب
پھر لکھا کہ جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا وہاں کا مجمع برخاست ہو گیا اب
وہاں کون ہے جو مباحثہ کا لطف اٹھائے گا ۔ آپ فرماتے تو تھے ہی کہ ایک دو
روز میں شاہجہانپور ہو کر مراد آباد جاؤں گا اگر اثناء راہ میں یہ جلسہ اور ہو جاوے
تو زہے اولی یہاں بوجہ شہریت مجمع بھی کثیر ہو جائے گا ۔ مگر انہوں نے پھر
بھی انکار ہی کیا اور یہ کہا کہ میں آپ کے مکان پر نہیں آتا ہاں اگر منشی گنگا پرشاد
ہوتے جن کی تبدیلی عہدہ ڈپٹی کلکٹری پر مقام شاہجہانپور ہو گئی ہے تو ان

ع منشی صاحب کا یہ عذر ایک حیلہ ہی حیلہ تھا ۔ جانتے تھے کہ ڈپٹی گنگا پرشاد صاحب کے آنے میں دیر ہے ۱۲ منہ

کے مکان پر میں آسکتا تھا خیر یہاں تو نہیں مراد آباد میں میری اور مولوی محمد علی صاحب کی گفتگو ہو جائے گی۔

اس انکار مکرر کو سن کر، دیوبند، میرٹھ، دلی، خورجہ وغیرہ مقامات کے رہنے والے صاحب جو شوق مباحثہ میں آئے تھے اور اس چھیڑ چھاڑ کو سنکر ٹھیر گئے تھے چلدیئے۔

حضرت نانوتوی سے بہشت کے بارے میں مسلمانوں کا استفسار

مگر ہاں اس اثناء میں بعض صاحبوں نے مولوی محمد قاسم صاحب سے یہ کہا کہ آپ نے پنڈت صاحب کے مقابلہ میں جب انہوں نے بہشت کی نسبت یہ فرمایا تھا کہ کوئی بے دین بتلائے تو سہی بہشت کہاں ہے یہ فرمایا تھا کہ اگر ہم کو وقت ملے گا تو ہم آپ کو بتلادیں گے سو اس وقت تو بوجہ تنگی وقت اس کے بیان کا اتفاق نہ ہوا اور اس وجہ سے دل میں ارمان رہ گئے اب یہ عرض ہے کہ اگر آپ بیان فرماتے تو کیا فرماتے۔ اس وقت مولوی صاحب نے فرمایا لیجئے اب سن لیجئے۔

وجود بہشت و دوزخ پر حضرت نانوتوی کا عقلی استدلال

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں لذتیں خالی تکلیف سے نہیں اور تکلیفیں خالی راحتوں سے نہیں منافع خالی مضرتوں سے نہیں اور مضرتیں خالی منفعتوں سے نہیں کھانا پانی ہر چند سامان راحت اور نفع کی چیز ہے مگر اس کے ساتھ پاخانہ پیشاب کی خرابی اور امراض کے نقصان ایسے کچھ ہیں کہ کیا کہئے اور کڑوی دوائیں اور فصد اور قطع برید جراح اگرچہ سردست سرپا تکلیف ہے مگر انجام کار کیسی کیسی راحتیں ان کے ساتھ لگی ہوئی ہیں۔ اس بات کے دیکھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیزیں بحیثیت آرام و تکلیف و نفع و ضرر ایسے ہیں جیسے باعتبار گرمی و سردی و خشکی و تری مزاج مرکبات عنصری معلوم ہوتا ہے یعنی جیسے وہاں اشیاء متضادہ کے اجتماع سے ایک مزاج مرکب حاصل ہو جاتا ہے ایسے ہی یہاں بھی سمجھیے مرکبات

عنصری کی ترکیب اگر معلوم ہوتی ہے تو ایسی بات معلوم ہوتی کہ گرمی سردی خشکی تری ساری باتیں مرکبات مذکورہ میں معلوم ہوتی ہیں ورنہ ترکیب کرتے ہوئے کس نے خدا تعالیٰ کو دیکھا ہے جب ہم اپنے بدن میں دیکھتے ہیں کہ قلیل و کثیر یبوست ہے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ہمارے بدن میں جزو خاک ہے ورنہ اس یبوست کی اور کیا صورت تھی کیونکہ یبوست خاصۂ خاک ہے سوا اس کے اور کسی چیز میں یہ بات نہیں ہو نہ ہو جزو خاکی کی یہ تاثیر ہے کہ ہمارے بدن میں یبوست پائی جاتی ہے۔

اسی طرح رطوبت بھی کسی قدر نہ کسی قدر اپنے بدن میں موجود ہے اور وہ خاصۂ آب ہے اس لئے یہ بات واجب التسلیم ہے کہ ہمارے بدن میں لاریب جزو آبی ہوگا علی ہذا القیاس ہوا اور آگ کا سراغ نکل آتا ہے مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ جیسے یبوست اور رطوبت باہم ضد یک دیگر ہیں اور آب و خاک اس بات میں مخالف یکدیگر ہیں ایسی ہی معدن راحت کچھ اور ہوگا اور مخزن تکلیف کچھ اور ہوگا جیسے مرکبات عنصریہ باعتبار کمی بیشی رطوبت و یبوست حرارت و برودت مختلف ہیں اور اس کی یہ وجہ ہے کہ کسی میں خاک زیادہ ہے تو کسی میں پانی زیادہ اسی طرح باعتبار راحت و تکلیف کے مرکبات کو خیال فرمایئے کہ ان کے اصول بھی اسی طرح جدا جدا ہوں گے انہیں میں سے لو اگر ساما نہائے آرام و تکلیف کو بنایا ہوگا اور ان اصول میں ایک ایک بات کے سوا اسی طرح اور کچھ نہ ہوگا جیسے آب و خاک اصول رطوبت و یبوست میں ایک ایک ہی چیز ہے دوسری چیز نہیں اس صورت میں ایک ایسا مقام اور طبقہ ماننا پڑے گا کہ جہاں فقط آرام ہو تکلیف اصلا نہ ہو ہم اسی کو بہشت کہتے ہیں۔

ع بہشت آنجا کہ آزارے نباشد۔

اور ایک ایسا مقام اور طبقہ ہوگا کہ جہاں فقط تکلیف ہی تکلیف ہوگی آرام کا نام وہاں نہ ہوگا ہم اسی کو دوزخ کہتے ہیں۔ بالجملہ جیسے رطوبت

یبوست وغیرہ کیفیات جسمانی کے لئے ایک جدا جدا اصل اور جدا جدا طبقہ ماننا لازم ہے اسی طرح آرام و تکلیف کے لئے بھی جدا جدا اصل اور جدا جدا طبقہ ماننا لازم ہے۔

بہشت کا محل وقوع

رہی یہ بات کہ وہ کہاں ہیں اور کدھر ہیں یہ سوال از روئے عقل قابل استماع نہیں موجود ہونے کے لئے یہ لازم نہیں کہ ہم کو معلوم نہیں۔ اگر زمین اور آسمان کے اندر ہوا ہم کو معلوم نہ ہو تو کیا محال ہے اور ہوا زمین اور آسمان کے باہر ہو تو کیا ممتنع ہے۔

وجہ ثبوت شیطان و ملائکہ

اور اسی تقریر کے ساتھ وجہ ثبوت شیطان و ملائکہ بھی مولوی صاحب بیان کر گئے۔ تفصیل اسی کی یہ ہے کہ آدمی کی رغبت اور توجہ ہردم فقط نیکی یا بدی ہی کی طرف مائل نہیں رہتی کبھی آدمی کا دل نیکی کی طرف راغب ہے تو کبھی بدی کی طرف مائل ہے اس اختلاف رغبت و میلان سے صاف ظاہر ہے کہ ترکیب روحانی بے شک ایسے دو چیزوں سے ہوئی ہے جو باہم متضاد ہیں ورنہ ایک سے ایسی دو مختلف کیفیتوں کا پیدا ہونا ایسا ہی محال ہے جیسا ایک عنصر خاکی یا آبی سے مثلاً یبوست و رطوبت دونوں کا پیدا ہونا محال ہے جیسے وہاں اس کی ضرورت ہے اگر یہ دونوں کیفیتیں کہیں مجتمع ہو جائیں تو دو عنصر مذکور ضرور ہی مجتمع ہوں گے ایسے ہی یہاں بھی خیال فرما لیجیئے۔

پھر جیسے وہاں ہر ایک کے کتنے جدا طبقے ہیں ایسے ہی یہاں بھی ہوگا ایک کے لئے ایک جدا ہی طبقہ ہوگا جیسے وہاں ہر طبقہ میں ایک ہی خاصیت کیفیت ہے ایسے ہی یہاں بھی ہوگا اس لیئے یہ بات خواہ مخواہ ماننی پڑے گی کہ ایک گروہ تو مخلوقات میں ایسا ہوگا کہ ان کی خاصیت اصلی بھلائی اور نیکی کی طرف رغبت ہوگی یوں جیسے بوجہ برف پانی میں یبوست آجاتی ہے ان میں بھی اگر بوجہ خارجی برائی کی طرف رغبت آجائے تو آجائے اور ایک گروہ مخلوقات میں

ایسا ہوگا کہ ان کی خاصیت اصلیہ برائی کی طرف رغبت ہو یوں جیسے خاک میں بوجہ آب رطوبت آجاتی ہے اگر بوجہ خارجی بھلائی کی طرف رغبت ہوجائے تو ہوجائے پہلے گروہ کو ہم ملائکہ کہتے ہیں اور دوسرے گروہ کو ہم شیاطین کہتے ہیں۔

جیسے مزاج مرکبات عنصریہ میں امداد خارجی سے فرق آجاتا ہے اور ایک خلط کا غلبہ ہوجاتا ہے چنانچہ اسی وجہ سے گرم غذاؤں اور دواؤں کے کھانے سے گرمی اور سرد غذاؤں اور دواؤں کے کھانے سے سردی پیدا ہوجاتی ہے اور مزاج اصلی میں تغیر آجاتا ہے ایسے ہی یہاں بھی بوجہ امداد خارجی رغبت قلبی میں تغیر آئے گا یو نہ آئے گا۔ بالجملہ ملائکہ اور شیاطین کا وجود یقینی ہے

یہاں تک اس وقت مولوی صاحب نے بیان کیا اس کے بعد مولوی صاحب کی اور تقریریں اس باب میں معلوم ہوئیں ان کو بھی درج اوراق کیا جاتا ہے اس لیے یہ گذارش ہے کہ اس تقریر سے تو فقط ثبوت شیاطین و ملائکہ اور ثبوت جنت و دوزخ معلوم ہوا اور بعد معلوم ہوجانے کے پھر یہ کہنا کہ اگر شیطان کو مانئے تو یہ معنی ہوں کے کہ گویا خداوند عالم نے اپنے ملک میں ایک قزاق اپنی طرف سے چھوڑ دیا ایسا ہی ہوگا کہ گویا پانی آگ ہوا وغیرہ کے نقصانوں کو خیال کر کے کوئی شخص باوجود دلالت گرمی و رطوبت وغیرہ یہ کہے جائے کہ اگر جسم انسانی میں آگ ہو تو یوں کہو خدا نے ایسا کیا کہ کوئی شخص اپنے آپ چھپر بنائے اور پھر آپ ہی اس میں آگ بھی لگادے نہ یہ قرین عقل ہے نہ وہ قرین قیاس۔ الحاصل جیسے باوجود دلالت آثار وجود عناصر میں بوجہ مذکور تامل کرنا عاقل کا کام نہیں ایسے ہی باوجود دلالت آثار مشار الیہ وجود شیاطین میں بوجہ

شیطان کے وجود کی حکمت

مذکور متامل ہونا اہل عقل سے دور ہے جیسے ترکیب انسانی عناصر متضادہ سے بدلالت فطرت سلیمہ اس لئے ہے کہ اس ترکیب سے ایک عمدہ نتیجہ پیدا ہوا جس کو مزاج مرکب کہتے ہیں اور جس کے وسیلہ سے ہزاروں آثار عجیبہ نمایاں ہوئے جو حیوانات میں مشہور ہوتے ہیں ایسے ترکیب عالم میں شیاطین وملائکہ وغیرہ کا ہونا بیشک ایسے عمدہ نتائج پیدا کرے کہ کیا کہئے اور کیوں نہ ہو ہر حسن وجمال میں بھلی بری دونوں قسم کی چیزیں ہوتی ہیں۔

مکان عمدہ وہی ہے جس میں پاخانہ بھی ہو یہی نہیں کہ سوائے پاخانہ اور سب چیزیں ہوا کریں اور پاخانہ نہ ہو حالانکہ پاخانہ کا برا ہونا ایسا نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو۔

آدمی خوبصورت وہی ہے جس میں آنکھ ناک رخسار کے ساتھ ابرو و مژگان وزلف وخط وخال بھی ہو حالانکہ خط وخال اور ابرو اور زلف ومژگان کی بدشکلی ان کے رنگ سے ظاہر ہے اگرچہ پاخانہ نہ ہو تو مکان ناقص ہے اور خط وزلف وخال وابرو ومژگان نہ ہو تو آدمی کا جمال ناتمام ہے۔

جب ایسی ایسی ذرا ذرا سی چیزوں میں اس اجتماع کی ضرورت ہوئی تو ایسے بڑے کارخانے کے حسن وجمال کے لئے جس کو عالم وجہان کہتے ہیں کیوں کر اس اجتماع کی ضرورت نہ ہوگی اور نہیں تو یہ برائیاں عالم میں کہاں سے آئیں اور یہ تکلیفیں کیونکر ظاہر ہوئیں القصہ عالم میں برا بھلا آرام تکلیف سب ہونے چاہئیں۔ اور بدلالت آثار پہلے یہ بات ثابت ہو چکی کہ واقعی موجود ہیں اس قسم کے اعتراض جیسے پنڈت صاحب نے پادری صاحب پر کئے تھے بے شک اہل عقل وانصاف کے نزدیک صحیح نہ ہوں گے۔

حضرت نانوتوی کی علمی دھاک چاروانگ عالم میں پھیل گئی۔

اب اور سنئے شاہجہانپور کے بازاروں میں مولوی صاحب اور ان کے رفقاء کو نکلنے کا اتفاق ہوا تو ہندو دوکانداروں کی بھی انگلیاں اٹھتی تھیں اس

کے بعد ضلع سہارنپور میں بعض صاحب وہاں سے پھر کر آئے تو مولوی ذوالفقار علی صاحب ڈپٹی انسپکٹر مدارس سرکاری ضلع سہارنپور ساکن دیوبند نے ان سے فرمایا کہ ایک صاحب لکھراج نام ساکن سہارنپور میں ان کو بھی اس قسم کی تحقیقات کا شوق ہے منشی پیارے لال صاحب سے ان کی خط و کتابت بھی تھی اور اس دفعہ وہ خود بھی اس میلہ میں تشریف لے گئے تھے بعد مراجعت میری انکی ملاقات ہوئی تو انہوں نے بھی ویسا ہی بیان کیا کہ جیسا اہل اسلام نے آکر بیان کیا تھا بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی بیان کیا کہ ایک مولوی صاحب قاسم علی نام اسی طرف کے تھے ان کا حال کیا بیان کیجیئے ان کے دل پہ علم کی سرستی بول رہی تھی مولوی صاحب کے فرمانے سے معلوم ہوا کہ سرستی زبان سنسکرت میں علم کی دیبی کو کہتے ہیں۔

علی ہذا القیاس بعض صاحب جو بعد اس واقعہ کے ملے تو ان سے معلوم ہوا کہ وہ بھی ساکن شاہجہانپور میں وہ میلہ میں بھی تشریف لیگئے تھے ان کو یا ان کے بعض آشناؤں کے میلہ کی برخاستگی سے اگلے روز آنے کا اتفاق ہوا راہ میں ہندو گنوار جو ملے انکو یہ کہتا ہوئے سنا کہ پٹھان جیتے۔ چونکہ شاہجہانپور میں اہل اسلام اکثر پٹھان ہی ہیں چنانچہ اسی وجہ سے وہ شہر پٹھانوں کا مشہور ہے تو ہندو گنوار سب ہی اہل اسلام کو جو میلہ میں آئے پٹھان سمجھتے تھے فقط۔

اب التماس راقم حروف یہ ہے کہ کمترین نے تا مقدور اصل حال میں کمی بیشی نہیں کی اسلئے جو بات ایسی تھی کہ کسی تقریر سے مستنبط ہوئی تھی یا اسکے مناسب تھی پر اسکے ذکر کی نوبت نہ آئی تھی اس کے ذکر کی نوبت نہ آئی تھی اسکو حاشیہ پہ لکھدیا ہے البتہ اسوقت کے الفاظ یاد نہیں رہے اور نہ بہت سے مضامین کی ترتیب پہ اطمینان ہو سکتا ہے عجب نہیں کہ تقدیم تاخیر ہوگئی ہو اطلاعاً عرض کر دیا تا کہ کسی صاحب کو اور کچھ احتمال نہ ہو مگر ہاں یہ جو کچھ عرض ہے اس میں عمداً کوئی بات زیادہ یا کم نہیں کیا

وآخر دعونا ان الحمد للّٰہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ واھل بیتہ وازواجہ اجمعین

تمت

سوالات برائے مباحثہ شاہجہانپور

نوٹ: سوالات بالترتیب بنائے گئے مگر طلبہ کی آسانی کیلئے سوالات کے ساتھ اس صفحے کا نمبر بھی دیا گیا ہے جس میں اس سوال کا جواب موجود ہے۔

س: کتاب کا خطبہ ذکر کریں اور ان الفاظ کو ذکر کریں جن میں نبی کریم ﷺ کے اعلیٰ اور آخری نبی ہونے کی تصریح ہے۔ ص۹

س: نائبان رسول ﷺ علماء کی کچھ خوبیاں ذکر کریں۔ ص۹

س: کتاب ''مباحثہ شاہجہانپور'' کا مرتب کون ہے؟ ص۹

س: اس میلے یعنی جلسے کا بانی کون تھا اور کیسا آدمی تھا؟ ص۱۰

س: منشی پیارے لال پادری نولس سے کن وجوہات سے متاثر ہوا؟ ص۱۰

س: منشی پیارے لال کو میلے کا مشورہ کس نے دیا اور کیوں؟ ص۱۰

س: میلے کا محل وقوع کیا تھا؟ ص۱۰

س: پہلے سال میلہ کی اجازت کس افسر سے لی گئی اور کس تاریخ کو انعقاد ہوا؟ ص۱۰

س: پہلے سال میلہ میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے بڑے علماء کون تھے؟ ص۱۰

س: پہلے سال کے میلہ کا نتیجہ کیا ہوا تھا؟ ص۱۰

س: میلہ خداشناسی کی روئیداد کس نام سے چھپی؟ ص۱۰

س: میلہ خداشناسی کا منشی پر اور عام لوگوں پر کیا اثر پڑا؟ ص۱۱

س: اگلے سال میلہ کس تاریخ کو منعقد ہوا؟ ص۱۱

س: حضرت نانوتویؒ نے حاضر ہونے کا ارادہ کیوں کیا؟ ص۱۱

س: حضرت کتنے آدمیوں کے ساتھ پہنچے؟ کب پہنچے عین وقت پر کچھ پہلے؟ ص۱۱

س: حضرت کا استقبال کس نے کیا اور مہمان نواز کون بنے؟ ص۱۱،۱۲

س: مباحثہ کا دورانیہ کیا تھا؟ اور مباحثہ کی جگہ شہر سے کتنی دور تھی؟ نیز یہ حضرات مباحثہ کیلئے شاہجہانپور سے کب روانہ ہوئے؟ ص ۱۲

س: راستہ میں حضرت نانوتویؒ نے کیا کیا؟ ص ۱۲

س: مباحثہ کا وقت کیا تھا اور لوگ کب جمع ہوئے؟ ص ۱۲

س: مباحثہ کا انتظام کرنے والے افسر کا نام کیا تھا؟ ص ۱۲

س: مباحثہ کی شرائط طے کرنے کے لئے کون کونسے لوگ چنے گئے؟ ص ۱۲

س: درس کے دورانیہ کے بارے میں اہل اسلام کی کیا رائے تھی؟ اور پادریوں کی کیا رائے تھی اور کیوں؟ ص ۱۳

س: جب حضرتؒ کی بات نہ مانی گئی تو آپ نے کیا فرمایا؟ ص ۱۳، ۱۴

س: حضرت کا مشورہ قبول نہ ہونے پر موتی میاں اور منشی پیارے لال نے کیا کہا؟ ص ۱۴

س: دنوں کی تعداد کی بابت حضرتؒ نے کیا فرمایا؟ پادری نے کیا جواب دیا؟ ص ۱۴

س: ظہر کے بعد ہندوؤں کے آنے تک مولاناؒ کی پادری نولس سے کیا گفتگو ہوئی؟ ص ۱۵

س: مضامین کی ترتیب کی بابت حضرتؒ کی کیا رائے تھی اور بانی جلسہ نے کیا کیا؟ ص ۱۵

س: بانی جلسہ کی طرف سے اچانک کیا کیا سوالات پیش ہوئے؟ ص ۱۵، ۱۶

س: وہ سوالات کس کے تجویز کردہ تھے اور اس میں ہندوؤں کا کیا فائدہ تھا؟ ص ۱۵

س: جلسہ گاہ میں تبدیلی کیوں ہوئی اور دوبارہ اسے کس طرح ترتیب دیا گیا؟ ص ۱۵

س: سوالات کی بابت کیا بحث ہوئی کس نے پہلو تہی کی اور کون مکمل آمادہ ہوا؟ ص ۱۶

س: حضرت نانوتویؒ نے سوالات کے جوابات بعد میں دینے کی کی وجہ بتائی؟ اور اس سے عقیدۂ ختم نبوت کا اظہار کیسے ہوا؟ ص ۱۶

س: حضرت کو پہلے دِن وعظ کا موقع کس طرح ملا اور کس وقت؟ ص ۱۶، ۱۷

س: حضرت نے وعظ کب فرمایا نیز وعظ سے پہلے حضرت نے کیا فرمایا؟ ص ۱۷

س: حضرت نے کیسا بیان کیا؟ اس وقت لوگوں کی کیفیت کیا تھی؟ ص ۱۷

س: حضرتؒ کے بیان میں عاجزی انکساری نمایاں ہوتی تھی یا فخر وتکبر نیز حضرتؒ کے بیان کا ابتدائی حصہ ذکر کریں، ص ۱۷

س: وجودِ بنی آدم دو عدموں کے بیچ میں ایک زمانہ محدود ہے حضرتؒ نے اس مضمون کو کس طرح سمجھایا؟ ص ۱۸

س: ''ہمارا وجود اپنا نہیں عطائے غیر ہے'' اس کو حضرت نانوتویؒ کے انداز میں واضح کریں مثالیں بھی دیں ص ۱۸، ۱۹

س: کائنات کے وجود کی حقیقت سے وجودِ خداوندی پر استدلال کیسے؟ ص ۱۹

س: چاند سورج ستاروں کو ہم ہمیشہ سے دیکھتے آئے ہیں ان کے فانی ہونے کو حضرت نے کس طرح ثابت کیا؟ ص ۱۹، ۲۰

س: زمین وآسمان کا معدوم ہونا عقل میں کیونکر آ سکتا ہے؟ ص ۲۰

س: اس کا مطلب واضح کریں آسمان وزمین کا وجود ان کے حقائق سے علیحدہ ہے۔ ص ۲۰

س: زمین وآسمان کا بھی کوئی نہ کوئی خالق ہے اس کی کیا دلیل ہے؟ ص ۲۱

س: ایسا موجود جس کا وجود اپنا ذاتی ہو وہ ایک ہے یا زیادہ نیز اگر ایک ہے تو اس سے زیادہ ممکن ہے یا محال اور کس دلیل سے؟ ص ۲۱

س: وجود کے غیر محدود ہونے کی کیا دلیل ہے؟ نیز اس سے خدا تعالیٰ کی وحدانیت کیسے ثابت ہوتی ہے؟ ص ۲۲

س: اس کا کیا مطلب ہے کہ نہ احاطۂ وجود میں خدا تعالیٰ کو کوئی ثانی ہو سکتا ہے نہ احاطۂ وجود کے باہر؟ ص ۲۲

س: خالی جگہ پر کریں

اس ...... اقرار ہر ...... کے ذمے ...... ہے کہ خالق کائنات ...... ایک ...... وحدہ ...... سمجھے اور ...... تعدد کو دل سے ...... دھرے۔ ص ۲۳

س: ☆نصاریٰ کے ہاں عقیدۂ تثلیث کا کیا مطلب ہے؟ نیز عقل کی رو سے اس کا بطلان ثابت کریں۔ ص ۲۳

س: اس کو ثابت کریں کہ خدا کسی کا محتاج نہیں سب اس کے محتاج ہیں ص ۲۳

س: خالی جگہ پر کریں

س: جب ہر...... میں...... چیز کو خدا تعالیٰ...... محتاج مانا تو جو کچھ جہان میں احتیاج...... قابل ......خداوند عالم......وہ پہلے ہوگا......احتیاج اور......احتیاج اس......نہ ہوگا۔ ۲۳،۲۴

س: اس کو ثابت کریں کہ جو کسی بھی صورت میں دوسرے کا محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا پھر اس سے الوہیت مسیح کے عقیدہ کو باطل کریں ص ۲۴

س: اس کا کیا مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا وحدہ لاشریک اور صفات کو کمالات میں جامع ہے نیز اس کو مدلل کریں ص ۲۴

س: اس کو ثابت کریں کہ عدم اور امکان واقع میں وصف نہیں ہیں نیز بتائیں کہ عام لوگوں کے محاورے میں ممکن کس کو کہتے ہیں؟ ص ۲۴

: اس عبارت کو واضح کریں اور ثابت کریں کہ یہ ضرور ہے کہ تمام کائنات میں علم وادراک وقوت وحس وحرکت قلیل وکثیر ضرور ہے۔ ص ۲۵

س: اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری عالم کے ذمہ لازم کیوں ہے؟ ص ۲۵

س: وجوہِ فرمانبرداری بظاہر تین، حقیت میں دو بلکہ صرف ایک ہے وہ کیسے؟ ص ۲۵

س: اس کو ثابت کریں کہ وجہ اطاعت ایک ہو یا زیادہ خدا تعالیٰ میں اول ہے ص ۲۶

س: اطاعت وفرمانبرداری کی حقیقت کیا ہے؟ نیز یہ بتائیں کہ کسی کی رضا وعدم رضا کا پتہ کیسے چلے گا؟ ص ۲۷

س: بعثت انبیائے کرام کی ضرورت واہمیت ذکر کریں نیز انبیاء علیہم السلام اور کس نام سے ذکر کیے جاتے ہیں؟ ص ۲۷،۲۸

س: عقل کی رو سے انبیاء کے معصوم ہونے کو مبرہن کریں۔ ص ۲۸

س: صفت اور فعل کو مثال دے کر واضح کریں نیز بتائیں کہ انبیاء کے معصوم ہونے کا مطلب کیا ہے؟ ص ۲۸

س: انبیاء علیہم السلام سے لغزش کے صدور کی کیا حقیقت ہے؟ ص ۲۸، ۲۹

س: اس کا مطلب واضح کریں:

گناہ کیلئے ضرور ہے کہ عمداً مخالفت کی جائے بھول چوک کو لغزش کہتے ہیں گناہ نہیں ص ۲۹

س: اچھے اخلاق کے ساتھ عقل وفہم کا ہونا کیوں ضروری ہے؟ ص ۲۹

س: ثابت کریں کہ مدارِ کارِ نبوت عقل کامل اور اخلاق حمیدہ پر ہے معجزات پر نہیں۔ ص ۳۰

س: انبیاءؑ میں عقل وفہم واخلاق حمیدہ میں اعلیٰ کون ہیں مدلل ذکر کریں؟ ص ۳۰

س: امت کے کچھ علمی کارنامے بتائیں، مولانا نے ان کا یہاں ذکر کیوں کیا؟ ص ۳۱

س: آپ ﷺ کے اخلاق میں اعلیٰ ہونے کو حضرتؒ نے کس طرح ثابت کیا؟ ص ۳۱

س: عقل وفہم اور اخلاق وزہد سے آپ ﷺ کی نبوت کو ثابت کریں۔ ص ۳۱، ۳۲

س: حضرت نانوتویؒ کی درج ذیل عبارت نبی ﷺ کے آخری نبی ہونے پر کس طرح دلالت کرتی ہے؟

"یہ بات واجب التسلیم ہے کہ آپ تمام انبیاء کے قافلہ سالار اور سب رسولوں کے سردار اور سب میں افضل اور سب میں خاتم ہیں"۔ ص ۳۲

س: کمالاتِ علمی سے آپ کا اعلیٰ وآخری ہونا کس طرح ثابت ہوا؟ ص ۳۲، ۳۳

س: حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کی کس صفت سے مستفید ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کس صفت سے اور آنحضرت ﷺ کس صفت سے اور کس دلیل سے؟ ص ۳۳

س: علم دیگر صفات کا محتاج ہے یا دیگر صفات علم کی اور کس دلیل سے؟ ص ۳۳

س: اس کو ثابت کریں کہ جو نبی صفت علم سے مستفید ہوگا وہ سب کا سردار بھی ہوگا، سب کا خاتم بھی ہوگا۔ ص ۳۴

س: خالی جگہ پر کریں:

خاتم مراتب نبوت...... اوپر اور...... عہدہ یا مرتبہ ہوتا ہی نہیں جو...... ہے اس کے ...... ہوتا ہے اس لئے اس کے ...... اوروں کے احکام ...... ناسخ ہوں گے ...... کے احکام اس کے ...... کے ناسخ نہ ہوں گے اس لئے یہ ...... ہے کہ وہ خاتم زمانی ...... ہو کیونکہ اوپر کے ...... تک نوبت سب ...... ماتحت کے ...... آتی ہے اور اس لئے اس کا حکم ...... حکم ہوتا ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ ...... تک مرافعہ [یعنی مقدمہ لے جانے کی] کی ...... سبھی کے ...... آتی ہے۔ ص ۳۴

س: کس نبیؑ نے دعویٰ خاتمیت کیا؟ دلیل کیا ہے؟ ص ۳۵

س: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول کہ میرے بعد جہان کا سردار آنے والا ہے [دیکھئے انجیل یوحنا باب ۱۴ آیت ۳۰] اس سے کیا معلوم ہو کہ آپ علیہ السلام آخری نبی ہیں یا یہ کہ آپ کے بعد آخری نبی آنے والے ہیں اور کس دلیل سے؟ ص ۳۵

س: حضرتؒ کا یہ جملہ: ''جب افضلیت اور خاتمیت محمدی دونوں معلوم ہوگئیں'' یہاں خاتمیت سے مراد خاتمیت زمانی ہے یا خاتمیت رتبی اور کس دلیل سے؟ ص ۳۵

س: نبی ﷺ معجزات میں افضل کس طرح ہیں؟ ص ۳۵

س: اس کو ثابت کریں کہ حضرت نانوتویؒ کے ہاں انبیاءؑ کے معجزات کی آیات ظاہر پر محمول ہیں جس طرح مرزائی ان میں تاویل کرتے ہیں حضرتؒ نہیں کرتے۔ ص ۳۵

س: احیائے موتیٰ یا بے جان چیز کے جاندار ہونے کی بابت حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے معجزات لکھیں اور ان پر آپ ﷺ کے معجزہ کی فوقیت ثابت کریں ص ۳۶

س: کھجور کے تنے کا رونا مردہ کے زندہ ہونے زیادہ عجیب کیوں ہے؟ ص ۳۶

س: کھجور کے تنے کا رونا عصا کے سانپ بن جانے سے عجیب تر کیوں ہے؟ کچھ وجوہات ذکر کریں ص ۳۶

س: یقین کے تینوں درجات کی تعریف کریں اور ان کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے معجزہ کی

فوقیت ثابت کریں ص ۳۸،۳۷

س: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا پتھر سے پانی نکلا اس پر آنحضرت ﷺ کے کسی معجزہ کی فوقیت ثابت کریں ص ۳۹

س: خالی جگہ پر کریں:

ایک پیالی پانی پر دستِ مبارک کے رکھ ...... سے انگشتانِ...... سے پانی کا...... اس بات ......دلالت کرتا ہے کہ...... مبارک منبع البرکات ہے اور یہ سب...... مبارک کی کرامات ہیں...... سنگِ موسوی سے بضربِ عصا...... کا نکلنا اگر...... کرتا ہے تو اتنی بات...... دلالت کرتا ہے کہ خدوند عالم...... قادر ہے۔ ص ۳۹

س: معجزہ شق القمر کس کا ہے؟ اور کن معجزات پر فوقیت رکھتا ہے؟ ص ۴۰

س: اس اعتراض کے الزامی اور تحقیقی جواب ذکر کریں کہ آنحضرت ﷺ کے معجزت کے ثبوت کی کیا دلیل ہے؟ ص ۴۰

س: توریت انجیل اور قرآن وحدیث میں کس کی سند اور تاریخ معلوم ہے کس کی نہیں اور کس دلیل سے؟ ص ۴۰

س: قرآن وحدیث کا اعتبار توریت وانجیل سے زیادہ کیوں لازم کیوں ہے؟ ص ۴۰

س: دیگر ادیان کی حقیقت لکھیں اور بتائیں کہ اسلام کے علاوہ کون کونسے ادیان یقیناً آسمانی ہیں؟ ص ۴۱

س: دین ہنود اصل میں آسمانی ہے یا نہیں اس بارے میں حضرت نانوتویؒ نے جو محتاط موقف اختیار کیا ہے اس کو مدلل کریں ص ۴۱

س: دیگر مذاہب کے بانیوں کی طرف منسوب لغویات وکفریات کی حقیقت کیا؟ ص ۴۱

س: کچھ ایسے گناہ ذکر کریں جن سے انبیاء یقیناً معصوم تھے مگر لوگوں کے ان کی طرف منسوب کر دیئے۔ ص ۴۲

س: جب دیگر مذاہب اصل سے غلط نہیں تھے تو حضرت نانوتویؒ نے اسلام کی ترجمانی کیوں کی؟ صرف اسلام میں نجات کیوں بتائی؟ ص ۴۲

س: خالی جگہ پر کریں

الحاصل ہمارا...... دعویٰ نہیں کہ اور ادیان ...... مذاہب اصل سے غلط ...... بلکہ ہمارا یہ...... ہے کہ اس...... میں سوائے...... محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور طرح نجات متصور...... اس زمانے میں یہ ...... سب کے حق...... واجب الاتباع ہے۔ ص ۴۲

س: مذکورہ بالا عبارت پر نسخ کا شبہ کیونکر پیدا ہوتا ہے اور جواب کیا ہے؟ ص ۴۲،۴۳،۴۴

س: طبیب کے نسخہ سے اور گورنر کی تبدیلی کی مثال سے نسخ کو سمجھائیں۔ ص ۴۳

س: عیسائی یہودی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام خدا کے نبی تھے احکام میں ان کی اتباع میں ہی نجات ہے مثال دے کر اس کا جواب ذکر کریں۔ ص ۴۳

س: اگر بالفرض اس زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی موجود ہوں تو ہمیں ان کی اتباع کرنی ہوگی یا ان کی نجات بھی آنحضرت ﷺ کی اتباع میں ہوگی؟ حضرت نانوتویؒ کیا فرماتے ہیں؟ ص ۴۳

س: حضرت نانوتویؒ کی اس تقریر کے آٹھ موضوعات کون کونسے تھے؟ ص ۴۴

س: ان آٹھ موضوعات میں کتنے موضوعات کا تعلق نبوت وختم نبوت سے ہے اور وہ کون کونسے ہیں؟ ص ۴۴

س: ان موضوعات کے خلاف ہندو یا عیسائیوں کی طرف سے کوئی رد نہ ہوا یہ کس بات کی دلیل ہے تسلیم کر لینے کی یا رد کرنے کی؟ ص ۴۴

س: پادریوں نے بنیادی آٹھ موضوعات میں سے کسی موضوع پر اعتراض کیا یہ کسی اور پر؟ اور نتیجہ کیا ہوا؟ ص ۴۴

س: پادری نے دیگر انبیاءؑ کی معصومیت پر کیا اعتراضات کیے؟ اور آنحضرت ﷺ کی

معصومیت پر کیا اعتراض کیا؟ ص ۴۴، ۴۵

س: عصمت انبیاء پر اعتراض میں پادریوں کا فائدہ یا خسارہ؟ اور کیوں؟ ص ۴۴ حاشیہ

س: پادریوں نے نبی کریم ﷺ کے معجزات کے ثبوت پر کیا اعتراض کیا؟ اور آپ ﷺ کی افضلیت پر کیا؟ ص ۴۵ تا ۴۷

س: مباحثہ میں ایک جگہ لکھا ہے:

پھر ان کے ساتھ یہ پھل پھیل گیا تھا کہ بجائے توحید شرک تھا خدا کی طرح اوروں کو عالم الغیب سمجھتے تھے اپنا نفع نقصان ان کے قبضہ قدرت میں سمجھتے تھے ص ۴۶

اس عبارت کی روشنی میں بتائیے کہ غیر اللہ کیلئے علم غیب ماننا توحید ہے یا شرک؟

س: آنحضرت ﷺ کی بعثت سے قبل زمانہ کیسا تھا؟ اور اُس زمانے میں نجات کے کیلئے کیا بات کافی تھی اور کیوں؟ ص ۴۵، ۴۶

س: اس کو ثابت کریں کہ آنحضرت ﷺ قبل بعثت گناہوں سے بچتے تھے اور خدا کی فرمانبرداری میں لگے رہتے تھے۔ ص ۴۶

س: آنحضرت ﷺ کے ذمہ دیگر انبیاء کی اطاعت کیوں نہ تھی؟ ص ۴۶

س: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خاتمیت کا دعوی کیا یا نہیں؟ دلیل کیا ہے؟ ص ۴۷ حاشیہ

س: گناہ فقط مخالفت امر و نہی کو کہتے ہیں کیا کوئی اور اس کے لئے اور بھی شرطیں ہیں اور اگر ہیں تو کیا ہیں؟ ص ۴۸

س: گناہ اور لغزش میں فرق کی وضاحت تحریر کر کے حضرت آدم علیہ السلام سے گناہ کے الزام کو دور کریں۔ ص ۴۹

س: حضرت آدم نے ممنوعہ درخت سے کھایا یہ گناہ کیوں نہ ہوا؟ ص ۴۹

س: ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم کو اللہ کا حکم یاد تھا دوسری سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بھول گئے تھے ان میں تطبیق پیدا کریں اور بتائیں کہ کس چیز نہ کو نہ بھولے تھے کس کو بھول

گئے تھے جس کی وجہ سے وہ گناہ گار نہ ٹھہرے۔ ص۵۰،۵۱

س: حضرت داود وسلیمان علیہما السلام کی طرف نسبتِ گناہ کی کیا حقیقت ہے؟ ص۵۱

س: عیسائی کے اس اعتراض کا کیا منشا تھا کہ آپ ﷺ سے پہلے کون تھا؟ نیز اس کا جواب کیا ہے؟ ص۵۱

س: اس کا کیا جواب ہے کہ ہر معجزے کا ثبوت قرآن سے چاہئے ص۵۱،۵۲

س: اس کو ثابت کریں کہ اہلِ اسلام کی روایات ایسی صحیح ہیں کہ تورات وانجیل کی روایات ان کے ہم پلہ نہیں ہوسکتیں ص۵۲

س: چوتھے عیسائی اعتراض کا جواب حضرتؒ نے اس مجلس میں کیوں نہ دیا؟ ص۵۲

س: اس کا کیا جواب ہے کہ حضرت داودؑ اور حضرت سلیمانؑ کی طرف گناہوں کی نسبت تورات انجیل اور زبور میں ہے اور قرآن میں ان کتب کی تصدیق موجود ہے۔ ص۵۳

س: حضرتؒ نے بائبل میں تحریف کے پائے جانے کا ذکر کیا تو پادری نے کیا کہا؟ اور اس کا کیا جواب دیا گیا؟ ص۵۳

س: ''مرزا پور'' سے انجیل کب چھپی؟ اور اس میں کونسی عبارت ہے جس کی زیادتی کا عیسائیوں کی طرف سے اقرار کیا گیا؟ ص۵۳

س: عیسائیوں کی اس بات کا کیا جواب کہ یہ بائبل میں تحریف نہیں کمی بیشی ہے ص۵۴

س: پادری جان ٹامس کے شرمندہ ہوکر بیٹھنے کا قصہ تحریر کریں ص۵۴

س: اس کا کیا جواب ہے کہ قرآن سے منسوخ التلاوت کو نکال دینا کمی ہے۔ ص۵۴،۵۵

س: اس کو ثابت کریں کہ حضرت نانوتویؒ قرآن کریم میں نسخ فی التلاوت کے قائل تھے نیز نسخ تلاوتِ آیاتِ قرآنیہ اور انجیل میں کمی بیشی کے مابین جوہری فرق تحریر کریں ص۵۵

س: عیسائیوں کی اس بات کا کیا جواب ہے کہ الحاق کا اقرار ہماری دیانت اور راستبازی کی دلیل ہے؟ ص۵۵،۵۶

س: اس کو ثابت کریں کہ عیسائی ہم سے اس کا مطالبہ کرتے ہیں جو بناءِ نبوت نہیں اور اپنا حال یہ ہے کہ اصل عقیدہ جس پر بناء کار نصرانیت ہے انجیل میں نہیں ص ۵۶ حاشیہ

س: حضرتؒ نے تحریف کی قباحت کو کس مثال سے سمجھایا؟ پادریوں نے اس پر کیا شور کیا؟ اور حضرت نے کیا جواب دیا؟ ص ۵۶

س: آپ نے مصنف شہر کو مخاطب کر کے کیا فرمایا؟ اور منصف صاحب نے کیا فرمایا؟ اس سے حضرت کی کرامت کا ظہور کیسے ہوا؟ ص ۵۷

س: منصف صاحب کا حضرت نانوتویؒ کے بارے میں کیا تاثر تھا؟ ص ۵۸

س: پادری محی الدین کو پھر اعتراض کرنے کی جرات کیوں نہ ہوئی؟ ص ۵۸

س: پہلے دن کے بیان کے بارے میں ہنود کا کیا رویہ رہا؟ ص ۵۸

س: درود شریف سے آپ ﷺ کی افضلیت پر اعتراض مع جواب لکھیں ص ۵۸، ۵۹

س: ۵۹) تشبیہ کی دو قسمیں مع مثال ذکر کریں اور ثابت کریں کہ درود شریف میں تشبیہ حقیقی ہے پھر ثابت کریں کہ مشبہ بہ کا افضل ہونا لازم نہیں ص ۵۹

س: تشبیہ حقیقی میں وجہ شبہ کا ایک جیسا ہونا ضروری ہے تو درود شریف میں مشبہ بہ مشبہ مساوی کیوں نہیں ص ۵۹

س: ثابت کریں کہ تشبیہ فی النسبۃ میں منسوب، منسوب الیہ کا برابر ہونا ضروری نہیں ص ۵۹

س: اس کا کیا مطلب ہے جیسی روح ویسے فرشتے جیسی روح ویسا بدن ص ۵۹

س: صفحہ ۶۰ کے حاشیہ میں درود شریف میں تشبیہ فی النسبۃ کی تشریح کس طرح کی گئی ہے؟

---

۱) حامد کالاسد میں حامد کو شیر جیسا کہا ظاہر ہے کہ حامد شیر نہیں یہ تشبیہ حقیقی نہیں لیکن جب کسی کو کوئی کتاب دکھائی اور کہا مجھے ایسی کتاب چاہئے یعنی بالکل اسی کے ساتھ کا نسخہ تو یہاں کتاب ہونے میں دونوں برابر ہیں یہ تشبیہ حقیقی ہے۔ درود شریف میں صلوۃ کو صلوۃ سے جو تشبیہ دی یہ تشبیہ حقیقی ہے واللہ اعلم

س: سونے کی مثال سے تشبیہ فی اللہ بہ کو واضح کریں ص ۶۱

س: پادری اسکاٹ کب آئے؟ اس کے بعد شرائط کی بابت کیا گفتگو ہوئی؟ ص ۶۱، ۶۲

س: اسلام کے فضائل تھوڑے وقت میں بیان کیوں نہیں ہو سکتے؟ ص ۶۳

س: منشی پیارے لال سے حضرتؒ کی اس موقع پر کیا گفتگو ہوئی ص ۶۳

س: ہندو رہنماؤں کے حضرت کی بابت کیا تاثرت تھے؟ ص ۶۳

س: ص ۶۴ مباحثہ کے شائقین کس کس علاقے سے آئے نیز موسم کیسا تھا؟ ص ۶۴

س: مہمانوں کی بابت حضرتؒ کو کیا فکر ہوئی؟ اور موتی میاں نے کیا جواب دیا؟ ص ۶۴

س: دوسرے دن میدان مباحثہ میں لوگ کتنے بجے پہنچے؟ ص ۶۴

س: تبدیلی شرائط کی بابت پادری کی حضرت سے گفتگو کی تفصیل لکھیں ص ۶۴

س: پادری نولس نے جب کہا کہ آپ پادری اسکاٹ سے ڈرتے ہیں تو حضرت نانوتویؒ نے اس کا کیا جواب دیا؟ ص ۶۵

س: سب سے پہلے کس نے بیان کیلئے کھڑے ہونے پر آمادگی ظاہر کی؟ ص ۶۵

س: منشی پیارے لال کی طرف سے دیئے گئے سوالات کے بارے میں پادریوں نے کیا رائے پیش کی اور حضرت نانوتویؒ نے کیا ارشاد فرمایا؟ ص ۶۵، ۶۶

س: کس کا اصرار تھا کہ پہلے سوال پر پہلے گفتگو ہو، کسی کا چوتھے سوال پر، اور کون ہر طرح گفتگو پر آمادہ تھا؟ ص ۶۶

س: پیش کردہ سوالات کس کے بنائے ہوئے لگتے تھے اور کس دلیل سے؟ ص ۶۶، ۶۷

س: ہندوؤں نے ایسے فلسفیانہ سوالات کیوں پیش کئے؟ ص ۶۷

س: پادری نولس ان سوالات پر کیوں اڑے ہوئے تھے؟ ص ۶۷

س: پادری نولس نے پہلا دن بغیر گفتگو کے کیوں ٹالا؟ ص ۶۸

س: پادری اسکاٹ کا کچھ تعارف لکھیں نیز یہ بتائیں کہ پانچوں سوالوں میں گفتگو کے لئے

اول کس سوال کو منتخب کیا گیا اور کیوں؟ ص ۶۸

س: اہل اسلام نے سوالات کے جواب پر آمادگی سے قبل وقتی گریز کیوں کیا؟ ص ۶۸

س: حضرت نے چوتھے سوال پر گفتگو پر آمادگی کس شرط سے کی اور نتیجہ کیا نکلا؟ ص ۶۹

س: پادری اسکاٹ نے جواب سے قبل بے بسی کا اظہار کس طرح کیا؟ ص ۶۹

س: پہلا سوال کیا تھا اور پادری اسکاٹ نے اس کا کیا جواب دیا؟ ص ۶۹

س: کائنات کو اللہ نے کیوں پیدا کیا؟ پادری نے اس کا کیا جواب دیا؟ ص ۶۹

س: کائنات کو اللہ نے کس چیز سے بنایا؟ پادری نے اس کا کیا جواب دیا؟ اور حضرت نانوتویؒ نے اس پر کیا تنقید فرمائی؟ ص ۶۹، ۷۰

س: حضرت نانوتویؒ کی تنقید کی کس کس ہندو نے تائید کی اور کس طرح کی؟ ص ۷۰

س: مخلوقات کی ہستی اور وجود کی اصل خدا کا وجود ہے حضرت نانوتویؒ نے اس دقیق ترین مسئلہ کو کس طرح سمجھایا؟ ص ۷۰ تا ۷۲

س: اس کو مثال دے کر سمجھائیں کہ ارادۂ ایجادِ خداوندی سے مخلوقات موجود ہو جاتی ہیں اور اس کے ارادۂ فنا سے مخلوقات فنا اور معدوم ہو جاتی ہیں ص ۷۰، ۷۱

س: مخلوقات کی ہستی اور وجود کی اصل خدا کا وجود ہے تو مخلوقات پر مختلف اشکال کس طرح عارض ہوتی ہیں؟ ص ۷۱

س: مثال دے کر سمجھائیں کہ خداوندِ عالم اور عالم کا وجود تو واحد ہے پر خدا اور ہے اور عالم اور ہے میں اور ہوں اور تم اور ہو ص ۷۱

س: اس کو ثابت کریں کہ وجود واحد ہے موجودات الگ الگ نیز یہ کہ اللہ کی طرف وجود کی نسبت اور طرح ہے مخلوق کی طرف اور طرح ص ۷۱

س: خالی جگہ پر کریں

جیسے نور کی نسبت آفتاب کی......بھی ہے اور دھوپ......طرف......، حرکت کی......کشتی کی طرف

...... ہے کشتی نشین ...... طرف بھی مگر آفتاب ...... کشتی کی طرف انتساب صدور اور ...... اولی اور ذاتی ...... حقیقی ہے اور زمین اور کشتی نشین کی طرف انتساب ...... اور ...... ثانوی اور عرضی اور ...... ہے ایسے ہی وجودِ واحد ...... طرف منسوب ہے خدا کی ...... تو نسبتِ صدور اور ...... اور حقیقت اور ...... ہے وار عالم کی طرف نسبت ...... اور عرضیت اور ...... اور ثانویت ہے ص ۷۱

س: س: دھوپ کی شکل مربع، مدور وغیرہ آفتاب سے صادر ہو کر آتی ہیں یا آفتاب کے سبب سے ہیں اور کیوں؟ ص ۷۱

س: حقائق مخلوقات ظاہرہ سے کیا مراد ہے اور حقائق مخلوقات باطنہ سے کیا مراد؟ پھر یہ ثابت کریں کہ یہ امور خدا کی ذات کی صادر نہیں، اس کی صفات نہیں بلکہ اس کی بدولت یہ تمام حقائق پیدا ہو گئے ہیں ص ۷۲

س: جب حقائق خدا کے پیدا کردہ ہیں تو ان کی بھلائی برائی خالق کی بھلائی برائی کا باعث کیوں نہ ہوگی مثالوں سے سمجھائیں ص ۷۲

س: اس کی کیا دلیل ہے کہ مخلوقات کا وجود اپنا نہیں کسی کا دیا ہوا ہے؟ ص ۷۲

س: پادری کے جواب میں کونسی بات تھی جس میں حضرت نانوتویؒ نے موافقت کی ص ۷۲

س: خدا نے کائنات کو کب پیدا کیا؟ حضرتؒ نے اس کا کیا جواب دیا؟ ص ۷۲

س: کائنات کو خدا نے کیوں بنایا؟ پادری نے اس کا کیا جواب دیا تھا حضرت نانوتویؒ نے اس پر کیا تنقید کی؟ ص ۷۳

س: اس کو ثابت کریں کہ ایجادِ عالم کا فائدہ خدا کو نہیں مخلوق کو ہے ص ۷۳

س: اللہ کو کسی چیز کی احتیاج نہیں تو اس نے کائنات کو کس لئے پیدا کیا؟ ص ۷۴

س: ثابت کریں کہ تخلیقِ عالم سے خدا کی غرض یہ کہ مخلوق اس کی بندگی کرے ص ۷۴ تا ۷۶

س: اس کو مثال سے واضح کریں کہ مخلوقات میں صفاتِ خداوندی کا عکس ہے ص ۷۴

س: ثابت کریں کہ سارا عالم انسان کیلئے ہے اور انسان خدا کی عبادت کیلئے ص ۷۴، ۷۵

س: مثال دے کر واضح کریں کہ بندہ خدا کے آگے عجز و نیاز کرتا ہے تو خدا اس پر مہربان ہوتا ہے۔ ص ۷۶

س: حضرت نانوتویؒ کے جواب پر ہندو رہنماؤں نے کیا تبصرہ کیا ص ۷۷

س: اللہ نے کائنات کو کس چیز سے پیدا کی؟ کب پیدا کیا؟ کیوں پیدا کیا؟ ان سوالات کے پنڈت دیانند سرسوتی نے کیا جواب دیئے؟ ص ۷۷

س: ہندوؤں کے ہاں اللہ نے کائنات کو اس کے مادے سے پیدا کیا اس کو پنڈت نے کس مثال سے سمجھانے کی کوشش کی؟ ص ۷۷

س: ہندو پنڈت نے کس زبان میں بیان کی اور حضرت نانوتویؒ نے اس پر کیا فرمایا؟ اور آپ کو کیا جواب دیا گیا؟ ص ۷۷

س: پنڈت دیانند سرسوتی کے بعد پادری اسکاٹ کا بیان کیسا تھا؟ ص ۷۸

س: پنڈت دیانند کا جواب دینے کیلئے حضرت نانوتویؒ نے مولانا محمد علیؒ کو کیوں کھڑا کیا اور مولانا محمد علیؒ نے پنڈت کی بات کا کیا جواب دیا؟ ص ۷۸

س: اس کو ثابت کریں کہ مادۂ عالم کو قدیم ماننے سے توحید جاتی رہتی ہے نیز اس کو ثابت کریں کہ مرکب حدث کیونکر ہوتا ہے؟ ص ۷۸

س: مولانا محمد علیؒ کے دلائل کا پنڈت نے کیا جواب دیا؟ اور کائنات کو خدا کا محتاج ہونا کس طرح بتایا؟ ص ۷۸

س: مولانا محمد علیؒ کے اعتراض کا پنڈت نے کیا جواب دیا؟ ص ۷۸،۷۹

س: پنڈت کے بعد کون کھڑا ہو، اور کیا بیان کیا؟ ص ۷۸،۷۹

س: حضرتؒ نے پنڈت کی اس بات کا کیا جواب دیا کہ جس طرح کمہار گارے سے برتن بناتا ہے، اسی طرح خدا نے کائنات کو اس۔کچھ ادے نے سے پیدا کیا۔ ص ۷۹

س: مخلوق اپنے موجود ہونے میں ہردم خدا کی محتاج ہے سورج کی مثال سے اس کو ثابت

کریں ص۷۹،۸۰

س: حرکت کی وجہ سے جو چیز حاصل ہوتی ہے اس میں عدم اول ہوتا ہے اور وجود دوم۔

حضرت اس مثال سے کیا سمجھانا چاہتے ہیں وضاحت سے لکھیں ص۸۰

س: اس کو واضح کریں کہ کائنات کا مادہ اگر مخلوق ہو تو دو صورتیں ہیں اس کے لئے بھی مادہ ہو علی غیر النہایہ، اور اگر یہ سلسلہ کبھی ختم ہو جائے تو پنڈت کا قاعدہ غلط دونوں صورتیں پنڈت کے خلاف ہیں کس طرح؟ ص۸۰حاشیہ

س: وجود خداوندی کی دلیل دیں اور اس کا واجب الوجود ہونا ثابت کریں ص۸۰ح

س: عوام کے محاورہ کے مطابق خدا کا واجب الوجود ہونا کس طرح ضروری اور علماء کے محاورہ کے موافق کس طرح؟ ص۸۰،۸۱ح

س: اس عبارت کی وضاحت کریں

یہ کہنا لازم ہے کہ مادۂ عالم کوئی صفت خداوندی ہوتا کہ یہ قاعدہ بھی صحیح رہے کہ جیسے برتنوں کے لئے گارے کی حاجت ہے تمام مصنوعات کے لئے بھی کوئی مادہ چاہئے اور یہ بات بھی غلط نہ ہو کہ خداوند عالم وحدہ لا شریك له ہے۔ ص۸۱حاشیہ

س: اس کو ثابت کریں کہ انقلاب وجود وعدم کو حرکت وجودی وحرکت عدمی لازم ہے پھر اس سے کائنات کا فانی ہونا ثابت کریں ص۸۲

س: اس کو ثابت کریں کہ زمانہ اور عالم کے لئے ابتدا کا ہونا ضروری ہے انتہاء کا ہونا ضروری نہیں ص۸۳

س: جہاں ہمیشہ رہے گا یا نہیں؟ اس کا پتہ کیسے چلے گا ص۸۳،۸۴

س: اس کو ثابت کریں کہ جہان کی انتہاء کے بارے میں انبیاء علیہم السلام کے بیان کی پابندی ضروری ہے ص۸۴

س: حضرتؒ کی اس تقریر کے بعد مباحثہ میں کس کس کے بیانات ہوئے؟ ص۸۴

س: پنڈت نے حضرت کی تقریر پر کیا اعتراض کیا؟ پھر حضرتؒ نے کیا کہا؟ ص ۸۵

س: یہ اعتراض اگر مادۂ عالم وجودِ خداوندی ہو تو خدا کا برائی کے ساتھ موصوف ہونا لازم آئے گا، اس اعتراض کے جواب کی صراحت حضرت کی پہلی تقریر سے دکھائیں ص ۸۵،۲۷

س: درج ذیل عبارت کی وضاحت کریں اور بتائیں کہ یہ کیسے پتہ چلا کہ مخلوق کی کوئی برائی خالق تک نہیں پہنچتی

مخلوقات کو خدا تعالیٰ اور اس کے وجود کے ساتھ جو اس کے حق میں بمنزلہ شعاعہائے آفتاب ہے ایسی نسبت ہے جیسی دھوپوں کی تقطیعات مختلفہ کو جو روشندان کے کینڈوں اور صحن خانوں کے پیمانوں کے مطابق ہوا کرتے ہیں آفتاب اور اس کی شعاعوں کے ساتھ ہوا کرتی ہے......اگر کوئی مثلث شکل کی دھوپ ہوگی تو بے شک اس کے تینوں زاویے مل کر دو قائموں کے برابر ہوں گے اور اس کے دو ضلع مل کر تیسرے خط سے بڑے ہوں گے مگر ظاہر ہے کہ ان باتوں کو ذاتِ آفتاب اور اس کے اصل نور تک رسائی نہیں آفتاب اور اس کے نور میں نہ زاویہ نہ اضلاع ، جو یہ احکام جاری ہوں۔ ص ۸۶

س: اس قاعدہ کو مثال دے کو واضح کریں کہ مفعول کے احکام فاعل کی طرف نہیں آتے پھر اس سے ثابت کریں کہ مخلوق میں کوئی برائی ہو تو خالق اس سے پاک ہے۔ ۸۶ ح

س: حضرت نے جس دلیل سے اس کو ثابت کیا کہ مخلوق کی برائی خالق میں نہیں ہو سکتی اس کے بارے میں حضرت نے پنڈت کو کیا چیلنج دیا تھا؟ ص ۸۷

س: ظہر سے پہلے پادری اسکاٹ کے درس کے بارے میں مولانا کی پادری نولس سے کیا گفتگو ہوئی ص ۸۷

س: حضرت نانوتویؒ کے بارے میں پادری اسکاٹ کے تاثرات کیا تھے؟ اور عوام کا حضرتؒ کے ساتھ کیا معاملہ تھا؟ ص ۸۸

س: حضرت نانوتویؒ کی اس قدر مقبولیت کا راز کیا تھا؟ ص ۸۹

س: مباحثہ سے قبل حضرت جو دعا کیا کرتے تھے ذکر کریں ص۸۹

س: دوسرے دن پہلی نشست سے فارغ ہوکر اہل اسلام نے کیا کیا؟ ص۸۹

س: ظہر کے بعد مباحثہ کے لئے کس سوال کو منتخب کیا گیا؟ اور کیوں؟ ص۹۰

س: اس کا کیا قرینہ ہے کہ سوال خامس پر اصرار بھی پادریوں کی سازش سے ہوا تھا؟ ص۹۰

س: جب پادریوں نے کہا ہم کو زیادہ فرصت نہیں آج اور کل ٹھہر سکتے ہیں تو اس وقت حضرت نانوتویؒ نے کیا فرمایا تھا؟ ص۹۰،۹۱

س: اس کا کیا قرینہ ہے کہ ہندو بھی چاہتے تھے کہ مباحثہ جلد ختم ہو جائے اور سب سوالات کے جواب نہ دینے پڑیں؟ ص۹۱،۹۲

س: سوالات کی بابت کتنی دیر بحث چلی اور نتیجہ کیا نکلا؟ ص۹۲

س: نجات کس کو کہتے ہیں؟ اور نجات کا کیا طریقہ ہے؟ پادری اسکاٹ نے اس کا کیا جواب دیا؟ ص۹۲

س: عیسائیوں کے ہاں عیسیٰ علیہ السلام معاذ اللہ کتنے دن جہنم میں رہے؟ ص۹۲

س: پادریوں نے کہا نجات گناہوں سے بچنے کو کہتے ہیں اس پر تبصرہ کریں ص۹۲

س: پادری اسکاٹ نے عیسائی مذہب کے سچے ہونے کی کیا دلیلیں ذکر کیں؟ ص۹۳

س: ہندوستان میں عیسائیوں کی عملداری سے پادری نے عیسائیت کی حقانیت پر کس طرح استدلال کیا؟ ذکر کریں ص۹۳

س: پنڈت دیانند سرسوتی نے پانچویں سوال کا کیا جواب دیا؟ اور پادری اسکاٹ پر اس نے کیا کیا تنقید کی؟ ص۹۳،۹۴

س: عیسائی مذہب میں نجات نہ ہونے کی پنڈت نے کیا دلیل دی؟ ص۹۴

س: پانچویں سوال کے جواب میں حضرتؒ کی تقریر کا حاصل ذکر کریں ص۹۴ تا ۱۰۳

س: حضرت نانوتویؒ نے نجات کی کیا تعریف کی اور پنڈت دیانند سرسوتی اور پادری

اسکاٹ کی کس نکتے پر گرفت کی؟ ص ۹۴

س: گناہ کس کو کہتے ہیں؟ نیز یہ بتائیں کہ کسی عمل کے گناہ یا ثواب ہونے کا علم کس طرح ہوتا ہے؟ ص ۹۴، ۹۵

س: خداوندِ عالم لطیف ہے اس کی وضاحت کریں ص ۹۵

س: اس کو ثابت کریں کہ ہر کام کا حسن قبح محض عقل سے معلوم نہیں ہوتا ص ۹۵

س: خالی جگہ پر کریں:

خداوند کو علیم وحکیم ہے اور...... وجہ سے یہ اعتقاد ہے...... نہ وہ اچھی...... سے منع فرمائے نہ...... بات کا...... فرمائے لیکن تاہم...... ہے بندو نہیں حاکم ہے...... نہیں عقل کا...... نہیں...... اس کی مطیع ہے اس...... اگر...... وہ زنا کو حلال...... طاعت کو...... کردے تو بیشک زنا...... اور طاعت...... ہوجائے۔ ص ۹۵

س: حضرتؒ نے انبیا کی ضرورت کو کس طرح ثابت کیا؟ ص ۹۵، ۹۶

س: انبیا و رسل کی اتباع میں نجات منحصر کیوں ہے؟ ص ۹۶

س: اس کو ثابت کریں کہ اب نجات صرف آنحضرت ﷺ کی اتباع میں منحصر ہے ص ۹۶

س: خالی جگہ پر کریں:

حضرت موسیٰ اور...... عیسیٰ...... کی بزرگی اور نبوت مسلم، ان...... منکر ہمارے نزدیک ایسا...... کافر ہے جیسے...... ﷺ کی...... کا منکر ہمارے...... کافر...... علیٰ ھذا...... سری رامچند ر...... سری کرشن کو...... ہم کچھ نہیں...... سکتے پر آج کل...... کا سامان...... بجز اتباع...... آخر الزمان محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم...... کچھ......۔ ص ۹۶

س: یہود کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام، عیسائیوں کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بابت حضرتؒ کا عقیدہ کیا ہے؟ اور ہندوؤں کے پیشواؤں سری رامچند اور سری کرشن کی بابت حضرت کا عقیدہ کیا ہے؟ ص ۹۶

س: آنحضرت ﷺ کو چھوڑ کر اوروں کی اتباع پر اصرار کرنا از قسم بغاوت خداوندی کیوں ہوگا؟ ص۹۶، ۹۷

س: اس موقع پر حضرت نے آنحضرت ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے کی جو دلیل ذکر فرمائی پیش کریں ص۹۷

س: انبیاء میں سے کس نے دعویٰ خاتمیت کیا، کس نے نہ کیا؟ ص۹۷

س: ص۹۷ میں حضرت کے کلام میں خاتم اور خاتمیت میں آخری ہونے کا ذکر ہے یا کوئی اور معنی ہے؟ اور کس دلیل سے؟ ص۹۷

س: بائبل میں ہے کہ میرے بعد جہان کا سردار آنے والا ہے حضرت نے اس سے آپ کا آخری نبی ہونا کیسے ثابت کیا؟ ص۹۷

س: میرے بعد جہان کا سردار آنے والا ہے عیسائی اس کی کیا تاویل کرتے ہیں اور جواب کیا ہے؟ ص۹۷ح

س: تمام عالم کے لئے اتباع محمدی کے لازم ہونے کی کیا دلیل ہے؟ ص۹۸

س: نبی ﷺ کے معجزات کی فوقیت وافضلیت پر چند سطور تحریر کریں ص۹۸

س: الوہیت مسیح کے عقیدہ کو جس انداز میں حضرت نے باطل کیا تحریر کریں ص۹۸

س: اس کو ثابت کریں کہ نصاریٰ ہمہ تن دنیا کی طرف متوجہ ہیں ص۹۹ح

س: حضرت کے انداز میں اس کو واضح کریں کہ پادری اپنی شان میں وہ کچھ برداشت نہیں کرتے جو کچھ اللہ تعالیٰ کی بابت کہہ دیتے ہیں ص۹۹

س: اس کو ثابت کریں کہ پادری کو چمار کہنا اتنا ظلم نہیں جتنا خدا کو بشر کہنا ص۹۹

س: عاقلان فرنگ کو مخاطب کر کے حضرت نے الوہیت مسیح کے عقدہ کا بطلان کس طرح واضح کیا ص۱۰۰

س: اس کو ثابت کریں کہ فرعون کی نسبت کسی بے وقوف کو گمان الوہیت ہوا ہو تو اتنا بعید نہیں

جتنا حضرت عیسیٰ اور دیگر اہل اللہ کی طرف ص ۱۰۰

س: اس کو ثابت کریں کہ آج کل سچے عیسائی تو ہم محمدی ہیں۔ ص ۱۰۱

جواب متعین کریں:

حضرت عیسیٰ کا کیا عقیدہ تھا؟ خدا ایک ہے خدا تین ہیں ص ۱۰۱

حضرت عیسیٰ خود کو کیا سمجھتے تھے؟ خود کو خدا سمجھتے تھے؟ اللہ کا بندہ کہتے تھے ص ۱۰۱

حضرت عیسیٰ کی گستاخیاں کون کرتے ہیں عیسائی مسلمان ص ۱۰۱

حضرت عیسیٰ کو ملعون کون سمجھتے ہیں مسلمان عیسائی ص ۱۰۱

عیسیٰ علیہ السلام پر عذاب واقع ہونے کے کون قائل ہیں مسلمان عیسائی ص ۱۰۱

س: خالی جگہ پر کریں

جو......عیسیٰ علیہ السلام کی......گستاخانہ عقیدے رکھے مسلمان اس......دشمن دین و......اور بے......و بے ایمان سمجھتے ہیں اور حضرات نصاریٰ کا یہ......کہ......گستاخیاں......جاتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو عیسائی کہے......ہیں کبھی یہ ترقی کہ خدا......دیا کبھی یہ......کہ عذاب پہنچا دیا اب پادری......انصاف......کہ حضرت عیسیٰ کا اتباع ہم کرتے ہیں یا وہ کرتے ہیں ص ۱۰۱

س: پادری اسکاٹ نے کہا تھا کہ ہندوستان میں امن وامان عیسائیت کے حق ہونے کی دلیل ہے حضرتؒ نے اس کے متعدد جوابات دیئے تحریر کریں ص ۱۰۱ تا ۱۰۳

س: ۱۰۳ پادری اسکاٹ کے مذکورہ بالا استدلال کی وجہ حضرت نانوتویؒ نے اس کو کس طرح شرمندہ کیا واضح کریں۔ ص ۱۰۱

س: ثابت کریں کہ اگر قیام امن سچائی کی دلیل ہے تو بھی سچا مذہب اسلام ہے ص ۱۰۲

س: اس کو ثابت کریں کہ عیسائی بہت سے ایسے گناہ کرتے ہیں جو انجیل میں منع ہیں جبکہ مسلمان ان سے بچتے ہیں ص ۱۰۲، ۱۰۳

س: لندن کے حالات سے حضرتؒ نے کس طرح استدلال فرمایا ص ۱۰۳

س: اس عبارت کی شرح کریں

استدلال بانی ناتمام ہوتا ہے، وضع تالی منع وضع مقدم نہیں ہوتی، آثار سے مؤثر پر استدلال نہیں ہوسکتا ص ۱۰۲

---

۱) کتب منطق میں ہے دلیل کی دو قسمیں ہیں دلیل لمی دلیل انی۔ دلیل لمی میں علت سے معلول پر استدلال ہوتا ہے اور دلیل انی میں معلول سے علت پر۔ مثلاً آپ کو معلوم ہے کہ فلاں آدمی کو تیز بخار ہے تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس کو تھکاوٹ ہوگی کیونکہ تیز بخار تھکاوٹ کی علت ہے اور اگر کوئی شخص کہے مجھے تھکاوٹ ہے تو آپ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ ہوسکتا ہے تجھے بخار ہو مگر یقین سے نہیں کہہ سکتے کیونکہ ممکن ہے اسے کسی اور وجہ سے تھکاوٹ ہوگئی ہو۔

حضرتؒ نے شاہجہانپور کے پہلے مباحثہ میں جو وعظ فرمایا اس کے شروع میں فرما دیا کہ کسی مذہب کا سچا یا جھوٹا ہونا اس کے عقائد سے معلوم ہوتا ہے نہ کہ اعمال سے گویا عقائد کا سچا ہونا مذہب کے سچا ہونے کی لئے دلیل لمی ہے اور اعمال کا اچھا ہونا دلیل انی ہے۔ اس لئے سب سے پہلے عقائد پر بحث چاہئے کیونکہ جب کسی مذہب کے بارے میں ثابت ہوجائے کہ اس کے عقائد غلط ہیں تو اس کے اعمال سے حقانیت پر استدلال درست نہ ہوگا۔ [اگرچہ اسلام کے اعمال بھی سب اچھے ہیں حضرت نے حجۃ الاسلام میں اسلامی اعمال کے حسن پر بھی بحث کی اور ان کی حکمتیں بتائی ہیں۔ مگر دوسروں کا راستہ بند کرنے کیلئے حضرت نے وہاں یہ اصولی بات سمجھا کر اگلی باتیں کہیں، راقم] پادری اسکاٹ نے عیسائیت کے عقائد پر بحث سے گریز کرتے ہوئے انگریزی حکومت کے بعض اعمال سے عیسائیت کی حقانیت پر استدلال کیا۔

چونکہ پادری اسکاٹ کو منطق کا دعویٰ تھا اس لئے حضرتؒ نے منطقی اصطلاحات کو پیش کرکے اس پر رد کیا حضرت نے ایک بات یہ ارشاد فرمائی کہ آثار سے مؤثر پر استدلال نہیں ہوسکتا جیسے تھکاوٹ سے بخار پر استدلال نہیں ہوسکتا، تو انگریزی حکومت کے بعض کاموں سے مذہب کے حقانیت ثابت نہ ہوگی اس لئے کہ عقائد باطل ہیں علاوہ ازیں بہت سے اعمال بھی خراب ہیں۔ (باقی آگے)

س: حضرتؒ نے اپنے بیان میں کفار کے بالمقابل اہل اسلام کا کس طرح دفاع کیا اور ان کی فوقیت کس طرح ثابت کی؟ ص ۱۰۳

س: پادری محی الدین نے حضرتؒ کے رویہ کی کیا شکایت کی اور جواب کیا؟ ص ۱۰۳

س: پادری محی الدین نے الوہیت مسیح پر کس کتاب کا حوالہ دیا اور عبارت کسی طرح پڑھی اور استدلال کس طرح کیا؟ ص ۱۰۴

س: پادری نے عیسیٰ علیہ السلام کے معبود کامل اور انسان کامل ہونے کو کن کن مثالوں سے پیش کیا؟ ص ۱۰۵

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ایک بات یہ ارشاد فرمائی کہ استدلال انی ناتمام ہوتا ہے، مطلب یہ کہ اس نے دلیل لمی سے گریز کرتے ہوئے دلیل انی کو پیش کیا۔ اور یہ بڑی غلطی ہے دلیل لمی تیرے خلاف ہے کہ تیرے عقائد باطل ہیں تو دلیل انی یعنی فقط بعض اعمال سے تو سارے مذہب کی حقانیت ثابت نہ ہوجائے گی

ایک بات یہ ارشاد فرمائی کہ وضع تالی منتج وضع مقدم نہیں ہوتی اس کی وضاحت کیلئے منطق کی پہلے سال کی کتاب مرقات کو دیکھیں قیاس استثنائی کی فصل میں ہے: **فان کانت الشرطیة متصلة فاستثناء عین المقدم ینتج عین التالی (۱) واستثناء نقیض التالی ینتج رفع المقدم (۲) کما تقول کلما کانت الشمس طالعة کان النهار موجودا لکن الشمس طالعة ینتج فالنهار موجود، لکن النهار لیس بموجود ینتج فالشمس لیست بطالعة** (مرقات ص ۴۱، ۴۲)

"**فاستثناء عین المقدم ینتج عین التالی**" کے حاشیہ میں ہے: **ولا عکس لجواز کون اللازم اعم فلا یلزم من وضعه وضعه** (مرقات ص ۴۱) یعنی تالی کو ماننے سے مقدم کو ماننا ضروری نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے تالی بہ نسبت مقدم اعم ہو جیسے اگر یہ انسان ہے تو حیوان ہے تو یہ کہنا تو درست ہے کہ چونکہ یہ انسان ہے اس لئے حیوان ہے مگر یوں کہنا تو درست نہیں کہ چونکہ یہ حیوان (باقی آگے)

س: پادری کی پیش کردہ روایت کس درجہ کی تھی حضرتؒ نے اس کتاب کے مصنف پر کس طرح تبصرہ کیا؟ ص۱۰۵

س: برناباس کون تھے حضرت نے ان کی انجیل کا کس مناسبت سے ذکر فرمایا؟ ص۱۰۶

س: مسلمانوں پر بطور حجت کن کتابوں کو پیش کیا جاسکتا ہے کن کو نہیں؟ ص۱۰۶

س: پادری کے اس قول پر کہ عیسیٰ علیہ السلام بیک وقت انسان کامل اور معبود کامل ہیں حضرت نانوتویؒ کی جاندار تنقید ذکر کریں ص۱۰۷

س: عیسائیوں کی اس بات کا کیا جواب ہے کہ حضرت عیسیٰ کی الوہیت کی مثال ایسے ہے جیسے لوہے کو آگ میں گرم کیجئے تو وہ بھی آگ بن جاتا ہے۔ ص۱۰۷

س: پادری محی الدین کا مستقبل کیسا ہوا؟ ۱۰۸ حاشیہ

س: ثابت کریں کہ پادری حضرتؒ کی باتوں کا جواب دینے سے عاجز ہوگئے۔ ص۱۰۹

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہے اس لئے انسان ہے کیونکہ حیوان کی انسان کے علاوہ بھی ہزارہا انواع ہیں۔

"واستلزام نقیض التالی ینتج رفع المقدم" کے حاشیہ میں ہے ولا عکس لجواز ان یکون اللازم اعم (مرقات ص۴۲) یعنی مقدم کی نفی سے تالی کی نفی ضروری نہیں ہوسکتا ہے کہ تالی اعم ہو وہ کسی اور وجہ سے بھی پائی جائے اوپر والی مثال میں کہ اگر یہ انسان ہے تو حیوان ہے۔ اس کے بعد یوں کہنا تو درست ہے کہ چونکہ یہ حیوان نہیں اس لئے انسان نہیں مگر یوں کہنا درست نہیں کہ چونکہ یہ انسان نہیں اس لئے حیوان نہیں کیونکہ انسان نہ ہوتے ہوئے بھی چیز کا حیوان ہونا ممکن بلکہ واقع ہے۔ ہزاروں جانور انسان نہیں مگر حیوان ہیں۔

حضرت کی بات کی وضاحت خط کشیدہ الفاظ میں ہے مطلب یہ ہے کہ تمہاری حکومت میں اگر امن ہوگیا تو اس کی وجہ بھی نہیں کہ تمہارا دین درست ہے تمہارے عقائد پسندیدہ ہیں اس کی وجہ اور بھی ہوسکتی ہے لہٰذا تمہارے مذہب کی حقانیت اس سے ثابت نہیں ہوتی۔ والحمد للہ

س: شیطان کی بابت اور جنت کی بابت پنڈت دیا نند کے کیا اعتراض تھے؟ ص ۱۰۹،۱۱۰

س: مباحثہ سے عیسائیوں کے فرار کی کیفیت ذکر کریں ص ۱۱۰

س: حضرتؒ نے اعتراضات کے جواب کی کوشش کی تو پادریوں نے کیا کیا؟ ص ۱۱۱

س: نماز عصر کے بعد حضرت نے اسلام کے غلبہ کا اعلان کس طرح فرمایا؟ ص ۱۱۱

س: پادریوں کی گھبراہٹ کا کوئی شاہد ذکر کریں ص ۱۱۲

س: مباحثہ کے بعد ہندوؤں کے تاثرات تھے اور اس کا فائدہ کیا ہوا؟ ص ۱۱۲

س: جلسہ گاہ سے پہلے کون نکلے بعد میں کون؟ ص ۱۱۲

س: واپسی پر اہل اسلام شہر میں کس کے مہمان ہوئے؟ ص ۱۱۲

س: حضرت کے بارے میں منصف شاہجہانپور کے تاثرات لکھیں ص ۱۱۳

س: پادری اسکاٹ سے ایک مسلمان کی کیا گفتگو ہوئی ص ۱۱۳

س: مولوی محمد علی صاحب اور پنڈت اندر من کی شاجہانپور شہر میں مباحثہ کی بابت میں جو بات چیت ہوئی نقل کریں ص ۱۱۴

س: بہشت اور دوزخ کے وجود پر حضرت نانوتویؒ کا عقلی استدلال ذکر کریں ص ۱۱۵

س: جنت اور دوزخ کے محل وقوع کی بابت حضرتؒ کا جواب ذکر کریں ص ۱۱۷

س: شیاطین وملائکہ کے وجود پر حضرت کا استدلال ذکر کریں ص ۱۱۷

س: شیاطین کے وجود کی حکمت لکھیں۔ ص ۱۱۸

س: حضرت کے بارے میں لوگوں کے تاثرات آپ نے پڑھ لئے؟ آپ بتائیں کہ مباحثہ کی روئیداد پڑھنے کے بعد آپ کے تاثرات کیا ہیں؟ کیا آپ نے ایسے مضامین کہیں اور پڑھے تھے؟ اگر پڑھے تو ذکر کریں نہیں پڑھے تو ان کی اشاعت کی فکر کریں

☆☆☆☆☆

☆☆☆

تعارف رسالہ حجۃ الاسلام

استاذ محترم مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی نوراللہ مرقدہ مقدمہ اجوبہ اربعین ص ۳۰ میں لکھتے ہیں:

یہ بڑے سائز کے ۵۰ صفحات پر مشتمل رسالہ ہے [اقول: ہمارے پاس حجۃ الاسلام کے دو نسخے ہیں، طبع دیوبند کے ۶۴ صفحے ہیں، طبع دار الاشاعت کے ۸۰ صفحات ہیں۔ راقم] اردو زبان میں اس میں اسلام کے ضروری عقائد حضرت نانوتویؒ نے اپنے حکیمانہ طرز میں ذکر کئے ہیں اور اس انداز میں ان کی تبیین وتشریح کی ہے کہ عقل سلیم رکھنے والے حضرات اس کو پڑھ کر اسلام کے عقائد کے بارہ میں اطمینان حاصل کر سکتے ہیں اور غیر مسلم حضرات بھی اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

یہ رسالہ بارہا طبع ہوا ہے اور بہت سے خوش بخت لوگوں نے اس سے استفادہ کیا ہے اس کے عنوانات حضرت شیخ الہندؒ نے قائم کئے ہیں۔ یہ رسالہ بھی حضرت نے ایک دن رات میں لکھا ہے اس رسالہ کا نام حجۃ الاسلام حضرت مولانا سید فخرالحسن گنگوہیؒ نے تجویز فرمایا ہے

یہ رسالہ حکمت قاسمیہ کا اہم جزء ہے۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے لکھا ہے کہ " میں نے مولانا محمد قاسم کا رسالہ حجۃ الاسلام مولانا شیخ الہندؒ سے سبقاً سبقاً پڑھا ہے۔ انتہٰی

حضرت صوفی صاحب نوراللہ مرقدہ نے اس کا عربی میں ترجمہ بھی فرمایا جو ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ سے شائع ہوتا ہے۔

حضرت نے اس مختصر سے رسالے کو شاہجہانپور کے مباحثوں کیلئے لکھا تھا کہ اگر وہاں اسلام کی حقانیت کیلئے کوئی تحریر دینی پڑے تو دیر نہ لگے۔ اس لئے مباحثہ سے حوالے سے جن موضوعات کی ضرورت تھی حضرت نے ان کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے تحریر کیا تھا یعنی توحید، رسالت اور ختم نبوت کے اثبات کے ساتھ ساتھ ہندوؤں عیسائیوں کا ضروری رد مگر حقیقت یہ ہے کہ اس میں بعض ایسے مضامین ہیں جو حضرت کی اور کتابوں میں بھی نہیں ملتے بالخصوص ارکان اسلام نماز، زکوۃ، روزہ اور حج کی حکمتیں۔

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِی

حجۃ الاسلام

سنہ ۱۳۵۷ھ

(ازافاضات)

حجۃ اللہ علی العالمین شیخ الاسلام

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب انار اللہ برہانہٗ

(باضافۂ عنوانات)

شیخ الہند حضرت مولانا و مرشدنا محمود الحسن قدس اللہ سرہٗ

(باہتمام)

احقر محمد علی مینجر کتب خانہ امدادیہ دیوبند نے

دہلی میں طبع کراکر

کتب خانہ امدادیہ دیوبند سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الرسل وخاتم النبیین وعلی الہ واصحابہ واتباعہ واحبابہ وعلماء امتہ الواصلین الی مدارج الحق الیقین

بندہ محمود حمد وصلوٰۃ کے بعد طالبان معارف آلہیہ اور دلدادگان اسرار ملت حنفیہ کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ ۱۸۷۶ء میں پادری نولس صاحب اور منشی پیارے لال صاحب ساکن موضع چاندا پور متعلقہ شاہجہانپور نے باتفاق رائے جب ایک میلہ بنام میلہ خداشناسی موضع چاندا پور میں مقرر کیا اور اطراف و جوانب میں اس مضمون کے اشتہار بھجوائے کہ ہر مذہب کے علماء آئیں اور اپنے اپنے مذہب کے دلائل سنائیں۔ تو اُس وقت معدن الحقائق مخزن الدقائق مجمع المعارف مظہر اللطائف جامع الفیوض و البرکات قاسم العلوم والخیرات سیدی و مولائی حضرت مولانا مولوی محمد قاسم صاحب متعنا اللہ تعالیٰ بعلومہ ومعارفہ نے اہل اسلام کی طلب پر میلۂ مذکور کی شرکت کا ارادہ ایسے وقت مصمم فرمایا کہ تاریخ مباحثہ یعنی ۷ مئی سر پر آگئی تھی چونکہ یہ امر بالکل معلوم نہ تھا کہ تحقیق مذاہب اور بیان دلائل کی کیا صورت تجویز کی گئی ہے۔ اعتراضات وجوابات کی نوبت آئیگی یا زبانی اپنے اپنے مذہب کی حقانیت بیان یا بیانات تحریری ہر کسی کو پیش کرنے پڑیں گے۔ تو اسی لئے بنظر احتیاط حضرت مولانا قدس اللہ سرہ کے خیال مبارک میں یہ آیا کہ ہر ایک تحریر جو اصول اسلام اور فروع ضروریہ بالخصوص جو اس مقام کے مناسب ہوں سب کو شامل ہو حسب قواعد عقلیہ منضبط ہونی چاہیئے جس کی تسلیم میں عاقل منصف کو کوئی دشواری نہ ہو اور کسی قسم کے انکار کی گنجایش نہ ملے۔ چونکہ وقت بہت تنگ تھا اسی لئے نہایت عجلت کے ساتھ غالباً ایک روز کامل اور کسی قدر شب میں

بیٹھکر ایک تحریر جامع تحریر فرمائی، جلسۂ مذکورہ میں تو مضامین مندرجہ تحریر مذکورہ کو زبانی ہی بیان فرمایا اور دربارہ حقانیت اسلام جو کچھ بھی فرمایا وہ زبانی ہی فرمایا اور اسی لئے تحریر مذکور کے سُنانے کی حاجت اور نوبت ہی نہ آئی۔ چنانچہ مباحثہ مذکور کی جملہ کیفیت بالتفصیل چند بار طبع ہوکر شائع ہو چکی ہے۔ مگر جب اُس مجمع سے بحمداللہ نصرت اسلام کا پھریرا اڑاتے ہوئے حضرت مولانا المعظم واپس تشریف لائے تو بعض خدام نے عرض کیا کہ تحریر جو جناب نے تیار فرمائی تھی اگر مرحمت ہو جائے تو اُس کو مشتہر کر دینا نہایت ضروری اور مفید نظر آتا ہے۔ یہ عرض مقبول ہوئی اور تحریر مذکور متعدد مرتبہ طبع ہوکر اسوقت تک تسکین بخش قلوب اہل بصیرت اور نور افزائی دیدہ اولی الابصار ہو چکی ہے۔ اور مولانا مولوی فخرالحسن صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُس کے مضامین کے لحاظ سے اُسکا نام حجۃ الاسلام تجویز فرماکر اوّل بار شائع فرمایا تھا جس کی وجہ تسمیہ دریافت کرنے کی کم فہم کو بھی حاجت نہ ہوگی۔

اُس کے بعد چند مرتبہ مختلف مطابع میں چھپکر وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہی، صاحبان مطابع اس عجالہ مقبولہ اور نیز دیگر تصانیف حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اشاعت دیکھکر صرف بغرض تجارت معمولی طور پر اُن کو چھاپتے رہے۔ کسی اہتمام زائد کی حاجت انکو محسوس نہ ہوئی۔ اسی لئے فقط کاغذ اور لکھائی اور چھپائی ہی میں کوتاہی نہیں ہوئی بلکہ تصحیح عبارت میں بھی نمایاں خلل پیدا ہو گئے۔ اس حالت کو دیکھکر کفش برداران قاسمی اور دلدادگان اسرار علمی کو بے اختیار اس امر پر کمربستہ ہونا پڑا کہ صحت، خوشخطی وغیرہ تمام امور کا اہتمام کرکے اس عجالہ مقدسہ کو چھاپا جائے اور بغرض توضیح حاشیہ پر ایسے نشانات کر دیئے جائیں جس سے تفصیل مطالب ہر کسی کو بے تکلف معلوم ہو جائے اور جملہ تصانیف حضرت مولانا لنفع اللہ المسلمین بفیوضہ کو اسی کوشش اور اہتمام کے ساتھ چھاپ کر اُن کی اشاعت میں سعی کی جائے۔ واللہ ولی التوفیق۔

فہرست مضامین حجۃ الاسلام طبع جدید

اس تحریر کی نسبت حضرت مولانا کی زبان مبارک سے یہ بھی سُنا گیا کہ جو مضامین تقریر دلپذیر میں بیان کرنے کا ارادہ ہے وہ سب اس تحریر میں آگئے۔ اُس قدر تفصیل سے نہ سہی بالاجمال ہی سہی۔ ایسی حالت میں تقریر دلپذیر کے تمام ہونے کا جو تعلق شائقان اسرار علمیہ کو ہے اُس کے مکافات کی صورت بھی اس رسالے سے بہتر دوسری نہیں ہوسکتی۔

اب طالبان حقائق اور حامیان اسلام کی خدمت میں ہماری یہ درخواست ہے کہ تائید احکام اسلام اور مدافعت فلسفۂ قدیمہ و جدیدہ کے لئے جو تدبیریں کی جاتی ہیں اُنکو بجائے خود رکھکر حضرت خاتم العلماء کے رسائل کے مطالعہ میں بھی کچھ وقت ضرور صرف فرماویں اور پورے غور سے کام لیں اور انصاف سے دیکھیں کہ ضروریات موجودہ زمانہ حال کے لئے وہ سب تدابیر سے فائق اور مختصر اور بہتر اور مفید تر ہیں یا نہیں۔

اہل فہم خود اس کا تجربہ کچھ تو کرلیں۔ میرا کچھ عرض کرنا اسوقت غالباً دعوے بلا دلیل سمجھکر غیر معتبر ہوگا اس لئے زیادہ عرض کرنے سے معذور ہوں۔ اہل فہم و علم خود موازنہ اور تجربہ فرمانے میں کوشش کرکے فیصلہ کرلیں۔ باقی خدام مدرسۂ عالیہ دیوبند نے تو یہ تہیہ بنام خدا کرلیا ہے کہ تالیفات موصوفہ مع بعض تالیفات حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ وغیرہ تصحیح اور کسی قدر توضیح و تسہیل کے ساتھ عمدہ چھاپ کر اور نصاب تعلیم میں داخل کرکے اُن کی ترویج میں اگر حق تعالےٰ توفیق دے تو جان توڑ کر ہر طرح کی سعی کی جائے اور اللہ کا فضل حامی ہو تو وہ نفع جو اُن کے ذہن میں ہے اوروں کو بھی اس کے جمال سے کامیاب کیا جائے۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ہ

کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہوگا	ہم کیا ہیں، جو کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ کہ ہُوا، ہُوا کرم سے تیرے	جو کچھ ہوگا، تیرے کرم سے ہوگا

وعظ

انما انا قاسم واللہ یعطی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سبحانک لاعلم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم۔

تمہید اے حاضران جلسہ یہ کمترین اور آپ صاحب بلکہ تمام بنی آدم اول سے ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اس لئے ہر کسی کے ذمہ ایک دوسرے کی خیرخواہی لازم ہے اور دوسروں کے مطالب اصلیہ کے بہم پہنچانے میں کوشش کرنی سب کے ذمہ ضرور ہے مگر جیسے آنکھ ناک کا مطلب اصلی دیکھنا سونگھنا اور زبان کان کا مطلب اصلی بولنا سننا ہے۔ ایسے ہی ہر بنی آدم کا مطلب اصلی اپنے خالق کی اطاعت ہے۔ وجہ اس مشابہت کی یہ ہے کہ جیسے آنکھ ناک، زبان وغیرہ دیکھنے سونگھنے سننے بولنے کے لئے بنائی گئی ہیں ایسے ہی بنی آدم بھی خدا کی اطاعت کے لئے بنائے گئے ہیں۔

انسان اشرف المخلوقات ہے شرح اس کی مجھ سے سنئے زمین سے لیکر آسمان تک جس جس چیز پر سوائے انسان کے نظر پڑتی ہے وہ انسان کے کارآمد نظر آتی ہے پر انسان اُن میں سے کسی کے کام کا نظر نہیں آتا۔ دیکھئے زمین پانی ہوا آگ چاند سورج ستارے اگر نہ ہوں تو جینا محال یا دشوار ہوجائے۔ اور ہم نہ ہوں تو اشیاء مذکورہ میں سے کسی کا کچھ نقصان نہیں علیٰ ہذا القیاس درخت جانور وغیرہ مخلوقات اگر نہ ہوتے تو ہمارا کچھ نہ کچھ حرج ضرور تھا کیونکہ اور بھی کچھ نہیں تو یہ اشیاء کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی مرض ہی کی دوا ہو جاتی ہیں۔ پر ہم

کو دیکھئے کہ ہم اُن کے حق میں کسی مرض کی دوا نہیں۔ مگر جب ہم مخلوقات میں سے کسی کے کام کے نہیں تو بالضرور ہم اپنے خالق کے کام کے ہونگے ورنہ ہماری پیدائش محض فضول اور بیہودہ ہوجائے جس سے خالق کی طرف تو بیہودہ کاری کا الزام عائد ہوا اور ہماری طرف نکمے ہونے کا عیب راجع ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں ایسی ہیں کہ کوئی عاقل انکو تسلیم نہیں کرسکتا۔ اور کیونکر تسلیم کرلیجئے بدلالت آثار و کاربار انسانی انسان کی فضلیت اور مخلوقات پر خصوصاً جمادات نباتات حیوانات وغیرہ اشیائے معلومہ محسوسہ پر ایسی طرح روشن ہے جیسے خوبصورتوں کا بدصورتوں پر صورت میں افضل ہونا اور خوش آوازوں کا بدآوازوں سے آواز میں افضل ہونا اور خوش فہموں کا بدفہموں سے فہم میں افضل ہونا ظاہر و باہر ہے۔ پھر کیونکر ہوسکتا ہے کہ اور سب چیزیں تو کام کی ہوں اور انسان نکما ہو۔ اور اشیاء اگر انسان کے کام نہیں آتی ہیں تو انسان بیشک خدا کے کام کا ہوگا

اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوسکتا

علاوہ بریں سب صاحبوں سے پوچھتا ہوں یہ تو غلط نہ ہو کہ آگ جلایا ہی کرتی ہے بجھاتی نہیں۔ اور پانی بجھایا ہی کرتا ہے جلاتا نہیں۔ اور یہ غلط ہوجائے کہ حکیم علی الاطلاق حکمت ہی کے کام کیا کرتا ہے کوئی بیہودہ کام نہیں کرتا۔ بیشک جیسے آگ جلاتی ہی ہے بجھاتی نہیں۔ ایسے ہی حکیم علی الاطلاق بھی حکمت ہی کے کام کریگا۔ بیہودہ کام اس سے سرزد نہ ہونگے۔

پھر کیونکر ہوسکتا ہے کہ انسان کو محض فضول بنایا ہو اُس کے بنانے میں کوئی حکمت نہ ہو یعنی اس کے بنانے میں کوئی نتیجہ مقصود ملحوظ نہ ہو محض نکما ہی ہو ہاں اگر خالق کا حکیم ہونا قابل تسلیم نہ ہوتا تو البتہ کچھ مضائقہ نہ تھا۔ مگر اس کو کیا کیجئے کہ اُس کے بندے جو اُس کی مخلوق ہیں اور اُن میں جو کچھ ہے وہ سب اسی کا دیا ہوا ہے۔ بڑے بڑے حکیم ہوتی ہیں۔ وہ اگر حکیم نہ ہو تو پھر ان میں حکمت کے آنے کی کوئی صورت نہیں۔ چنانچہ انشاء اللہ عنقریب مضمون دلنشین ہوا چاہتا ہے۔

افعال رادیہ غرض سے خالی نہیں ہوتے

مگر جب یہ بات ٹھہری کہ پیدائش انسانی حکمت سے خالی نہیں تو اُس کے یہی معنی ہونگے کہ اُسکو کسی کام کے لئے بنایا ہے۔ سو سوا خدا کے اور تو یہ کسی کے کام کا ہو نہیں سکتا۔ چنانچہ ابھی واضح ہو چکا ہے ہو نہ ہو خدا ہی کے کام کا ہوگا۔ ہاں اگر انسان کسی کا مخلوق نہ ہوتا تو البتہ یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ حکمت بمعنی غرض تو اُسی چیز سے متعلق ہو سکتی ہے جو بنائی ہوئی ہوتی ہے وہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس شئے کو اس مطلب کے لئے بنایا ہے۔ ورنہ جو کسی کی بنائی ہوئی نہ ہو۔ کسی کا ارادہ اس کے بنانے میں مصروف نہ ہوا ہو۔ کسی کی توجہ اُس طرف نہ ہوئی ہو۔ جیسے خود خداوند عالم وہاں غرض اور مطلب کی گنجایش نہیں۔ گو سب کی مطلب برآری اور کارروائی اُسی سے متعلق ہو۔ مگر اسکو کیا کیجئے کہ بنی آدم کے مخلوق ہونے پر خود اُسی کی ذات و صفات کی کیفیت بزبان حال گواہ ہے چنانچہ عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ یہ عقدہ کھلا چاہتا ہے۔

انسان کا اطاعت خداوندی سے محروم رہنا اس کی کم نصیبی ہے گو اس میں کتنے ہی کمالات ہوں

الحاصل مطلب اصلی اس کی پیدایش سے یہ ہے کہ یہ خدا کے کام آئے اور کسی اور کام میں مشغول نہ ہو۔ ورنہ پھر یہ تو احتمال ہی نہیں کہ مطلب اصلی سے اعلیٰ کام اس سے نکلے۔ ورنہ وہی مطلب اصلی ہوتا اس لئے اس وقت اس کی مثال ایسی ہو جائیگی جیسے فرض کیجئے کپڑا بنایا تھا پہننے کے لئے مگر پہننے کے عوض جلا کر روٹی پکا لیجئے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات کپڑے کے حق میں از قسم کم نصیبی ہوگی۔ ایسے ہی انسان بھی اگر اس مطلب اصلی سے محروم رہے جو اصل غرض اُس کی پیدایش سے تھی تو اُس کی کم نصیبی میں کیا کلام ہوگا۔

انسان کی فرمانبرداری سے انسان ہی کو فائدہ ہے نہ حق تعالےٰ کو

مگر یہ بات بھی ظاہر ہے کہ خدا تعالےٰ کسی کا کسی بات میں محتاج نہیں بلکہ سب اُسی کے محتاج ہیں۔ چنانچہ بدلائل یہ بھی انشاء اللہ تعالےٰ ثابت ہوا چاہتا ہے تو اُس کا کام بجز اطاعت و

فرمانبرداری اور کچھ نہ ہوگا۔ اور اُس کو فرمانبرداری کا نتیجہ بجز نفع بنی آدم اور کچھ نہ ہوگا۔
یعنی جیسے مریض کے حق میں اطاعتِ طبیب اور اُس کی فرمانبرداری اُسی کے حق میں مفید ہے۔ طبیب کے حق میں مفید نہیں۔ ایسے ہی خدا کی اطاعت بندہ کے حق میں اُسی کی نسبت مفید ہوگی خدا کی نسبت کچھ مفید نہ ہوگی اور یہ بھی نہ ہوگا کہ کسی کے حق میں مفید نہ ہو ورنہ پھر وہی بیہودہ کاری کا الزام لازم آئیگا۔ بہرحال بندہ اطاعت خدا کے لئے ہے اور اس اطاعت کا نفع اسی کو ہے اس لئے اطاعت خود بندہ کے حق میں مطلب اصلی ہوگی۔

> اپنا پہچاننا خدا کے پہچاننے پر موقوف ہے

علاوہ بریں عقل ہر چیز کی حقیقت کے پہچاننے کے لئے بنائی گئی ہے اور قدرت بشری وغیرہ کو اس لئے بنایا ہے کہ حسب ہدایت عقل کام کیا کرے۔ اور ظاہر ہے کہ سب میں اوّل لائق شناخت وعلم خداوند عالم ہے کیونکہ سب حقائق اُسی کی وجہ سے ایسی طرح تاباں ہوئی ہیں جیسے فرض کیجئے آفتاب سے دھوپ۔ چنانچہ انشاء اللہ تعالیٰ واضح ہوا چاہتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دھوپ کی حقیقت اس سے زیادہ اور کیا ہے کہ وہ ایک پرتوِ آفتاب ہے مگر چونکہ سب میں اول اپنی ذات کا علم ہوتا ہے اور اپنی حقیقت اُس کا ایک پرتوہ ٹھیرا تو بیشک اپنا پہچاننا اور علم اس کے پہچاننے اور اس کے علم پر موقوف ہوگا۔

> اطاعت خداوندی انسان کے لئے مقتضائے طبعی ہے

مگر خدا کی معرفت میں کم سے کم یہ تو ضرور ہی ہوگا کہ اُس کو غنی اور بے پروا اور اپنے آپ کو اُس کا محتاج سمجھے مگر یہ بات ہوئی تو بالضرور اُس کی اطاعت اور فرمانبرداری ایک طبعی بات اور مقتضائے دلی ہوگا۔ اور سوا اُس کے جو کام ایسا ہو کہ خدا کی اطاعت اُس پر ایسی طرح موقوف ہو جیسے روٹی کا پکنا مثلاً آگ لکڑی توے کونڈے وغیرہ پر تو وہ طاعت ہی کے حساب میں شمار کیا جائیگا۔ اور مثل اشیاء مذکورہ جو کھانے کے حساب میں شمار کی جاتی ہیں اُس

کام کو طاعتِ خدا کے حساب سے خارج نہ کر سکیں گے۔ اور سوا اس کے اور جو کام ہوگا وہ سب اس کارخانہ سے علیحدہ سمجھا جائیگا۔ اور اس لئے بوجہ فوت مقصود مذکور وہ کام آدمی کے حق میں از قسم کم نصیبی اور بدبختی شمار کیا جاویگا۔

گمراہی کے دو سبب ہیں غلطی اور غلبۂ خواہش

مگر اس بدبختی کا سبب کبھی غلطی ہوتی ہے۔ اور کبھی غلبۂ خواہش۔ تو میرے ذمہ بوجہ خیر خواہی جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے لازم ہے کہ غلطی والوں کو غلطی سے آگاہ کروں۔ اور مغلوبان خواہش کو اپنا شریک مرض سمجھکر فضائل آخرت سمجھاؤں اور اُن سے خود اس ترغیب کا امیدوار ہوں۔ مگر چونکہ غلط کار لوگ بمنزلہ اُس مسافر کے ہیں جو شہر مطلوب کی سڑک کو بوجہ غلطی چھوڑ کر کسی اور راہ کو ہو لے۔ اور مغلوبان خواہش ایسے ہیں جیسے فرض کیجیے شہر مطلوب کی سڑک پہ جاتے ہیں پر بادِ مخالف قدم بدشواری اٹھانے دیتی ہے۔ اس لئے غلطی والوں کے حال پر زیادہ افسوس چاہیے۔

گمراہوں کی ناکامی اور مغلوبان خواہش کی کامیابی کی توضیح بذریعہ مثال

کیونکہ جیسے اُس مسافر کی کامیابی کی کوئی صورت نہیں جو سڑک شہر مطلوب کو چھوڑ کر کسی اور سڑک کو ہو لیا ہو اگرچہ کیسا ہی تیز رفتار کیوں نہ ہو۔ ایسے ہی اُن صاحبوں کی کامیابی کی کوئی صورت نہیں جو بوجہ غلطی راہ مستقیم خدا کو چھوڑ کر کسی اور راہ ہو لئے ہیں اگرچہ وہ کیسے ہی عابد زاہد کیوں نہ ہوں البتہ وہ لوگ جو اُسی راہ کو جاتے ہیں جو خدا تک جاتا ہے پر ہوا و ہوس کے دھکے بدشواری چلنے دیتے ہیں وہ گو بدشواری پہنچیں پر ایک نہ ایک روز گرتے پڑتے گرم سرد زمانہ چکھتے چکھاتے شہر مطلوب یعنی جنت میں تو پہنچ رہیں گے گو اثنا راہ میں نزع اور عذاب کی تکالیف گونا گوں اُنکو بھگتنی پڑیں۔ اور اُن کا ایسا حال ہو جیسا فرض کیجیے مسافر مشار الیہ بادِ مخالف کے جھوکوں اور دھکوں کے باعث گر پڑ کر چوٹیں کھائے اور سلامت نہ جائے۔

نجات دین محمدی ہی میں منحصر ہے

اس لئے بہ نظر خیر خواہی یہ گذارش ہے کہ سوائے دین محمدی کوئی مذہب ایسا نہیں جس میں عقاید کی غلطیاں باعث ترک

رہگذار اصلی جسکو صراط مستقیم کہتے نہ ہوئی ہوں تعصب مذہبی کو چھوڑ کر اگر او صاحب غور فرمائیں گے تو سب کے سب اسی دین کو اپنے مطلوب اصلی کا راستہ سمجھینگے۔ ہاں جنکو فکر آخرت ہی نہ ہوگا اور اس جنت کی طلب ہی اُس کے دل میں نہ ہوگی جو بمنزلہ شہر مطلوب منزل مقصود ہر عام وخاص ہے تو وہ صاحب بیشک بمقابلہ خیر خواہی کتنون اور اُلٹے درپے تردید حق ہونگے اور خود اپنے ہاتھوں اپنے پاؤں کاٹ لیں گے۔

رکن اوّل خیر ہرچہ بادا باد عاقل کو اہل عقل سے امید تسلیم حق ہی چاہیے اس لئے یہ گذارش ہے کہ اس دین کے اصول نہایت پاکیزہ ہیں۔ دو باتوں پر اس مذہب کی بنا ہے ایک توحید جو خلاصہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ہے دوسری رسالت جو خلاصہ محمّد رسُول اللّٰہ ہے سوا ان کے اور جو کچھ ہے انہیں دو باتوں کی تفریع وتمہید ہے۔ اوّل رکن کی توضیح کرتا ہوں بعد ازاں رکن ثانی کو بیان کرونگا۔

وجود باری اے حاضرین جلسہ سنو اور غیر حاضروں کو سناؤ کہ ہمارا تمہارا وجود پائدار نہیں نہ ازل سے ہے نہ ابد تک رہتا ہے ایک زمانہ وہ تھا کہ ہم پردۂ عدم میں مستور تھے اور پھر اسی طرح ایک زمانہ آنیوالا ہے جس میں ہمارا نام ونشان صفحۂ ہستی سے مٹ جائیگا یہ وجود وہستی کا زوال وانفصال بآواز بلند کہتا ہے کہ ہمارا وجود ہمارا خانہ زاد نہیں مستعار ہے یعنی مثل نور زمین وگرمی آب ہے مثل نور آفتاب وحرارت آتش نہیں مگر جیسے زمین کا نور اور آب گرم کی گرمی آفتاب اور آگ کا فیض اور اس کی عطا ہے ایسے ہی ہمارا وجود بھی کسی ایسے کا فیض وعطا ہوگا جس کا وجود خانہ زاد ہو مستعار نہ ہو۔ جیسے آفتاب اور آگ پر نور اور گرمی کا قصہ ختم ہوجاتا ہے یوں نہیں کہہ سکتے کہ عالم اسباب میں آفتاب اور آگ سے اوپر کوئی اور ہے جس کے فیض سے وہ منور اور یہ گرم ہے ایسی ہی ہمارا وجود جس کا فیض ہوگا اُس پر وجود کا قصہ ختم ہوجاویگا۔ یہ نہ ہوگا کہ اُس کا وجود کسی اور کا فیض ہو۔ ہم اُسی کو خدا اور اللہ اور مالک الملک کہتے ہیں۔

خدا کا وجود اسکی ذات سے کبھی جدا نہیں ہوتا

مگر جب اُس کا وجود اُسی کا ہے کسی اور کا دیا ہوا نہیں تو بیشک اُس کا وجود اُس کے ساتھ ایسی طرح لازم و ملازم رہیگا۔ جیسے آفتاب کے ساتھ نور اور آگ کے ساتھ گرمی۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ آگ ہو اور گرمی نہ ہو آفتاب ہو اور نور نہ ہو ایسے ہی یہ بھی نہ ہوگا کہ خدا کی ذات ہو اور اُس کا وجود نہ ہو۔ بلکہ یہ خیال ہی غلط ہوگا کہ خدا کی ذات ہو اور اُس کا وجود نہ ہو۔ اس لئے خدا کی ذات کا ہونا بے وجود متصور نہیں ہوتا۔ اس وجود اور موجودیت ہی کو تو خدا کہتے ہیں۔ اور اس لئے اس کی ذات اور اُس کے وجود میں ایسی نسبت ہوگی جیسے دو میں اور اُس کی زوجیت یعنی جفت ہونے میں جیسے زوجیت دو سے کسی حالت میں اور کسی وقت میں ذہن میں نہ خارج میں جُدی نہیں ہوسکتی ایسے ہی خدا کی ہستی اُس کی ذات سے جدی نہیں ہوسکتی کیونکہ جیسے عدد دو کی زوجیت ایسی نہیں جیسے اُس کے معدود کی یعنی اُس شے کی جسکو دو کہتے ہیں ایسے ہی خدا کی ہستی اور اس کا وجود ایسا نہیں جیسے اس کی مخلوقات کا وجود۔ غرض معدودات کی زوجیت اور مخلوقات کا وجود دونوں کے دونوں مستعار اور قابل زوال ہیں۔ پر عدد دو کی زوجیت اور خدا کی ہستی اور اُس کا وجود اصلی دائم اور قائم ہے۔ ممکن نہیں جو اُس سے جُدا ہو جاوے۔

رہا آفتاب کا کسوف اور آگ کا بجھ جانا یا آفتاب کا اور آگ کا معدوم ہوسکنا ہمارے دعوے کے مخالف نہیں۔ کیونکہ سورج گہن میں تو سُورج کا نور ایسی طرح اوٹ میں آجاتا ہے جیسے چراغ دیوار کی اوٹ میں سارا یا آدھا یا تہائی آجاے۔ الغرض اُس کا نور اُس سے زایل نہیں ہوتا چھُپ جاتا ہے۔ اور آگ چراغ کے بجھنے کے وقت اُس کا نور اس سے جُدا نہیں ہوتا بلکہ آگ معدوم ہوجاتی ہے اُس کی گرمی اور نور بھی اُسی کے ساتھ عدم میں چلی جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ جدائی اور بیوفائی نہیں بلکہ نہایت ہی درجہ کی معیت اور ساتھ ہے۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ یہ معیت اور ہمراہی وجود میں متصور نہیں۔ کیونکہ وجود کسی چیز کے ساتھ اُس کے عدم میں نہیں جاسکتا۔ یہ بات جب ہی متصور ہے کہ وجود اُس سے

الگ ہو جائے۔ اس لئے وہ خداوند عالم بایں وجہ کہ اُس کا وجود اصلی ہے قابل زوال نہیں اور سب کا وجود اُس کا فیض ازلی بھی ہوگا اور ابدی بھی ہوگا نہ کبھی وہ معدوم تھا اور نہ کبھی معدوم ہوگا۔ اور اسی سبب سے یہ بھی ماننا ضرور ہوگا کہ وہ خدا اپنی ہستی میں کسی کا محتاج نہیں۔ اور سب اپنی ہستی میں اُس کے محتاج ہیں۔ اسلئے اسکا جلال ازلی اور ابدی ہے اور سوا اُس کے سب کی عاجزی اور بیچارگی اصلی اور ذاتی۔

اس تقریر سے تو فقط اتنی بات ثابت ہوئی کہ وجود ہمارا خانہ زاد نہیں اس خدا کا پرتوہ ہے جو اپنے وجود میں مستغنی ہے پر اب اُس کی وحدانیت کی بات بھی سُننی چاہیئے۔

اثبات وحدت دیکھئے جیسے متعدد روشندانوں کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں پر نور ایک ہی سا ہوتا ہے۔ اور پھر وہ شکلیں بذات خود باہم بھی متمیز ہوتی ہیں اور اُس نور سے بھی متمیز ہوتی ہیں علیٰ ہٰذالقیاس وہ نور بھی بذات خود ہر شکل سے ممتاز و متمیز ہوتا ہے۔ دوسرے جس چیز کو دیکھئے اُس کی ایک جُدی حقیقت ہے گو وجود ایک ہی سا ہے۔ اور پھر ہر حقیقت بذات خود دوسری حقیقت سے بھی متمیز اور وجود مشترک سے بھی متمیز ہے علیٰ ہٰذالقیاس وجود بھی بذات خود ہر حقیقت سے ممتاز و متمیز ہے۔ اور اس لئے جیسے روشندانوں کی دھوپوں میں دُو دُو باتیں ہیں ایک نور ایک شکل۔ پر خود نور میں دو چیزیں نہیں۔ ایسے ہی مخلوقات میں تو دُو دُو چیزیں ہیں ایک وجود اور ایک اُن کی حقیقت۔ پر اُس وجود میں دو چیزیں نہ ہونگی اور اس لئے اُس موجود اصلی میں جس کی نسبت وجود ند کو فیض ہے کیونکر دوئی ہوسکتی ہے کیونکہ جیسے گرمی گرم چیز اور غیر گرم چیز سے اور سردی سرد چیز اور غیر سرد چیز سے نہیں نکل سکتی۔ اور اس لئے گرمی اور سردی کی مخرج اصلی میں ایسی دوئی کی گنجایش نہیں جو مخالف وحدت گرمی و سردی ہو۔ ایسے ہو وجود بھی موجود اصلی اور غیر موجود اصلی سے نہیں نکل سکتا اور اس لئے اُس کے مخرج یعنی اس موجود اصلی میں وجود کی وحدت کی مخالف کوئی دوئی نہ ہوگی

بساطۃ الوجود اور ظاہر ہے کہ وجود میں کسی قسم کی ترکیب ... جیسے مرکب کا انتہا آخر کار

ایسے اجزا پر ہو جاتا ہے جن میں کچھ ترکیب نہ ہو۔ ایسے ہی ہر چیز کا انتہا وجود پر ہے وجود سے آگے اور کوئی جز نہیں نکل سکتا۔

اس تقریر سے تو موجود اصلی یعنی خدا کی ذات میں وحدت ثابت ہوئی جسکا حاصل یہ نکلا کہ خدا کی ذات میں ترکیب نہیں اب اس وحدانیت کی بات بھی سنئے جس کا حاصل یہ ہو کہ دوسرا اُس کا ثانی بھی کوئی نہیں۔

اثبات وحدانیت

اے حاضران جلسہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ہمارے احاطۂ وجود میں کسی دوسرے کی گنجایش نہیں یعنی جتنے دور میں کو ہم آتے ہیں اُتنے دور میں اور کوئی نہیں سماتا جب ہمارا وجود ضعیف اپنے احاطہ میں کسی کو آنے نہیں دیتا اُس موجود اصلی کا وجود قوی کیونکر اپنے احاطہ میں کسی دوسرے کو سمانے دیگا۔ اور ظاہر ہے کہ وجود کے احاطہ کے برابر نہ انسانیت کا احاطہ ہے نہ حیوانیت کا احاطہ ہے۔ نہ جسمیت کا احاطہ ہے نہ جوہریت کا احاطہ ہے یہی وجہ ہے کہ سب کو موجود کہتے ہیں اور سب موجودات کو انسان یا حیوان یا جسم یا جوہر نہیں کہہ سکتے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ احاطۂ وجود سب احاطوں میں وسیع ہے۔ اور اُس سے اوپر کوئی احاطہ نہیں۔ یعنی ایسا کوئی مفہوم نہیں کہ وہ وجود اور غیر وجود کو شامل ہو۔ اس لئے یہ بات ماننی لازم ہے کہ جیسے کشتی کے احاطہ میں کسی دوسری کشتی یا دوسری کشتی کی حرکت کی گنجایش نہیں۔ ایسے ہی موجود اصلی کے احاطہ میں جو بمقابلہ کشتی متحرک ہے اور فیض وجود عالمگیر کے احاطہ میں جو بمقابلہ حرکت کشتی ہے جو کشتی نشینوں کے حق میں اُس کا فیض ہے کسی دوسرے موجود اصلی اور فیض وجود کی گنجایش نہیں ہو سکتی۔

وحدانیت کی دوسری دلیل

علاوہ بریں اگر دو یا زیادہ موجود اصلی ہونگے تو وہ پھر دونوں آپس میں متمیز بھی ضرور ہونگے یعنی اُن میں دوئی ہوگی۔ لیکن باوجود اس کے وجود ایک ہی ہوگا کیونکہ دونوں کو موجود رکھنا خود اس بات پر شاہد ہے کہ وہ ایک چیز ہے جو دونوں میں مشترک ہے

اگر مشترک نہ ہوتی تو ایک لفظ ایک معنی کی رو سے دونوں کے لئے بولنا صحیح نہ ہوتا۔
اس صورت میں وہ چیزیں جنکے سبب امتیاز باہمی ہے وہ کچھ اور ہونگے اور یہ وجود کچھ اور شے ہوگا۔ الغرض تعدد ہوگا تو سامان امتیاز بھی ضرور ہوگا۔ مگر امتیاز بے اسکے متصور نہیں کہ ماورا وجود مشترک دونوں میں اور کچھ بھی ہو۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ ایک میں فقط وجود ہو کیونکہ اول تو وجود صفت ہے۔ اور صفت کا تحقق بے تحقق موصوف ممکن نہیں دوسرے اس صورت میں ایک طرف اگر فقط وجود ہوگا تو دوسری طرف اُسی کا فیض ہوگا۔ اور وہی وحدت و وحدانیت ثابت ہوجائیگی۔ ورنہ تعدد وجود لازم آئیگا جس کے بطلان پر اتنی ہی بات کافی ہے کہ دونوں جا ایک ہی معنی اور مضمون ہے۔

شے واحد کی علت دو مختلف چیزیں نہیں ہوسکتیں

مگر اس صورت میں وہ دو چیزیں علت وجود مشترک نہ ہونگی کیونکہ معلول پر توہ علت ہوتا ہے اور ایک شے واحد دو مختلف چیزوں کا پرتوہ نہیں ہوسکتی۔ الغرض دونوں چیزیں باہم بھی ممتاز ہونگی اور وجود مشترک سے بھی ممتاز ہونگی۔ اسلئے وجود اور شے میں جس کی اسوقت ایسی صورت ہوجائیگی جیسی زمین اور نور کی ہے کوئی رابطہ ذاتی نہ ہوگا جو مانع انفصال ہو۔ اسلئے ایک دوسرے سے جیسے متصل ہے ویسے ہی جدا بھی ہوسکیگا۔ اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ موجودیت اصلیہ خاک میں ملجائیگی اور اُس سے اوپر اور کوئی موجود ماننا پڑیگا جس کا وجود اصلی ہوگا۔

احاطہ وجود کے اندر اور باہر کوئی اُس کا ثانی نہیں

الغرض وجود ایک مضمون واحد ہے اُسکا مخرج بھی واحد ہی ہوگا پھر اُسکے احاطہ وجود میں تو اس لئے اُسکے ثانی کی گنجایش نہیں کہ یہ بات تو ہمارے احاطہ وجود میں بھی ممکن نہیں۔ حالانکہ ہمارا وجود اُسکے وجود سے ایسی طرح ضعیف ہے جیسے دھوپ آفتاب کی۔ اُس نور سے جو اُسکی ذات میں ہو۔ اور اُس سے باہر اس لئے کہ کسی دوسرے کا امکان نہیں۔ کیونکہ وجود کا احاطہ سب میں اوپر کا احاطہ ہے اُس سے خارج اور کوئی احاطہ نہیں۔ پھر دوسرا ہو تو کہاں ہو۔

وجود ہر طرح سے غیر محدود اور غیر متناہی ہے

بلکہ فہم و انصاف ہو تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ وجود ہر طرح سے غیر محدود اور غیر متناہی ہے کیونکہ محدود اور متناہی ہونے کے تو یہی معنی ہیں کہ یہانتک مثلاً ہے اور اس سے آگے نہیں اور یہ بات بجز اُسکے متصور نہیں کہ اُس حد کے آگے کوئی شے مانی جائے کہ اُس میں یہ حد نہ ہو اور اُسکے اوپر کوئی مطلق مانا جائے کہ اُسمیں یہ قید نہ ہو۔ مگر جس صورت میں موجود سے اوپر کوئی مطلق اور غیر محدود نہیں تو پھر وجود ہی کو ایسا مطلق اور غیر محدود کہنا پڑیگا جس کے اوپر کوئی مطلق اور غیر محدود نہیں۔ جس سے یہ بات خواہ مخواہ لازم آجائیگی کہ وجود ہر طرح سے غیر متناہی اور غیر محدود اور بجمیع الوجوہ مطلق ہے۔ اس صورت میں کسی دوسرے کی اُسکے آگے گنجایش ہی نہیں۔ کیونکہ غیر متناہی کے آگے کوئی ٹھکانا ہی نہیں ہوتا۔ اس لئے فیاض وجود ایک وحدہ لاشریک لہ ہوگا اور سوا اُس کے اور سب کا وجود اُس کی عطا اور فیض ہوگا۔

خدا کے لئے باپ بیٹا بھائی نہیں ہوسکتا

مگر جب یہ بات مسلم ہوئی کہ وہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہو تو پھر نہ کوئی اُسکا ماں باپ ہوگا نہ کوئی اس کی اولاد نہ کوئی اُس کا بھائی برادر۔ کیونکہ یہ باتیں جب ہی متصور ہوں کہ باوجود اتحاد نوعی تعدد متصور ہو۔ اور ظاہر ہے کہ خدا کا باپ اور خدا کا بیٹا اور خدا کا بھائی باوجود تعدد خدائی میں ایسی طرح شریک ہونگے جیسے انسان کا باپ اور انسان کا بیٹا اور انسان کا بھائی باوجود تعدد انسانیت میں شریک ہیں۔ لیکن ابھی اس بات سے فراغت ہوئی ہے کہ خدا کا تعدد محال ہے۔ اس لئے خدا کے لئے بیٹے کا ہونا یا ماں باپ کا ہونا یا بھائی کا ہونا بھی بیشک منجملہ محالات ہوگا۔

خدا کو باپ یا انسان کو بیٹا اگر کہا گیا ہے تو مجاز ہے

البتہ ہوسکتا ہے کہ جیسے رعیت کے لوگ اپنے حاکموں اور بادشاہوں کو بوجہ مزید التفات ماں باپ کہدیا کرتے ہیں اور بادشاہ اور حاکم اُنکو فرزندی کا خطاب دیدیا کرتے ہیں۔ ایسے ہی اگر گاہ و بیگاہ کسی بزرگ نبی ولی نے خدا تعالیٰ کو باپ کہدیا ہو۔ یا خداوند تعالیٰ نے کسی اپنے اچھے بندے کو جیسے انبیاء یا اولیاء

فرزند کہدیا تو اُس کے بھی یہی معنے ہونگے کہ خدا تعالیٰ ان بزرگوں پر مہربان ہے حقیقی ابوت یا
نبوت ایسی جا پر سمجھ لینا اور خدا تعالیٰ کو حقیقی باپ اور اُنکو حقیقی بیٹا سمجھنا سخت بیجا ہوگا۔

جس لفظ کا استعمال موجب غلط فہمی ہو اُسکی ممانعت ضروری ہے

تمہیں خیال کرو کہ اگر کوئی شخص کسی حاکم سے اُسکی رعیّت کی نسبت لفظ فرزند سنکر یا رعیت سے بہ نسبت حاکم لفظ باپ سُنکر باوجُو اُن
قرائن کے جو حقیقی معنوں کی نفی کرتے ہیں حقیقی معنی سمجھ جائے اور اس وجہ سے رعیت کے
آدمیوں کو وارث تاج و تخت اعتقاد کرکے اُس کی تعظیم و توقیر اُس کے مناسب کرنے لگے
تو یوں کہو کہ اُسنے غلاموں کو میاں کے برابر کردیا۔ اور اسوجہ سے بیشک مورد عتاب بادشاہی
ہوجائیگا ادھر اس طوفان بے تمیزی کا انجام یہ ہوگا کہ یہ شخص تو اپنی سزا کو پہنچے اور رعیّت کا
یہ خطاب بدلا جائے۔ تاکہ پھر کوئی ایسی حرکت نہ کرے۔ مگر حاکم اور رعیت میں تو بڑا فرق یہی
ہوتا ہے کہ حاکم لباس معزز پہنے ہوئے تاج مرصع سر پر رکھے ہوئے اُمرا و زرا اپنے اپنے قرینوں
سے دست بستہ مؤدب کھڑے ہوئے تخت زیر قدم، ملک زیر قدم، اور بیچاری رعیت والے
ذلیل و خوار نہ لباس درست نہ صورت معقول با ہزار خواری و زاری جوتیوں میں استادہ۔ اس قسم
کے تفاوت خارجی ظاہر بینوں کے حق میں تفاوت مراتب سمجھنے کو کافی ہوتی ہیں۔ حالانکہ تمام
اوصاف اصلی یعنی مقتضیات نوعی اور امکانی میں اشتراک موجود جس سے ایجابِ وہم قرابت نسبی
ہوجائے تو کچھ دور نہیں۔ اور خدا میں اور بندہ میں خدائی تو درکنار کسی بات میں بھی اشتراک
نہیں ؎ چہ نسبت خاک را با عالم پاک ؟

اس پر بھی کسی بندہ کو بوجہ الفاظ مذکورہ خدا یا خدا کا بیٹا سمجھ لینا بڑی ہی فاش غلطی ہے
اور بیشک یہ اعتقاد غلط اُس کے حق میں باعثِ عذاب اور اُن بزرگوں کے حق میں موجب
سلب خطاب ہوگا۔

ابطال نبوت کی دلیل

علاوہ بریں خدائی اور حاجتمندی میں منافات ہے خدا وہ ہے جسکا وجود
خانہ زاد ہو اور ظاہر ہے کہ جب وجود خانہ زاد ہوا تو پھر ساری خوبیاں موجود ہونگی کیونکہ

جس خوبی کو دیکھئے علم ہو یا قدرت جلال ہو یا جمال۔ اصل میں یہ سب باتیں وجود ہی کے تابع ہیں اگر کوئی شے موجود تو پھر اُس میں علم و قدرت وغیرہ اوصاف بھی نہیں آسکتے یہ کب ممکن ہے کہ زید مثلاً موجود نہ ہو اور عالم ہو جائے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ اوصاف حقیقت میں وجود کے اوصاف ہیں اگر اُس کے اوصاف نہیں تو بیشک ان اوصاف کا اپنے موصوف میں قبل وجود موصوف ہونا ممکن ہوتا۔ اسلئے یہ بات واجب التسلیم ہے کہ خدا میں سب خوبیاں پوری پوری ہیں اور کسی قسم کی حاجت نہیں کیونکہ حاجت اسی کو کہتے ہیں کہ کوئی جی چاہتی چیز نہ ہو مگر سوائے خوبی اور کیا چیز ہے جس کو جی چاہے۔

ذات خداوندی تمام عیوب سے منزہ اور تمام کمالات کی جامع ہے

اس تقریر سے جیسا یہ معلوم ہوا کہ خداوند عالم کسی بات میں کسی کا محتاج نہیں ایسا ہی یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس میں کوئی عیب نہیں۔ کیونکہ عیب سوا اسکے اور کیا ہے کہ اُس میں کوئی خوبی نہ ہو اور نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ سوائے خدا تمام موجودات ہر بات میں خدا کے محتاج ہیں کیونکہ جب وجود میں خدا کے محتاج ہوئے تو اور خوبیوں میں بدرجہ اولے محتاج ہونگے اس لئے سوائے وجود جو کوئی خوبی کی بات ہے وہ اصل میں وجود ہی کی صفت ہے۔

جملہ جمادات و نباتات علم و فہم و حس و حرکت سے خالی نہیں

اور اس لئے اس بات کا بھی اقرار کرنا ضرور ہوگا کہ ہر چیز میں کچھ نہ کچھ علم و فہم حس و حرکت کی قوت ہے۔ کیونکہ جب علم وغیرہ اوصاف اصل میں وجود کے اوصاف ٹھہرے تو پھر جہاں جہاں وجود ہوگا وہاں وہاں یہ اوصاف بھی ضرور ہونگے اسلئے کہ اوصاف اصلیہ جُدا نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ ظاہر ہے البتہ یہ بات مسلم کہ جیسے آئینہ اور پتھر بوجہ تفاوت قابلیت آفتاب سے برابر فیض نہیں لے سکتے گو اُسکی طرف سے برابر فیض نور رواں ہو۔ ایسے ہی بوجہ تفاوت قابلیت انسان کے برابر کوئی چیز قابل العلم نہیں ہوسکتی۔

انسان کا سراپا احتیاج ہونا

مگر جیسے قابلیت کمال اس میں سب سے زیادہ ہے ایسے ہی احتیاج

بھی اس میں سب سے زیادہ۔ دیکھ لیجئے زمین کو تو بظاہر سوائے خدا اور کسی کی حاجت ہی نہیں
پر نباتات کو زمین۔ پانی۔ ہوا۔ دھوپ سب کی ضرورت۔ اور پھر حیوانات کو علاوہ حاجت
مشار الیہ کھانے پینے اور سانس لینے کی بھی ضرورت ہے۔ اور انسان میں سوائے حاجات
مذکورہ، لباس، گھوڑا، ٹٹو، مکان، عزت آبرو وغیرہ کی بھی ضرورت، کھیتی باڑی، گائے۔
بھینس۔ اونٹ۔ سونا، چاندی، تانبا، روپیہ وغیرہ اس قدر اشیاء کی حاجت ہے جس سے
اس کا سراپا حاجت ہونا نمایاں ہے۔ اس لئے یہ کس قدر سخت گمراہی اور غلطی ہے
کہ کسی آدمی کو خدا سمجھ لیجئے۔

سراپا احتیاج انسان خدا یا خدا کا بیٹا نہیں ہوسکتا

اور ان حاجات کو بھی جانے دیجئے۔ بول و براز، تھوک، رینٹ، میل
کچیل وغیرہ آلایشوں کو دیکھئے تو پھر خدائی کی تجویز انہیں کا کام ہے
جس کو خدا سے کچھ مطلب نہیں۔ افسوس صد افسوس اپنے گھر اگر بندر، سور کی شکل کا لڑکا پیدا
ہو جائے تو کس قدر رنجیدہ ہوں کہ الٰہی پناہ حالانکہ بندر اور سور اور آدمی اور بھی کچھ نہیں تو مخلوق
ہونے اور کھانے پینے اور بول و براز میں تو شریک ہیں۔ اور خدا کے لئے ایسی اولاد تجویز کریں
جس کو کچھ مناسبت ہی نہ ہو تمہیں فرماؤ جو شخص کھانے پینے کا محتاج ہو بول و براز سے
مجبور ہو اُس میں اور خدا میں کونسی بات کا اشتراک ہے جو خدا کا بیٹا یا خدا کہتے ہو۔ توبہ
کرو اور خدا کے غضب سے ڈرو۔ ایسے محتاج ہو کر ایسے غنی مستغنی کی اتنی بڑی گستاخی۔

مسیح علیہ السلام کا خدا یا خدا کا بیٹا ہونا بدیہی البطلان ہے

جن کو تم خدا یا خدا کا بیٹا سمجھتے ہو اُن میں آثار عبودیت ہم سے
بھی زیادہ تھے۔ علاوہ ان عیوب کے جن کو عرض کر چکا ہوں اُنکا
زہد و تقویٰ اور خوف و خشیت اور طاعت و عبادت جس میں شب و روز وہ لوگ غلطاں
پیچاں رہتے تھے خود اس بات پر شاہد ہے کہ ان میں خدائی کی بو بھی نہ تھی۔ فرعون نے
خدائی کا بہروپ اور سانگ تو بنا رکھا تھا وہاں تو یہ بھی نہ تھا جس وقت فرعون کے خدا
کہنے والے مستوجب عتاب ہوئے تو حضرت عیسیٰؑ کے خدا کہنے والے کیونکر مستحق عذاب

نہ ہونگے یہاں تو ہر پہلو سے بندگی ہی ٹپکتی تھی۔ اقرار تھا تو بندگی کا تھا اور کار تھا تو بندگی کا
تھا۔ اگر وہ اپنے بندہ ہونیکو چھپاتے اور دعویٰ خدائی کرتے عبادت زہد تقوےٰ سے کچھ
مطلب نہ رکھتے تو خیر کسی عاقل یا جاہل کو اگر بوجہ معجزات اُن کی طرف گمان خدائی ہوجاتا
تو ہوجاتا۔ افسوس تو یہ ہے کہ عقل و دانش سب موجود وہاں بجز آثار بندگی اور کوئی چیز نہیں
تسپر اُن کو خدا کہے جاتے ہیں اور باز نہیں آتے۔ یہ کس شراب کا نشہ ہے جس نے عقل و
دانش سب کو بیکار کر دیا۔ کیا عقل و دانش فقط اس متاع قلیل دنیا ہی کے لئے خدا نے
عطا فرمائی تھی ہرگز نہیں یہ چراغِ بے دود راہ دین کے نشیب فراز کے دریافت کرنیکے لئے تھا
اب بھی کچھ نہیں گیا باز آؤ توبہ کرو اور ایسی گستاخیاں کرکے اپنی عاقبت خراب نہ کرو۔

ابطال تثلیث

تسپر یہ کیا ستم ہے کہ اس ایک خدا کو ایک بھی حقیقت کی رو سے کہتے ہو
اور تین بھی حقیقت ہی کی رو سے کہتے ہو۔ اور باز نہیں آتے۔ اے حضرات عیسائی دردمندی
نوعی کے باعث یہ کمترین خستہ حال سمع خراش ہے کہ اصول دین میں ایسی محال بات کا
ہونا بیشک اہل عقل کے نزدیک بطلان مذہب کے لئے کافی ہے۔

عقیدہ کے لئے مطابقت واقع ضرور ہے اور عقائد کی غلطی کو مذہب کا غلط ہونا لازم

صاحبو! عقیدہ ایک قسم کی خبر ہوتی ہے جس کے صحیح وصادق ہونے پر مذہب کا صحیح وصادق ہونا
اور اُس کے غلط اور جھوٹ ہونے پر مذہب کا غلط اور جھوٹ ہونا موقوف ہوتا ہے۔ کیونکہ
اور باقی کارخانہ یعنی بندگی وعبادت اُسی خبر اور اعتقاد کے باعث ہوتا ہے۔ مگر تمہیں کہو
ایک شے کے حقیقت میں ایک ہونے اور پھر حقیقت میں تین ہونے کو کس کی عقل صحیح
وصادق کہدیگی۔ یہ ایسی غلطی عظیم الشان ہے جس کو لڑکوں سے لیکر بوڑھوں تک بے
بتلائے سمجھ جاتے ہیں۔ تثلیث اور توحید کے اجتماع کے محال ہونے پر تو عقل ایسی طرح
شاہد ہے جیسے آنکھ آفتاب کے نورانی ہونے پر۔ یعنی جیسے بے واسطہ غیر ہر کسی کو اپنی
آنکھ سے آفتاب کا نورانی ہونا معلوم ہوجاتا ہے ایسے ہی اجتماع مذکور کا محال ہونا

بے واسطہ دلیل عقل کے نزدیک واضح اور روشن ہے۔ اور ادھر اجماع مذکور کے ثبوت پر نہ عقل بے واسطہ شاہد ہے نہ بواسطہ۔ کوئی قوی دلیل عقلی ہے نہ ضعیف جس سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ تثلیث اور توحید دونوں صحیح ہیں۔ اس صورت میں اگر کوئی انجیل کا فقرہ اس مضمون پر دلالت بھی کرے تو اس فقرہ ہی کو غلط کہیں گے۔ اور شہادت عقل کو غلط نہ کہیں گے۔

بداہت عقل کے مقابلہ میں کوئی دلیل عقلی نظری معتبر نہیں ہو سکتی

القصہ دلیل نقلی ہو یا عقلی اُس سے جو مطلب ثابت ہوگا؛ بمنزلہ شنیدہ ہوگا اور جو بات بے واسطہ دلیل خود معلوم ہوگی وہ بمنزلہ دیدہ ہوگی اور ظاہر ہے کہ ؎ شنیدہ کے بود مانند دیدہ ؛ اگر کوئی شخص فرض کرو کہیں اونچے پر کھڑا ہوا آفتاب کو بچشم خود دیکھے کہ کسیقدر اُفق سے اونچا ہے اور ایک شخص کسی دیوار کے پیچھے بیٹھا ہوا بوسیلہ گھڑی یہ کہے کہ آفتاب غروب ہو چکا۔ تو وہ شخص جو اپنی آنکھ سے آفتاب کو دیکھ رہا ہے بالیقین یہی سمجھے گا کہ یہ گھڑی غلط ہے القصہ جیسے گھڑی اوقات شناسی کے لئے بنائی گئی ہے مگر بمقابلہ چشم بینا اسکا اعتبار نہیں اور وجہ اُسکی یہ ہے کہ گھڑی میں غلطی ممکن ہے۔ ایسے ہی انجیل بھی ہدایت کے لئے اُتاری گئی ہے مگر بمقابلہ عقل مصفا اس کا اعتبار نہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ نقل کتاب میں غلطی ممکن ہے۔ البتہ جیسے آنکھ بشرطیکہ صاف ہو اپنے ادراک میں غلطی کرتی اور اُسکا ادراک یہی ہے کہ مبصرات کو بے واسطہ غیر دریافت کرے نوبت سماعت کی نہ آئے ایسے ہی عقل مصفا بھی اپنے ادراک میں غلطی نہیں کرتی مگر اُس کا ادراک یہی ہے کہ معقولات کو بے واسطہ دلائل سمجھے۔ نوبت استدلال نہ آئے۔

باقرار علماء مسیحین مضمون تثلیث الحاقی ہے

پھر طرفہ یہ ہے کہ وہ فقرہ جو اس قسم کے مضامین پر دلالت کرتا ہے خود مسیحیوں کے نزدیک اُنکے علماء کے اقرار کے موافق منجملہ ملحقات ہے۔ چنانچہ نسخہ بیبل مطبوعہ مرزاپور ۱۸۷۰ء میں اس فقرہ کے حاشیہ پر مہتمان طبع نے جو بڑے بڑے پادری تھے

چھاپ بھی دیا ہے کہ یہ فقرہ کسی قدیم نسخہ میں نہیں پایا جاتا مگر تسپر بھی وہی تعصب اور وہی عقیدہ ہے۔

سچے عیسائی ہم محمدی ہیں

اے حضرات مسیحی ہمارا کام فقط عرض معروض ہے سمجھانے کی بات سمجھ لینا تمہارا کام ہے خدا سے التجا کرو کہ حق کو حق کر دکھلائے اور باطل کو باطل کر دکھلائے برا نہ مانو تو سچ یہ ہے کہ سچے عیسائی ہم ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال و افعال کے موافق انکو بندہ سمجھتے ہیں۔ خدا اور خدا کا بیٹا نہیں سمجھتے۔ خدا کو ایک کہتے ہیں تین نہیں کہتے۔

حق تعالیٰ کے افعال اختیاری ہیں اضطراری نہیں

اس کے بعد یہ گذارش کہ وہ خداوند عالم جس کا جلال ازلی اور ابدی ہے تمام عالم کا بنانیوالا اور سب کا مارنے جلانے والا ہے۔ مگر اُس کے افعال اس کے اختیاری ہیں۔ ایسے نہیں جیسے ڈھیلے پتھر کو کہیں پھینک دیجئے تو چلا جائے نہیں تو نہیں۔ اگر بالفرض ایسا ہو تو یوں کہو وہ اپنی حرکت و سکون میں اوروں کا محتاج ہو جائے۔ اور اُس کے محتاج نہ رہیں۔ مگر ہر کوئی جانتا ہے کہ بعد تسلیم اس بات کے کہ جو کچھ مخلوقات میں علم و قدرت ہے وہ سب خدا کے فیض سے ہے خدا تعالیٰ کا اوروں کی نسبت مجبور کرنا ایسا ہوگا جیسا یوں کہیے اصل میں کشتی میں بیٹھنے والے متحرک ہیں اور کشتی کی حرکت اُنکا فیض ہے۔ یا آب گرم آگ سے گرم ہے پر گرمی آتش آب کا فیض ہے۔ الغرض یہ نہیں ہوسکتا کہ خداوند عالم باوجود یکتائی اور خالقیت زور و قدرت میں اور کسی کے سامنے مجبور ہو سوائے اُسکے اگر ہے تو یہی خلق و عالم ہے پھر انہیں سے خالق مجبور ہونے لگے تو اُلٹے بانس بہاڑ کو جانے لگیں۔ اس لئے یہ بات بالضرور جاننی لازم ہے کہ اس نے اپنے ارادہ سے سب کچھ کیا ہے اور اپنے ارادہ سے سب کچھ کرتا ہے۔ کیونکہ افعال کی یہی دو قسمیں ہیں ایک اختیاری اور ایک اضطراری جو کسی اور کے جبر کے باعث سرزد ہوں

افعال خداوندی میں مثل صفات خداوندی ضرورت اور وجوب کا احتمال ہی نہیں

مثل صفات ضرورت اور وجوب کا احتمال ہی نہیں ورنہ حاصل افعال قدیم ہو جائے۔ اور سب

جانتے ہیں کہ حاصل افعال خداوندی یہی مخلوقات ہیں یا واقعات جو ایک دوسرے کے بعد ہوتے رہتے ہیں سو اگر افعال قدیم ہوں تو یہ مفعولات بھی قدیم ہو جاویں۔

افعال کی اختیاری ہونیکی دوسری دلیل

علاوہ بریں افعال ایک قسم کی حرکت ہوتی ہے اور حرکت میں ہر دم تجدد اور حدوث رہتا ہے۔ اُسمیں قدم کا احتمال ہی نہیں جو واجب ہونے کا وہم آئے۔ اور جب واجب نہیں تو پھر یہی دو صورتیں ہیں۔

ثبوت تقدیر

یا اختیاری ہونگی۔ مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ ارادہ کے کاموں میں ارادہ سے پہلے اُس کام کو سمجھ لیتے ہیں۔ مکان اگر بناتے ہیں تو اسکا نقشہ بنا لیتے ہیں۔ کھانا پکاتے ہیں تو اُس کا تخمینہ کر لیتے ہیں۔ کپڑا سیتے ہیں تو قطع کر لیتے ہیں۔ اس لئے یہ ضرور ہے کہ خداوند عالم نے جو کچھ بنایا یا بنائیگا اُس کا نقشہ اور اُس کا تخمینہ اور اُسکا کینڈا بالضرور اُس کے پاس ہوگا۔ ورنہ لازم آئیگا کہ اُس کے کاروبار مثل حرکات و سکنات حجر و شجر ہوں نعوذ باللہ اس صورت میں بعض اسباب کا بعض کاموں میں دخیل ہونا ایسا ہوگا جیسا باوجود تیاری نقشہ مکان معمار اور مزدور وغیرہ کا اُس مکان کی تیاری میں دخیل ہونا یا جیسے کھانے پکانے میں باوجود تخمین مقدار و کیفیت لذات آگ وغیرہ اشیاء کا دخیل ہونا بلکہ غور کیجئے تو جو جو اشیاء کسی کام میں دخیل معلوم ہوتی ہیں سارے عالم کی نسبت وہ بھی منجملہ اجزاء نقشہ عالم ہونگی اگرچہ بہ نسبت نقشہ قدر مقصود خارج ہو۔ اُسی کو اہل اسلام تقدیر کہتے ہیں۔ لغت عرب میں تقدیر بمعنے اندازہ ہے۔ اور اسوقت وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔ اس صورت میں بھلائی برائی جنت دوزخ اگر ہوں اور پھر جنت میں بھلوں کا جانا اور دوزخ میں بُروں کا جانا ایسا ہوگا جیسا مکان کا دالان اور پاخانہ اور راحت و آرام کے لئے یہاں آنا اور پاخانہ پیشاب کے لئے وہاں جانا جیسے یہاں۔ اگر پاخانہ کی زبان ہو اور وہ شکایت کرے کہ میرا کیا قصور جو ہر روز مجھ میں پاخانہ ڈالا جاتا ہے اور دالان نے کیا انعام کا کام کیا ہے جو اُس میں یہ فرش و فروش و شیشہ آلات و جھاڑ فانوس و عطر و خوشبو ہے تو اُس کا یہی جواب ہوگا کہ

تو اسی کے لائق ہے اور تجھ کو اسی کے لئے بنایا ہے اور وہ اُسی کے قابل ہے اور اُس کو اُسی کے لئے بنایا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ناپاکی مثل پاخانہ و پیشاب اگر یہ شکایت کریں کہ ہم نے کیا قصور کیا کہ جو پاخانہ ہی میں ڈالے جاتے ہیں کبھی دالان نصیب نہیں ہوتا اور عطر خوشبو وغیرہ نے کیا انعام کا کام کیا ہے جو ہمیشہ دالان ہی میں رہتے ہیں اور کبھی پاخانہ میں اُنکو نہیں بھیجا جاتا تو اُس کا جواب بھی یہی ہوگا۔ ایسے ہی اگر دوزخ اس کی شکایت کرے کہ میں نے کیا قصور کیا ہے اور جنت نے کیا انعام کا کام کیا۔ یا بُرائی یہ شکایت کرے کہ میں نے کیا قصور کیا ہے جو میرے لئے سوائے دوزخ اور بُرے لوگوں کے اور کچھ نہیں۔ اور بھلائی نے کیا انعام کا کام کیا جو ہمیشہ اچھے آدمی اور جنت ہی اُس کے لئے ہے۔ یا بُرے آدمی یہ شکایت کریں کہ ہم اگر بُرے ہیں تو تقدیر کی بُرائی ہے ہمارا کیا قصور۔ اور اچھے آدمی اگر اچھے ہیں تو تقدیر کی بھلائی ہے اُنکا کیا زور۔ تو یہاں بھی یہی جواب ہوگا کہ تم اُسی لائق ہو اور تمہیں اسی لئے بنایا ہے۔ اور وہ اُسی قابل ہیں اور اُنکو اسی لئے بنایا ہے۔ القصہ اگر بنی آدم اپنے وجود اور کمالات وجود کو مثل علم ارادہ قدرت وغیرہ خدا کی طرف سے مستعار سمجھتا ہے جیسا ہم نے بوجہ اتم سمجھا دیا ہے۔ تب تو یہ جواب ہے کہ ادھر ہم مالک اور ہم کو اختیار اُدھر تم کو اسلئے بنایا اور تم اسی قابل جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ بندہ سرِ رضا و تسلیم خم کرے اور چون وچرا کچھ نہ کرے۔

افعال خداوندی کے اضطراری ہونیکا ابطال

یا اضطراری مگر اضطراری ہونے کا بطلان تو بایں وجہ ظاہر ہوگیا کہ اضطرار اسی مجبوری کو کہتے ہیں۔ سو خدا تعالیٰ اگر مجبور ہوگا تو سوائے عالم اور کون ہے اگر ہوگا تو عالم ہی میں کسی کا مجبور ہوگا اور ظاہر ہے کہ یہ بات ظاہر البطلان ہے کہ اختیار و قدرت مخلوقات ہو تو خدا کا دیا ہوا اور پھر خدا ہی اُنکے سامنے مجبور ہو جائے اسلئے کہ اس صورت میں اور الٹا خدا تعالیٰ کو مخلوقات سے مستفید کہنا پڑیگا۔ کیونکہ جب خدا تعالےٰ مخلوقات کے سامنے مجبور ہوگا تو یہ معنی ہونگے کہ اُس کے افعال مخلوقات کی قدرت سے

اس طرح صادر ہوتے ہیں جیسے کشتی میں بیٹھنے والوں کا پار ہوجانا کشتی کے پار ہوجانے کی بدولت ہوتا ہے مگر ظاہر ہے کہ اس صورت میں جیسے کشتی نشین حرکت میں خود کشتی سے مستفید ہوتے ہیں ایسے ہی اُس وقت خدا تعالیٰ بندوں سے مستفید ہوگا حالانکہ خوب طرح یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ اختیار و قدرت وغیرہ صفات کمال میں بندہ خدا تعالیٰ سے مستفید ہے۔

عالم بجمیع اجزائہ حادث ہے اس تقریر سے یہ بات بھی اہل عقل کو معلوم ہوگئی ہوگی کہ عالم سارا حادث ہے اس میں سے ایک چیز بھی قدیم نہیں اگر ایک چیز بھی قدیم ہوگی تو اُسی چیز کی نسبت یہ کہنا پڑیگا کہ یہ چیز مخلوق نہیں۔ اور جب مخلوق نہ ہوگی تو دوسرا خدا اور نکلیگا جسکے ابطال کے لئے بعد ملاحظہ تقریرات گذشتہ اور کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ وجہ اس بات کی کوئی چیز قدیم ہوگی تو پھر مخلوق نہ ہوگی یہ ہے کہ خلق یعنی پیدا کرنا ایک فعل ہے بلکہ سب میں پہلا فعل ہے۔ اور خدا کے افعال سب اختیاری ہیں اور اگر خدانخواستہ اختیاری نہ ہوں اضطراری ہوں تب بھی ایک اختیار ماننا پڑیگا کیونکہ اضطرار کے تو معنی یہی ہیں کہ کسی صاحب اختیار کے سامنے مجبور ہوجائے۔ غرض ہر فعل میں اپنا یا کسی بیگانہ کا اختیار ماننا پڑیگا اور ظاہر ہے کہ ایجاد کا اختیار اُنہیں چیزوں میں متصور ہے جو اپنے وجود سے پہلے معدوم ہوں۔ کیونکہ اختیار ایجاد اُس کا نام ہے کہ معدومات کو چاہے معدوم رکھے چاہے موجود کردے۔ جیسا اختیار افنا اس کا نام ہے کہ چاہے موجود رکھو چاہے معدوم کردے۔ سو اگر موجودات عالم کو خدا تعالےٰ کا مخلوق کہیں گے اور خدا تعالیٰ کو اُن کے پیدا کرنے میں صاحب اختیار سمجھیں گے تو بالضرور ہر شے کے وجود سے پہلے اُس کو معدوم کہنا پڑیگا۔

افعال عباد کا خالق حق تعالیٰ ہے لیکن جب یہ بات مسلم ہوچکی تو اب اور سنیئے کہ جب وجود و کمالات وجود عالم سب خداوند عالم کی طرف سے مستعار ہوئے تو دو باتیں واجب التسلیم

ہوئیں اوّل تو یہ کہ مخلوقات کے افعال اختیاری خداوند عالم کے اختیار سے ہوتے ہیں کیونکہ جیسے آئینہ کے نور سے درصورتیکہ عکس آفتاب و ماہتاب و نور آفتاب و ماہتاب اس میں آیا ہوا ہو۔ اگر درودیوار منور ہوتے ہیں تو وہ آفتاب و ماہتاب ہی سے منور ہوتے ہیں۔ ایسے ہی درصورتیکہ زور و قدرت مخلوقات خدا کے زور و قدرت مخلوقات خدا کے زور و قدرت سے مستعار ہوئے تو جو کام اُن کے اختیار و قدرت سے ہوگا وہ خدا ہی کے اختیار و قدرت سے ہوگا کیونکہ اُنکا اختیار و قدرت خدا ہی کے اختیار و قدرت سے مستعار ہے۔

تمام مخلوقات کے نفع وضرر کا مالک حق تعالےٰ ہے

دوسرے یہ بات بھی ماننی لازم ہوگی کہ عالم کا نفع وضرر سب خداوند عالم کے ہاتھ ہے۔ وجہ اس کی مطلوب ہے تو سُنیئے دھوپ جسقدر آفتاب کے قبضہ وقدرت میں ہے اُس قدر زمین کے قبضہ وقدرت میں نہیں۔ اگرچہ زمین سے متصل اور آفتاب سے منفصل ہے زمین اسقدر نزدیک کہ اس سے زیادہ اور کیا ہوگا اور آفتاب سے اسقدر دور کہ لاکھوں کوس کہیئے تو بجا ہے۔ مگر تسپر آفتاب آتا ہے تو دھوپ آتی ہے اور جاتا ہے تو ساتھ جاتی ہے۔ پر زمین سے یہ نہیں ہوسکتا کہ دھوپ چھین کر رکھ لے۔ آفتاب کو اکیلا جانے دے۔ وجہ اس کی بجز اس کے اور کیا ہے کہ نور زمین نور آفتاب سے مستعار ہے مگر یہ ہے تو وجود مخلوقات اور کمالات مخلوقات بھی خدا کے وجود اور کمالات سے مستعار ہیں۔ اس لئے ایسے ہی خداوند عالم اور وجود مخلوقات کو بھی سمجھئے وجود مخلوقات کو مخلوقات سے متصل اور خدا اس سے ورا الورا۔ مگر پھر بھی جسقدر اختیار اور قبضہ خدا کا اُس وجود پر ہے اُسقدر مخلوقات کا قبضہ اُس پر نہیں۔ ان آثار سے ظاہر ہو کہ وجود مخلوقات ملک مخلوقات نہیں۔ ملک خالق کائنات ہو کیونکہ لباس مستعار مستعیر کے بدن سے متصل ہوتا ہی مگر بوجہ اختیار داد وستد معیر ہی ملک سمجھا جاتا ہو گو اُسکے بدن سے متصل نہیں۔ ایسے ہی بوجہ اختیار داد وستد وجود کائنات کو ملک خدا سمجھئے اسکا دینا لینا جسکو عطاء و سلب اور نفع وضرر بھی کہتے ہیں دونوں اُسی کے ہاتھ میں ہیں

محبوبیت اصلی حق تعالی ہی کے لئے ہے

ادھر علاوہ نفع وضرر با ینوجہ کہ ساری خوبیاں اُسکے لئے مسلم

ہوچکیں اور سوا اُس کے جس کسی میں کوئی بھلائی ہے تو اس کا پرتو ہے یہ بھی تسلیم کرنا ضرور ہوگا کہ محبوبیت اصل میں اسی کے لئے ہے سوا اسکے جو کوئی محبوب ہے اُسمیں اُسی کا پرتو ہے

حق تعالیٰ کے سوا قابل عبادت اور اطاعت اور کوئی نہیں ہوسکتا

یہ بات جب ذہن نشین ہوچکی تو اور سنیئے کہ مدار کار اطاعت فقط انہیں تین باتوں پر ہے۔ یا امید نفع و راحت پر یا اندیشہ نقصان و تکلیف پر یا محبوبیت پر۔ نوکر اپنے آقا کی اطاعت نوکری کی امید پر کرتا ہے اور رعیت اپنے حاکم کی اطاعت اندیشہ اور خوف تکالیف سے کرتی ہے۔ اور عاشق اپنے محبوب کی اطاعت بتقاضائے محبت اس کی محبوبیت کے باعث کرتا ہے جب یہ تینوں باتیں اصل میں خدا ہی کے لئے ہوئیں تو ہر قسم کی اطاعت بھی اُسی کے لئے ہونی چاہئے۔ اور کسی کو اُس کا شریک کیجئے تو پھر ایسا قصہ ہے کہ نوکر تو کسی کا ہو اور خدمت کسی کی کرے۔ رعیت کسی کی ہو اور حاکم کسی کو سمجھے۔ معشوق کوئی ہو اور یاد کسی کو کرے اور ظاہر ہے کہ ایسے نوکر لائق ضبطی تنخواہ اور ایسی رعیت قابل سزائے بغاوت اور ایسے عاشق دھکّے دینے کے لائق ہوتے ہیں۔ انعام و اکرام تو درکنار۔ پھر اُس پر اگر وہ غیر جس کی اطاعت میں نوکر سرگرم ہو اور اسوجہ سے آقا کی خدمت چھوڑ بیٹھے خود اُسکے آقا ہی کا غلام ہو اور وہ شخص جسکو رعیّت کا آدمی اپنا حاکم سمجھتا ہے خود اُس کی بادشاہی کا ماتحت ہو اور وہ شخص جو معشوق کو چھوڑ کر جسکو یاد کرتا ہے وہ خود اسکے معشوق سے ایسی نسبت رکھتا ہو جیسے آفتاب سے اُس کا وہ عکس جو کسی خراب سے آئینہ میں ہوتا ہے تو ایسی صورت میں وہ عتاب اول اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں احتمال ہمسری و زیادتی غیر ہو ہی نہیں سکتا جو اس دغا کے لئے کوئی بہانہ ہو۔

انبیاء و علماء کی اطاعت عین اطاعت خداوندی ہے

بالجملہ اطاعت بجز خداوند عالم اور کسی کی جائز نہیں۔ ہاں جیسے حکام ماتحت کی اطاعت بشرطیکہ وہ اپنے بادشاہ کے ماتحت ہو کر حکمرانی کریں آثار بغاوت نمایاں نہ ہوں عین بادشاہی کی اطاعت ہے۔ اس لئے کہ حکام ماتحت

کے احکام بادشاہی کے احکام ہوتے ہیں۔ ایسے ہی انبیاء اور علماء کی اطاعت بشرطیکہ علماء بمقتضائے منصب نیابت حکمرانی کریں۔ وہ عین خدا ہی کے احکام ہیں۔

انبیاء اور علماء کی اطاعت سے انکی عبادت لازم نہیں آتی

اس تقریر کے بعد یہ گذارش ہے کہ اطاعت یعنی فرمانبرداری بشرطیکہ اپنے حاکم اور فرمانروا کو نفع وضرر کا مالک حقیقی اور محاسن اور محامد کا منبع تحقیقی سمجھے عبادت اور بندگی ہے۔ اور جو یہ بات نہ ہو یعنی اُسکو مالک نفع وضرر بطور مذکور اور منبع محاسن و محامد بطرز مشار الیہ نہ سمجھے تو عبادت نہیں۔ کیونکہ پھر وہ اطاعت حقیقت میں اُس کی نہیں ہوتی جسکی اطاعت کرتا ہے۔ آخر اگر کوئی حاکم معزول ہو جائے تو پھر اس کی اطاعت کون کرتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر محاسن و محامد کسی شخص میں نہ رہیں تو پھر اس کا عاشق اور خریدار کون بنتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خداوند عالم سے یہ باتیں اور کسی طرح نہیں جدی ہوسکتیں جو یوں کہا جائے کہ جس میں ملکیت نفع وضرر اصلی ہے وہی معبود ہے خدا نہیں۔ اور جس میں یہ محاسن اصلی ہیں وہی محبوب ہے خدا نہیں۔

کسی کو مالک نفع وضرر و منبع محاسن سمجھنا عبادت ہے

مگر چونکہ طاعت مطیع کی ذلت اور مطاع کی عزت کو متضمن ہے تو وہ اعزاز جس میں کسی کو بذات خود مستحق سمجھ لیا جائے یعنی اُسکو مالک نفع وضرر اور منبع محاسن سمجھا جائے اگرچہ از قسم اطاعت یعنی امتثال امر و نہی نہ ہو وہ بھی منجملہ عبادت ہوگا۔

جو اعمال مظہر عبادت ہوں وہ بھی عبادت سمجھے جائیں گے۔ نیت عبادت ہو یا نہ ہو

علیٰ ہذا القیاس اس اعتقاد کے ساتھ خدا تعالیٰ ہمارے نفع وضرر کا مالک و مختار ہے اور تمام محاسن کی اصل اور منبع ہے اور جو ایسے اعمال کو ایسی نسبت ہو جیسے ہماری روح کے ساتھ ہمارے بدن کو اور اس کے قوائے مختلفہ کو جیسے قوت باصرہ اور قوت سامعہ مثلاً بدن کے اعضاء مختلفہ یعنی آنکھ کان کیساتھ مثلاً تو وہ افعال بھی منجملہ عبادات شمار کئے جائیں گے ہاں اتنا فرق ہوگا جتنا روح اور بدن اور قوت باصرہ اور آنکھ میں فرق ہے۔ یعنی جیسے روح ہماری اصلی حقیقت ہے

اور عالم اجسام میں بدن اُس کا قائم مقام قوت باصرہ ابصار میں اصل ہے اور آنکھ عالم اجسام میں اُس کا خلیفہ۔ ایسی ہی اصل عبادت وہ اعتقاد دلی ہوگا اور وہ اعمال عالم اعمال میں اُس کے خلیفہ۔ سو جیسے قوت باصرہ کا خلیفہ آنکھ ہی ہوتی ہے کان نہیں ہوتا اور آنکھ قوت باصرہ ہی کا خلیفہ ہوتی ہے قوت سامعہ کا خلیفہ نہیں ہوتی۔ ایسے ہی اعتقاد مذکور کا خلیفہ وہی اعمال ہونگے جنکو وہ نسبت حاصل ہو اور اعمال نہ ہونگے۔ اور وہ اعمال بھی اسی اعتقاد کا خلیفہ سمجھے جائیں گے اور اعتقاد کا خلیفہ نہ ہونگے۔ سو جیسے بدن انسانی کو دیکھکر سارے معاملات جسمانی انسان ہی کے مناسب کئے جاتے ہیں گو اُس کے پردہ میں روح خنزیر ہی کیوں نہ ہو۔ اور جسم خنزیر ہو تو سارے معاملات جسمانی خنزیر ہی کے مناسب کئے جائیں گے گو اس کے پردہ میں روح انسان ہی کیوں نہ ہو ایسے ہی سجدہ وغیرہ اعمال کو جن کو اعتقاد مذکور کے ساتھ نسبت مذکور حاصل ہو عبادت ہی کہیں گے اگرچہ اُس شخص کی نسبت جس کو سجدہ کرتا ہے یہ اعتقاد مذکور حاصل نہ ہو۔

ایمان کے لئے عبادات کا لزوم | اس مثال کی تمہید کے بعد یہ گذارش ہے کہ جو شخص خدا کو مالک نفع وضرر سمجھیگا۔ اور اپنے حدوث وبقاء یعنی پیدائش اور دوام میں ایسی طرح اُس کی احتیاج ہوگی جیسے دھوپ کو اپنے حدوث وبقاء میں آفتاب کی ہردم حاجت ہے تو بالضرور اُس کو ہردم خدا کی طرف روئے نیاز ہوگی۔ اور اپنی قدرت کو اُسکی قدرت سے مستعار سمجھکر اُسی کے کاموں کے لئے روکے رکھیگا۔ سو اس کے اس خیال کو یہ بھی لازم ہے کہ جیسے نور مستعار قطعات زمین آفتاب کے نور کا ایک ٹکڑا ہے اُس کا پورا نور اس میں نہیں آیا اور اس وجہ سے اس کی بڑائی اور اس کی چھوٹائی لازم ہے۔ ایسے ہی اپنی ہستی کو ایک حصہ حقیر سمجھے اور خدا کے وجود کو عظیم الشان خیال کرے۔ ادھر جیسے بوجہ علیّت آفتاب کا علو مراتب اور زمین کے نور کے مرتبہ میں کمی لازم ہے ایسے ہی خدا کے علو مراتب اور اپنی پستی مرتبہ کا اعتقاد اور اقرار ضرور ہے۔

استقبال قبلہ | مگر روئے نیاز قلبی کا اُدھر ہونا دل کی بات ہے۔ احوال جسمانی میں اُس کا قائم مقام اگر ہوسکتا ہے تو اُس جہت کا استقبال ہوسکتا ہے جو بمنزلہ آئینہ جو بعض اوقات تجلی گاہ آفتاب بنجاتا ہے عالم اجسام میں خدا کی تجلی گاہ ہو۔

نماز میں ہاتھ باندھکر کھڑا ہونا | اور اس کے کام کے لئے اپنی قدرت کے روکے رکھنے کے مقابلہ میں اگر ہے تو اپنے ہاتھوں کا باندھکر کھڑا ہوجانا ہے جو اس بات کی طرف مشیر کہ خدمت کے لئے استادہ ہے۔

رکوع | اور اُس کی عظمت کے لحاظ کے بعد جو اپنے نفس کی تحقیر کی کیفیت اپنے دل پر طاری ہونی چاہیئے۔ عالم اجسام میں اُس کے قائم مقام اور اُس کے مقابلہ میں اگر ہے تو جھک جانا ہے جس کو اصطلاح اہل اسلام میں رکوع کہتے ہیں۔

سجدہ | اور اُس کے علو مراتب کے اعتقاد کے بعد جو اپنی پستی کے خیال کی کیفیت دل میں پیدا ہوتی ہے اُس کے مقابلہ میں اور اُس کے قائم مقام اس بدن کے احوال و افعال میں اگر ہے تو یہ ہے کہ اپنا سر اور مُنہ جو محلِ عزت سمجھے جاتے ہیں زمین پر رکھے اور ناک اُس کے خاک آستانہ پر رگڑے اُس کو اہل اسلام سجدہ کہتے ہیں۔

نماز کے افعال خدا کے سوا کسی اور کے لئے بجالانا شرک ہے | مگر جب ان افعال مذکورہ کو اُن امور قلبیہ کے ساتھ وہ نسبت ہوئی جو بدن کو روح کے ساتھ۔ تو جیسے بدن انسانی کو بوجہ نسبت مذکورہ انسان کہتے ہیں ایسے ہی افعال مذکورہ کو بوجہ نسبت مذکورہ عبادت کہنا لازم ہوگا اور سوا خدا کے اور کسی کے لئے ان افعال کا بجالانا روا نہ ہوگا منجملہ شرک سمجھا جائیگا۔

زکوٰۃ | اب اور سنیئے جب بوجہ اعتقاد و احوال مشار الیہا و احوال مذکورہ بندہ نے یہ ثابت کر دکھایا کہ میں سراپا اطاعت ہوں تو منجملہ ملازمان بارگاہ احکم الحاکمین سمجھا جائیگا اور باینوجہ کہ اموال دنیوی مملوک خداوند مالک الملک ہیں چنانچہ اس کا ثبوت معروض ہوچکا ہے اور پھر وہ اموال کسی قدر نہ کسی قدر بندہ کے قبض و تصرف میں رہتے ہیں۔ اس لئے

بندہ اُن اموال کی نسبت خازن وامین سمجھا جائیگا اور اُس کے صرف میں تابع فرمان خداوندی رہا کریگا۔ اور جو کچھ خرچ کریگا خدا کا مال سمجھکر حسب اجازت خداوندی صرف کیا کریگا۔ خود کھائیگا اور اپنے صرف میں لائیگا تو خدا کی اجازت سے کھائیگا اور صرف میں لائیگا۔ اور کسی دوسرے کو دے دلائیگا تو حسب اجازت خداوندی دے دلائیگا۔ مگر خداوندکریم کے لطف ورحمت سے یہ بعید ہے کہ خود قابض وامین حاجتمند ہو اور پھر اوروں کو دلوادے۔ علیٰ ہذا القیاس یہ بھی مستبعد ہے کہ ایک شخص کی حفاظت وحراست میں خزانہ کثیر موجود ہو اور پھر محتاجوں کو ترسائے اور نہ دلوائے۔ اس لئے یہ بات قرین حکمت ہے کہ تھوڑے اموال میں سے تو کسی اور کو نہ دلوائیں اور زیادہ ہو تو اوروں کے لئے حصہ تجویز کردیں۔ اس صورت میں اُس بندہ کا حصہ مذکور کو دینا اور حسب ارشاد خداوندی صرف کرنا بطور نیابت ہوگا۔ یعنی جیسے خادم اگر حسب اجازت اپنے آقا کے مال میں سے کسی کو کچھ دیتا ہے تو وہ آقا کا دیا سمجھا جاتا ہے اور خادم محض نائب داد دہش ہوتا ہے اس قسم کی عبادت کو اہل اسلام زکوٰۃ کہتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں جنمیں سے ایک تو بجمیع الوجوہ عبادت ہے اور دوسری بات بوجہ مذکور تو نیابت اور بوجہ فرمانبرداری عبادت ہے۔ خدا کے مالک الملک اور احکم الحاکمین ہونے کا ثمرہ ہے جس کے اثبات سے بحمد اللہ فراغت ہو چکی۔

تمہید سوم وحج | اب رہی خدا کی محبوبیت اور اُس کی خوبیاں جس کو جمال سے تعبیر کیجئے تو بجا ہے اُس کے متعلق بھی دوہی باتیں ہونی چاہئیں۔ ایک تو خدا کے سوا اور چیزوں سے بیغرضی۔ کیونکہ جب غلبۂ محبت محبوبان مجازی میں کسی چیز کی پرواہ نہیں رہتی تو محبوب حقیقی کی محبت میں یہ بات کیوں نہ ہوگی۔ دوسرے اس بے غرضی کے بعد اپنے محبوب یعنی خدا کے شوق میں محو ہو جانا۔ اور پھر بمقتضائے وقت کبھی وجد ہے کبھی کسی صحرا میں تصور یار میں عرض معروض ہے کبھی ناصح سے بیزاری کبھی اخلاص جان و

مال قربان کرنیکی تیاری۔ علیٰ ہذا القیاس جو جو کیفیتیں ہوا کرتی ہیں۔

صوم — سو پہلی بات کے مقابلہ میں اور اُس کے قائم مقام تو روزے ہیں جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ غلبہ محبت الٰہی میں نہ کھانے سے مطلب رہا نہ پینے کی حاجت نہ مرد کو عورت سے غرض نہ عورت کو مرد کا خیال۔ اور جب انہیں باتوں سے دست برداری ہے تو اور کیا رہ گیا۔ سوا انکے جو کچھ ہے یا ان کے حاصل کرنے کے سامان ہیں جیسے کھیتی۔ نوکری تجارت۔ مزدوری یا ذکا نتیجہ ہے۔ جیسا دوائی امراض جو کھانے پینے وغیرہ سے حادث ہوتے ہیں

حج یعنی احرام۔ طواف، وقوف عرفہ۔ رمی جمار قربانی — اور دوسری بات کے مقابلہ میں اوّل تو بتقاضائے شوق اُس طرف کی راہ لیتے ہیں جہاں تجلی ربانی ہو۔ اور پھر وہ بھی اس کیفیت سے کہ نہ سر کی خبر نہ پاؤں کا ہوش نہ ناخنوں کی پرواہ نہ بالوں کی غور پرداخت۔ سر برہنہ، پا برہنہ، ناخن بڑھے ہوئے، بال بڑھے ہوئے، پریشان صورت، نعرہ زناں چلا جاتا ہے۔ اُس کو اہل اسلام احرام کہتے ہیں۔ اور وہاں جا کر کبھی وجد میں گھومتا ہے اور کبھی ادھر سے اُدھر نکل جاتا ہے اور اُدھر سے اِدھر نکل آتا ہے اس کو طواف کہتے ہیں۔ اُس کے بعد صحرائے عرفات میں تضرع وزاری ہے اور پھر ناصح نادان یعنی شیطان کے خاص مکان پر سنگباری ہے۔ اور چونکہ عاشق کے حق میں نصیحت ایسی ہے جیسے جلتے توے پر پانی ڈال دیجئے۔ تو اس لئے بعد سنگ باراں بتقاضائے اخلاص جان و مال کے فدا کرنے کی تیاری یعنی قربانی ہے اور جانفشانی ہے۔ اس قسم کی عبادت کو حج کہتے ہیں۔

حکمت توالی رمضان و اشہر الحج — مگر غیر محبوب سے بے غرضی جس کے مقابلہ میں رمضان کے روزے ہیں اور شوق و محبت و وجد و تضرع و اخلاص میں باہم ارتباط تھا۔ اس لئے بعد رمضان ہی احرام کے شروع کرنے کے دن ہیں۔ یعنی شوال و ذیقعدہ عشرہ ذالحجہ کو اس کام کیلئے رکھا

نماز و زکوٰۃ و صوم و حج کا ارتباط — الغرض ادھر تو نماز و زکوٰۃ میں باہم ارتباط ہے اور اُدھر روزوں اور حج میں باہم ارتباط ہے۔ اتنا فرق ہے کہ: ہاں اصل عبادت جو بجمیع الوجوہ عبادت ہے

یعنی نماز مقدم ہے اور زکوٰۃ جو بوجہ فرمانبرداری عبادت ہے اُس کے تابع اور اُس کے بعد اور یہاں رمضان کے روزے جو حقیقت میں عبادت نہیں ورنہ خدا کو معبود ہو کر عابد ہونا پڑیگا۔ کیونکہ وہ بھی نہ کھائے نہ پیئے نہ عورت کے پاس جائے بلکہ بوجہ فرمانبرداری عبادت ہے مقدم ہیں۔ اور حج جو اصل میں عبادت ہے اور بجمیع الوجوہ اُس کا عبادت ہونا ظاہر ہے چنانچہ ظاہر ہے اُس سے مؤخر۔ وجہ اُس کی خود ظاہر ہے وہاں تو نماز کے بعد منصب نیابت و خدمت گذاری میسّر آتا ہے۔ اور یہاں عشق کی اوّل منزل یہی ہے کہ غیر خدا پر خاک ڈالئے۔

حسن اخلاق آثار حب فی اللہ سے ہیں اور جہاد و مناظرہ آثار بغض فی اللہ سے

اس کے بعد اور سنیئے جب بندہ مملوک اور محکوم خدا ٹھہرا ادھر خدا کا محب و مخلص بنا تو بالضرور دو باتیں اُس کو بتقاضائے غلامی و محبت کرنی پڑینگی ایک تو جو خدا کے دوست ہوں جان و مال سے اُن کی مدد کرے اور جو خدا کے دشمن ہوں اُن کی جان و مال کی تاک میں رہے اور اُن کی تذلیل سے نہ چوکے۔ پہلے کو حب فی اللہ اور دوسرے کو بغض فی اللہ کہتے ہیں سخاوت، مروت، ایثار حسنِ اخلاق، و حیاء و صلہ رحمی، عیب پوشی، نصیحت، خیر خواہی وغیرہ اہلِ اسلام کے ساتھ اوّل سے متعلق ہیں۔ اور جہاد اور جزیہ کا لینا اور غنیمت کا لینا اور مناظرہ وغیرہ دوسرے سے متعلّق ہیں۔

شرک فی العبادۃ کی تفسیر

اور سنیئے ان سب باتوں کو اگر غیر خدا کی خوشنودی کے لئے کرے اور نیت عبادت ہو تو یہ سب کی سب باتیں شرک ہو جائیں گی ورنہ نماز کے ارکان اور حج کے ارکان تو شرک ہونگے اور چیزوں کے ادا کرنے میں بغیر نیت عبادت مشرک نہ بنے گا وجہ اس تفریق کی یہی ہے کہ اصل عبادت یہ دو ہی باتیں ہیں۔ اور ان کی ہر ہر بات خدا کی عظمت اور اُس کے مطاع ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

رکن ثانی
ضرورت رسالت

ان تقریرات لطیفہ کے بعد پھر یہ گذارش ہے کہ خداوند عالم جب حاکم اور مطاع

محبوب ٹھہرا تو اس کی رضا جوئی ہمارے ذمہ فرض ہوئی۔ اور اُس کی رضا کے موافق کام کرنا ہمارے ذمہ لازم ہوا مگر یہ بات بے اطلاع رضا و غیر رضا متصور نہیں۔ مگر رضا کی اطلاع کا یہ حال ہے کہ ہماری تمہاری رضا غیر رضا بھی بدون ہمارے بتلائے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ خداوند عالم کی رضا غیر رضا بے اُس کے بتلائے کسی کو کیونکر معلوم ہو سکے یہاں تو یہ حال کہ ہم جسمانی ہیں اور جسم سے زیادہ کوئی چیز ظاہر نہیں۔ پھر اس پہ یہ حال ہے کہ سینے سے سینہ ملا دیں اور دل کو چیر کر دکھلا دیں تو بھی دل کی بات دوسرے کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ خدائے عالم تو سب سے زیادہ لطیف ہے اسی وجہ سے آج تک کسی کو دکھلائی نہیں دیا۔ پھر اُس کے دل کی بات بے اس کے بتلائے کسی کو کیونکر معلوم ہو سکے۔ اور ایک دو بات اگر بدلالت عقل سلیم کسی کے نزدیک لائق امر و نہی خداوندی معلوم بھی ہوں تو اول اُس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خداوند عالم قابلیت امر و نہی کا پابند ہی رہے۔ کیا عجب ہے کہ بوجہ خود مختاری و بے نیازی اور کچھ حکم دیدے علاوہ بریں اس قسم کے علم اجمالی سے کیا کام چلتا ہے جب تک تفصیل اعمال مِنْ اَوَّلِہٖ اِلٰی اٰخِرِہٖ معلوم نہ ہو جائے تعمیل حکم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اُس کے انتظار کا ارشاد ہے مگر اُس کی شان عالی کو دیکھئے تو یہ بات کب ہو سکتی ہے کہ خود خداوند عالم ہر کس و ناکس کو اپنی رضا غیر رضا کی خبر دے اور ہر کسی کو منہ لگائے۔ بادشاہان دنیا اس تھوڑی سی نخوت پر اپنے ہی بنی نوع سے نہیں کہتے دوکان دوکان اور مکان مکان پر کہتے نہیں پھرتے۔ مقربان بارگاہی سے کہدیتے ہیں وہ اوروں کو سُنا دیتے ہیں۔ اور بذریعہ اشتہارات و منادی اعلان کرا دیتے ہیں۔ خداوند عالم کو ایسا کیا کم سمجھ لیا ہے کہ وہ ہر کسی سے کہتا پھرے۔ وہاں بھی یہی ہوگا کہ اپنے مقربوں سے اور اپنے خواصوں سے فرمائے اور وہ اوروں کو پہنچائیں۔ ایسے لوگوں کو اہل اسلام انبیاء اور پیغمبر اور رسُول کہتے ہیں۔

عصمت انبیاء لیکن دنیا کے تقرب اور خواصی کے لئے سراپا اطاعت ہونا ضرور ہے اپنے

مخالفوں کو اپنی بارگاہ میں کون گھُسنے دیتا ہے اور مسندِ قرب پر کون قدم رکھنے دیتا ہے اس لئے یہ ضرور ہے کہ وہ مقرب جن پر اسرار و مافی الضمیر آشکارا کئے جائیں یعنی اصول احکام سے اطلاع دی جائے ظاہر و باطن میں مطیع ہوں۔ مگر جس کو خداوند علیم و خبیر باعتبار ظاہر و باطن مطیع و فرمانبردار سمجھیگا اُس میں غلطی ممکن نہیں۔ البتہ بادشاہانِ دنیا موافق و مخالف و مطیع و عاصی و مخلص و مکار کے سمجھنے میں با اوقات غلطی کھا جاتے ہیں۔ اس لئے یہاں یہ ہوسکتا ہے کہ جس کو مطیع و مخلص سمجھا تھا وہ ایسا نہ نکلے یا بادشاہ کو بوجہ غلطی اس کی طرف گمان مخالفت و مکاری پیدا ہوجائے اور اس لئے دربار سے نکالا جائے۔ مگر خدا تعالیٰ کی درگاہ کے مقرب بوجہ عدم امکان غلط فہمی ہمیشہ مطیع و مقرب ہی رہینگے۔

انبیاء اپنے منصب سے معزول نہیں ہوتے۔ دوزخ جنت کے مالک نہیں۔ گنہگاروں کی شفاعت کرینگے

نظر بریں یہ لازم ہے کہ انبیاء معصوم بھی ہوں۔ اور مرتبہ تقرب نبوت سے برطرف نہ کئے جائیں گو خدمت نبوت کی تخفیف ہوجائے لیکن جیسے مقربان بادشاہی اور خواص سلطانی مطیع و مقرب ہوتے ہیں شریک خدائی نہیں ہوتے۔ اس لئے انکو یہ تو اختیار نہ ہوسکا کہ کسی کو بطور خود جنت یا جہنم میں داخل کردیں۔ البتہ بوجہ تقرب یہ ممکن ہے کہ وہ بکمال ادب کسی کی سفارش کریں یا کسی کی شکایت کریں۔ احباب کی سفارش کو جو انبیاء علیہم السلام دربارہ ترقی مدارج یا مغفرت معاصی خدا کی درگاہ میں کریں گے۔ اہل اسلام شفاعت کہتے ہیں

ابطال کفارہ مزعومہ نصاریٰ

القصہ انبیاء کی معصومیت اور اُن کی شفاعت تو قرین عقل ہے۔ پر ان کی گنہگاری اور دربارہ عطائے جنت یا ادخال ان کی خود مختاری ہرگز قرین عقل نہیں۔ اور نہ یہ بات عقل میں آسکتی ہے کہ کسی کی عوض کوئی جنت میں چلا جائے اور کسی کے عوض کوئی دوزخ میں رہ جائے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ محبت اور عداوت کے لئے کوئی وجہ ضرور ہے۔ علیٰ ہذا القیاس انعام اور سزا کے لئے سبب کی حاجت ہے

جہاں جہاں وہ اسباب موجود ہونگے وہاں وہاں محبت اور عداوت ہوگی وہاں وہاں عنایت اور التفات اور کشیدگی اور انقباض بھی ضرور ہوگا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ حسنِ جمال اور حُسنِ خصال اور قرابت اور کمال اور احسان اور اعطار مال تو کوئی کرے۔ اور محبت اُن سے ہو جائے جن کی صورت اچھی نہ سیرت بھلی۔ قرابت ہے نہ کمال ہے۔ احسان ہے نہ عطار مال ہے اجنبی دراجنبی۔ احسان کے بدلے نقصان۔ راحت کے عوض ایذا۔ بھلائی کے عوض برائی کرتے رہتے ہیں۔ باوجود اتنی ناانصافیوں کے یہ بات تو بنی آدم میں بھی نہیں خداوند دادگر میں یہ بات کیونکر ہوسکتی ہے۔ اس لئے یہ ممکن نہیں کہ اطاعت کوئی کرے اور ثواب کا مستحق کوئی ہو جائے۔ گناہ کوئی کرے اور سزا کسی کو دی جائے۔ تابعداری تو انبیار کریں اور مرحوم امتی ہو جائیں۔ اور گناہ و تقصیر تو امتی کریں اور ملعون انبیار علیہم السلام ہو جائیں نعوذ باللہ منہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا اور انبیار بدستور ویسے ہی بارگاہ قرب میں اپنی شان و عظمت کے ساتھ موجود ہیں۔ نہ کبھی وہ عذاب میں گرفتار ہوئے نہ ہوں انشاء اللہ

اے حضرات، نصاریٰ یہ سخت گستاخی ہے جو تم صاحب حضرت عیسیٰ کی نسبت تجویز کرتے ہو۔

مدار نبوت تین کمالوں پر ہے اس تقریر کے ملاحظہ کرنے والوں کو یہ بات معلوم ہوگئی ہوگی کہ نبوت کے لئے اوّل یہ ضرور ہے کہ ظاہر و باطن میں موافق مرضی خداوندی ہوں اور ظاہر و باطن سے اطاعت خدا کے لئے تیار ہوں۔ اِس لئے کہ جو اپنے موافق مرضی ہوتا ہے وہی مقرب ربانی ہوسکتا ہے۔ اور جو شخص ظاہر و باطن دونوں طرح مطیع و فرمانبردار ہو وہی شخص حاکم ماتحت خدا ہوسکتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ بے تقرب بادشاہ سے کلام و گفتگو کوئی نہیں کرسکتا اور بے تقرب چوبدار بادشاہی کسی کے پاس سلام و پیام بادشاہی نہیں لاسکتا ہے اسی طرح بے تقرب شرف ہمکلامی خداوندی میسر نہیں آسکتی۔ اور بے تقرب ربانی ملائکہ سلام و پیام خداوندی نہیں لاسکتے۔ مگر بنائے تقرب جب موافق

مرضی پر ہوئی تو بالضرور نبی میں تین باتیں ضرور ہونگی۔

محبت خداوندی | اوّل تو یہ کہ اخلاص و محبّت خداوندی اس قدر ہو کہ ارادہ معصیت کی گنجایش ہی نہ ہو۔

اخلاق حمیدہ | دوسرے یہ کہ اخلاق حمیدہ و پسندیدہ ہوں۔ کیونکہ ہر شخص اور ہر کام کرنیوالا اپنے اخلاق کے موافق اور مناسب کام کیا کرتا ہے۔ سخی دیا کرتا ہے بخیل جمع کیا کرتے ہیں خوش اخلاق اخلاق سے پیش آتے ہیں۔ اور راحت پہنچاتے ہیں۔ اور بداخلاق بدی سے پیش آتے ہیں اور ایذا دیا کرتے ہیں۔ اس لئے ہر کار ایک خصلت سے مربوط ہوگا۔ اگر اچھی خصلت سے مربوط ہے تو اچھا ہوگا بُری سے مربوط ہے تو بُرا ہوگا۔ اور اخلاق کا اچھا بُرا ہونا اس پر منحصر ہے کہ خدا کے اخلاق کے موافق یا مخالف ہو جو خلق موافق ہوگا وہ اچھا سمجھا جائیگا جو مخالف ہوگا وہ بُرا ہوگا۔ اس لیے جو باتیں موافق اخلاق خداوندی ہوں اُن کا بُرا کہنا بجز ناقص فہموں کے اور کسی کا کام نہیں۔ مثلاً خداوند عالم بالاتفاق سب کے نزدیک اچھوں سے خوش ہوتا ہے اور بُروں سے ناخوش اُنکو انعام دیتا ہے اُن کو سزا پہنچاتا ہے۔ پھر جو شخص ہو بہو ایسا ہو اُس کو اوروں سے کامل اور جان و دل سے محبوب رکھنا چاہئے نہ یہ کہ بجائے محبّت عداوت اور بجائے تعریف اُس میں عیب نکالنے لگیں۔ اُس وقت یہ حضرات نصاری کا اعتراض جہاد جو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کرتے ہیں سراسر ناانصافی ہوگی۔ یہ دو باتیں یعنی اعمال اور اخلاق تو ایک قسم کی باتیں ہیں یعنی کرنے کی باتیں ہیں اور معاملات سے متعلق ہیں۔

کمال عقل و فہم | تیسری بات جو از قسم دوم ہے وہ خوبی عقل و فہم ہے۔ کیونکہ اوّل تو بدفہمی خود ایک ایسا عیب ہے کہ کیا کہئے۔ دوسرے تقرب مقربین خدا اسی غرض سے ہوتا ہے کہ بات کہئے تو سمجھ جائیں اور سمجھکر خود بھی تعمیل کریں اور اوروں سے بھی کرائیں۔

عقل وفہم امت انبیاء کے عقل وفہم کا پرتوہ ہے

اس لئے انبیاء علیہم السلام خدا اور امت کے بیچ میں ایسے ہونگے جیسے آفتاب کے اور زمین کے بیچ میں قمر یعنی جیسے نور قمر آفتاب سے ماخوذ ہوتا ہے اور زمین تک پہنچتا ہے اور درحقیقت مادۂ نورانی زمین وہ نور قمر ہی ہوتا ہے۔ ایسے ہی مادۂ علم وفہم امت انبیاء ہی سے ماخوذ ہوتا ہے۔ مگر مادۂ علم وفہم وہی عقل ہے۔ اس صورت میں عقل وفہم امت بالضرور مثل چاندنی جو پرتوۂ نور قمر ہوتی ہے پرتوۂ عقل وفہم انبیاء علیہم السلام ہوگا۔

حیات امت انبیاء کی حیات کا پرتوہ ہے

اور اس وجہ سے یہ لازم ہے کہ مادۂ حیات امت بھی انبیاء کی حیات سے ماخوذ ہو کیونکہ عقل حیوٰۃ سے جدی نہیں ہوسکتی۔ یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ حیوٰۃ نہ ہو اور عقل ہو۔

تمام اخلاق امت اخلاق انبیاء سے ماخوذ ہیں،

اور جب حیوٰۃ امت حیوٰۃ انبیاء سے ماخوذ ہوئی تو بالضرور تمام اخلاق امت اخلاق انبیاء سے ماخوذ ہونگے۔ بشرطیکہ امت گمراہ نہ ہو۔ کیونکہ امت گمراہ حقیقت میں امت ہی نہیں ہوتی۔

مثال امت

بالجملہ امت اور نبی میں یہ فرق ضرور ہے۔ اس لئے امت کی فہم اور اُن کے اخلاق اور اعمال اگر اچھے بھی ہوئے تو ایسے ہونگے جیسے زمین کا چاندنا اپنی ذات سے اچھی چیز ہے مگر مثل نور قمر دوسروں تک پہنچ نہیں سکتا۔ اور اگر پہنچا بھی تو ایسا پہنچتا ہے۔ جیسے چاندنی رات میں زمین کی چاندنی کے باعث دالان کے اندر اُجالا ہوجاتا ہے۔

تفاضل افراد امت

الغرض بنائے تقرب ان تین باتوں پہ ہے بشرطیکہ اوروں کا مادہ فہم و اخلاق اُن کے فہم و اخلاق سے ایسی نسبت رکھتا ہو جیسے معروض ہوا۔ اسکے بعد تفاوت اخلاق امت ایسا ہوگا جیسا اشیائے مختلف الالوان کا ایک نور سے مختلف طور سے اچھا برا معلوم ہونا۔

معجزہ ثمرہ نبوت ہے نہ مدار نبوت

الغرض اصل نبوت تو ان دو باتوں کا مقتضی ہے کہ

فہم سلیم و اخلاق حمیدہ اس قدر ہوں۔ رہے معجزات وہ بعد عطائے نبوت عطا کرتے ہیں یہ نہیں ہوتا کہ جیسے اظہار معجزات کے امتحان میں نمبر اوّل پایا اُس کو نبوت عطا کی ورنہ ناکام رہا چنانچہ ظاہر ہے۔ اس لئے اہل عقل کو لازم ہے کہ اوّل فہم و اخلاق و اعمال کو میزان عقل میں تولیں اور پھر تولیں کہ کون نبی ہے اور کون نہیں۔

ایمان بجمیع انبیاء بلا تفریق

اہل اسلام تو سبھی انبیاء علیہم السّلام کے درم ناخریدہ غلام ہیں خاصکر ان میں ان اولوالعزموں کی جن کی تاثیر اور اولوالعزمی اور علو ہمت سے دین خداوندی نے بہت شیوع پایا۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام۔ کیونکہ انبیاء کا اعتقاد اور محبت اہل اسلام کے نزدیک جزء ایمان ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل الانبیاء ہیں

مگر ان سے اور باقی تمام انبیاء سے بڑھ کر حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کو سمجھتے ہیں اور اُن کو سب میں افضل اور سب کا سردار جانتے ہیں۔ اہل انصاف کے لئے تو بشرط فہم سلیم موازنہ احوال محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور احوال دیگر انبیاء کافی ہے۔ ملک عرب کی جہالت اور درشت مزاجی او گردن کشی کون نہیں جانتا جس قوم میں ایسی جہالت ہو کہ نہ کوئی کتاب آسمانی ہو نہ غیر آسمانی۔ اور اخلاق کا یہ حال کہ قتل کر دینا ایک بات ہو۔ فہم کی یہ کیفیت کہ پتھر کو اٹھالائے اور پوجنے لگے۔ اور گردن کشی کی یہ صورت کہ کسی بادشاہ کے کبھی مطیع نہ ہوئے جفاکشی کی یہ نوبت کہ ایسے خشک ملک میں شاد و خرم عمر گذاریں۔ ایسے جاہلوں گردن کشوں کو راہ پر لانا ہی دشوار تھا۔ چہ جائیکہ علوم الٰہیات و اخلاق و سیاست مدن میں اور علم معاملات و عبادات میں رشک افلاطون و ارسطو و دیگر حکمائے نامدار بنا دیا۔

اعتبار نہ ہو تو اہل اسلام کی کتب اور ان کی کتب کو موازنہ کر کے دیکھیں مطالعہ کناں کتب فریقین کو معلوم ہوگا کہ ان علوم میں اہل اسلام تمام عالم کے علماء پر سبقت لیگئے

نہ یہ تدقیقات کہیں ہیں نہ یہ تحقیقات کہیں ہیں۔ جن کے شاگردوں کے علوم کا یہ حال ہو خود موجد علوم کا کیا حال ہوگا۔ اگر یہ بھی معجزہ نہیں تو اور کیا ہے۔

معجزات علمیہ کا معجزات عملیہ سے افضل ہونا

صاحبو انصاف کرو تو معلوم ہو کہ یہ معجزہ اور انبیاء کے معجزات سے کس قدر بڑھا ہوا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ علم کو عمل پر شرف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر فن میں اُس فن کے اُستادوں کی تعظیم کیجاتی ہے۔ ہر ہر سررشتہ میں افسر و محو باوجودیکہ اُن کے کام میں بمقابلہ خدمات اتباع بہت کم محنت ہوتی ہے۔ تنخواہ زیادہ دیتے ہیں یہ شرف علم نہیں تو اور کیا ہے۔ خود انبیاء ہی کو دیکھو۔ امتی آدمی بسا اوقات مجاہدہ و ریاضت میں ان سے بڑھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مگر مرتبہ میں انبیاء کی برابر نہیں ہوسکتے وجہ اس کی بجز شرف علم و تعلیم اور کیا ہے۔ الغرض بوجہ علم و تعلیم ہی انبیاء اُمتیوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ بوجہ عبادت و ریاضت ممتاز نہیں ہوتے۔ مگر جب یہ ہے تو پھر علم عمل سے بالضرور افضل ہوگا۔ اس لئے معجزات علمیہ معجزات عملیہ سے کہیں زیادہ ہونگے

معجزات علمیہ و عملیہ کی تفسیر

مگر معجزات عملی اُسکو کہتے ہیں کہ کوئی شخص دعوے نبوت کرکے ایسا کام کر دکھائے کہ اور سب اُس کام کے کرنے سے عاجز آجائیں۔ اس صورت میں معجزات علمی اس کا نام ہوگا کہ کوئی شخص دعوے نبوت کرکے ایسے علوم ظاہر کرے کہ اور اقران و امثال اُس کے مقابلہ میں عاجز آجائیں۔

تفاضل علوم باعتبار تفاضل معلومات

مگر علوم میں بھی فرق ہے یعنی جیسے گلاب ہو یا پیشاب ہو دیکھنے میں دونوں برابر ہیں۔ مگر جن کو دیکھتے ہیں اس میں اتنا تفاوت ہے کہ اُس سے زیادہ اور کیا ہوگا۔ ایک پاک اور خوشبودار دوسرا ناپاک اور بدبودار ایسے ہی علم ذات و صفات خداوندی اور علم اسرار احکام خداوندی اور علم معلومات باقیہ میں یہی فرق ہے بلکہ غور سے دیکھئے تو اُس سے زیادہ فرق ہے اس لئے کہ گلاب و پیشاب میں اتنا تو اتحاد ہے کہ یہ بھی مخلوق وہ بھی مخلوق۔ خالق اور مخلوق میں تو اتنا بھی اتحاد اور مناسبت نہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشنگوئیاں اور انبیاء سے بڑھکر ہیں

ادھر دیکھیے علم وقائع میں بھی باہم فرق ہے دنیا کے وقائع کی اگر کوئی شخص خبر دے تو بھروسے ہی کی خبر دیتا ہے۔ پر جو شخص وقائع آخرت کی خبر دیتا ہے وہ دور تک کی خبر دیتا ہے۔ اور چونکہ خبر مستقبل کا اعجاز بہ نسبت ماضی کے زیادہ ظاہر ہے کیونکہ یہاں تو کسی قسم کی اطلاع کا بھی احتمال ہے پر مستقبل میں یہ احتمال بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے جو شخص کثرت سے امور مستقبلہ کی خبر دے اور امور مستقبلہ بھی بہت دور دور کے بیان کرے تو اُس کا اعجاز علم وقائع بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ہوگا۔ اب دیکھیے کس کی پیشنگوئیاں زیادہ ہیں اور پھر وہ بھی کہاں کہاں تک اور کس کس قدر دور و دراز زمانہ کی باتیں ہیں۔ رہا یہ احتمال کہ آخرت تک پیشنگوئیوں کا صدق اور کذب کس کو معلوم ہے۔ اس کا یہ جواب ہے کہ کوئی پیشنگوئی کیوں نہ ہو قبل وقوع سب کا یہی حال ہوتا ہے۔ اگر دو چار گھڑی پیشتر کی ہے تب تو اکثر حاضرین کو معلوم ہوگا۔ ورنہ بیان کسی کے سامنے کی جاتی ہے اور ظہور کسی کے سامنے ہوتا ہے۔ تورات کی پیشنگوئیاں کو دیکھ لیجیے بعض بعض تو اب تک ظہور میں نہیں آئیں۔ بہرحال پیشنگوئیاں اگلے ہی زمانہ میں جاکر معجزہ ہو جاتی ہیں یعنی انکا معجزہ ہونا اگلے زمانہ میں معلوم ہوتا ہے۔ مگر ایک دو کا صدق بھی اور اُن کی تصدیق کے لیے کافی ہوتا ہے۔ ادھر اور قرائن صادقہ اور معجزات دیگر اُس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور اس لئے قبل ظہور موجب یقین ہو جاتے ہیں۔ ہاں زمانہ ماضی کی باتیں بشرطیکہ وجود اطلاع خارجی مفقود ہو۔ بیشک اُسی وقت معجزے سمجھے جائیں گے۔ بالجملہ ہمارے پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشنگوئیاں بھی اسقدر ہیں کہ کسی اور نبی کی نہیں کسی صاحب کو دعویٰ ہو تو مقابلہ کرکے دیکھیں جن میں سے کثرت سے صادق بھی ہو چکی ہیں مثلاً خلافت کا ہونا حضرت عثمانؓ اور حضرت حسینؓ کا شہید ہونا۔ اور حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر دو گروہ اعظم کا صلح ہو جانا۔ ملک کسریٰ اور ملک روم کا فتح ہونا بیت المقدس کا فتح ہو جانا۔ مروانیوں اور عباسیوں کا بادشاہ ہونا۔ نار حجاز کا ظاہر ہونا

ترکوں کے ہاتھ اہل اسلام پر صدمات کا نازل ہونا جیسا چنگیز خاں کے زمانہ میں ظاہر ہوا اورسوا اُن کے اور بہت سی باتیں ظہور میں آچکی ہیں۔ ادھر وقائع ماضیہ کا یہ حال کہ باوجود اُمّی ہونے اور کسی عالم نصرانی یا یہودی کی صحبت کے نہ ہونے کے وقائع انبیائے سابق کے احوال کا بیان فرمانا۔ ایسا روشن ہے کہ بجز متعصب نا انصاف اور کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق سب سے اعلیٰ تھے

اب اخلاق کو دیکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں کے بادشاہ یا امیر نہ تھے۔ آپ کا افلاس ایسا نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو اس پر ایسے لشکر کی فراہمی جس نے اول تو تمام ملک عرب کو زیر بار کردیا اور پھر فارس اور روم اور عراق کو چند عرصہ میں تسخیر کرلیا۔ اور اس پر معاملات میں وہ شائستگی رہی کہ کسی لشکری نے سوا مقابلہ جہاد کسی کی ایذارسانی کسی طرح گوارا نہ کی۔ بجز تسخیر اخلاق اور کسی وجہ پر منطبق نہیں آسکتی۔ القصہ آپ کے علم واخلاق کی دلائل قطعیہ کے آثار تو اب تک موجود ہیں اس پر بھی کوئی نہ مانے تو وہ جانے۔

باعتبار حاوی علوم کثیرہ ہونیکے قرآن شریف کا اعجاز

علاوہ بریں **قرآن شریف** جس کو تمام معجزات علمی میں بھی افضل واعلیٰ کہیئے۔ ایسا برہان قاطع کہ کسی سے کسی بات میں اُس کا مقابلہ نہ ہوسکا۔ علوم ذات وصفات وتجلیات و بدء خلائق۔ و علم برزخ۔ وعلم آخرت وعلم اخلاق وعلم احوال وعلم افعال وعلم تاریخ وغیرہ اس قدر ہیں کہ کسی کتاب میں اس قدر نہیں کسی کو دعوےٰ ہو تو لاوے اور دکھائے۔

باعتبار فصاحت و بلاغت قرآن شریف کا اعجاز

اور [illegible] فصاحت وبلاغت کا یہ حال کہ آج تک کسی سے مقابلہ نہ ہوسکا مگر ہاں جیسے اجسام ومحسوسات کے حسن وقبح کا ادراک تو ایک نگاہ اور ایک توجہ میں بھی متصور ہے اور روح کے کمالات کا ادراک ایک بار متصور نہیں۔ ایسے ہی اُن معجزات علمی کی خوبی جو متضمن علوم عجیبہ ہو ں ایجا

مقصود نہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ بات کمال لطافت پر دلالت کرتی ہے نہ کہ نقصان پر۔

قرآن شریف کی فصاحت و بلاغت صاحب ذوق سلیم بداہۃً سمجھ سکتا ہے

بالجملہ اگر کسی بلید کم فہم کو وجوہ فصاحت و بلاغت قرآنی ظاہر نہ ہوں۔ تو اس سے اُسکا نقصان لازم نہیں آتا۔ کمال ہی ثابت ہوتا ہے۔ علاوہ بریں عبارت قرآنی ہر کس و ناکس رند بازاری کے نزدیک بھی اسی طرح اور عبارتوں سے ممتاز ہوتی ہے جیسے کسی خوشنویس کا خط بدنویس کے خط سے پھر جیسے تناسب خط و خال معشوقاں اور تناسب حروف خط خوشنویساں معلوم ہو جاتا ہے اور پھر کوئی اُس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں بتا سکتا کہ دیکھ لو یہ موجود ہے ایسے ہی تناسب عبارت قرآنی جو وہی فصاحت و بلاغت ہے ہر کسی کو معلوم ہو جاتا ہے پر اُس کی حقیقت اس سے زیادہ کوئی نہیں بتلا سکتا کہ دیکھ لو یہ موجود ہے۔

قرآن شریف کلام الٰہی ہے اور توارت انجیل کتاب الٰہی

الغرض معجزات علمی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب سے زیادہ ہیں کیونکہ کلام ربانی اور کسی کے لئے نازل نہیں ہوا چنانچہ خود اہل کتاب اس بات کے معترف ہیں کہ الفاظ توریت و انجیل منزل من اللہ نہیں۔ وہاں سے فقط الہام معانی ہُوا اور یہاں اکثر انبیاء یا حواریوں نے انکو اپنے الفاظ میں ادا کر دیا۔ اور اپنا یہ اعتقاد ہے کہ الفاظ کتب سابقہ بھی اُسی طرف سے ہیں پر وہ مرتبہ فصاحت و بلاغت جو مناسب شانِ خداوندی ہے اور کتابوں میں اس لئے نہیں کہ اُنکا مہبط خود صفت کلام خداوندی نہیں۔ یا یوں کہو عبارت ملائکہ ہے گو مضامین خداوندی ہیں۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ توریت و انجیل کی نسبت قرآن و حدیث میں کتاب اللہ کا لفظ آتا ہے۔ کلام اللہ کا لفظ نہیں آتا اگر ہے تو ایک اجا ہے مگر وہاں دو احتمال ہیں ایک تو یہی توریت دوسرے وہ کلام جو بعض بنی اسرائیل نے بمعیت حضرت موسیٰ علیہ السلام سُنے تھے۔ اگر وہ کلام تھے تو اس سے توریت کا عبارت خداوندی ہونا ثابت نہیں ہو سکتا اور خود توراۃ مراد ہے تو وہ کلام ایسے سمجھو جیسے بعض شاعر گنواروں سے انہیں کے محاورں

میں گفتگو کرنے لگتے ہیں مگر ظاہر ہے کہ اس وقت کلام شاعر مذکور اگرچہ بظاہر کلام شاعری سمجھے جائیں گے مگر منشار اس کلام کا اس کا وہ کمال نہ ہوگا جس کو کمال شاعرانہ اور قوت فصاحت و بلاغت کہتے ہیں۔ ایسے ہی توراۃ کو بھی بہ نسبت خدا خیال فرمائیے اور شاید یہی وجہ ہو کہ دعویٰ اعجاز تورات و انجیل نہ کیا گیا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اس معجزہ سے بڑھکر اور کوئی معجزہ نہ تھا چنانچہ اوپر معروض ہو چکا۔

صاحب اعجاز علمی کا صاحب اعجاز عملی سے افضل ہونا

اور بایں وجہ کہ علم تمام اُن صفات سے اعلیٰ ہے جو مربی عالم ہیں یعنی اُن صفات کو عالم سے تعلق ہے جیسے علم و قدرت ارادت مشیت کلام کیونکہ علم کو معلوم اور قدرت کو مقدور اور ارادہ کو مراد اور مشیت کو مرغوب اور کلام کو مخاطب کی ضرورت ہے۔ اس لئے وہ نبی جس کے پاس معجزہ علمی ہو تمام اُن نبیوں سے اعلیٰ درجہ میں ہوگا جو معجزہ عملی رکھتے ہونگے۔ کیونکہ جس درجہ کا معجزہ ہوگا وہ معجزہ اس بات پر دلالت کریگا کہ صاحب معجزہ اس درجہ میں یکتائے روزگار ہے اور اس فن میں بڑا سردار ہے۔ اس لئے ہمارے حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت کا اقرار بشرط فہم و انصاف ضرور ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا

علیٰ ہذا القیاس جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ علم سے اوپر کوئی ایسی صفت نہیں جس کو عالم سے تعلق ہو۔ تو خواہ مخواہ اس بات کا یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تمام مراتب کمال ایسی طرح ختم ہو گئے جیسے بادشاہ پر مراتب حکومت ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے جیسے بادشاہ کو خاتم الحکام کہہ سکتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم الکاملین اور خاتم النبیین کہہ سکتے ہیں۔ مگر جس شخص پر مراتب کمال ختم ہو جائیں گے تو بایں وجہ کہ نبوت سب کمالات بشری میں اعلیٰ ہے چنانچہ مسلم بھی ہے اور تقریر متعلق بحث تقرب بھی جو اوپر گذر چکی ہے اُس پر شاہد ہے۔

تمام اہل مذاہب پر آپ کا اتباع ضروری ہے

اس لئے آپ کے دین کے ظہور کے بعد سب اہل کتاب کو بھی اُنکا اتباع ضروری ہوگا۔ کیونکہ حاکم اعلیٰ کا اتباع تو حکام ماتحت کے ذمہ بھی ہوتا ہے۔ رعایا تو کس شمار میں ہیں۔ علاوہ بریں جیسے لارڈ لٹن کے زمانہ میں لارڈ لٹن کا اتباع ضروری ہے اُس وقت احکام لارڈ نارتھ بردک کا اتباع کافی نہیں ہوسکتا۔ اور نہ اُس کا اتباع باعث نجات سمجھا جاتا ہے۔ ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بابرکات ہیں اور اُنکے بعد انبیاء سابق کا اتباع کافی اور موجب نجات نہیں ہوسکتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشینگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق

اور یہی وجہ ہوئی کہ سوا آپ کے اور کسی نبی نے دعوے خاتمیت نہ کیا۔ بلکہ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ جہان کا سردار آتا ہے خود اس بات پر شاہد ہے کہ حضرت عیسیٰ خاتم نہیں کیونکہ حسب اشارہ مثال خاتمیت بادشاہ خاتم وہی ہوگا جو سارے جہان کا سردار ہو اس وجہ سے ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب میں افضل سمجھتے ہیں پھر یہ آپ کا خاتم ہونا آپ کے سردار ہونے پر دلالت کرتا ہے اور بقرینہ دعویٰ خاتمیۃ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے یہ بات یقینی سمجھتے ہیں کہ وہ جہان کے سردار جن کی خبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دیتے ہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

تحقیق نسخ

رہا یہ شبہ کہ یہ صورت نسخ احکام کی ہے۔ اور نسخ احکام چونکہ غلطی حکم اوّل پر دلالت کرتا ہے اور خدا کے علوم اور احکام میں غلطی متصور نہیں اس لئے یہ بات بھی غلط ہوگی کہ سوائے اتباع محمدی اور کسی طرح نجات متصور نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نسخ فقط تبدیلی احکام کو کہتے ہیں غلطی کا اشارہ اُس میں سے سمجھ لینا سخت ناانصافی ہے۔ یہ لفظ عربی ہے۔ اس کے معنی ہم سے پوچھنے تھے پھر اعتراض کرنا تھا۔ سُنیے خدا کے احکام کا نسخ اس قسم کا ہوتا ہے جیسے طبیب کا منضج کے نسخہ کی جگہ مسہل کا نسخہ لکھ دینا چنانچہ وہ تقریر بھی جس میں خدا کے احکام کا بندوں کے حق میں

نافع ہونے اور اُس کی مناہی کا اُن کے حق میں مُضر ہونے کی طرف اشارہ کرچکا ہوں اور اُس کے ساتھ ہی طبیب کی مثال عرض کرچکا ہوں۔ اس مضمون کے لئے موئد ہے۔

نسخ میں اختلاف لفظی ہے

الغرض تبدیلی احکام خداوندی مثل تبدیلی احکام حکام دنیا بوجہ غلطی فہم نہیں ہوتی بلکہ اس غرض سے ہوتی ہے کہ مثل منضج حکم اوّل کا زمانہ نکل گیا اور مثل مسہل حکم ثانی کا زمانہ آگیا اور اس قسم کے تبدل احکام کے اقرار سے حضرات نصاریٰ بھی منحرف نہیں ہوسکتے چنانچہ بعض احکام توراۃ کا بوجہ انجیل مبدل ہوجانا سب کو معلوم ہے پھر اگر اس قسم کو نصاریٰ نسخ نہ کہیں تکمیل کہیں۔ تو فقط لفظوں ہی کا فرق ہوگا۔ معنی وہی رہیں گے۔ اور اگر نسخ ہی کہتے ہیں تو چشم ما روشن دلِ ما شاد۔

حضرت موسیٰ کے کلیم اللہ ہونے سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مساوات لازم نہیں آتی

اس کے بعد یہ گذارش ہے کہ شاید نصاریٰ کو یہ خیال ہو کہ حضرت موسیٰ کا کلیم ہونا اور حضرت عیسیٰ کا کلمہ ہونا بھی مسلم ہے۔ پھر بوجہ نزول کلام اللہ محمدیوں ہی کو کیا افتخار رہا۔ تو اُس کا اوّل تو یہ جواب ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلیم ہونا بایں معنی ہے کہ وہ خدا کے مخاطب تھے۔ اور خدا کے کلام اُن کے کان میں آئے۔ یہ نہیں کہ اُن کی زبان تک اور اُن کے منہ تک بھی نوبت پہنچی ہو۔ اور ظاہر ہے کہ کلام فصیح و بلیغ کا کان میں آجانا سامع کا کمال نہیں۔ ورنہ اس حساب سے سبھی صاحب اعجاز اور صاحب کمال کلام ہوجائیں۔ البتہ کلام بلیغ کا مُنہ میں آنا اور زبان سے نکلنا البتہ کمال سمجھا جاتا ہے۔ بشرطیکہ اوّل کسی اور سے نہ سُنا ہو۔ فقط خدا ہی کی قدرت و عنایت کا واسطہ ہو۔ سو یہ بات اگر میسّر آئی ہے تو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میسّر آئی۔ یہی وجہ ہوئی کہ سوا آپ کے اور کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق توراۃ کی پیشینگوئی

اس تقریر کے سُننے دیکھنے والوں کو انشاء اللہ اس بات کا یقین ہوجائیگا کہ توراۃ کی وہ پیشینگوئی جس میں یہ ہے کہ

اُس کے مُنہ میں اپنے کلام ڈالونگا۔ بلاشبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اور اس وقت یہ بات بھی آشکارا ہوگئی ہوگی کہ اُس پیشینگوئی میں جو اس فقرہ سے اوّل حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو خطاب کرکے فرماتے ہیں کہ تجھ جیسا نبی پیدا کرونگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ تو اور وہ متساوی المراتب ہونگے۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ کلام ربانی سے تجھے بھی معاملہ پڑا اور اُسے بھی معاملہ پڑیگا۔ مگر چونکہ یہ تشبیہ اگر مطلق رہتی تو کمال مشابہت پر دلالت کرتی جس کا حاصل وہی تساوی مراتب نکلتا۔ اس لئے آگے بطور استثنار و استدراک یہ ارشاد فرمایا کہ اُس کے مُنہ میں اپنے کلام ڈالونگا تاکہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ وہ تم سے افضل ہونگے۔ کیونکہ اس وقت وہ نبی بمنزلہ زبانِ خدا ہونگے اور ایسی صورت ہو جائیگی جیسے فرض کیجئے کسی کے سر پر بھوت چڑھ جائے اور وہ اُس وقت کچھ باتیں کرے یا تاثیر مسمریزم سے کسی عالم کی روح کا پرتوہ کسی جاہل کی روح پر پڑ جائے اور اس وجہ سے علوم کی باتیں کرنے لگے جیسے اُس وقت متکلم کوئی اور ہی ہوتا ہے پر زبان اسی شخص کی ہوتی ہے۔ اور اسی لئے بظاہر یوں ہی کہا جاتا ہے کہ یہی شخص باتیں کرتا ہے ایسے ہی یہاں بھی خیال فرما لیجئے۔ اور ظاہر ہے کہ زبان متکلم ہی کی جانب شمار کی جاتی ہے۔ البتہ کان مخاطب کی جانب شمار کئے جاتے ہیں۔ سو جب متکلم خداوند کریم ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بمنزلہ زبان و ترجمان تو بیشک اس حساب سے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو اُن کے ساتھ درجہ تساوی میسّر نہیں آسکتا۔

مگر جب یہ بات واجب التسلیم ہوئی تو یہ بات آپ چسپاں ہوگئی کہ جو اُس نبی کا مخالف ہوگا اُس سے میں انتقام لونگا۔ کیونکہ اُس وقت اُس نبی کی مخالفت کو بہ نسبت اور نبیوں کی مخالفت کے زیادہ تر یوں کہہ سکتے ہیں کہ خدا کی مخالفت ہے اس لئے خدا ہی انتقام لیگا۔ مگر جس طرح خدا کی جانب درباره کلام وہ شمار کئے گئے ایسے ہی درباره انتقام بھی اُنکو شمار کرلیجئے اور ان جہادوں کو جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے

مخالفوں کیساتھ کئے ہیں اُس انتقام کا ظہور سمجھ لیجیئے۔ گو اور انواع عذاب بھی اُسکا تتمہ ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلمۃ اللہ ہونے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مساوات لازم نہیں آتی

باقی حضرت عیسیٰ کا کلمہ ہونا مخاطب پر فوقیت رکھیگا۔ متکلم پر فوقیت اس سے ثابت نہ ہوگی بلکہ کلمہ کا مفعول متکلم ہونا خود متکلم ہی کی افضلیت پر دلالت کریگا۔ مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو متکلم کی جانب مانا تو وہی افضل ہونگے۔ حضرت عیسیٰ افضل نہ ہونگے۔

تمام کائنات کلمات خدا ہیں

علاوہ بریں تمام انبیاء بلکہ تمام کائنات کلمات خدا ہیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کلام حقیقی کلام معنوی ہے الفاظ کو فقط بایں وجہ کلام کہدیتے ہیں کہ کلام معنوی پر دلالت کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ہر شے کے بنانے سے پہلے اُس کی نسبت کچھ نہ کچھ سمجھ لینا ضرور ہے۔ اس لئے اوّل اُس شے کا وجود ذہن میں ہوگا اُس کے بعد خارج میں ہوگا۔ اور اس لئے اُس شے کو کلمہ کہنا ضرور ہوگا۔ اس صورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں اور اوروں میں اتنا ہی فرق ہوگا کہ اُن کی نسبت قرآن میں یہ آیا ہے كَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمہ خدا ہیں خدا نے اُس کو مریم کی طرف ڈال دیا غرض خداوندی یہ تھی کہ اُن میں کچھ فوقیت نہیں جیسے اور ویسے ہی وہ فقط اتنا ہے کہ بے واسطہ غیر مریم کی طرف ڈالے گئے مگر اس بیان کے باعث وہ اس خطاب کے ساتھ مشہور ہو گئے۔

اس تقریر کے بعد جب یہ لحاظ کیا جاتا ہے کہ منشاء فیوض محمدی صلی اللہ علیہ وسلم صفت العلم ہے اور وہ سب میں اوّل ہے یہانتک کہ کلام بھی اُس کے بعد میں ہے بلکہ کلام خود اس علم ہی کے طفیل ظہور میں آتی ہے تو پھر یہ تقریر اور بھی چسپاں ہو جاتی ہے الغرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر مفعول صفت کلام اور ظہور و مظہر صفت کلام ہیں کیونکہ ہر مفعول ظہور و مظہر مصدر ہوتا ہے چنانچہ مشاہدہ حال دھوپ و زمین سے عیاں ہے۔ اس لئے کہ اوّل مفعول مطلق دوسرا مفعول بہ ہے۔ وہ ظہور ہے یہ مظہر ہے۔ تو رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ظہور و مظہر صفت العلم سمجھئے جو کلام کی بھی اصل ہے۔

احیاء اموات اثر صفت کلام ہے

یہی وجہ ہے کہ تاثیرات صفت کلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ سے بڑھے ہوئے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کلام خواص حیات میں سے ہے حالت موت میں کلام متصور نہیں جس میں صفت کلام خداوندی کا زیادہ ظہور ہوگا اُس میں تاثیر احیاء بھی زیادہ ہوگی۔

احیاء اموات میں حضرت موسیٰؑ سے مقابلہ

حضرت موسیٰؑ سے اگر اُن کا عصا سانپ بنکر زندہ ہوجاتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصدق سے پتھر اور سوکھی کھجور کی لکڑی کا ستون زندہ ہوگیا۔ اور پھر تماشا یہ ہے کہ اپنی وہی ہیئت اصلی رہی۔ اگر کسی جانور کی شکل ہوجاتا جیسے حضرت موسیٰؑ کے عصا کا حال ہوا تو یوں تو کہنے کی گنجایش تھی کہ آخر کچھ نہ کچھ زندوں سے مناسبت تو ہے۔ مگر سوکھا ستون روئے اور درد محبت میں چلائے اس میں ہرگز پہلے سے کچھ لگاؤ بھی زندگانی کی نہیں۔ اگر ہوتا تو پھر بھی کچھ مناسبت تھی۔ اس پر شوق و ذوق محبت اور درد فراق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اس سوکھے ستون سے جمعہ کے روز ایک جم غفیر اور مجمع کثیر میں ظہور میں آیا اور بھی افضلیت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دلالت کرتا ہے کیونکہ درد فراق اور شوق و اشتیاق مذکور کمال ہی درجہ کے ادراک و شعور پر دلالت کرتا ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عصاء موسوی کو اس ستون کے ساتھ کچھ نسبت نہیں۔ وہاں اس اژدہا سے سانپوں کی نوع سے بڑھ کر کوئی بات ثابت نہیں ہوئی۔ اور یہاں وہ وہ آثار حیات اس ستون سے نمایاں ہوئے کہ بجز اہل کمال نوع انسانی اور کسی سے اس کی امید نہیں۔

علیٰ ہذا القیاس پتھروں کا سلام کرنا اور درختوں کا بعد استماع امر اطاعت کرنا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا اور پردہ کے لئے دو درختوں کا جھک کر ملجانا۔ اُس حیات اور اُس ادراک و شعور پر دلالت کرتا ہے کہ حیوانات سے اُس کی توقع نہیں

اگر ہے تو افرادِ انسانی ہی سے ہے۔

احیاءِ اموات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ

علیٰ ہذا القیاس حضرت عیسیٰؑ کا مُردوں کو زندہ کرنا یا گارے سے جانوروں کی شکل بنا کر زندہ کر دینا بھی اس قسم کے معجزات نبوی صلعم کے برابر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مُردہ قبل موت زندہ تھا۔ سوکھا درخت تو کبھی زندہ تھا ہی نہیں۔ ایسے ہی وہ جانور جو حضرت عیسیٰؑ بنا کر اُڑاتے تھے باعتبارِ شکل تو اُنکو کسی قدر زندوں سے مناسبت تھی۔ یہاں تو یہ بھی نہ تھا پھر فرق ادراک و شعور اور علاوہ رہا۔ اس پر بھی بوجہ تعصب کوئی شخص اپنی وہی مرغی کی ایک ٹانگ کہے جائے تو اُس کا کیا علاج مُنہ کے آگے آڑ نہیں پہاڑ نہیں جو چاہو سو کہو۔ مگر فکرِ آخرت بھی ضرور ہے۔

معجزاتِ علمیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور انبیاء سے افضل ہیں

اس کے بعد یہ گذارش ہے کہ باعتبارِ معجزاتِ علمیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور انبیاء سے بڑھا رہنا تو بحکمِ انصاف ظاہر و باہر ہوگیا۔ بلکہ اس ضمن میں بعض معجزاتِ عملی کی رو سے بھی آپ کی فوقیت اور انبیاء پر واضح و آشکارا ہوگئی۔ اس لئے کہ درختوں کا چلنا اور ستون کا رونا منجملہ اعمال ہیں منجملہ علوم نہیں۔ گو بایں اعتبار کہ اعمال اختیاریہ اور دردوزاری کے لئے اوّل ادراک و شعور اور حیات کی ضرورت ہے۔ ان اعمال سے اوّل اُنہیں وقائع میں ظہورِ معجزہ علمیہ بھی ہوگیا۔

مگر اب اہلِ انصاف کی خدمت میں یہ گذارش ہے کہ کسی قدر اور گذارش بھی سُن لیں تاکہ فوقیتِ محمدی باعتبارِ معجزاتِ عملی بھی ظاہر ہو جائے۔

معجزہ تکثیر ماء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے اگر پتھر میں سے پانی نکلتا تھا تو یہاں دستِ مبارک میں سے نکلتا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ پتھروں سے پانی نکلنا اتنا عجب نہیں جتنا گوشت و پوست میں سے پانی کا نکلنا عجیب ہے اس پر حضرت موسیٰؑ کے معجزہ میں پتھر میں سے

پانی کے نکلنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جسم مبارک موسوی کا یہ کمال تھا۔ اور یہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ دست مبارک محمدی منبع فیوض لاانتہا ہے بلکہ جب یہ دیکھا جائے کہ کسی چھاگل میں تھوڑا سا پانی لیکر اُس پر آپ نے ہاتھ پھیلا دیا جس سے اس قدر پانی نکلا کہ تمام لشکر سیراب ہوگیا اور لشکر کے جانور سیراب ہوگئے تو یہ بات بحکم فہم سلیم سمجھ میں آتی ہے کہ جیسے آئینہ وقت تقابل آفتاب فقط قابل و مفعول ہوتا ہے اور نورافشانی فقط آفتاب ہی کا کام ہے اور یہ کمالِ نور اُسی کی طرف سے آیا ہے آئینہ کی طرف سے نہیں۔ یا کائنات الجو اور حوادث مابین ارض و سما میں فاعلیت آسمان کی طرف ہے زمین فقط قابل ہے دوسروں کا کمال لیکر ظاہر کرتی ہے۔ ایسے ہی اُس وقت جسوقت آپ نے دست مبارک اُس پانی پر رکھا اور یہ معجزہ تکثیر آب نمایاں ہوا تو یوں سمجھو کہ پانی محض قابل تھا فاعلیت اور ایجاد آپ کی طرف سے تھا یعنی فاعلیت فاعل حقیقی اور ایجاد موجد حقیقی کے سامنے آپ کا دستِ مبارک ایک واسطہ فیض اور آلہ ایجاد تھا۔ گو اُس خدا کو بے ان وسائط کے بھی بنانا آتا ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ اس طور سے پانی کا پیدا ہونا صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو کچھ ہوا وہ آپ کے دست مبارک کی تاثیر سے ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ میں یہ خوبی نہیں نکلتی۔ بلکہ فقط ایک قدرتِ خدا ثابت ہوتی ہے۔

معجزہ تکثیر طعام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فضیلت ہے

علیٰ ہذا القیاس کنوئیں میں آپ کے تھوکنے سے پانی کا زیادہ ہوجانا یا کچھ پڑھنے سے کھانے کا بڑھ جانا بھی آپ کے کمال جسمی پر دلالت کرتا ہے۔ اور فقط یوں ہی روٹیوں کا زیادہ ہوجانا فقط خدا کی قدرت ہی پر دلالت کرتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے کمال جسمی پر دلالت نہیں کرتا۔ ہاں یہ مسلم کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے واسطے سے ان امور کا ظہور میں آنا اُن کے تقرب پر دلالت کرتا ہے۔ اور اسی وجہ سے ان کا معجزہ سمجھا جانا

مگر یہ بات تو دونوں جا یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام میں برابر موجود ہے۔ اور پھر اُس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ میں کمال جسمی اور مزید سے براں ہے۔

شفاء مرضی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فضیلت

علیٰ ہذا القیاس حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ لگانے سے ٹوٹی ہوئی ٹانگ کا فی الفور صحیح و سالم ہو جانا اور بگڑی ہوئی آنکھ کا آپ کے ہاتھ لگاتے ہی اچھا ہو جانا فقط یوں ہی بیماروں کے اچھے ہو جانے سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ وہاں تو اس سے زیادہ کیا ہے کہ خداوند عالم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہتے ہی بیماروں کو اچھا کر دیا کچھ برکت جسمانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں پائی جاتی۔ اور یہاں دونوں موجود ہیں۔ کیونکہ اصل فاعل تو پھر بھی خداوند عالم ہی رہا پر بواسطہ جسم محمّدیؐ اس اعجوبہ کا ظاہر ہونا بیشک اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کا جسم مقدس منبع البرکات ہے۔

انشقاق قمر کا معجزہ سکون آفتاب یا عود آفتاب سے مقابلہ؛

اور سنیے حضرت یوشع علیہ السلام کے لئے آفتاب کا ایک جا پر قائم رہنا یا حضرت یسعیا کے لئے یا کسی اور کے لئے آفتاب کا غروب کے بعد لوٹ آنا اگرچہ معجزہ عظیم الشان ہے مگر انشقاق قمر اس سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ اوّل تو حکمائے انگلینڈ اور فیثاغورسیوں کے مذہب کے موافق اُن دونوں معجزوں میں زمین کا سکون یا کسی قدر اُس کا الٹی حرکت کرنا ثابت ہوگا۔

افلاک کے نفی و اثبات کا سمٰوات پر کوئی اثر نہیں

اور میں جانتا ہوں کہ حضرات پادریوں انگلستان بپاس وطن اسی مذہب کو قبول فرمائیں گے۔ بطلیموسیوں کے مذہب کو یعنی حرکت افلاک و شمس و قمر و کواکب کو تسلیم نہ کریں گے۔ اور اگر دربارہ افلاک مخالفت کا ہونا باعث عدم قبول ہو تو اُس کا یہ جواب ہے کہ حکمائے انگلستان کے

نہ یہ تدقیقات کہیں ہیں نہ یہ تحقیقات کہیں ہیں۔ جن کے شاگردوں کے علوم کا یہ حال ہو
خود موجد علوم کا کیا حال ہوگا۔ اگر یہ بھی معجزہ نہیں تو اور کیا ہے۔

معجزات علمیہ کا معجزات عملیہ سے افضل ہونا

صاحبو انصاف کرو تو معلوم ہو کہ یہ معجزہ اور انبیاء کے معجزات سے کس قدر بڑھا ہوا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ علم کو عمل پر شرف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر فن میں اُس فن کے اُستادوں کی تعظیم کیجاتی ہے۔ ہر ہر سررشتہ میں افسروں کو باوجودیکہ اُن کے کام میں بمقابلہ خدمات اتباع بہت کم محنت ہوتی ہے۔ تنخواہ زیادہ دیتے ہیں۔ یہ شرف علم نہیں تو اور کیا ہے۔ خود انبیاء ہی کو دیکھو۔ امتی آدمی بسا اوقات مجاہدہ و ریاضت میں ان سے بڑھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مگر مرتبہ میں انبیاء کی برابر نہیں ہوسکتے وجہ اس کی بجز شرف علم و تعلیم اور کیا ہے۔ الغرض بوجہ علم و تعلیم ہی انبیاء اُمتیوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ بوجہ عبادت و ریاضت ممتاز نہیں ہوتے۔ مگر جب یہ ہے تو پھر علم عمل سے بالضرور افضل ہوگا۔ اس لئے معجزات علمیہ معجزات عملیہ سے کہیں زیادہ ہونگے

معجزات علمیہ و عملیہ کی تفسیر

مگر معجزات عملی اُسکو کہتے ہیں کہ کوئی شخص دعوائے نبوت کرکے ایسا کام کر دکھائے کہ اور سب اُس کام کے کرنے سے عاجز آجائیں۔ اس صورت میں معجزات علمی اِن کا نام ہوگا کہ کوئی شخص دعوائے نبوت کرکے ایسے علوم ظاہر کرے کہ اور اقران و امثال اُس کے مقابلہ میں عاجز آجائیں۔

تفاضل علوم باعتبار تفاضل معلومات

مگر علوم میں بھی فرق ہے یعنی جیسے گلاب ہو یا پیشاب ہو دیکھنے میں دونوں برابر ہیں۔ مگر جن کو دیکھتے ہیں اس میں اتنا تفاوت ہے کہ اُس سے زیادہ اور کیا ہوگا۔ ایک پاک اور خوشبودار دوسرا ناپاک اور بدبودار ایسے ہی علم ذات و صفات خداوندی اور علم اسرار احکام خداوندی اور علم معلومات باقیہ میں یہی فرق ہو بلکہ غور سے دیکھئے تو اُس سے زیادہ فرق ہے اس لئے کہ گلاب و پیشاب میں اتنا تو اتحاد ہے کہ یہ بھی مخلوق وہ بھی مخلوق۔ خالق اور مخلوق میں تو اتنا بھی اتحاد اور مناسبت نہیں

فہم سلیم و اخلاق حمیدہ اس قدر ہوں۔ رہے معجزات وہ بعد عطائے نبوت عطا کرتے ہیں یہ نہیں ہوتا کہ جیسے اظہار معجزات کے امتحان میں نمبر اوّل پایا اُس کو نبوت عطا کی ورنہ ناکام رہا چنانچہ ظاہر ہے۔ اس لئے اہل عقل کو لازم ہے کہ اوّل فہم و اخلاق و اعمال کو میزان عقل میں تولیں اور پھر بولیں کہ کون نبی ہے اور کون نہیں۔

ایمان بجمیع انبیاء بلاتفریق اہل اسلام تو سبھی انبیاء علیہم السّلام کے درم ناخریدہ غلام ہیں خاصکر ان میں ان اولوالعزموں کی جن کی تاثیر اور اولوالعزمی اور علو ہمت سے دین خداوندی نے بہت شیوع پایا۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام۔ کیونکہ انبیاء کا اعتقاد اور محبت اہل اسلام کے نزدیک جزء ایمان ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل الانبیاء ہیں مگر ان سے اور باقی تمام انبیاء سے بڑھ کر حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو سمجھتے ہیں اور اُن کو سب میں افضل اور سب کا سردار جانتے ہیں۔ اہل انصاف کے لئے تو بشرط فہم سلیم موازنہ احوال محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور احوال دیگر انبیاء کافی ہے۔ ملک عرب کی جہالت اور درشت مزاجی او گردن کشی کون نہیں جانتا جس قوم میں ایسی جہالت ہو کہ نہ کوئی کتاب آسمانی ہو نہ غیر آسمانی۔ اور اخلاق کا یہ حال کہ قتل کر دینا ایک بات ہو۔ فہم کی یہ کیفیت کہ پتھر و نحو اٹھالائے اور پوجنے لگے۔ اور گردن کشی کی یہ صورت کہ کسی بادشاہ کے کبھی مطیع نہ ہوتے جفاکشی کی یہ نوبت کہ ایسے خشک ملک میں شاد و خرم عمر گذاریں۔ ایسے جاہلوں گردن کشوں کو راہ پر لانا ہی دشوار تھا۔ چہ جائیکہ علوم الہیات و اخلاق و سیاست مدن میں اور علم معاملات و عبادات میں رشک افلاطون و ارسطو و دیگر حکمائے نامدار بنا دیا۔

اعتبار نہ ہو تو اہل اسلام کی کتب اور ان کی کتب کو موازنہ کر کے دیکھیں مطالعہ کنان کتب فریقین کو معلوم ہو گا کہ ان علوم میں اہل اسلام تمام عالم کے علماء پر سبقت لیگئے

موافق آسمانوں کے اثبات کی ضرورت نہیں گو اُن کے طور پر انکار بھی ضروری نہیں۔
اگر تمام کواکب کو آسمان سے ورے مانیے اور آفتاب مرکز عالم پر تجویز کیجیے اور آسمان سے ورے ورے زمین وغیرہ کا اُس کے گرداگرد متحرک ہونا تجویز کیجیے تو اُنکا کچھ نقصان نہیں نہ ان کی رائے و مذہب میں خلل آسکتا ہے۔

شق قمر خلاف طبیعت ہے اور سکون آفتاب حقیقت میں سکون زمین

بالجملہ بطور حکماء انگلستان اس معجزے کا خلاصہ یہ نکلیگا کہ زمین کی حرکت مبدل بسکون ہوگئی یا اُس کی (مسلمہ) حرکت کے بدلے تھوڑی دور اُدھر کو حرکت ہوگئی۔ مگر بوجہ قرب زمین اس بات میں اتنا تعجب نہیں جتنا انشقاق قمر میں تعجب ہے۔ کیونکہ وہاں ایک تو یہ بات کہ لاکھوں کوس دور اتنی دور اوپر کی طرف تاثیر کا پہنچنا بہ نسبت اس کی کہ اس چیز پر تاثیر ہو جائے جو اپنے زیر قدم ہو اور وہ بھی قدموں سے لگی ہو۔ کہیں زیادہ ہے۔ علاوہ بریں اس تاثیر اور اُس تاثیر میں فرق زمین و آسمان ہے۔ حرکت کا مبدل بسکون ہو جانا اتنا دشوار نہیں جتنا ایک جسم مضبوط کا پھٹ جانا۔ کیونکہ ان اجسام کی حرکت اگر اختیاری ہے تو اختیار سے جیسے حرکت متصور ہے ایسے ہی سکون بھی متصور ہے۔ اور اگر کسی دوسرے کی تحریک سے اُن کی حرکت ہے تو اس صورت میں سکون اُن کے حق میں اصل مقتضائے طبیعت ہوگا۔ اس صورت میں سکون کا عارض ہو جانا کچھ اُن کے حق میں دشوار نہ ہوگا جو اُس کے قبول سے انکار ہو۔ پر پھٹ جانا چونکہ خلاف طبیعت ہے دشوار ہوگا۔ اور چاند کو جاندار فرض کیجیے تو اور بھی اُس کے حق میں مصیبت عظیم سمجھئے۔ اس صورت میں بیشک انشقاق قمر سکون زمین سے کہیں اعلیٰ اور افضل ہوگا۔

ہر قسم کی حرکت طبعی ہو یا قسری بلا شعور و ارادہ نہیں ہو سکتی

اس پر حرکت معکوس کو خیال کر لیجیے یعنی حرکت زمین اگر اختیاری ہے تب، اُس کو حرکت معکوس دشوار نہیں ہماری حرکت چونکہ اختیاری ہے اس لیے جس طرف کو ہم چاہیں جا سکتے ہیں اور اگر حرکت زمین

کسی دوسرے کی تحریک سے ہے تو اُس کی تحریک سے حرکت معکوس بھی ممکن ہے۔ باقی
ایسا محرک تجویز کرنا جس کو ادراک و شعور نہ ہو اور اُس سے سوا حرکت واحد یعنی ایک طرف کی
حرکت کی دوسری حرکت صادر ہی نہ ہو سکی اور اُس کا نام طبیعت رکھنا اُنہیں وگو یا
کام ہے جن کو ادراک و شعور نہ ہو۔ کیونکہ حرکت بے اُس کے متصور نہیں کہ ایک جہت
اور ایک جانب راجح اور معین ہو جائے اور ظاہر ہے کہ یہ بات بے ادراک و شعور
ممکن نہیں۔ سو اگر طبیعت خود مرجح ہوتی ہے تب تو اُسی کا ادراک و شعور ثابت ہو گیا
اس لئے وہ حرکت ارادی ہو گئی اور اگر مرجح کسی اور کا ادراک و شعور ہے تو حرکت طبعی
قسری یعنی دوسرے کی تحریک سے ہو گئی۔ اور حقیقت میں طبیعت کے یہی معنی ہیں۔
چنانچہ اس لفظ کا عربی زبان میں بمعنی مفعول ہونا خود اس بات پر شاہد ہے۔

الحاصل سکون زمین ہو یا حرکت معکوس دونوں طرح انشقاق قمر کے برابر نہیں
ہو سکتی۔ اس پر قرب و بعد فوقیت تحتیہ محل تاثیر کا فرق مزید برآں رہا۔

کسی کی استدعا قبول ہونی اُسکی عظمت ہی پر موقوف نہیں

اور اگر فرض کیجیے حضرات نصرانی آفتاب ہی کو متحرک کہیں
تب بھی یہی بات ہے کہ سکون آفتاب یا حرکت معکوس آفتاب
ارادی ہو یا نہ ہو دونوں طرح شق قمر سے مشکل نہیں۔ البتہ قرب و بعد محل تاثیر بظاہر
یہاں معکوس ہو گیا ہے۔ کیونکہ آفتاب قمر سے دور ہے۔ مگر اوّل تو متحرکین بالاختیار
کا بوجہ امر و نہی و استدعا و التماس دور سے تھام لینا ممکن۔ آدمیوں اور جانوروں میں بسا
اوقات یہ ہوتا ہے کہ دور کی آواز پر تھم جاتے ہیں یا چل دیتے ہیں پر دور سے کسی جسم کا پھاڑ
دینا متصور نہیں۔ سو اگر آفتاب خود اپنے ارادہ سے متحرک ہو تب تو حضرت یوشع کی استدعا
کے بعد اُس کا ٹھہر جانا حضرت یوشع کی تاثیر پر اور قوت پر دلالت نہ کریگا۔ بلکہ اس بات
پر دلالت کریگا کہ آفتاب نے اُن کی ایک بات مان لی۔ سو کسی کا کسی بات کو مان لینا
کچھ اُس کی عظمت ہی پہ منحصر نہیں۔ خدا بندوں کی دعا قبول کر لیتا ہے۔ تو کیا بندے اُس سے

بڑھ گئے اور کافروں کی سُن لیتا ہے تو کیا وہ کچھ خدا کے مقرب ہوگئے۔ علیٰ ہذا القیاس بسا اوقات امراء و سلاطین مساکین کی عرض معروض سُن لیتے ہیں۔ تو کیا مساکین اُن سے بڑھ جاتے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ استدعا ہی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس بات کی استدعا کی جاتی ہے اس بات میں مستدعی کو کچھ مداخلت نہیں۔ زیادہ نہیں تو وقت استدعا تو ضرور ہی اُس کا بیدخل ہونا ثابت ہوگا۔

آفتاب بارادہ خود متحرک ہے

اور اگر آفتاب کسی دوسرے کی تحریک سے متحرک نہ ہے تو پھر اُس کا سکون محرک کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور حضرت یوشع کی استدعا رگو بظاہر آفتاب سے ہوگی پر حقیقت میں اُس محرک سے ہوگی۔ مگر ظاہر الفاظ حکایت اسی بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آفتاب سے استدعا رتھی اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں آفتاب کا بہ ارادۂ خود متحرک ہونا ثابت ہوگا۔

فلکیات میں خرق والتیام سکون و حرکت معکوس سے زیادہ دشوار ہے

علاوہ بریں بطور حکماء یونان زوال حرکت فلکیات محال نہیں۔ کیونکہ اُن کے نزدیک یہ حرکتیں دائمی ہیں ضروری نہیں۔ اور ماہران منطق جانتے ہیں کہ مخالف ضرورت محال ہوتا ہے۔ مخالف دوام محال نہیں ہوتا۔ اور خرق والتیام فلکیات یعنی افلاک و کواکب و شمس و قمران کے نزدیک منجملہ محالات ہے۔ اور فلکیات کا بجنسہٖ باقی رہنا ضروری۔ گو واقع میں وہ محال اور یہ ضروری نہ ہو۔ لیکن بہرحال اتنی بات تو معلوم ہوئی کہ خرق والتیام میں بہ نسبت سکون و حرکت معکوس زیادہ دشواری ہے جو ایسے ایسے عقلاء کو خیال امتناع و استحالہ ہوا۔

انشقاق قمر کا معجزات داؤدی سے مقابلہ

اس کے بعد گذارش ہے کہ اس معجزہ کو پتھروں کے نرم ہوجانے یا لوہے نرم ہوجانے سے ملائیے اور پھر فرمائیے کہ تفاوت آسمان و زمین ہے کہ نہیں۔

برکت صحبت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اثر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ید بیضا کی خوبی

میں کچھ کلام نہیں۔ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض اصحاب کی چھڑی کے سر پر بطفیل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندھیری رات میں جب وہ آپ کی خدمت سے رخصت ہونے لگے روشنی ہوگئی وہ جانیوالے دو شخص تھے جہاں سے راہ جُدا ہوا وہاں سے وہ روشنی دونوں کیساتھ ہولی۔ اب خیال فرمائیے دست مبارک موسے علیہ السلام اگر جیب میں ڈالنے کے بعد بوجہ قرب قلب منور روشن ہوا تھا تو اول تو وہ نبی دوسرے نور قلب کا قُرب وجوار۔ جیسے بوجہ قرب ارواح اجسام میں اُن کے مناسب حیات آجاتی ہے ایسے ہی بوجہ قُرب نور قلب دست موسوی میں اُس کے مناسب نور آجائے تو کیا دور ہے۔ یہاں تو وہ دونوں صاحب نہ نبی تھے نہ ان کی لکڑی کو قلب سے قُرب وجوار نہ اخذ فیض میں وہ قابلیت جو بدن میں بہ نسبت روح ہوتی ہے۔ فقط برکت صحبت نبوی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تھی۔

برکت صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرا اثر

اور سنیے آتشِ نمرود نے اگر جسم مبارک حضرت ابراہیمؑ کو نہ جلایا تو اتنا تعجب انگیز نہیں جتنا اُس دسترخوان کا آگ میں نہ جلنا جو حضرت انسؓ کے پاس بطور تبرک نبوی تھا۔ اور وہ بھی ایک بار نہیں بارہا اس قسم کا اتفاق ہوا کہ جہاں مَیل چکناٹ زیادہ ہوگیا جبھی آگ میں ڈالدیا اور جب مَیل چکناٹ جلگیا جبھی نکال لیا۔ یہ قصہ مثنوی مولانا روم میں مذکور ہے اور اور حکایتیں اور کتابوں میں مذکور ہیں۔ مگر خیال فرمائیے کہ ایک تو نہ آدمی کا جلنا اتنا موجب تعجب نہیں جتنا کھجور کے پٹھوں کے دسترخوان کا اور وہ بھی ایسا جس پر عجب نہیں چکناٹ بھی ہوتا ہو۔ دوسرے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دسترخوان میں زمین آسمان کا فرق وہ خود نبی اور نبی بھی کیسے خلیل اللہ اور وہاں دسترخوان میں فقط اتنی بات کہ گہ و بیگاہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھا گیا ہو اور آپ نے اُس پر کھانا کھایا ہو۔

معجزات قرآنیہ کا ثبوت اعلےٰ درجہ کا ہے

الحاصل معجزات عملی میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سب میں فائق ہیں۔ اور پھر وہ معجزات جو قرآن میں موجود ہیں اُن کا ثبوت تو ایسا یقینی کہ کوئی تاریخی بات اُس کے ہم پلّہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ کوئی کتاب سوائے قرآنمجید عالم میں ایسی نہیں کہ اُس کا لفظ لفظ متواتر ہو اور لاکھوں آدمی اُس کے حافظ ہوں۔ بلکہ کسی کتاب کا ایک دو حافظ بھی عالم میں شاید نہ ہو۔

معجزات حدیثیہ کا ثبوت توراۃ وانجیل سے کم نہیں

سوا اس کے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات میں تو توراۃ وانجیل کیساتھ مساوی ہیں۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ بھی اپنی کتابوں کی نسبت اس بات کے قائل ہیں کہ مضامین الہامی اور الفاظ الہامی نہیں۔ اہل اسلام بھی اس بات کے قائل کہ مضامین احادیث وحی سے متعلق ہیں پر الفاظ وحی میں نہیں آتے چنانچہ اسی وجہ سے قرآن وحدیث کو باہم ممتاز سمجھتے ہیں۔

اور قرآن شریف کو جو نمازمیں پڑھتے ہیں اور احادیث کو نہیں پڑھتے تو اُسکی بھی یہی وجہ ہے کہ وہ وقت گویا ہمکلامی خدا ہے اُس وقت وہی الفاظ چاہئیں جو خدا کے یہاں سے آئے ہیں۔ زیادہ فرصت نہیں اور نہ زیادہ گنجایش ورنہ اس مضمون کو انشاء اللہ بِاَنکشاف کرکے دکھلا دیتا۔ مگر باوجود اس تساوی کے یہ فرق ہے کہ اہل اسلام کے پاس احادیث کی سندیں مِنْ اوّلہٖ اِلٰی اٰخرہٖ موجود۔ اس زمانہ سے لیکر اوپر تک تمام راویوں کا سلسلہ بتا سکتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات کس قدر موجب اعتبار ہے۔

علاوہ بریں جس زمانہ تک احادیث متواتر تھیں اُس زمانہ تک کے راویوں کے احوال مفصّل بتلا سکتے ہیں کیونکہ اس علم میں کثرت سے کتابیں موجود ہیں ہاں ایک دو روایت شاید ایسی بھی ہوگی کو مثل توریت وانجیل اُن کی سند کا آجکل پتا نہ نکلے۔ مگر جب حضرات نصاریٰ سے مقابلہ ہے تو پھر اُن روایات کے پیش کرنے میں کیا حرج۔ اس کے بعد اہل انصاف کو تو مجال دم زدن نہیں۔

اہل کتاب کی بے انصافی

یہ کیا انصاف ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے معجزات اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے معجزات تو اُن روایات کے بھروسے تسلیم کرلئے جائیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات باوجودیکہ ایسی ایسی روایات متصلہ ہوں تسلیم نہ کئی جاویں اور پھر تماشہ یہ ہے کہ ایسی بے معنی حجتیں کی جاتی ہیں کہ کیا کہیئے۔

معجزات کا قرآن میں ذکر ہے یا نہ اُس کی تحقیق

کوئی صاحب فرماتے ہیں یہ معجزے قرآن میں مذکور نہیں مگر اول تو کوئی پوچھے کہ قرآن میں مذکور ہونا جو تسلیم کے لئے ضروری ہے تو یہ ضرورت بشہادت عقل ہے یا بشہادت نقل۔ عجب اندھیر ہے کہ تاریخوں کی باتیں تو جن کے مصنّف اکثر سنی سنائی لکھتے ہیں اور راویوں کی کچھ تحقیق نہیں کرتے اور پھر آج اُن تاریخوں کی کوئی سند مصنف تک نہیں ملتی حضرات نصارےٰ کے دل میں نقش کالحجر ہوجائیں ورنہ مانیں تو احادیث محمّدی کو نہ مانیں۔

بعض معجزات قرآنیہ کا ذکر

علاوہ بریں اگر یہ مطلب ہے کہ کوئی معجزہ قرآن میں مذکور نہیں تو یہ ازتسیم دروغ گویم برروئے تو ہے۔ شق قمر اور کثرت سے پیشینگوئی جن میں سے اسلام میں خلفاء کا ہونا اور فارس سے لڑائی کا ہونا اور روم کا مغلوب ہونا اور سوائے اُن کے اور موجود ہیں۔

ایمان کے لئے ایک معجزہ کافی ہے

اور اگر یہ مطلب ہے کہ سارے معجزے قرآن میں موجود نہیں تو ہماری یہ گذارش ہے کہ ایمان کے لئے ایک بھی کافی ہے۔

مدار قبول صحت سند پر ہے نہ خدا کے نام لگجانے پر

علاوہ بریں مدار کار قبول روایت سند پر ہے خدا کے نام لگجانے پر نہیں ورنہ لازم یوں ہے کہ حضرات نصارےٰ سوا ان چار انجیلوں کے جتنی انجیلیں کہ اب مردود غلط سمجھتے ہیں اُن سب کو واجب التسلیم سمجھیں۔ اور جب مدار کار روایت سند پر ہوا تو پھر احادیث نبوی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم واجب التسلیم ہونگی اور توریت و انجیل واجب الانکار۔

اور سُنیے کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن میں معجزوں کے دکھانے سے انکار ہے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ ایسا انکار ہے جیسا انجیل میں انکار ہے۔

شق قمر کے تاریخی ثبوت کی تحقیق کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر انشقاق قمر ہوا ہوتا تو سارے جہان میں شور پڑ جاتا۔ تاریخوں میں لکھا جاتا۔ اول تو یہی ایک معجزہ نہیں جس کے عدم ثبوت سے کچھ خلل واقع ہو۔ علاوہ بریں یہ خیال نہیں فرماتے کہ اگر ایسے وقائع میں شور عالمگیر کا ہونا لازم ہے اور تاریخوں میں لکھا جانا ضرور ہے تو اس اندھیری کا کونسی تاریخ میں ذکر اور کہاں کہاں شور ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سولی دینے کے دن واقع ہوا تھا اور اس ستارہ کا کون کونسی کتاب میں ذکر ہے اور کہاں کہاں شور ہے جو حضرت عیسیٰ کے تولد کے دنوں میں نمایاں ہوا تھا۔ اور آفتاب کے پہر بھر تک ساکن رہنے کا کہاں کہاں چرچا ہے اور کون کون سی کتاب میں مذکور ہے علیٰ ہذا القیاس اور وقائع کو خیال فرمائیے۔

علاوہ بریں دن کے واقعات اور رات کے حوادث میں عموم اطلاع کے باب میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ خاصکر اندھیری رات کا ہو جانا کہ اُس کی اطلاع تو ہر کس و ناکس کو ضرور ہے۔ انشقاق قمر کی اطلاع تو سوا اُن صاحبوں کے ضروری نہیں جو اُس وقت بیدار بھی ہوں اور پھر نگاہ بھی اُن کی چاند ہی کی طرف ہو اور ظاہر ہے کہ یہ بات شب کے وقت بہت کم اتفاق میں آتی ہے کہ بیدار بھی ہوں اور نگاہ بھی اُدھر ہو اور اگر فرض کیجئے کہ موسم سرما ہو تو یہ بات اور بھی مستبعد ہو جاتی ہے۔

علاوہ بریں طلوع قمر کے تھوڑی دیر کے بعد یہ قصہ واقع ہوا اس لئے جبل حرا کے دونوں ٹکڑوں کے بیچ میں حائل ہو جانے کا مذکور ہے۔ اس صورت میں ممالک مغرب میں تو اُس وقت تک عجب نہیں طلوع بھی نہ ہوا ہو۔ اور بعض بعض وقع

میں عجب نہیں کہ ایک بکرا دوسرے بکرے کی آڑ میں آگیا ہو۔ اور اس لئے انشقاق قمر اس جا پر محسوس نہ ہوا ہو۔ ہاں ہندوستان میں اُس وقت ارتفاع قمر البتہ زیادہ ہوگا اور اس لئے وہاں اور جگہ کی نسبت اس کی اطلاع کا زیادہ احتمال ہے۔ مگر جیسے اُس وقت ہندوستان میں ارتفاع قمر زیادہ ہوگا ویسا ہی اُسوقت رات بھی آدھی ہوگی اور ظاہر ہے کہ اُس وقت کون جاگتا ہوتا ہے۔

سوا اس کے ہندوستانیوں کو قدیم سے اس طرف توجہ ہی نہیں کہ تاریخ لکھا کریں۔ با ایں ہمہ تاریخوں میں موجود ہے کہ یہاں کے ایک راجہ نے ایک رات یہ واقعہ بچشم خود دیکھا ہے۔ اس سے زیادہ کیا عرض کیجئے۔ اہلِ انصاف کو یہ بھی کافی ہے اور ناانصاف لوگ عذاب آخرت ہی کے بعد تسلیم کریں تو کریں۔

خاتمہ حلت گوشت

مگر ہاں حضرات ہنود کے دل میں شاید ہنوز یہ خدشہ حلت گوشت کا کھٹکا ہو اور یہ خیال ہو کہ گوشت کے لئے جانوروں کا ذبح کرنا سراسر ظلم ہے۔ ایک جان کے لئے اس قدر جانیں تلف کرنی کیونکر جائز ہو سکتی ہیں۔ با ایں ہمہ تلف بھی کاہے کے لئے کرتے ہیں ایک ذرا سی لذت کے لئے۔ یہ بھی نہیں کہ مدار زندگانی انسان حیوانات کے گوشت پر ہو۔

تحلیل لحم ظلم نہیں

اس لئے یہ گذارش ہے کہ ہم اگر بطور خود بے اجازت خداوندی جانوروں کو ذرا بھی ستائیں تو بیشک ظلم ہو مگر اس کو خیال فرمائیے کہ ہم بہ اجازت مالک الملک اُن کو حلال جانتے ہیں۔ اُس کی اجازت کے بعد بھی جانور حلال نہ ہوں تو اُس کے یہ معنے ہیں کہ خداوند عالم کو جانوروں کا اختیار نہیں۔ حیوانات اُس کے مملوک نہیں۔ مگر تمہیں کہو یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ مالک کو اپنی چیز کا اختیار نہ ہو۔ تماشہ ہے جانوروں کا ذبح کرنا تو ظلم ہو اور خدا تعالیٰ کو اجازت کی ممانعت ظلم نہ ہو۔ پھر اُس پر نہ معلوم سواری اور بار برداری اور دودھ کا پینا کون سے استحقاق پر مبنی ہے۔

گوشت کھانا انسان اور حیوان دونوں کے لئے مناسب ہے

اور اگر یہ خیال ہے کہ خدا کو تو اختیار ہے پر انسان کے واسطے اُن کا حلال ہونا مناسب نہ تھا۔ تو اُس کا اوّل تو یہ جواب ہے کہ مناسب اگر اس کو کہتے ہیں کہ موافق اپنے استحقاق کے کام کیجئے تو کوئی صاحب فرمائیں تو سہی کہ وہ ایسی کونسی چیز ہے کہ خدا کو اُس پر استحقاق نہیں۔ اور ایسا کونسا استحقاق ہے جو خدا کو اپنی مخلوقات پر حاصل نہیں۔ اور اگر مناسب اس کو کہتے ہیں کہ جیسے آئینہ اور پتھر میں فرق قابلیت ہے اور اس لئے آئینہ کو آفتاب زیادہ نور عطا کرتا ہے اور پتھر کو کم۔ اور بوجہ فرق قابلیت یہی مناسب ہے اس کے مخالف ہو تو نامناسب ہے۔ تو اُس کا جواب یہ ہے کہ بیشک انسان اس بات کا مستحق ہے کہ اُس کے لئے یہ چیزیں حلال ہوں۔ کہنہ مکان کو اگر گرا کر دوسرا نیا عمدہ مکان بنائیں تو اُس کو کوئی شخص بایں معنی نامناسب نہیں کہہ سکتا کہ کچا عمدہ مکان بنانے کے قابل نہیں۔ ایسے ہی اگر حیوانات کو ذبح کر کے اُس کے گوشت سے بدن انسانی بنایا جائے تو عین صواب ہے۔ غرض بُری چیز کو توڑ پھوڑ کر عمدہ چیز کا بنانا مناسب ہی نہیں بلکہ عین مناسب ہے۔ انسان کے لئے تو یوں مناسب کہ اور غذائیں مادۂ بعید اور گوشت مادۂ قریب ہے اور اس لئے گوشت سے کامل گوشت پیدا ہو تو عجب نہیں۔ کیونکہ فضلات کے اندفاع کے بعد اور بھی صفائی کی امید ہے۔ اور حیوانات کے حق میں یوں مناسب کہ پہلے اُس گوشت نے قوام جسم حیوانی تھا اب قوام جسم انسانی میسر آیا جس کا یہ حاصل نکلا کہ پہلے آلہ و مرکب روح ادنیٰ تھا اب آلہ و مرکب روح اعلےٰ ہو گیا۔ اور ظاہر ہے کہ ترقی مدارج حُسن ہرگز قابل گرفت نہیں۔

گوشت کھانا انسان کے لئے طبعی ہے

علاوہ بریں انسان کو مثل شیر و چیتا و بھیڑیا وغیرہ کچلیوں کا عطا کرنا خود اس جانب مشیر ہے کہ اس کی غذا اصلی گوشت ہے۔ اور اہلِ عقل کے نزدیک یہ بات کم از اجازت نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جتنی چیزیں دی گئیں

ہیں کسی نہ کسی کام کے لئے دی گئیں ہیں۔ آنکھ کان جیسے دیکھنے سننے کے لئے ہیں اور اس لئے دیکھنے سننے کی اجازت ہوئی۔ ایسے ہی مچھلیوں کو بھی خیال فرمالیجئے۔

حلت گوشت میں جانوروں کی تفریق ہاں یہ بات مسلم کہ سارے حیوانات یکساں نہیں۔ ہر کسی کے گوشت میں جدی تاثیر ہے جس جانور کا گوشت مفید ہوگا وہی جائز ہوگا۔ جس جانور کا گوشت مضر ہوگا بقدر مضرت ناجائز ہوگا۔ کیونکہ خداوندکریم کے امرونہی واجازت وممانعت آدمی کے نفع ونقصان کے لحاظ سے ہے اپنے نفع ونقصان کے لحاظ سے نہیں۔ اس لئے سُور وشیر وغیرہ درندوں کا گوشت قابل ممانعت ہے کیونکہ سُور تو سراپا نجس دوسرے بیحیا اس کی مادہ پر جس کا جی چاہے جست کرے اُس کو کچھ پروانہیں۔ اس لئے وہ قابل حرمت نظر آیا تاکہ اُس کے کھانے سے بیحیائی نہ چھا جائے اور دل وجان ناپاک نہ ہوجائیں جس سے خیالات ناپاک پیدا ہوں اور شیر وغیرہ جانوران درندہ بوجہ بداخلاقی قابل ممانعت تھی تاکہ اُن کے کھانے کی تاثیر سے مزاج میں بدخلقی نہ پیدا ہوجائے۔ کیونکہ جیسے گرم غذا سے گرمی اور سرد سے سردی پیدا ہوتی ہے۔ ایسے ہی اخلاق وکیفیات وخواص انواع حیوانات کو خیال فرمالیجئے۔ فقط

ایضاح المطالب شرح اردو کافیہ ابن حاجب رح کے متعلق

حضرت العلامہ شیخ الحدیث استاذ الہند و الحجاز حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب

مدنی مدظلہ صدر المدرسین دار العلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں

امام فن علامہ ابن حاجب رح کی کتاب مشہور و معروف کافیہ یقیناً علم نحو کے طالبین کیلئے کافی و وافی ہے۔ اسی بنا پر اسلاف کا مشہور مقولہ چلا آتا ہے کہ کافیہ کافی نیست باقی ورد سر۔ اگرچہ اس کتاب کی سینکڑوں شروح اور سینکڑوں حواشی عربی اور فارسی زبانوں میں اہل علم کیلئے باعث افادہ و استفادہ ہوئے اور ہزارہا ہزار اہل علم کو بالخصوص ممالک مشرقیہ میں فیض حاصل کرنے کی نوبت آئی مگر طلباء اہل ہند کو پوری سہولت آجتک حاصل نہ ہوئی تھی۔ حضرت مولینا العلامہ مولوی محمد مشیت اللہ صاحب فاضل دیوبند مدرس اول مدرسہ عالیہ میرٹھ کو اللہ تعالیٰ دونوں جہان میں باکام و بامراد فرمائے ان کی عنایات بے غایات نے طلباء ہندوستان کیلئے تمام معاقد اور مشکلات کا ازالہ فرما دیا۔ اسی وجہ سے جناب محمد علی صاحب مالک کتب خانہ امدادیہ نے بہت زیادہ کوشش فرما کر اس کتاب کو بہت عمدہ پیمانہ پر چھپوایا ہے امید ایں کہ شائقین علم نحو بہت جلد اس کو خرید کر اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں گے۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

قیمت قسم اول ایک روپیہ آٹھ آنہ رعایتی تیرہ آنہ۔

کتاب اپنے مقامی تاجران کتب سے طلب فرمائیں نہ ملنے کی صورت میں پتہ ذیل طلب کریں اس کے علاوہ ہر قسم کی سستی اور عمدہ کتابیں اور علماء دیوبند کی جملہ تصانیف اس پتہ سے طلب کیجئے

محمد علی مالک کتبخانہ امدادیہ دیوبند (یو۔پی)

سوالات بر کتاب ''حجۃ الاسلام''

نوٹ: سوالات بالترتیب بنائے گئے مگر طلبہ کی آسانی کیلئے سوالات کے ساتھ اس صفحے کا نمبر بھی دیا گیا ہے جس میں اس سوال کا جواب موجود ہے۔

س: جس مذہبی میلہ کیلئے یہ کتاب لکھی گئی وہ کب ہوا، اور کہاں ہوا؟ اس کا اہتمام کرنے والے کون کون تھے؟

س: کتاب ''حجۃ الاسلام'' کو مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے کب لکھا اور کس مقصد کیلئے؟ اور اس کتاب کا موضوع کیا ہے؟ ص ۱،۲

س: کتاب ''حجۃ الاسلام'' کی تصنیف میں حضرتؒ کا کتنا وقت صرف ہوا؟ ص ۱

س: حضرت کی اس تحریر کا نام ''حجۃ الاسلام'' کس نے تجویز کیا؟ ص ۲

س: شاہجہانپور کا مذہبی میلہ کیسا رہا؟ وہاں تحریر پیش کرنے کی ضرورت ہوئی یا نہیں؟ ص ۲

س: حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے استاذِ محترم مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تحریروں کی بابت کیا فرمایا اور کس عزم کا اظہار کیا؟ ص ۲،۳

س: تمہید میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ایک دوسرے کی خیر خواہی کے لئے لازم ہونے کی کیا وجہ بتائی؟ ص ۳

س: جیسے آنکھ دیکھنے کے لئے، ناک سونگھنے کیلئے ہے بنی آدم کو پیدا کرنے کا مقصد کیا ہے؟ عقلی دلیل سے مدلل کریں۔ ص ۴

س: انسان کے سوا زمین سے لے کر آسمان تک تمام چیزیں کس کیلئے کارآمد ہیں؟ ص ۴

س: انسان کا دیگر مخلوقات کیلئے بے کار ہونا کس بات پر دلالت کرتا ہے؟ ص ۵

س. انسان اگر خالق کے کام کا بھی نہ ہو تو خالق پر کیا الزام عائد ہوتا ہے؟ ص ۵

س: ایسا کیوں نہیں کہ انسان نہ مخلوق کے کام کا، نہ خالق کے کام کا؟ ص ۵

س: کیا حکیم علی الاطلاق نے انسان کو بے کار بنایا؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں؟ ص ۵

س: پیدائش انسانی میں مخلوق کا نفع نہیں تو اسے پیدا کرنے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟ ص ۶

س: کوئی غرض کسی شے سے کب متعلق ہوتی ہے؟ جب وہ مخلوق ہو یا وہ بذاتِ خود موجود ہو؟ اور کیوں؟ ص ۶

س: کیا خداوندِ عالم کے ہاں غرض اور مطلب کی گنجائش ہے؟ اور کیوں؟ ص ۶

س: انسان کی پیدائش کا مقصدِ اصلی کیا ثابت ہوتا ہے؟ ص ۶

س: عبادت بندے کے حق میں مفید ہے طبیب و مریض کی مثال سے واضح کریں۔ ص ۶

س: اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ادنیٰ درجہ کیا ہے؟ ص ۷

س: عبادت میں معاون امور کو مولاناؒ نے کس طرح عبادت میں شمار کیا ہے؟ روئی مشین اور آگ لکڑی والی مثال سے واضح کریں ص ۷، ۸

س: مولانا مرحوم نے اللہ نافرمانی یا گمراہی کے دو اسباب کونسے بتائے؟ ص ۸

س: ان اسباب کے فرق کو مولاناؒ نے مسافر کی مثال سے کس طرح واضح کیا؟ ص ۸

س: خالی جگہ پر کریں:

سوائے دینِ محمدی .... مذہب ایسا نہیں جس میں عقائد..... غلطیاں باعث ..... رہ گذار اصلی جس کو صراط ..... کہئے نہ ہوئی ..... تعصب مذہبی کو چھوڑ ..... اگر غور فرمائیں..... تو سب کے سب .... دین کو اپنے ..... اصلی ..... راستہ سمجھیں گے۔ ص ۸، ۹

س: مولاناؒ نے مذہب اسلام کی بنیاد کتنی چیزیں قرار دیں؟ اور کون کونسی؟ ص ۹

س: مولاناؒ نے وجودِ باری تعالیٰ کو کس طرح ثابت کیا؟ تقریر کا حاصل لکھیں ص ۹

س: ہمارے وجود کا ناپائیدار اور عارض ہونا کس چیز کو ثابت کرتا ہے؟ ص ۹

س: مسلمان، خدا، اللہ تعالیٰ اور مالک الملک کسے کہتے ہیں؟ ص ۹

س: اس کو ثابت کریں کہ ذاتِ باری کا وجود اس کی ذات سے کبھی جدا نہیں ہوتا ص ۱۰

س: عدد اور معدود کی زوجیت سے خالق اور مخلوق کے وجود میں فرق واضح کریں ص ۱۰

س: آفتاب کے کسوف اور آگ کے بجھ جانے سے حضرتؒ کس بات کو سمجھانا چاہتے ہیں؟ واضح کریں ص ۱۰

س: ثابت کریں کہ جس کا وجود اصلی ہو، وہ ازلی ابدی ہوگا اس پر زوال ممتنع ہے ص ۱۱

س: روشندان کی شکل کی مثال سے حضرتؒ نے کس چیز کو سمجھایا؟ واضح کریں ص ۱۱

س: اس کو ثابت کریں کہ وجود غیر مرکب ہے پھر خدا کی وحدانیت کو ثابت کریں ص ۱۱، ۱۲

س: ہمارے احاطہ میں کوئی دوسرا وجود نہیں سما سکتا تو کیا موجود اصلی کا وجود دوسرے کو اپنے میں سمانے دے گا؛ پھر اس سے توحید کو ثابت کریں ص ۱۲

س: کیا کوئی ایسا احاطہ ہے جو وجود اور غیر وجود کو شامل ہو؟ ص ۱۲

س: ماوراءِ وجود کسی مشترک کے نہ ہونے سے توحید خداوندی کو ثابت کریں ص ۱۳

س: اس کا مطلب واضح کریں کہ احاطہ وجود کے اندر اور باہر اس کا ثانی کوئی نہیں ص ۱۳

س: وجود غیر متناہی، غیر محدود اور بجمیع الوجوہ مطلق کیسے ہے؟ اور اس سے خدا تعالیٰ کا وحدہ لا شریك له ہونا ثابت کریں ص ۱۴

س: جو وحدہ لاشریک ہو اس کیلئے اولاد یا ماں باپ متصور کیوں نہیں ہو سکتے؟ ص ۱۴

س: خداوند اگر بالفرض کسی کو اپنی اولاد کہے تو کیا معنی ہوں گے؟ مع مثال ص ۱۴، ۱۵

س: کیا حاکم کو باپ کہہ دینے سے کوئی اس کا حقیقی بیٹا بن سکتا ہے؟ اس سے مولاناؒ نے کس مسئلہ کو حل فرمایا؟ ص ۱۵

س: وجود کا خانہ زاد ہونا کسی چیز کو مستلزم ہے؟ ص ۱۵، ۱۶

س: جس ذات میں ساری خوبیاں پوری ہوں کیا اسے کسی چیز کی حاجت ہو سکتی ہے؟ وجہ بھی تحریر کریں۔ ص ۱۶

س: جو ذات کسی کی محتاج نہ ہو کیا اس میں کسی طرح کا عیب ہو سکتا ہے؟ ص ۱۶

س: وجود کے خانہ زاد ہونے سے تمام خوبیوں والا ہونا، کسی کا محتاج نہ ہونا، ہر ہر عیب سے پاک ہونا، اور تمام مخلوقات کا اس کا محتاج ہونا ثابت کریں۔ ص ۱۶

س: موجودات میں کمالات وجود کے فرق کو پتھر شیشہ والی مثال سے واضح کریں ص ۱۶

س: کیا وجود میں محتاج ہونے سے اوصاف وجودیہ میں احتیاج بھی ثابت ہوتی ہے؟ پھر اس کی وضاحت بھی کریں ص ۱۶، ۱۷

س: انسان کا دوسری مخلوقات کی نسبت زیادہ محتاج ہونا ثابت کریں ص ۱۷

س: کسی انسان کے کمالات کی بنا پر اسے خدا ماننا سخت گمراہی اور غلطی کیوں؟ ص ۱۷

س: اس کو ثابت کریں کہ خدا کیلئے اولاد کو ماننا انسان کے گھر میں بندر اور سؤر کی شکل کی اولاد ماننے سے زیادہ برا ہے ص ۱۷

س: کیا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے آثارِ عبودیت ظاہر ہوئے؟ نیز پھر ان کو خدا یا خدا کا بیٹا ماننا کیسا ہے؟ ص ۱۷

س: عیسائیوں کو مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے تثلیث کے عقیدہ میں فرعونیوں سے بھی ابتر ثابت کیا وہ کیسے؟ ص ۱۸

س: کسی عاقل یا جاہل کو عیسیٰ علیہ السلام میں خدائی کا گمان بوجہ معجزات کس صورت میں ممکن تھا؟ اور کیوں؟ ص ۱۸

س: توحید و تثلیث کے اجتماع کے محال ہونے کو مثال سے واضح کریں۔ ص ۱۸

س. خالی جگہ پر کریں

صاحبو! ..... ایک قسم کی خبر ہوتی ہے جس کے ...... و ...... ہونے پر مذہب کا ...... اور ...... ہونا، اور اس کے ...... اور ...... ہونے پر مذہب کا ...... اور ...... ہونا موقوف ہوتا ہے کیونکہ اور باقی ...... یعنی ...... و ...... اسی خبر و اعتقاد کے ...... ہوتا ہے۔ ص ۱۸

س: عیسائیت کے بچے سے لے کر بوڑھے تک کس غلط اور عقل میں نہ آنے والے عقیدے

سے منسلک ہیں ص ۱۸

س: اگر انجیل کا کوئی فقرہ توحید وتثلیث کے اجتماع پر دلالت کرے اس فقرہ کو غلط کہیں یا توحید کے ساتھ تثلیث کو مان لیں؟ اور کیوں؟ ص ۱۹

س: آفتاب کو بچشم خود دیکھنا اور دیوار پر لگی گھڑی سے اندازہ لگانے میں فرق کی روشنی میں مولانا نے بائبل پر کس طرح تبصرہ فرمایا؟ ص ۱۹

س: خالی جگہ پر کریں

وہ فقرہ جو تثلیث...... دلالت ...... ہے خود...... کے نزدیک...... کے ...... کے اقرار کے موافق...... ملحقات ...... چنانچہ نسخہ بائبل مطبوعہ...... ــــــ میں اس فقرہ کے حاشیہ پر...... طبع نے جو بڑے بڑے پادری تھے...... بھی دیا ہے کہ یہ...... کسی قدیم ...... میں نہیں پایا جاتا مگر...... وہی تعصب اور وہی...... ہے۔ ص ۱۹،۲۰

س: اس کی وضاحت کریں کہ سچے اور حقیقی عیسائی ہم مسلمان ہیں ص ۲۰

س: اللہ تعالیٰ کے افعال اختیاری ہیں اضطراری نہیں وضاحت کریں ص ۲۰

س: اہل اسلام تقدیر کسے کہتے ہیں؟ مولانا کے مثالی انداز میں پیش کریں (۱) ص ۲۱

س: لغت عرب میں تقدیر کا مطلب بتائیں اور اور یہ بھی بتائیں کہ بھلائی کا صلہ جنت اور برائی کا صلہ دوزخ ہو تو پھر جنت میں بھلوں کا جانا اور دوزخ میں بروں کا جانا کیسا ہوگا مثال سے واضح کریں۔ ص ۲۱،۲۲

---

۱) عقیدۂ تقدیر کے بارے میں آسان وضاحت:

اللہ تعالیٰ سب کا خالق و مالک ہے اپنی مخلوق کے ساتھ جو چاہے کرے یہ تقدیر ہے جس کا چاہے حکم دے جس سے چاہے روکے اسے حق ہے بندے کا کام بندگی ہے بندہ بندگی نہ کرے تو اللہ اسے سزا دے سکتا ہے۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ بندہ بجائے بندگی کرنے کے اللہ پر (باقی آگے)

س: برے آدمی یہ شکایت کریں کہ اگر ہم برے ہیں تو تقدیر کی برائی ہے ہمارا کیا قصور؟ اور اچھوں کی بھلائی بھی اسی تقدیر کا اثر ہے ان کا کیا کمال ہے تو کیا جواب ہے؟ ص ۲۱، ۲۲

س: اللہ تعالیٰ کے افعال کے اضطراری ہونے کی دلیل سے نفی کریں ص ۲۲، ۲۳

س: عالم سارا قدیم ہے یا حادث؟ نیز اگر کوئی شے قدیم مانیں تو اس صورت میں توحیدِ خداوندی پر کیا زد پڑتی ہے؟ ص ۲۳

س: وجودِ عالم اور کمالات وجود سب خداوندِ عالم کی طرف سے مستعار ہوں تو کونسی دو باتیں واجب التسلیم ہوں گی؟ ص ۲۳، ۲۴

س: آفتاب اور دھوپ کی مثال دے کر افعالِ مخلوق اور افعال خالق کے مابین فرق کو واضح کریں ص ۲۳

س: اس کو ثابت کریں کہ تمام مخلوقات کے نفع وضرر کا مالک اللہ تعالیٰ ہے ص ۲۴

س: کس میں بھلائی کا ہونا کس کا پرتو ہوتا ہے؟ اور محبوبیت اصل میں کس ہستی کے لئے ہے؟ ص ۲۴

س: مدارکارِ اطاعت کونسی تین چیزیں ہیں؟ ص ۲۵

س: مدارکارِ اطاعت تینوں کا اللہ تعالیٰ کیلئے اصل ہونا ثابت کریں ص ۲۵

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اعتراض کرنے لگے کہ کافر کا کیا قصور کہ اسے دوزخ میں ڈالا جائے گا؟ ارے دوسروں کی فکر چھوڑو اپنی فکر کرو اعتراض کرنے سے انسان خدا کی پکڑ سے تو نہ بچ سکے گا، اگر اللہ اس معترض کو دوزخ میں ڈال دے تو اس کا اعتراض نہ عذاب سے بچا سکے گا نہ عذاب میں تخفیف کرا سکے گا ہاں اضافہ کا باعث بنے گا۔

تقدیر کو بہانہ کیوں نہیں بنا سکتے؟

چونکہ انسان کو پتہ نہیں کہ اس کی قسمت میں کیا لکھا ہے وہ گناہ اپنی مرضی سے کرتا ہے اس لئے وہ تقدیر کو بہانہ بھی نہیں بنا سکتا۔

س: خادم کی طرف سے غیر مخدوم کی خدمت، رعایا کی طرف سے غیر حاکم کی عزت، محب کی طرف سے غیر محبوب سے رغبت کس قدر باعث عتاب ہے یا نہیں؟ اس سے اطاعت کا خالص اللہ کیلئے ہونا ثابت کریں ص ۲۵

س: اطاعت کا اصل حقدار اللہ تعالیٰ ہے تو ہم انبیاء اور علماء کی اطاعت کیوں کرتے ہیں؟ جواب کو منصب نیابت حکمرانی والی مثال سے واضح کریں۔ ص ۲۵

س: حاکم سے حاکمیت، مخدوم سے خدمت، محبوب سے لوازم محبت جدا ہو جاتے ہیں یہ تینوں اوصاف اللہ تعالیٰ کی طرف کس طرح منسوب ہیں عارض یا لازم؟ واضح کریں ص ۲۶

س: اعتقاد اور اعمال میں کیا نسبت ہے؟ ان میں اصل اور خلیفہ کی وضاحت کریں ص ۲۷

س: جو شخص خدا کو مالک نفع وضرر سمجھے کیا وہ کسی دوسرے کی طرف روئے نیاز کرے گا؟ اور کیوں؟ ص ۲۷

س: روئے نیاز قلبی دل کی بات ہے احوال جسمانی میں قائم مقام کیا ہے؟ ص ۲۸

س: اہل اسلام کی اصطلاح میں رکوع کسے کہتے ہیں؟ اور یہ دل کی کس کیفیت پر دلالت کرتا ہے؟ ص ۲۸

س: اللہ تعالیٰ کے علو مراتب کے اعتقاد کے بعد جو اپنی پستی کے خیال کی کیفیت دل میں پیدا ہوتی ہے اس کیفیت کا اظہار بدن کے کس فعل سے ہوتا ہے؟ ص ۲۸

س: اصطلاح اہل اسلام میں سجدہ کسے کہتے ہیں اور یہ دل کی کس کیفیت پر دلالت کرتا ہے؟ ص ۲۸

س: امور قلبیہ کو اعمال بدنی سے کیا نسبت ہے؟ اور کیا محض رکوع سجدہ بغیر اعتقاد دلی کے غیر اللہ کے لئے جائز ہے یا نہیں اور کیوں؟ ص ۲۸

س: نماز کے ارکان سے بندہ کا سراپا اطاعت ہونا ثابت ہو جانے سے اموال دنیوی کا مملوک خداوند مالک الملک ہونا کیسے پتہ چلتا ہے؟ پھر اس میں بندے کے تصرف سے اسلام کا

کونسا رکن ثابت ہوتا ہے؟ ص ۲۹،۲۸

س: زکوۃ کے نصاب متعین کرنے میں مولانا نے کیا حکمت واضح فرمائی؟ ص ۲۹

س: مال زکوۃ غریبوں کے حق میں اللہ کا دیا ہوا سمجھا جائے یا بندوں کا دیا ہوا؟ مثال سے واضح کریں ص ۲۹

س: نماز کا بجمیع الوجوہ عبادت ہونا اور زکوۃ کا بوجہ فرمانبرداری عبادت ہونا واضح کریں اور بتائیں کہ یہ خدا تعالیٰ کی کن صفات کا ثمرہ ہیں؟ ص ۲۹

س: اللہ تعالیٰ کے جمال کے حوالے سے دو باتیں ذکر کریں ص ۲۹

س: اگر بندے کو خدا تعالیٰ کے سوا اگر اور چیزوں کی بھی غرض ہو تو کیا اسے اللہ تعالیٰ کی محبت کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور کیوں ص ۲۹

س: جمال کے حوالے سے پہلی بات کہ خدا کے سوا اور چیزوں سے بے غرضی یہ اسلام کے کس رکن سے نمایاں ہوتی ہے؟ ص ۲۹

س: روزہ خدا کے سوا سے بے غرض ہونے پر کس طرح دلالت کرتا ہے؟ ص ۳۰

س: جمال کے حوالے سے دوسری بات کہ خدا تعالیٰ کے شوق میں محو ہو جانا اس کی کچھ صورتیں واضح کریں ص ۳۰

س: خدا کے شوق میں محو ہو جانے میں احرام، طواف وقوف عرفہ، رمی جمار اور قربانی وغیرہ کی وضاحت کریں ص ۳۰

س: روزوں میں اور حج میں باہمی ارتباط کیسے ہے؟ ص ۳۰

س: نماز اور زکوۃ میں باہمی ربط اور چاروں ارکان میں سے ہر دو کے تقدم و تاخر کے فرق کو واضح کریں ص ۳۱،۳۰

س: روزہ بالذات عبادت کیوں نہیں؟ ص ۳۱

س: نماز کو زکوۃ سے اور روزوں کو حج سے تقدم کیوں حاصل ہے؟ ص ۳۱

س: بندہ کے مملوک اور محکوم ہونے سے کونسے دو کام بندے کو بہ تقاضائے غلامی و محبت کرنے پڑیں گے؟ ص۳۱

س: حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی اہمیت، اور ان کے اثر سے ہونے والے کچھ اعمال ذکر کریں۔ ص۳۱

س: جو باتیں خدا تعالیٰ کی عظمت اور اس کے مطاع ہونے پر دلالت کرتی ہیں ان کو دوسروں کی خوشنودی کیلئے عبادت سمجھ کر کرنا شرک ہوگا یا نہیں اور کیوں؟ ص۳۱

س: اللہ تعالیٰ کے حاکم مطاع اور محبوب ہونے سے ہمارے ذمہ کیا لازم؟ ص۳۱،۳۲

س: کیا رضائے الٰہی بغیر اطلاع کے معلوم ہو سکتی ہے؟ اور کیوں ص۳۲

س: کیا اللہ تعالیٰ اس کا پابند ہے کہ جس چیز کا حکم دے وہ ہمارے عقل کے مطابق امر کے قابل، اور جس سے روکے وہ نہی کے قابل ہو یا وہ جس چیز کا چاہے حکم دے سکتا ہے اور جس سے چاہے روک سکتا ہے؟ اور کس دلیل سے؟ ص۳۲

س: کیا علم اجمالی سے تعمیل حکم ہو سکتی ہے یا اس کے لئے علم تفصیلی درکار ہے؟ ص۳۲

س: حضرت کے انداز سے نبوت کی ضرورت ثابت کریں ص۳۲

س: مثال دے کر بتائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی رضا و غیر رضا کی خبر براہِ راست کن خاص لوگوں کو دیتا ہے؟ ص۳۲

س: اہل اسلام انبیاء، پیغمبر اور رسول کن ہستیوں کو کہتے ہیں اور کیوں؟ ص۳۲

س: عقل کی رو سے انبیاءؑ کا غلطی اور گناہ سے پاک ہونا ثابت کریں ص۳۲،۳۳

س: خدا تعالیٰ کے مطیع و مقرب ترین بندے انبیاءؑ کیا قرب خداوندی کی وجہ سے خدائی میں شریک ہو جاتے ہیں یا نہیں اور کیوں؟ ص۳۳

س: حضرتؒ کے انداز میں شفاعت کا مفہوم واضح کریں ص۳۳

س: کیا یہ قرین عقل ہے کہ کوئی کسی کے عوض جنت یا دوزخ چلا جائے؟ نیز اس سے عیسائیوں کا کونسا عقیدہ باطل ہوتا ہے؟ ص۳۳

س: محبت اور عداوت کے اسباب کیا کیا ہیں؟ ص۳۳،۳۴

س: کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ محبت کے باوجود انقباض اور عداوت کے باوجود انعام واکرام ہو، اور کیا خداوند قدوس سے اس کی امید رکھی جاسکتی ہے؟ ص۳۴

س: عیسائیوں کے عقیدۂ کفارہ کا بطلان تعلیمات قاسمی کی روشنی میں واضح کریں ص۳۴

س: خالی جگہ پر کریں:

''یہ......نہیں کہ اطاعت......کرے اور......کا مستحق کوئی......ہوجائے گناہ کوئی......

اور......کسی کو دی......، تابعداری تو انبیاءؑ......اور مرحوم امتی......جائیں، اور گناہ تو امتی......اور

......انبیاء علیہم السلام ہوجائیں نعوذ باللہ۔ ص۳۴

س: مقرب ربانی ہونے کیلئے کیا ضروری ہے؟ ص۳۴

س: انبیاءؑ میں بالضرور کونسی تین باتیں ضروری ہیں اور کیوں؟ ص۳۴

س: نبی کی کسی بات میں اشکال کرنا جائز ہے یا نہیں اور کیوں؟ ص۳۵

س: جہاد کے حوالے سے حضور ﷺ پر غیر مسلموں کا کیا اعتراض ہے؟ اور حضرتؒ کے انداز سے اس کا جواب کیا ہے؟ ص۳۵

س: عقل وفہم کے حوالے سے انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں ہمارا عقیدہ کیا ہے؟ اس کی بنیاد بھی ذکر کریں۔ ص۳۵

س: خدا تعالیٰ......حضرات انبیائے کرامؑ اور ان کی امتوں کے مابین ربط کو تشبیہ کے ساتھ واضح کریں ص۳۶

س: امت کی عقل وفہم کس کا پرتو ہوا کرتا ہے؟ نیز حیات امت کن کی حیات سے ماخوذ ہوتی ہے؟ اور کس دلیل سے؟ ص۳۶

[اس مضمون وضاحت کیلئے دیکھئے حضرت نانوتویؒ اور خدمات ختم نبوت ص۱۱۰ کا حاشیہ پھر بھی کوئی علمی بات سمجھ نہ آئے تو حیات النبی ﷺ کا عقیدہ کافی ہے۔ واللہ اعلم۔ راقم]

س: گمراہ امت اپنے نبی کی امت رہتی ہے یانہیں؟ اور کیوں ص ۳۶

س: نبی اور امت میں بالجملہ فرق کیا ہے؟ فیض میں انبیاء اور علماء کے فرق کو مثال کے ساتھ واضح کریں ص ۳۶

س: نبوت کا معیار عقل وفہم اور اخلاق ہیں یا معجزات؟ اور کس طرح؟ ص ۳۶، ۳۷

س: کیا ان اوصاف نبوت کے مطابق مرزے کو پرکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں حضرتؒ نے پھر ان کا ذکر کیوں کیا؟ (۱)

س: خالی جگہ پر کریں

اہل......کو لازم ہے کہ اول......واخلاق و......کو میزانِ عقل میں......اور پھر......کہ کون نبی......اور......نہیں؟ ص ۳۷

---

۱) ان اوصاف کو مرزے میں تلاش کرنا ہرگز جائز نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے جب فرمایا کہ میں آخری نبی ہوں تو آپ ﷺ کے بعد کسی مدعی نبوت کے حالات پر اس اعتبار سے غور کرنا جائز نہیں کہ اگر کے کام نبیوں والے ہوں تو مان لیں ورنہ انکار کردیں بلکہ اپنا ایمان بچانے کیلئے اس کے دعوے کی فوری تکذیب ضروری ہے۔ حضرت نانوتویؒ کی گفتگو مرزائیوں کے ساتھ نہیں تھی بلکہ ان کے زمانے میں مرزے کا فتنہ ظاہر ہی نہ ہوا تھا۔

حضرتؒ کی گفتگو ہندوؤں اور عیسائیوں کے ساتھ تھی اور ہندوؤں عیسائیوں کے دین اسلام زمانے میں اسلام سے پہلے ہیں ان کے ساتھ گفتگو کے دوران آپ نے اوصاف نبوت پر بحث کی تاکہ ان کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی رسالت اور ختم نبوت کو ثابت کیا جائے۔ اور حضرت نے ایسا کیا ہے تو جب ختم نبوت ثابت ہوگئی تو مسیلمہ کذاب اور مرزا قادیانی جیسے دعوائے نبوت میں جھوٹے ٹھہرے۔ ہمیں اس کے لئے ان کے اخلاق وکردار پر بحث کی ضرورت نہیں۔

علماء کرام نے جو بحث کی کہ مرزا قادیانی اپنے پیشگوئیوں میں جھوٹا تھا اس لئے نبی نہیں تو یہ محض الزامی جواب کے طور پر ہے۔ مطلب یہ کہ اگر بالفرض نبوت جاری ہوتی تو بھی مرزا ہرگز نبی نہیں ہوسکتا تھا۔ اور مرزا تو ایسا بدکردار تھا کہ اگر بالفرض نصوص میں آیا ہوتا کہ مستقبل میں مرزا غلام احمد قادیانی نبی ہوگا تو امت مسلمہ یہی کہتی کہ اس سے مراد کوئی اور ہوگا یہ مرزا غلام احمد قادیانی نہیں ہوسکتا۔

س: مسلمانوں کا انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں کیا عقیدہ ہے؟ اور خصوصاً خاتم النبیین کے بارے میں ص ۳۷

س: اہل انصاف بشرط فہم سلیم اگر احوال محمدی ﷺ کا موازنہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے احوال سے کریں تو افضل کسے پائیں گے اور کس طرح؟ ص ۳۷

س: قبل از اسلام عربوں کی جہالت، گردن کشی، ور جفاکشی کی حالت کیا تھی؟ ص ۳۷

س: امت میں علوم الٰہیات، اخلاق، سیاست مدن، معاملات اور عبادات کے حکماء نامدار کا ہونا حضور ﷺ کا معجزہ کس طرح ہے؟ ص ۳۷

س: علم اور عمل میں اشرف کونسا ہے؟ ملازم و افسر والی مثال سے واضح کریں ص ۳۸

س: امت کے افراد بسا اوقات قربانیوں میں انبیاء سے بھی بڑھے ہوئے ہوتے ہیں لیکن ریاضت و کیفیات اور علوم میں انبیاء سے سبقت نہیں لے سکتے یہ بات علم کے افضل ہونے پر دلالت کرتی ہے یا عمل کے افضل ہونے پر اور کیوں؟ ص ۳۸

س: علماء اور انبیاء میں وجہ امتیاز کیا ہے علم کی کثرت یا عمل کی کثرت؟ ص ۳۸

س: معجزات کونسے افضل ہوتے ہیں علمی یا عملی اور کیوں؟ ص ۳۸

س: معجزات علمی کیا ہوتے ہیں اور معجزات عملی کیا؟ دونوں کی تعریف کریں ص ۳۸

س: علم ذات وصفات خداوندی و اسرار و احکام خداوندی اور علم معلومات باقیہ میں کیا فرق ہے؟ مثال سے واضح کریں ص ۳۸

س: علم وقائع میں خبر ماضی کا اعجاز زیادہ ہے یا خبر مستقبل کا اور کیوں؟ ص ۳۹

س: انبیاءؑ میں سب سے زیادہ پیشگوئیاں کس نبی کی ہیں اور کیسے؟ ص ۳۹

س: مستقبل کی پیشگوئی معجزہ کیسے جبکہ اس کا صدق تو ابھی تک معلوم نہیں؟ ص ۳۹

س: پیش گوئیوں کا معجزہ ہونا کس زمانے میں ہوتا ہے؟ اور پیشگوئیوں کی تصدیق کی کیا صورت ہے؟ ص ۳۹

س: زمانہ ماضی کے وقائع کی خبر دینا معجزہ کیسے ہے؟ ص ۳۹

س: نبی ﷺ کی کچھ پیشگوئیاں جو پوری ہو چکیں منظور نظر کریں ص ۳۹

س: انبیائے سابقین کے واقعات کا بیان معجزہ کیسے؟ ص ۴۰

س: حضور ﷺ کا تمام ملک عرب کو زیر وزبر کرنا اخلاق عالیہ کی دلیل کیسے؟ ص ۴۰

س: آپ علیہ السلام کے لشکروں کا معاملات میں بے مثال ہونا ثابت کریں ص ۴۰

س: علوم کثیرہ پر حاوی ہونے کے اعتبار سے قرآن کا معجزہ ہونا ثابت کریں ص ۴۰

س: فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے قرآن کا معجزہ ہونا ثابت کریں ص ۴۰

س: اجسام ومحسوسات کے حسن وقبح اور روح کے حسن وقبح میں کیا فرق ہے؟ اور قرآن کریم کے حسن کی مماثلت کس کے ساتھ ہے؟ ص ۴۰

س: قرآن کریم کے علوم کا یکبار ذہن میں نہ ہونا قرآن کریم کے حسن پر دلالت کرتا ہے یا معاذ اللہ قرآن کے قبح پر اور کیسے؟ ص ۴۰، ۴۱

س: اس کو ثابت کریں کہ قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت ہر صاحب ذوق سلیم بداہۃً سمجھ سکتا ہے۔ ص ۴۱

س: اس کو ثابت کریں کہ کلام الٰہی صرف آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا ہے؟ ص ۴۱

س: اگر توریت وانجیل کلام الٰہی نہیں تو ان کے نزول کی کیا صورت تھی؟ اس بارے میں اہل کتاب کیا کہتے ہیں اور حضرت کی تحقیق کیا ہے؟ ص ۴۱

س: قرآن وحدیث میں تورات وانجیل کیلئے کتاب اللہ کا لفظ کیوں مستعمل ہے ص ۴۱

س: قرآن پاک میں وہ کونسا مقام ہے(۱) جہاں قرآن کے علاوہ کیلئے کلام اللہ کے لفظ آئے ہیں اور اس کے دو معنی کونسے ہیں؟ ص ۴۱، ۴۲

---

۱) وہ یہ آیت ہے: وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ الآیۃ [البقرۃ:۷۵]

س: عالم کے مربیوں (انبیاء) کی صفات میں سے اعلیٰ صفت کونسی ہے؟ ص۴۲

س: جس نبیؑ کے پاس معجزہ علمی ہو وہ دوسرے انبیاءؑ سے اعلیٰ کیوں؟ ص۴۲

س: بادشاہ پر مراتب حکومت ختم ہونے کی وجہ سے اسے خاتم الحکام کہہ سکتے ہیں تو جس پر انبیاء کے مراتب ختم ہوں اسے کیا کہیں گے؟ ص۴۲

س: جس طرح احکام میں خاتم الحکام کی اتباع ضروری ہے انبیاءؑ پر خاتم النبیین ﷺ کی نسبت کیا ضروری ہے؟ مثال سے واضح کریں ص۴۳

س: کیا اہل کتاب حضور ﷺ کی اتباع کے بغیر نجات پا سکتے ہیں اور کیوں ص۴۳

س: حضور ﷺ کے آنے کی پیشگوئی عیسیٰ علیہ السلام نے کس طرح فرمائی؟ ص۴۳

س: ہم حضور علیہ السلام کو انبیاءؑ میں سب سے افضل کیوں سمجھتے ہیں؟ ص۴۳

س: نسخ کے مفہوم کو واضح کریں اور وارد ہونے والا اشکال مع جواب ذکر کریں ص۴۳

س: خداوند کی طرف سے تبدیلیٔ احکام کس وجہ سے ہوتی ہے؟ ص۴۴

س: نصاریٰ تکمیل کا لفظ کس لفظ کی جگہ بولتے ہیں اور حضرت نے اس سے کس مسئلہ کو حل فرمایا؟ ص۴۴

س: حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں تو حضور ﷺ سے افضل کیوں نہیں؟ ص۴۴

س: کلام بلیغ کا سننا افضل ہے یا زبان پر آ جانا؟ اور کیوں؟ ص۴۴

س: تورات کی پیشگوئی کہ ”کہ تجھ جیسا نبی پیدا کروں گا اور اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا“ [استثناء باب ۱۸ آیت ۱۷ تا ۱۹] مولاناؒ نے اس کا کیا مطلب بیان کیا؟ ص۴۵

س: ”اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا“

ان الفاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا افضل ہونا کیسے ثابت ہوا؟ ص۴۵

س: مولاناؒ نے فرمایا زبان متکلم کی جانب شمار کی جاتی ہے کان مخاطب کی جانب سے۔ اس بات سے ہمارے نبی ﷺ کی موسیٰ علیہ السلام پر افضلیت ثابت کریں۔ ص۴۵

س: ''جو اس نبی کا مخالف ہوگا میں اس سے انتقام لوں گا'' [استثناء باب ۱۸ آیت ۱۹ میں یہ مضمون موجود ہے] یہ عبارت کس کتاب کی ہے؟ اس کا جہاد سے تعلق ذکر کریں ص ۴۵، ۴۶

س: عیسیٰ علیہ السلام کا کلمۃ اللہ ہونا آپؐ پر فضیلت کو ثابت کیوں نہیں کرتا؟ ص ۴۶

س: کیا انبیاء کرامؑ بلکہ تمام کائنات کلمات خدا ہیں حضرتؒ نے اس بارے میں جو کچھ لکھا اس کا خلاصہ تحریر کریں۔ ص ۴۶

س: کلام کی اقسام لکھیں اور بتائیں کہ حقیقی کلام کونسا ہوتا ہے؟ ص ۴۶

س: کلمته ألقاها الى مريم کا حاصل کیا نکلتا ہے؟ ص ۴۶

س: خالی جگہ پر کریں

منشأ...... محمدی ﷺ...... العلم ہے اور وہ سب...... اول ہے یہاں...... کہ کلام بھی...... کے بعد میں ہے بلکہ...... خود اس علم...... کے طفیل...... میں...... ہے ص ۴۶

س: تاثیرات صفت علم میں حضور ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آگے کس طرح ہیں؟ ص ۴۶، ۴۷

س: عصائے موسویؑ کے مقابلے میں حضورؐ کے معجزات میں سے پتھر اور سوکھی کھجور والا معجزہ افضل کیسے؟ ص ۴۷

س: اس کو ثابت کریں کہ کھجور کے تنے کا درد فراق اور اشتیاق میں رونا عصائے موسوی کے سانپ بننے سے افضل ہے۔ ص ۴۷

س: مردوں کو زندہ کرنا یا گارے سے پرندے بنانا کھجور کے تنے کے رونے سے افضل کیوں نہیں؟ ص ۴۸

س: معجزات عملیہ میں حضور ﷺ دوسرے انبیاء سے افضل ہیں تو کس [illegible] ہے؟ ص ۴۸

س: درختوں کا چلنا اور شوق میں رونا ظاہراً عملی معجزات ہیں ان معجزات کا علمی ہونا بھی ثابت کریں۔ ص ۴۸

س: "دستِ مبارک محمدی منبع فیوض لا انتہاء ہے"۔ حضرتؒ کی اس عبارت میں کس معجزہ کی طرف اشارہ ہے؟ ص ۴۸

س: پتھروں سے پانی کا نکلنا انگلیوں سے پانی کے نکلنے سے افضل کیوں نہیں؟ ص ۴۸، ۴۹

س: ایک پیالے سے لشکر کی سیرابی کے اعجاز کو سورج و آئینہ اور بارش اور زمین کی مثال سے واضح کریں۔ ص ۴۹

س: آئینہ سورج کے سامنے ہو تو سورج میں فاعلیت آئینہ میں قابلیت ہوتی ہے اس مثال سے پیالے سے لشکر کی سیرابی والے معجزہ کو واضح کریں۔ ص ۴۹

س: ثابت کریں [۱] حضور ﷺ کے لعاب سے کنویں کے پانی کا زیادہ ہونا حضور ﷺ کے کمالِ جسمی پر دلالت کرتا ہے [۲] روٹیوں کا زیادہ ہو جانا عیسیٰ علیہ السلام کے کمالِ جسمی پر نہیں محض قدرتِ خداوندی پر دلالت کرتا ہے۔ ص ۴۹، ۵۰

س: معجزات حضور ﷺ کے افضل ہیں تو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے معجزات کی دلالت کس چیز پر؟ ص ۴۹، ۵۰

س: حضور ﷺ اور ان دونوں انبیاءؑ میں قدرِ مشترک کیا ہے؟ ص ۵۰

س: حضورؐ کے ہاتھ لگانے سے ٹوٹی ٹانگ جڑ جاتی ہے، بگڑی آنکھ بن جاتی ہے اور عیسیٰؑ کی دعا سے بیمار ٹھیک ہو جاتا ہے، کمالِ جسمی پر کونسا معجزہ دلالت کرتا ہے اور کس طرح؟ ص ۵۰

س: مولانا نے حضور ﷺ کے جسم اطہر کو کس چیز کا منبع قرار دیا؟ ص ۵۰

س: حضرت یوشعؑ یا حضرت یسعیاؑ کا کونسا معجزہ مولاناؒ نے ذکر کیا؟ اور اس کے مقابلہ میں آپ ﷺ کے کس معجزے کی فوقیت ثابت فرمائی؟ اور کس طرح؟ ص ۵۰

س: زمین کی حرکت یا سکون کے بارے میں حکمائے انگلینڈ، فیثاغورث، اور اس کے مقابلے میں بطلیموسیوں کا مذہب ذکر کریں ص ۵۰

س: انشقاقِ قمر سورج کے لوٹ کر آنے سے کن وجوہ کی بنا پر افضل ہے؟ ص ۵۱، ۵۲

س: حرکت کا مبدل بہ سکون ہونا زیادہ دشوار ہے یا مضبوط جسم مثلاً چاند کا پھٹ جانا، اور حضرت نے اس سے کس مسئلہ پر استدلال کیا ہے؟ ص۵۱

س: انشقاقِ قمر کے سورج کی حرکت کے مبدل بہ سکون سے اعلیٰ ہونے کو قرب وبعد، فوقیت وتحتیت اور محلِ تاثیر کے فرق سے واضح کریں ص۵۲

س: آفتاب خود متحرک ہو یا کسی دوسرے کی تحریک سے متحرک ہو حضرت یوشعؑ کی استدعاء سے رک جائے تو کیا یہ انشقاقِ قمر سے بڑھ جائے گا؟ دلیل بھی دیں ص۵۲،۵۳

س: افلاک کی حرکت فلاسفہ کے ہاں دائمی ہے یا ضروری؟ منطقی قاعدہ بھی ذکر کریں جو مولانا نے اس مقام پر بیان کیا ہے۔ ص۵۳

س: لوہے کا نرم ہوجانا کس کا معجزہ ہے؟ اور حضرت نے نبی ﷺ کے کس معجزے کی اس پر فوقیت ثابت کی ص۵۳

س: معجزہ یدِ بیضاء کیا ہے اور حضور ﷺ کے کونسے معجزہ کو مولانا نے اس کے مقابلہ میں ذکر کیا ہے؟ ص۵۳،۵۴

س: ہاتھ میں چمک کیسے ہوئی اس کا اصل منبع کیا ہے؟ ص۵۴

س: لکڑی کا روشن ہونا ہاتھ کی چمک سے کس کس طرح افضل ہے؟ ص۵۴

س: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آتشِ نمرود کے گلزار ہونے کے مقابلہ میں حضور ﷺ کا کیا معجزہ ہے؟ ص۵۴

س: دسترخوان کے نہ جلنے کا واقعہ کس کتاب میں مذکور ہے؟ ص۵۴

س: آدمی کا نہ جلنا زیادہ موجبِ تعجب ہے یا کھجور کے پتوں کے دسترخوان کا نہ جلنا؟ اور کس دلیل سے؟ ص۵۴

س: وہ کونسی کتاب جس کے الفاظ متواتر ہیں اور ہر دور میں ہزارہا حفاظ ہیں؟ ص۵۵

س: باعتبارِ سند احادیثِ نبویہ کی تورات وانجیل پر فوقیت ثابت کریں۔ ص۵۵

س: نصاریٰ کے مقابل ضعیف حدیث کو پیش کرنا کیوں درست ہے؟ ص ۵۵

س: نماز میں حدیث کی تلاوت کیوں نہیں جبکہ وہ بھی تو وحی الٰہی ہے؟ ص ۵۵

س: مولانا نے اس اشکال کیا کیا جواب دیا کہ مسلمانو! تم تورات وانجیل پر بھی ایمان لاؤ کیونکہ وہ بھی الہامی کتابیں ہیں ص ۵۵، ۵۶

س: روایات کے قوی اور ضعیف ہونے کے اعتبار سے حضور ﷺ کے معجزات کو دیگر انبیاء کے معجزات سے تقابل کر کے نصاریٰ کا ہٹ دھرم ہونا ثابت کریں ص ۵۶

س: اس کا کیا جواب کہ حضور ﷺ کے تمام معجزات قرآن میں مذکور نہیں؟ ص ۵۶

س: اس کی ثابت کریں کہ روایت کے قبول کرنے کا مدار سند پر ہے نہ صرف خدا کے نام لگ جانے پر؟ ص ۵۶

س: سند کی رو سے تورات وانجیل کا غیر واجب الاتباع ہونا ثابت کریں۔ ص ۵۵

س: معجزہ انشقاق قمر پر یہ اشکال کہ اگر چاند ٹوٹتا تو سارے جہان میں شور پڑ جاتا مولاناؒ نے اس کا تفصیلی اور مدلل جواب کیا دیا؟ ص ۵۷، ۵۸

س: نصاریٰ اگر اشکال کریں کہ انشقاق قمر کا کسی قدیم تاریخ میں ذکر نہیں تو اس کا الزامی جواب کیا ہے؟ ص ۵۸

س: انشقاق قمر کا واقعہ کس وقت رونما ہوا تھا؟ ص ۵۸

س: کیا کسی پرانی تاریخ میں انشقاق قمر کا قصہ مذکور ہے؟ ص ۵۸

ج: جی ہاں تاریخ فرشتہ طبع نول کشول لکھنو ج ۲ ص ۴۸۹ میں ہے۔

س: جانور کے ذبح کے حوالے سے ہنود کا اسلام پر کیا اعتراض ہے؟ مولاناؒ نے اس کا کیا جواب دیا ہے؟ ص ۵۸، ۵۹

س: جو اللہ تعالیٰ کو مالک الملک سمجھے تو اس کے لئے اللہ کی اجازت کے باوجود ذبح اور گوشت کو حرام سمجھنا کیسا ہے؟ ص ۵۸

س: مسلمانوں کا جانور کو ذبح کرنا ظلم عظیم ہے یا نہ کھانے والوں کا اللہ تعالیٰ کی اجازت کو ممنوع قرار دینا مع دلیل؟ ص ۵۸

س: کیا گوشت نہ کھانے والے جانوروں سے دیگر منافع حاصل کرتے ہیں مثلاً کھال کا جوتا بنانا، جانور کو باربرداری، ہل اور رہٹ وغیرہ میں استعمال کرنا؟ پھر اس سے گوشت کھانے کا جواز ثابت کریں۔ ص ۵۸

جواب: اس لئے کہ ہندوؤں کے عقیدہ میں خدتعالیٰ نہ مادے کا خالق ہے نہ ارواح کا۔ کیونکہ مادہ اور ارواح ان کے ہاں قدیم ہیں۔ وہ اپنی ذات کے خود مالک ہیں۔ تو جب خدا ان کا خالق و مالک نہیں تو اسے کوئی حق نہ رہا کہ اپنی مرضی سے کسی کو غریب بنائے کسی کو امیر بنائے؟ کس کو بیمار کرے کسی کو تندرت۔ جب وہ بغیر حق کے یہ کام کرتا ہے تو معاذ اللہ تعالیٰ وہ ظالم ٹھہرا۔

س: کیا ادنیٰ عمارت کو ڈھا کر عمدہ عمارت کیلئے ملبہ استعمال کرنا عقل کی رو سے درست ہے وضاحت کریں اور اس سے گوشت کھانے کا جواز ثابت کریں ص ۵۹

س: گوشت کے جائز ہونے کی بابت مولانا کے دلائل کا ملخص لکھیں ص ۵۹

س: انسان کے ہر عضو میں حکمتیں ہیں کچلی کے دانت کی حکمت بتائیں۔ ص ۶۰،۵۰

س: گوشت کھانا جائز ہے تو ہر جانور کا گوشت جائز کیوں نہیں؟ ص ۶۰

س: خداوند کریم کے امر نہی اجازت و ممانعت کا نفع نقصان کس کو ہے؟ ص ۶۰

س: سؤر کا گوشت حرام کیوں ہے؟ ص ۶۰

س: درندوں کا گوشت کھانا منع کیوں ہے؟ حکمت بتائیں ص ۶۰

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ

تتمہ حجۃ الاسلام

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ

☆☆☆☆☆☆☆

عنوانات وحواشی

بقلم

بندہ محمد سیف الرحمٰن قاسم عفی عنہ

غَفَرَ اللّٰہُ ذُنُوْبَہٗ وَسَتَرَ عُیُوْبَہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿تعارف ''تتمہ حجۃ الاسلام''﴾

حجۃ الاسلام طبع دیوبند کے آخر میں ہے: '' ایسے ہی اخلاق وکیفیات وخواص انواع حیوانات کو خیال فرمالیجئے فقط'' اس عبارت پر مجتبائی نسخہ طبع ۱۹۱۹ء ص ۴۶ کے حاشیہ میں ہے:

اول یہ کتاب یہاں تک چھپی تھی اس کے بعد کی تقریر حضرت مولانا عبد الغنی صاحب کے ذریعہ سے قلمی ہاتھ لگی تو وہ تتمہ کے نام سے علیحدہ چھاپ دی گئی اب جو یہ کتاب چھپنی شروع ہوئی تو وہ تتمہ کی عبارت چونکہ ماقبل کی عبارت سے ملتی ہوئی تھی لہٰذا یکساں لکھوادی گئی۔

اقول: یہ تو حاشیہ کی عبارت ہے متن میں مذکورہ بالا عبارت کے بعد دس صفحات تتمہ کے ہیں اس طرح طبع مجتبائی ۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

تتمہ بعد میں لکھا گیا:

معلوم یوں ہوتا ہے کہ حضرت نانوتویؒ نے شاہجہانپور جانے سے قبل اتنا ہی لکھا تھا جسے حضرت شیخ الہندؒ نے عنوانات کے ساتھ شائع کیا، اور جسے مطبع مجتبائی نے بغیر عنوانات شائع کیا تھا، بعد میں کسی موقع پر کسی کی طرف سے کوئی سوال ہوا تو حضرتؒ نے ان کے جواب میں جو کچھ بیان، یا تحریر فرمایا تھا ''تتمہ میں'' اسے دیا گیا ہے۔

اس کے دو قرینے ہیں ایک تو یہ کہ حضرت شیخ الہندؒ نے ص ۲ میں مولانا فخر الحسنؒ کا حوالہ دیا ہے اور مجتبائی کے شروع میں مولانا فخر الحسنؒ کا نام مذکور ہے مگر تتمہ کے ساتھ نام مولانا عبد الغنیؒ کا ہے۔ دوسرے یہ کہ اصل کے اسلوب میں اور تتمہ کے اسلوب مین واضح فرق ہے کہ اصل میں کلام مختصر ہے اور تتمہ میں بات بڑی مفصل ہے۔ گویا اصل تحریر لکھتے ہوئے وقت کی قلت کا لحاظ رکھا گیا، اور تتمہ کے وقت ساتھیوں کے ذوق کا۔ واللہ اعلم۔

رسالہ ''حجۃ الاسلام'' کب لکھا گیا:

رسالہ ''حجۃ الاسلام'' کے بارے میں حضرتؒ کے تلامذہ کے تین قول ہیں مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ یہ تقریر وہاں جا کر لکھی تھی اور اس کا نام حجۃ الاسلام رکھا (سوانح عمری ص۱۶، ۱۷) حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ ۱۸۷۶ء میں غالباً ایک روز کامل اور کسی قدر شب میں بیٹھ کر اسے تحریر فرمایا (دیکھئے حجۃ الاسلام طبع دیوبند ص۱، ۲) جس سے سمجھ آتا ہے کہ ۱۲۹۳ھ کو شاہجہانپور جانے سے قبل اس کو لکھا تھا، مطبع مجتبائی کے نسخہ میں کے شروع میں ہے کہ حضرتؒ نے ۱۲۹۴ھ کو اہل جلسہ کے سامنے یہ تقریر فرمائی تھی۔

ان میں راجح بات حضرت شیخ الہندؒ کی معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ دونوں سال کی روئیداد چھپی ہوئی ہے ان میں حضرتؒ کی تقریریں موجود ہیں کتاب ''حجۃ الاسلام'' کا اسلوب ان تقریروں سے ہٹ کر ہے۔ اس میں مضامین کچھ زائد بھی ہیں علاوہ ازیں ۱۲۹۴ھ میں دوسرا مباحثہ ہوا تھا اس کی روئیداد مباحثہ شاہجہانپور کے نام سے ہے اس پر مولانا فخر الحسن گنگوہی کا نام ہے اس میں اور بڑی قیمتی چیزیں ہیں مگر یہ تقریر نہیں۔ پھر روئیداد کے مطابق وہاں اتنا وقت ہی نہیں تھا جس دن حضرت پہنچے دوسرے دن مباحثہ شروع ہو گیا۔

''تتمہ'' میں عنوانات نہ تھے:

یاد رہے کہ ''تتمہ'' میں عنوانات تسہیل کی غرض سے راقم الحروف نے لگائے ہیں حق تو یہ تھا کہ عنوانات کو حاشیہ میں لکھا جاتا تاکہ اصل سے التباس نہ ہو مگر دو وجہ سے ایسا نہیں کیا گیا ایک وجہ تو یہ کہ شروع میں اس بات کی تصریح کر دی گئی، دوسری وجہ یہ کہ ہم بغیر عنوانات کے اصل نسخہ طبع مجتبائی بھی ساتھ ہی چھاپ رہے ہیں۔

مجتبائی نسخہ میں ''تتمہ'' کی عبارت اصل کے ساتھ ہی شروع ہوتی ہے مگر ہم اس کو الگ

کررہے ہیں اس لئے ماقبل سے ربط ظاہر کرنے کیلئے ''حجۃ الاسلام'' کے آخر سے کچھ عبارت کا دینامناسب معلوم ہوتا ہے ''حجۃ الاسلام'' کے آخر میں ہے:

حلتِ گوشت میں جانوروں کی تفریق:

ہاں یہ بات مسلم کہ سارے حیوانات یکساں نہیں ہر کسی کے گوشت میں جدی تاثیر ہے جس جانور کا گوشت مفید ہوگا وہی جائز ہوگا، جس جانور کا گوشت مضر ہوگا بقدرِ مضرت ناجائز ہوگا کیونکہ خداوند کریم کے امر ونہی واجازت وممانعت آدمی کے نفع ونقصان کے لحاظ سے ہے اپنے نفع ونقصان کے لحاظ سے نہیں اس لئے سور وشیر وغیرہ درندوں کا گوشت قابلِ ممانعت ہے کیونکہ سور تو سراپا نجس دوسرے بے حیا اس کی مادہ پر جس کا جی چاہے جست کرے اس کو کچھ پروا نہیں اس لئے وہ قابلِ حرمت نظر آیا تا کہ اس کے کھانے سے بے حیائی نہ چھا جائے اور دِل وجان ناپاک نہ ہوجائیں جن سے خیالات ناپاک پیدا ہوں اور شیر وغیرہ جانوران درندہ بوجہ بداخلاقی قابلِ ممانعت تھے تا کہ ان کے کھانے کی تاثیر سے مزاج میں بدخلقی نہ پیدا ہوجائے کیونکہ جیسے گرم غذا سے گرمی اور سرد غذا سے سردی پیدا ہوتی ہے ایسے ہی اخلاق وکیفیات وخواصِ انواعِ حیوانات کو خیال فرمالیجئے فقط۔ (حجۃ الاسلام طبع دیوبند ص ۶۰)

یہی عبارت حجۃ الاسلام طبع مجتبائی ص ۴۶ میں بغیر عنوان کے ہے۔

ضروری تنبیہ:

اگلے صفحہ سے آپ ان شاءاللہ ''تتمہ'' پڑھیں گے اس میں اگر کوئی بات محض فلسفیانہ لگے تو بدگمان نہ ہوں اتنا ذہن میں رکھیں کہ مردار، دم مسفوح، جن جانور پر جان بوجھ کر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، اسی طرح مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ان سب کی حرمت قرآن میں منصوص ہے حضرتؒ نے غیر مسلموں کو یہ مسائل قطعیہ سمجھانے کیلئے معقولی انداز میں یہ دلائل دیئے ہیں کیونکہ غیر مسلم نہ قرآن مانتے ہیں نہ حدیث۔ اگر اس سے بہتر انداز میں عقلی دلائل کے ساتھ ان کو سمجھا سکتے ہیں تو بہت اچھا۔ حضرتؒ سے جو ہوسکا وہ کر گئے اللہ تعالیٰ ان کو بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے آمین

خون کی حرمت طبعی ہے:

مگر یہ ہے تو جیسے اکثر حیوانات کا گوشت قابل حرمت نظر آتا ہے ایسے ہی ہر قسم کے جانور کا خون لائق حرمت ہے کیونکہ جیسے پاخانہ پیشاب کی ناپاکی میں اس وجہ سے کہ ہر کسی کو اس سے نفرت ہے کسی کو تامل نہیں اور اسی لئے کسی کی تعلیم کی حاجت نہیں ایسے ہی خون بھی بوجہ نفرتِ طبعی جو ہر کسی کے دِل میں موجود ہے سزاوارِ حرمت ہے(۱)۔

خون بھی پیشاب پاخانے کی طرف فضلہ ہے:

اور کیوں نہ ہو پاخانہ کا فضلہ ہونا اس پر شاہد ہے کہ وہ غذا نہیں آخر فضلہ اسی کو کہتے ہیں کہ جس قدر کچھ غذائیت سے فاضل سمجھا اس کو جدا کر کے مخرج کی طرف کر دیا تا کہ باہر ہو جائے یوں بوجوہِ خارجہ وموانع خروج اگر خارج نہ ہو تو خیر اس صورت میں یہ اشارہ کم از ممانعت نہیں کہ اگر لائق غذا ہوتا تو اس کو پیٹ ہی سے کیوں نکالتے ؟ دوبارہ تو داخل کرنا کجا، ایسے ہی خون کا آمادۂ خروج رہنا اور جہاں کہیں اس کو راہِ خروج ملا جبھی نکل جانا اس پر شاہد ہے کہ یہ اصل میں فضلہ ہے ابدانِ حیوانی میں محبوس ہوتا ہے۔

---

۱) جن لوگوں سے گفتگو ہے وہ کسی شرعی دلیل کو مانتے ہی نہیں دیکھئے حضرتؒ نے ان سے بات کیسے شروع کی؟ پیشاب پاخانے کی ناپاکی اور ان سے نفرت منطقی طور پر اولیات کے درجہ میں ہے جس کیلئے دلیل کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ جو اس کو مانے گا اس کو اگلی بات منوانا آسان ہوگا۔ اور حضرت کا انداز مباحثوں میں بھی بات کو اولیات سے شروع ہوتا ہے۔ اولیات کا ذکر منطقی مادۂ قیاس میں کرتے ہیں مگر اجراء نہ ہونے کی وجہ سے مادۂ قیاس کی بحث پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ مادۂ قیاس کی اہمیت کیلئے آپ اس عاجز کی یہ کتابیں دیکھیں اساس المنطق، رہنمائے تیسیر المنطق، تیسیر المنطق مع امثلہ جدیدہ، یہ تینوں تیسیر المنطق کی مفصل مختصر شروح ہیں چوتھے تعارف منطق جو رہنمائے تیسیر المنطق کے ساتھ طبع شدہ ہے۔ راقم۔

خون سے گوشت کا بننا اس کے فضلہ ہونے کے خلاف نہیں:

البتہ جیسے پاخانہ پیشاب میں لیاقت اور قابلیتِ استحالہ الی الغذاء ہے یعنی کھات (۱) ہوکر پھر کسی قسم کا غلہ اور اناج بن جاتا ہے ایسے ہی خون بھی اپنی حیثیت سے مستحیل اور منتقل ہوکر گوشت بن جاتا ہے اتنا فرق ہے کہ خون جسم کے اندر ہی اندر مستحیل اور متبدل ہوجاتا ہے اور پاخانہ کا استحالہ اور انتقال بعدِ خروج ہوتا ہے دوسرے خون اور گوشت کے درمیان اور کوئی واسطہ نہیں یا خون تھا یا گوشت ہوگیا اور پاخانہ پیشاب میں اور غلہ میں کئی واسطے حائل ہیں اول کھات (۲) ہوتا ہے پھر خاک پھر سبزہ پھر غلہ۔

خون کے ناپاک ہونے کی وجہ:

مگر ظاہر ہے کہ یہ سب نقل اور تحویل من حال الی حال جسم حیوانی سے باہر ہی ظہور میں آتی ہے اس لئے پاخانہ پیشاب کیلئے تو مخرج بنایا گیا اور خون کا استحالہ اندر ہی اندر ہوتا رہتا ہے اس لئے کوئی مخرج نہ رکھا گیا مگر یہ فرق فضلہ ہونے میں قادح نہیں ہوسکتا بلکہ جیسے پاخانہ پیشاب کو بایں غرض کہ اور بدن آلودہ نہ ہوجائے آنتوں کے نلوں میں بھر دیتے ہیں اور اس سے اہلِ فہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ ناپاک تھا تو یہ بندوبست کیا گیا ایسے ہی خون کو رگوں کی نلوں میں بھر دیتے ہیں اس لئے یہاں بھی وہی اشارہ ہوگا۔

بلغم رینٹ اور خون میں وجہ فرق:

باقی رہا بلغم اور رینٹ ہر چند وہ بھی فضلہ نظر آتے ہیں مگر اول تو یہ فرق کہ پاخانہ پیشاب اور خون میں تو سب افرادِ انسانی بلکہ جملہ افرادِ حیوانی برابر، اور بلغم اور رینٹ میں یہ تفاوت کہ اکثر اس سے بچے ہوئے، اور اکثر مبتلا اور پھر وہ بچا رہنا صحت میں شمار کیا جاتا ہے اور یہ ابتلا منجملہ امراض اس پر شاہد ہے کہ یہ فضلہ اصل میں بوجہِ ضعفِ قوتِ ہاضمہ اور قوتِ محیلہ (۳) جس کا

(۱،۲) کھات یعنی کھاد۔ راقم (۳) قوتِ محیلہ کی تفسیر ساتھ ہی حضرتؒ خود کر رہے ہیں

کام یہ ہے کہ خون گوشت وغیرہ اجزاء بدنی کی طرف مستحیل کردے تا کہ یہ صورت پیدا ہو جائے ورنہ اصل میں وہ اجزاءِ غذائی ہوتے ہیں۔

بلغم اور رینٹ کیلئے الگ مخرج نہیں:

یہی وجہ ہے کہ نہ مثل پاخانہ اور پیشاب خاص ان کے لئے کوئی مخرج بنایا گیا اور نہ مثل خون ان کا محبوس رکھنا مقصود ہے اور یہ منہ اور ناک جو ان کے لئے مخرج نظر آتے ہیں تو ان کا مخرج ہونا بایں اعتبار تو صحیح ہے کہ ان میں کو بلغم اور رینٹ اور تھوک اور سِنک (۱) کا خروج نظر آتا ہے لیکن یوں نہیں کہہ سکتے کہ جیسے پاخانہ کی جائے اور پیشاب گاہ کو فقط بغرض خروج پاخانہ اور پیشاب بنایا ہے منہ اور ناک کو بھی فقط بلغم اور رینٹ اور تھوک اور سنک کے اخراج کیلئے بنایا ہے۔

بلغم اور رینٹ کے ناپاک نہ ہونے کی وجہ:

کون نہیں جانتا کہ منہ کھانے اور بولنے کیلئے اور ناک سونگھنے کے لئے ہے۔ غرض نہ مثل پاخانہ پیشاب ان کیلئے کوئی مخرج بنایا گیا اور نہ مثل خون ان کا محبوس رکھنا مقصود تھا اس لئے باعتبارِ ظاہر تو فضلہ کہہ سکتے ہیں پھر باعتبارِ حقیقت وہ فضلہ نہیں فقط قصورِ قوت ہاضمہ وغیرہ اس کا باعث ہوا کہ وہ جزوِ بدن نہ ہو سکا۔

یہی وجہ ہوئی کہ جیسے پاخانہ پیشاب اور خون کے لئے جدے جدے نل بنا دیئے تھے تا کہ اور جسم آلودہ نہ ہو اسی طرح بلغم اور رینٹ کے لئے کوئی جدا ظرف نہ بنایا گیا اس وجہ سے ان کو ناپاک تو نہیں کہہ سکتے پر غذا بھی نہیں کہہ سکتے یہی وجہ ہے کہ نہ طبائع انسانی میں مثل خون و پاخانہ و پیشاب ان سے ایسا تنفر ہے کہ ہاتھ ہی نہ لگا سکیں اور نہ کچھ رغبت ہے کہ مثل گوشت اناج وغلہ وغیرہ نوش جان کر جائیں (۲)

---

۱) ناک کی غلاظت، فیروز اللغات جدید ص ۴۴۳ میں ہے سِنکنا...... ناک صاف کرنا۔ راقم۔

۲) یعنی کھا جائیں فیروز اللغات جدید ص ۱۹۶ میں ہے: نوش جان کرنا: کھانا کھانا۔

خون کے ناپاک ہونے میں کوئی تامل نہیں:

مگر خون میں وہ کونسی بات ہے جس سے اس کے ناپاک ہونے میں تامل کیجئے خون کا اندر ہی اندر، اِدھر سے اُدھر دوڑے دوڑے پھرنا فقط مخرج ہی کی تلاش کیلئے ہے ورنہ مثل گوشت و پوست ساکن رہا کرتا، پاخانہ پیشاب کو مخرج مل جاتا ہے اور وہ اپنی حرکت میں کامیاب ہوتے ہیں اور خون کو مخرج نہیں ملتا اس لئے وہ ناکام رہتا ہے مگر وجہ اس مخرج نہ رکھنے کی ایک تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ بغرض بدل ائتحلل (۱) اس کو مستحیل کر کے گوشت بنانا مقصود ہے اور وہ استحالہ اندر ہی اندر ہوتا ہے اگر اس کے لئے مخرج ہوتا تو پھر بدن میں اس کا پتہ بھی نہ ملتا۔ مستحیل ہو کر بدل بالتحلل (۲) ہونا تو دوسری بات ہے۔

بے مخرج تو یہ حال ہے کہ ذرا کہیں بدن میں شگاف آجائے یا فصد لی جائے یا پچھنے دیئے تو سارا خون اسی راستہ ہو لیتا ہے نہ مثل پاخانہ پیشاب قبض کی وجہ سے رکتا ہے نہ ان کی طرح یہی ہو کہ ایک راہ کے سوا اور کسی طرف کو رخ ہی نہ ہو۔ پاخانہ اوپر کو کبھی نہیں آتا حالانکہ حلق کا راہ اس کے لئے کشادہ ہے اور خون کا یہ حال ہے کہ سر میں زخم آئے تو اسی طرح نکلنے کیلئے آمادہ ہے جیسے پاؤں میں زخم آئے اور خون نکل جائے۔ جب بے مخرج یہ حال ہے تو درصورتیکہ مخرج ہوتو خون کا بدن میں پتہ بھی نہ ملتا۔

خون کیلئے مخرج نہ ہونے کی حکمت:

دوسری وجہ یہ ہے کہ خون بوجہ حرکتِ طبعی جو خون کے اندر رکھی ہے سامان حرکتِ ابدان ہے اگر خون کسی وجہ سے رک کر ساکن ہو جاتا ہے جیسے ہاتھ پاؤں کے سو جانے کے وقت ہوتا ہے

---

۱) لفظ سمجھ نہیں آئے مگر مطلب واضح ہے کہ خون کو باہر اس لئے نہ نکلنے دیا گیا کہ اس کو بدل کر گوشت بنانا مقصود تھا، اور خون کا گوشت بننا جسم کے اندر ہی ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۲) یہ لفظ بھی سمجھ نہیں آیا مقصد یہ کہ اگر خون کا مخرج ہوتا تو اس سے گوشت تو کیا بنتا یہ جسم سے غائب ہی ہو جاتا۔ واللہ اعلم

، یا خشک ہو جائے جیسے حالتِ ضعف ونقاہت ولاغری میں ہوتا ہے یا بدن میں سے تھوڑا بہت نکل جائے تو حرکت میں ایک تفاوتِ عظیم ظاہر ہوتا ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ خون کی اس طبعی حرکت سے یہ حرکتِ ارادی حاصل ہوتی ہے اور یہ ایسی بات ہے جیسے بھاپ کی حرکتِ مستقیم اور طبعی سے انجن کے پیوں کی حرکتِ متدیر اور ارادی (۱) اور ریل کے پیوں کی حرکتِ متدیر سے بیٹھنے والوں کی حرکتِ مستقیم حاصل ہو جاتی ہے۔

غرض اختلافِ جہاتِ حرکات اور فرقِ طبیعت وارادۂ اسبابِ محرکہ اس امر میں قادح نہیں اس لئے یہ بات لائقِ استبعاد نہیں کہ خون کی حرکتِ طبعی اور حرکتِ حیواناتِ ارادی، ادھر سمت حرکتِ خون طول اعضاء (۲) اور ابدانِ حیوانات کے حرکات اور ہوتے ہیں۔

غرض بظاہر یہ دو باتیں معلوم ہوتی ہیں (۳) جن کی وجہ سے حکیم مطلق نے باوجود فضلہ ہونے کے خون کے لئے کوئی مخرج نہ رکھا۔

مردار کے ناپاک اور حرام ہونے کی وجہ:

بالجملہ خون کے ناپاکِ طبعی ہونے میں کچھ کلام نہیں مخرج نہ ہونے سے اس کا فضلہ ہونا

---

(۱) پہیوں کی حرکت کو ارادی ڈرائیور کے اعتبار سے کہ بھاپ تو طبعی طور پر سیدھی چلتی ہے مگر اس کی وجہ سے انجن کے پہیوں کی حرکت تو متدیر ہوتی ہے کیونکہ پہیے گولائی میں چل کر فاصلہ طے کرتے ہیں مگر جب انجن چل رہا ہو تو پہیے مسلسل حرکت نہیں کرتے بلکہ ڈرائیور کے ارادے کے تابع ہوتے ہیں ڈرائیور چلائے گا تو چلیں گے بریک لگادے گا تو رک جائیں گے مگر اس دوران انجن میں بھاپ اپنا کام کرتی رہے گی۔ راقم

(۲) عبارت غالباً یوں ہے سمت حرکتِ خون در طولِ اعضاء مطلب یہ ہے کہ جیسے بھاپ کی حرکت تو مستقیم ہوتی ہے مگر اس سے پیدا ہونے والی پہیوں کی حرکت متدیر ہوتی ہے ایسے ہی خون کی حرکت طبعی ہے مگر خون کی وجہ سے جاندار کی حرکت ارادی ہے اسی طرح خون تو جسم کے اعضاء کے طول وعرض میں ہی حرکت کرتا ہے لیکن جاندار کبھی کہیں کبھی کہیں حرکت کرتے ہیں۔ راقم

(۳) ایک بات تو خون سے گوشت کا بننا دوسری بات خون کی حرکت سے جسم کا متحرک رہنا۔ راقم

باطل نہیں ہوتا مگر یہ ہے تو مردار ہر قسم کا ناپاک اور حرام ہونا چاہئے کیونکہ بے ذبح اگر کوئی جانور مرجاتا ہے تو اس کا خون گوشت ہی میں جذب ہو جاتا ہے اور جذب بھی ایسی طرح ہوتا ہے کہ اس کے جدا کرنے کی کوئی تدبیر نہیں چنانچہ ظاہر ہے۔ اس صورت میں لازم یوں ہے کہ خون کے اختلاط کے باعث تمام گوشت ناپاک ہو جائے ہاں اگر جدا کرنے کی کوئی تدبیر ہوتی تو بعد جدائی خون گوشت بھی اسی طرح پاک ہو سکتا تھا جیسے بوسیلۂ آب بعدِ انفصال پاخانہ پیشاب کپڑا پاک ہو جاتا ہے۔

<u>مردار کھانے کے برے اثرات:</u>

اور یہ ہے تو مردار کے گوشت کے حلال ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں کیونکہ مثل مشہور ہے جیسی ''اصل ویسی نسل''، ''جیسا تخم ویسا ہی پھل'' سو جیسی غذا ہو گی ویسا ہی گوشت پیدا ہو گا پاک سے پاک، ناپاک سے ناپاک چنانچہ اوپر بھی ہم اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔

علیٰ ھٰذا القیاس ایسی ہی روح ہوائی (۱) پیدا ہو گی پھر جیسی روحِ ہوائی ہو گی ویسا ہی نفس ناطقہ (۲) فائض ہو گا نہیں تو اس سے بھی کیا کم کہ بعدِ فیضان بوجہِ صحبت روحِ ہوائی کی ناپاکی اس میں اثر کر جائے گی۔

<u>پاخانے سے اگنے والی غذا، اور حرام سے حاصل شدہ قوت کا فرق:</u>

اور چونکہ ایک شے کے دوسری شے میں مستحیل ہو جانے میں یہ ہوتا ہے کہ اصل مادہ اسی قدر رہتا ہے پر صورت نوعیہ بدل جاتی ہے اور آثارِ صورت نوعیہ متبدل ہو جاتے ہیں اور کسی شے

---

۱) انسان کو کھانے پینے سے قوت حاصل ہوتی، اس قوت کو روح ہوائی کہتے ہیں اور ایک روح جس کے ساتھ انسان کی زندگی ہے وہ نکل جائے تو انسان مرجاتا ہے اسے نفس ناطقہ یا روح حیوانی کہتے ہیں (روح کی تفصیل کیلئے دیکھئے تقریر دلپذیر ص ۴۶ تا ۴۹) روح حیوانی کا لفظ حضرت کے کلام میں تین صفحات کے بعد آ رہا ہے۔

(۲) یعنی اگر حرام غذا سے نطفہ، اور حرام غذا سے رحم میں جسم بنے، تو اولاد بھی عموماً خدا کی نافرمان پیدا ہو گی، اور اگر ماں باپ ایسے نہیں تو حرام کھانے والے میں رزق حرام کے برے اثرات ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

کے جوہر نکالنے میں یا کسی مرکب کے اجزا تحلیل کرنے میں گو مادہ جوں کا توں نہیں رہتا پر آثار میں فرق نہیں آتا پہلی صورت میں تو اثر سابق قوی ہو جاتا ہے چنانچہ ادویہ کے جوہروں کے تجربہ سے نمایاں ہے دوسری صورت میں ہر چند وہ اثر مرکب نہیں رہتا پر اس جزو کا اثر جو بعد تحلیل ہاتھ آیا ہے بعینہ وہی ہے جو اثر مرکب میں موجود تھا۔

اس لئے یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ پاخانہ و پیشاب اور خون وغیرہ اشیاء بجنسہٖ تو بعد استحالہ پاک ہو جائیں اور روح ہوائی اتنے تحول اور استحالہ کے بعد بھی کہ اب کچھ کا کچھ ہو گیا ناپاک کی ناپاک رہے(۱) کیونکہ روحِ ہوائی یا جوہر غذا ہے یا از قسم تحلیلِ اجزاء ہے یعنی منجملہ مرکباتِ عنصریہ ہے اس وجہ سے تحلیل اجزاء متصور ہے۔

روح ہوائی کی حقیقت:

ہر چند صحیح یہ ہے کہ روح ہوائی جوہر غذا ہے اور چاروں عناصروں کا اس میں اثر ہے چنانچہ انسان کا جامع الکمالات ہونا اہل فہم غامض کیلئے اس پر دلالت کر سکتا ہے اور پیشاب پاخانہ خون وغیرہ فضلات کا فضلہ ہونا بھی اِدھر ہی مشیر ہے مگر ہر چہ بادا باد پاخانہ، پیشاب، خون وغیرہ مقدار کثیر کا اس سے جدا کر دینا اس پر شاہد اول ہے کہ غذا سے روح ہوائی کا پیدا ہونا از قسم

---

۱) اس سوال کا جواب کہ جیسے پیشاب پاخانہ سے کھیت میں جو پیداوار ہوتی ہے وہ استحالہ کی وجہ سے پاک اور حلال مانی جاتی ہے تو ناپاک غذا سے جو خون بنا، اس خون سے جو روح ہوائی یعنی قوت پیدا ہوگی وہ ناپاک کیوں رہی؟ اس سے ناپاکی ایسے ہی ختم ہونی چاہئے جیسے پیداوار سے پیشاب پاخانے کی ناپاکی۔

حضرتؒ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ پیشاب پاخانہ مٹی پانی میں رل مل جاتا ہے اس لئے اس کی صورتِ نوعیہ اور آثارِ صورتِ نوعیہ بدل جاتے ہیں مگر گندی غذا سے جو خون پیدا ہوتا ہے وہ غذا کا عرق ہوتا ہے، پھر اس خون سے جو قوت حاصل ہوتی ہے وہ خون کا جوہر ہے اور جوہر نکالنے سے چیز کا اثر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ قوی ہو جاتا ہے۔ اس لئے خون سے قوت کے پیدا ہونے کو پیشاب پاخانہ سے غذا کے پیدا ہونے پر قیاس نہیں کر سکتے۔

استحالہ نہیں (۱) اگر استحالہ ہوتا تو اغذیہ ممنوعہ شرعی کھانا ممنوع نہ ہوتا۔ اشیاءِ ناپاک کا نوش جان (۲) کرنا بھی مثل اشیائے پاک اپنے اختیار میں ہوتا، مگر استحالہ نہیں تو پاخانہ پیشاب اور مردار جس میں خون رل جاتا ہے ہرگز قابل جواز نہیں ہیں۔

مرنے کے بعد خون گوشت نہیں بنتا:

اب رہی یہ بات کہ بعدِ مرگ خون گوشت میں جذب ہو جاتا ہے یا بعد استحالہ گوشت بن جاتا ہے۔ اس لئے یہ گذارش ہے کہ مستحیل ہونے کے لئے تو قوتِ ہاضمہ اور قوتِ محیلہ یعنی اس قوت کی ضرورت ہے جس کا کام یہ ہے کہ ایک شے کو دوسری شے کی طرف مستحیل کر دے اور ظاہر ہے کہ بدن کی سب قوتیں مثل قوتِ باصرہ وغیرہ قوائے حیوانی حیات کے ساتھ ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اعضائے حیوانی مثل چشم و گوش وغیرہ ان قوی کے لئے ایسے ہیں جیسے آئینہ نور کیلئے یعنی قابل اور منفذ ہیں جیسے اصل نور آئینہ میں نہیں ہوتا آفتاب میں ہوتا ہے ایسے ہی اصل قوائے حیوانی نفوس حیوانی میں ہوتے ہیں اعضاء میں نہیں ہوتے۔

یہی وجہ ہے کہ جیسے آئینہ بے امدادِ آفتاب نور کے حساب سے بے کار ہے ایسے ہی ابدان حیوانی بے عنایتِ روحانی قوائے حیوانی کے حساب سے بے کار ہیں اس صورت میں بعد مرگ استحالہ ممکن نہیں (۳) ہو نہ ہو جذب ہی ہوگا جو بعدِ مرگ کاٹو تو خون نہیں نکلتا اور جذب ہو تو پھر ناپاکی یقینی ہے اس لئے مردار کی حرمت اور ذبح کی ضرورت دونوں ظاہر ہیں۔

---

۱) از قسم استحالہ نہیں بلکہ از قسم جوہر و خلاصہ نکالنا ہے۔

۲) یعنی کھا پی جانا، فیروز اللغات جدید ص ۶۹۱ میں ہے: نوش جان کرنا: کھانا کھانا۔

۳) مطلب واضح ہے کہ جب جانور کے جسم سے وہ روح نکل گئی جس کے ساتھ زندگی ہے تو جسم کے سب اعضاء کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں اب خون گوشت نہیں بن سکتا گوشت میں جذب ہو جائے گا یا رگوں میں جم جائے گا۔ اس لئے مردار کو کھانا حلال نہ ہوگا۔

ذبح میں حلق سے کاٹنا ضروری کیوں:

اور چونکہ حلق میں تمام رگیں اکٹھی ہو جاتی ہیں اور اعضائے باقیہ میں یہ بات نہیں تو تامقدور حلق ہی کو ذبح کرنا چاہئے۔(۱)

حرمت میں مردار مقدم ہے یا خون؟

مگر اس تقریر سے تو حرمت میں بہ نسبت مردار خون کا نمبر اول معلوم ہوتا ہے مگر غور سے دیکھئے تو بات علی الاطلاق نہیں وہ جانور جو صحیح سالم ہوں اگر ایسی طرح مارے جائیں جس میں خون باہر نہ نکلنے پائے وہ خون ہی کی وجہ سے ناپاک سمجھے جائیں گے اور اس وجہ سے حرمت کا نمبر اول ہوگا پر وہ مردار جس سے روح کے انفصال کا باعث فقط تنفر طبعی ہو تو پھر حرمت میں اس قسم کے مردار کا نمبر اول ہوگا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مرنے کے ہزاروں سامان ہیں پر باعتبارِ داخل وخارج کل دو قسمیں ہیں یعنی سببِ موت کوئی امر داخل بدن ہو یا خارج بدن ہو دوسرے کی صورت تو قتل باسباب مختلفہ ہے اور پہلی کی دو صورتیں ہیں ایک تو اس کا مرض دوسرے عمر طبعی کی انتہاء ان دونوں صورتوں میں بعدِ غور یوں معلوم ہوتا ہے کہ روح حیوانی کو بعد اُس انس ومحبت کے جس پر عالم علوی سے اُس کا یہاں آنا اور مدتوں نبھانا دلالت کرتا ہے ایک نفرت پیدا ہو جاتی ہے البتہ قتل میں اخراج بالجبر معلوم ہوتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جیسے عکس آفتاب کا آئینہ نزول (۲) اس کی قابلیت کا ثمرہ ہے ایسے

---

۱) یعنی اگر مقدور نہ ہو تو بواسطہ شکار یا بگڑے ہوئے اونٹ کو جہاں تیر لگ جائے خون نکل جائے مرنے سے حلال اللہ کا نام لینے سے۔ راقم

۲) شاید عبارت یوں ہو عکس آفتاب کا آئینہ میں نزول یعنی سورج کی شعاع آئینہ کے اندر آجاتی ہے۔ تو آئینہ میں سورج کا عکس نظر آتا ہے یہ آئینہ کی قابلیت سے ہوتا ہے۔ راقم

ہی روح کا بدن کے ساتھ ارتباط بدن کی قابلیت کا ثمرہ ہے مگر یہ ہے تو پھر یوں کہنا پڑے گا کہ باہم وہ ربطِ پنہانی ہے جو آہن اور مقناطیس میں ہوتا ہے اور یہ وہ ارتباط ہے کہ ادراک وشعور ہو تو اسی کو محبت کہتے ہیں بالجملہ ربطِ محبت تو اُس دُور کے آنے اور دیر تک نبھانے سے ظاہر ہوتا ہے اس کے بعد اگر اخراج بالجبر ہے تب تو خیر ورنہ بجز تنفر طبعی سببِ انفصال اور کیا ہوگا؟

معہٰذا انتہائے عمر طبعی پر بدن کی کیفیت کو دیکھئے تو بالکل کیفیتِ ابتدائی کے مخالف اور اس کی ضد معلوم ہوتی ہے بجائے نشو ونما، بول (۱) ہے اور بجائے تازگی خشکی اور بجائے نرمی سختی (۲) آجاتی ہے اس لئے بجائے انس اگر نفرت ہو جائے تو بے جا نہیں اور یہاں نفرت ہے تو در صورتِ مرض بدرجہ اولیٰ نفرت ہوگی کیونکہ وہاں تو بجائے کیفیتِ اعتدال وہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس کو مرض اور مخالفِ کیفیتِ اعتدال کہئے اور ظاہر ہے کہ کیفیتِ صحت محبوب ہے اس لئے وہ کیفیت جس کو مرض کہئے بیشک لائق نفرت ہوگی۔

اور یہ ہے تو پھر اس صورت میں بدنِ حیوانی بیشک خونِ حیوانی سے حرمت میں نمبر اول ہوگا کیونکہ وجہِ حرمتِ خون وہ ناپاکی تھی اور ناپاکی کی بنا اصل میں نفرتِ طبعی پر ہے بشرطیکہ طبیعت سلیمہ ہو اور ظاہر ہے کہ حالتِ حیات میں بدن خون سے خالی نہیں ہوتا بلکہ وہ ایام جس کو خلاصۂ زندگی کہتے ہیں یعنی زمانۂ شباب ان میں خون اس کثرت سے ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ متصور نہیں سو باوجود کثرتِ خون ربطِ مشار الیہ کا باقی رہنا اس پر شاہد ہے کہ خون میں وہ بات نہیں جو بعد اختتامِ عمر طبعی یا بعد تاثیر مرضِ موت بدنِ حیوانی میں پیدا ہو جاتی ہے ورنہ زمانۂ شباب میں بہ نسبت زمانۂ مذکور زیادہ تر نفرت ہوتی۔

<u>گوشت کھانے کیلئے ذبح ضروری ہے:</u>

---

۱) یعنی بڑی عمر میں کھانے پینے سے نشو ونما نہیں ہوتی ہاں بعض کو پیشاب زیادہ آنے لگ جاتا ہے

۲) یعنی بات بات پہ غصہ آنے لگ جاتا ہے۔

مگر ہر چہ بادا باد خون اول نمبر ہو یا مردار، حرمت میں دونوں کے بحکم انصاف کلام نہیں مگر بحکم مضمون بالا اس میں بھی کلام نہیں کہ مرگِ طبعی اور مرضِ موت کی صورت میں بدن حیوانی بذاتِ خود حرام ہوگا، اور اور صورتوں میں بدنِ حیوانی بوجہِ اختلاطِ خون حرام ہوگا اس لئے یہ ضرور ہے کہ گلا گھونٹ کر یا کسی اور طریقہ سے اس کا کام کر کے نوش جان (۱) نہ فرمائیں ورنہ یہ غذائے ناپاک بالترتیب ان ناپاکیوں کا باعث ہوگی جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

یعنی غذائے ناپاک سے بدنِ ناپاک پیدا ہوگا اور اس سے روح ہوائی ناپاک پیدا ہوگی اور اس سے ناپاک روح بھی اس طرف آئے گی یا یوں کہو یہاں آ کر ناپاک ہو جائے گی اور پھر اس روح سے ناپاک ہی خیالات پیدا ہوں گے اور اس لئے اعمال بھی ناپاک ہی ظہور میں آئیں گے اور عالم میں ایک ناپاکی پھیل جائے گی اور کیوں نہ ہو جیسی اصل ویسی نسل، جیسا درخت ویسا پھل مگر ناپاکی ارواح سے مطلب یہ ہے کہ عقائدِ باطلہ کی اس کو سوجھے۔

رزق حرام کے اثرات کی مثال سے وضاحت:

اور چونکہ ارادہ اپنی کارگذاری میں علم واعتقاد کا تابع ہے اور تمام اخلاق اپنے ظہور میں ارادہ کے تابع ہیں تو سب کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا مثلاً اندھیرے میں شیر کو گائے سمجھ جائے تو محبت سے ہاتھ پھیرنے کا ارادہ ہوگا اور گائے کو شیر سمجھ جائے تو خوف سے بھاگنے کا ارادہ ہوگا یہ ارادہ تو اس خیال کا تابع ہے جس کو ہم اعتقاد (۲) کہتے ہیں اور پھر وہ محبت وخوف اس ارادہ کا تابع جو اس اعتقاد سے پیدا ہوا ہو، مگر انجام اس غلطی اعتقاد کا آخر یہی ہے کہ سب کام غلط ہو گئے اسی طرح غیر خدا کو مثلاً کوئی خدا سمجھ جائے تو اپنے ارادہ سے اس خوف ومحبت کے باعث جو خدا

---

۱) یعنی تناول نہ فرمائیں

۲) کتاب میں علم اعتقاد ہے اور یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے جس کی دلیل اگلے جملے کے یہ الفاظ ہیں ''جو اس اعتقاد سے پیدا ہوا ہو''۔

سے ہونی چاہئے جو کام ہوگا سب بے موقع ہوگا، اسی طرح اور غلطیوں کو سمجھ لیجئے۔

<u>خدا تعالیٰ ہر طرح مقدس ہے:</u>

باقی غلطیٔ اعتقاد کے باعث اعتقاد کو ناپاک کہنا بایں وجہ ہے کہ موجودات میں باہم فرقِ تنزیہ و آلائش ہے خدا تعالیٰ تو ہر طرح مقدس ہے اور مخلوقات میں علی حسب المراتب عیب و آلائش ہیں اور کیوں نہ ہوں جب خدا تعالیٰ کو اس لئے مقدس کہا کہ اس میں کوئی عیب نہیں تو جتنا اوروں (۱) میں ہوگا اتنی ہی الائش ہوگی۔

اس صورت میں اگر محلِ اعتقاد میں بجائے خداوند مقدس کوئی اور ہوگا تو بیشک اس کی الائش محلِ اعتقاد کو آلودہ بنائے گی مگر جب اس وجہ سے کم درجہ کی چیزوں کے حق میں وہ اعتقاد ناپاک ہوا جو اعلیٰ درجہ کی چیزوں کے ساتھ ہونا چاہئے تھا تو تمام اعتقاداتِ غلط میں یہ آلودگی ہوگی کیونکہ ہر اعتقادِ غلط میں واقع کو غیر واقع کے برابر کر دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ واقع غیر واقع سے افضل ہوتا ہے اور اس وجہ سے وہی آلودگی یہاں پیش آئے گی اتنا فرق ہے کہ واقع ضروری غیر واقع ضروری سے افضل ہوتا ہے اس لئے واقع ضروری کے ساتھ غیر واقع کی برابری بہ نسبت اس کے زیادہ مضر ہوگی کہ واقع غیر ضروری کے ساتھ غیر واقع کو برابر کر دیجئے (۲)

---

۱) کتاب میں ہے: "جتنا عیب اور ہوگا" مگر یہاں سہو کاتب معلوم ہوتا ہے عبارت ویسے معلوم ہوتی ہے جیسے ہم نے لکھی۔

۲) اس کو سمجھنے کیلئے بطور تمہید دو مثالیں دیکھیں [پہلی مثال] اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریك لہٗ ہے یہ ایک حقیقت ہے پھر اس پر ایمان لانا ضروری ہے اس لئے یہ واقع ضروری ہے یہ کہنا کہ اللہ کے علاوہ کوئی حاجت روا مشکل کشا ہے یہ غیر واقع ہے۔ [دوسری مثال] لاہور ایک بڑا شہر ہے یہ ایک حقیقت ہے مگر اس پر ایمان ضروری نہیں اس لئے کوئی اس کا انکار کرتے تو کافر نہیں۔ اور لاہور کوئی بڑا شہر نہیں یہ غیر واقع ہے یعنی جھوٹ ہے۔

اب اگلی بات سنئے کوئی لاہور کوئی بڑا شہر نہیں اس نے ایک غیر واقع کو واقع کے (باقی آگے)

آمدم برسر مطلب:

خیر یہ مضمون تو بیچ میں اتفاقی تھا اصل مطلب تو یہ ہے کہ مردار بھی ناپاک ہے جیسے روح بوجہ انتہائے عمر طبعی منفصل ہوئی ہو یا جس سے روح بوجہ مرض منفصل ہو، پر عمر طبعی سے یہ مراد ہے کہ اس فرد حیوانی کے تمام قویٰ تمام ہو لیں۔

طبعی موت مرنے والے جانور کی حرمت دو وجہ سے:

علیٰ ھٰذا القیاس وہ مردار بھی ناپاک ہے جو باوجود صحت و بقائے عمر طبعی کسی طریقہ سے اس کی روح کو اس سے جدا کر دیا ہو پر خون اس میں جذب نہ ہو گیا ہو اتنا فرق ہے کہ پہلی دو صورتوں میں حرمت ذاتی بھی ہوگی اور خون کی وجہ سے بھی حرمت عارض ہوگی اور تیسری صورت میں فقط خون کے باعث ناپاکی اور حرمت آئے گی اس لئے بذریعہ ذبح خون کا نکال دینا حلت گوشت کیلئے ضرور ہے۔

مگر چونکہ غلہ پھل وغیرہ نباتات کا بنی آدم کیلئے ہونا تو ظاہر تھا کون نہیں جانتا کہ یہ چیزیں نہ ہوتیں تو بنی آدم کی زندگانی محال تھی چنانچہ شروع اوراق میں اس امر کی تشریح کسی قدر ہو چکی ہے البتہ حیوانات کا بنی آدم کے لئے ہونا اس وجہ سے مخفی تھا کہ جیسے بنی آدم کے دست و پا و چشم و گوش وغیرہ اعضاء و قویٰ (۱) ان کے حق میں آلات انتفاع ہیں ایسے حیوانات کے اعضاء و قویٰ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) برابر کر دیا یعنی اس نے جھوٹ کو سچ کی جگہ بولا مگر یہ سچ کہ لاہور بڑا شہر ہے اس پر ایمان ضروری نہیں اس کا انکار کفر نہیں۔ اس کے بالمقابل کوئی شخص اللہ کے علاوہ کسی اور کو حاجت روا مشکل کشا کہے اس نے غیر واقع کو واقع ضروری کے برابر کر دیا کیونکہ اللہ کو وحدہ لاشریک لہ ماننا ضروری ہے اس کے انکار سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ ان الفاظ کو پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرتؒ کو توحید سے شدید محبت اور شرک سے شدید نفرت تھی؟

۱) کتاب میں اعضاء قویٰ ہے اگلے جملے کی وجہ سے یہاں واؤ کا اضافہ کیا گیا ہے

ان کے حق میں آلات انتفاع ہیں پھر جیسے غلہ پھل وغیرہ نباتات بنی آدم کے کام آتے ہیں ایسے ہی حیوانات ہم سنگ بنی آدم نظر آتے ہیں البتہ نباتات میں یہ بات نہ تھی اس لئے ان کا تو پیدا کردینا ہی کم از اجازت نہیں اور حیوانات میں پیدا کرنے کے سوا اور اجازت کی ضرورت ہے ورنہ ایذائے ذبح جو اعلیٰ درجہ کی ایذاء ہے کیونکہ قتل ہے اعلیٰ درجہ کا ظلم ہوگا، اور کیوں نہ ہو ہماری تمہاری ملک برائے نام ملک ہے جب ہماری مملوکات میں تصرف بے اجازت ظلم سمجھا جائے تو خدا کی مملوکات میں تصرف بے اجازت ظلم کیوں نہ ہوگا؟

وقتِ ذبح بسم اللہ پڑھنا ضروری کیوں؟

اس لئے اس کی اجازت کی ضرورت پڑی مگر ہر کس و ناکس جانتا ہے کہ مالک کی اجازت اسی وقت متصور ہے جب تصرف کرنے والا مالک کو مالک سمجھتا ہو اور اگر سوائے مالک کسی اور کو مالک سمجھ بیٹھے تو بجائے اجازت بحکم غیرت مالک ممانعت ضرور ہے۔

علیٰ ھذا القیاس انعام کی توقع اسی وقت ہوسکتی ہے جبکہ حقوق مالکیت اسی کو ادا کئے جائیں اور اگر بالفرض مالک کے حقوق کسی اور کو ادا کئے جائیں تو اس وقت انعام کی جائے الٹا مستحق سزا ہوگا اس لئے بغرض رفع اشتباہ ذبح کی مالکیت اور اجازت کا اعلان ضرور ہوگا یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اہلِ اسلام اور اہلِ کتاب کے مذہب میں وقتِ ذبح بسم اللہ کا کہنا ضروری سمجھتے ہیں۔

جانور کو خدا کی ملکیت سمجھ کر ذبح کرے:

بالجملہ وقتِ ذبح خدا کا نام لینا موافق عقل ضروری ہے مگر یہ ہے تو پھر غیر خدا کا نام لینا لاریب ناخوشی کا باعث ہوگا اور اس لئے یہ انعام حلتِ گوشت مبدل بحرمت تو ہوگا ہی (۱) پر اور سزا کا بھی اندیشہ ہے۔

---

۱) کتاب میں سہو کاتب سے یوں ہے: "مبدل بحرمت تو ہو ہی گا"۔

الی صل گوشت ایک نعمتِ عظمیٰ ہے اس کی عطا اسی وقت متصور ہے جب خدا کو مالک الملک سمجھ کر جانور کو اس کی ملک سمجھ کر اس کی اجازت کے بھروسے ذبح کرے اور اگر کسی اور کی ملک سمجھے یا کسی اور کی اجازت کا بھروسا ہو تو یہ نعمت ممکن الحصول نہیں۔

<u>اللہ تعالیٰ بالاصالہ محبوب کل جہان ہے:</u>

یہ وجہ تو خدا کی ملکیت اور حیواناتِ بنی آدم کی مملوکیت پر مبنی تھی اور بحسابِ محبوبیت دیکھئے تو دربارۂ حلت وحرمتِ گوشت خدا کے نام لینے نہ لینے کی مداخلت کی یہ صورت ہے کہ خداوندِ عالم بالاصالہ محبوبِ حقیقی ہے(۱) چنانچہ اوراقِ گذشتہ میں بقدرِ ضرورت اس امر کا اثبات ہو چکا ہے مگر چونکہ وہ بالذات جامعِ وجوہِ محبوبیت ہے تو ہر صاحبِ محبت کو اس کی محبت ہونی چاہئے مگر ظاہر ہے کہ ہر حیوان کے دل میں محبت رکھی ہوئی ہے پر محبت کو اُن اشیاء سے (۲) جو قابلِ محبت ہیں ایسی نسبت ہے جیسے قوۃِ باصرہ کو مثلاً مبصرات کے ساتھ یعنی ان اشیاء کے ساتھ جو قابلِ ابصار ہیں

مگر جیسے ہر ذی لون قابلِ ابصار ہے ایسے ہی ہر جمیل وموصوف باوصافِ حسنہ قابلِ محبت ہے اس لئے ہر حیوان کو خداوندِ عالم کے ساتھ محبت ہونی چاہئے اور کیوں نہ ہو خدا کے ہونے کی اطلاع تو جملہ عالم کو ضرور ہے کیونکہ ہر موجود میں بحکم بعض تقریراتِ گذشتہ ادراک وشعور موجود اور یہ بھی ظاہر ہے کہ سب سے اول اپنا ادراک ہوتا ہے اور اپنی حقیقت کی یہ صورت کہ جیسے دھوپ مثلاً انتہائے شعاع کا نام ہے اور شعاع ایک پرتوِ (۳) آفتاب کو کہتے ہیں ایسے ہی ہر مخلوق کے لئے ایک انتہائے وجود ہوتا ہے اور وہ وجود پرتوِ وجودِ ربِ معبود ہے۔

---

۱) یہ مضامین معمولی نہیں کسی اور نہیں سوجھتے ان سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت کو اللہ تعالیٰ سے کتنی محبت تھی جیسے اثبات رسالت وختم نبوت کے مضامین سے نبی ﷺ کی محبت کا اظہار ہوتا ہے۔

۲) کتاب میں سہو کاتب سے یوں ہے: "پر محبت کو ان اشیاء کے"۔

۳) پرتو کا معنی: عکس، پرچھائیں، روشنی۔ فیروز اللغات ص ۱۶۲

ممکنات من وجہ معدوم من وجہ موجود ہیں:

وجہ اس کی یہ ہے کہ مخلوقات کو معدوم محض کہنا تو بالبداہت غلط ورنہ مخلوق ہی کیوں کہئے پر موجودِ محض بھی اسی وجہ سے نہیں کہہ سکتے۔ اگر یہ ہوتا تو مخلوق کیوں ہوتے خالق ہوتے کیونکہ عدم پر وجود عارض نہیں ہوسکتا وجود پر عدم عارض نہیں ہوسکتا اس وجہ سے نہ معدوم محض موجود ہوسکے نہ موجودِ محض معدوم ہوسکے۔ ہاں اگر یوں کہئے کہ جیسے دھوپ اور سایہ کے بیچ میں ایک خط فاصل ہوتا ہے یا شعاعوں اور زمین اور اس کی ظلمت کے بیچ میں ایک سطح جس کو دھوپ کہتے ہیں فاصل ہوتا ہے ایسے ہی عدم محض اور وجودِ محض، یا یوں کہو موجودِ محض اور معدوم محض کے بیچ میں ممکنات حائل ہوتی ہیں۔

تو جیسے خطِ مذکور اور سطح مذکور من وجہ نورانی اور من وجہ ظلمانی ہیں چنانچہ ان کا دونوں طرف قائم ہونا اس پر شاہد ہے ایسے ہی ممکنات کو بھی من وجہ معدوم اور من وجہ موجود کہنا ضرور ہوگا اور اس وجہ سے بحیثیتِ وجود اس کو منتہائے وجودِ محض یا موجود کہنا پڑے گا یعنی جیسے سطح متوسطہ جس کو باعتبارِ نور دھوپ کہتے ہیں باعتبارِ نور ایک منتہائے نور ہے ایسے ہی ممکنات جن کو باعتبارِ وجود مخلوق کہتے ہیں باعتبارِ وجود منتہائے وجودِ محض ہوں گے۔

مگر اس صورت میں مثل دھوپ اور خطِ مذکور حقیقت ان کی من جملہ اضافیات ہوگی جس کا حاصل یہ ہوگا کہ جیسے دھوپ کی حقیقت سمجھنے کیلئے یہ ضرور ہے کہ اول شعاعِ آفتاب کو سمجھئے کیونکہ سطح کی حقیقت کا بے حقیقت ذی سطح کے تصور ممکن نہیں ایسے ہی ممکنات کی حقیقت سمجھنے کے لئے وجودِ محض کی ضرورت ہے مگر یہ ہے تو پھر خود ممکنات کو بھی اپنی حقیقت کے سمجھنے میں واسطہ در پیش ہوگا جیسے وقتِ بے ہوشی اپنی خبر نہیں رہتی ایسے ہی اگر اور خیالات میں مشغول ہو کر خدا سے غافل ہو جائیں تو ہو جائیں۔

وجودِ محض کی ذاتِ خداوندی سے نسبت کی مثال:

پھر چونکہ وجودِ محض جو بطورِ مذکور سامانِ تحقیق ممکنات ہے ذاتِ خداوندی سے وہی

نسبت رکھتا ہے جو شعاعیں جو نورِ محض ہیں ذاتِ آفتاب سے اس لئے اپنی حقیقت کے تصور میں خدا کے تصور کی حاجت ہے اور ظاہر ہے کہ اپنا تصور کس کو نہیں ہوتا بلکہ سب میں اول یہی تصور ہوتا ہے۔

حیوانات کے دِل میں بھی خدا تعالیٰ کی محبت مرکوز ہے:

مگر جب وجہِ لزومِ تصور یہ ہے کہ ممکنات کا تحقق خدا کے تحقق پر موقوف ہے تو اپنی محبت کو خدا کی محبت بھی لازم ہوگی بلکہ اپنی محبت خدا کی محبت پر موقوف ہوگی اور ظاہر ہے کہ اپنی محبت کس کو نہیں ہوتی اس صورت میں مقتضائے دقیقہ فہمی اور حقیقت سنجی تو یہ ہے کہ ہر شے کی نسبت یہ اعتقاد کیا جائے کیونکہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ ہر چیز میں ادراک وشعور ہے مگر اتنا بھی نہیں تو اس سے کیا کم کہ حیوانات کی نسبت یہ امر واجب التسلیم ہو کہ ان کے دِل میں بھی خدا کی محبت مرکوز ہے اور چونکہ خداوندِ مالک الملک کی مالکیت اور مخلوقات کی مملوکیت کی بنا اسی توقف پر ہے جو در بارۂ تحقق مخلوقات کو خدا کی نسبت حاصل ہے تو مثل محبت خدا کی مالکیت اور اپنی مملوکیت کا اعتقاد بھی ہر چیز کی تہِ حقیقت میں رکھا ہوا ہوگا۔

ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا ایسے ہے جیسے ریل میں بیٹھنے کیلئے ریل کا ٹکٹ:

شرح اس معما کی یہ ہے کہ قبضہ ضروریاتِ ملک سے ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی قبضہ نہیں کہ ایک حقیقت دوسری حقیقت پر موقوف ہو چنانچہ یہ دونوں باتیں اوراقِ گذشتہ میں بقدرِ ضرورت ثابت ہو چکی ہیں جب دونوں معلوم ہو گئیں کہ محبتِ خداوندی بھی بنی آدم اور تمام حیوانات کے تہِ دل میں مرکوز ہے اور اعتقادِ مالکیتِ خداوندی اور عقیدۂ مملوکیت عالم بھی حیوانات کے دل میں رکھا ہوا ہے تو پھر مقتضائے عقل و دانش یہ ہے کہ وقتِ ذبح خدا کا نام ضرور لیا جائے تا کہ جیسے ریل کا ٹکٹ ریل میں بیٹھنے کیلئے بمنزلہ پروانہ اجازت اور دافع شبہ عدم ادائے محصول ہوتا ہے ایسے اللہ کا نام لینا بمنزلہ پروانہ اجازت (۱) اور دافع شبۂ ظلم ہو جائے۔

---

۱) مطلب یہ کہ جانور اللہ کا نام سن کر جان لے گا کہ یہ مجھ پر ظلم نہیں کر رہا میرے محبوب آقا کی اجازت سے میری جان لے رہا ہے۔ وہ خوشی سے اللہ کیلئے جان دے دے گا۔

حیوانات کوکام میں لانے کیلئے خدا کی صریح اجازت کی ضرورت:

بالجملہ نباتات (۱) اور نعمتیں تو بذاتِ خود اس پر شاہد ہیں کہ ہم کو اپنے نفع نقصان سے کچھ بحث نہیں غیروں ہی کیلئے ہم بنے ہیں کھاؤ اور اپنے کام میں لاؤ اور حیوانات کا دست و پا چشم و گوش، قوتِ باصرہ و سامعہ وغیرہ اعضاء و قوی (۲) میں بنی آدم کا شریک ہونا، ادھر اور خور و نوش کے سامان سے مثل بنی آدم اُن کا منتفع ہونا اور رنج و راحت میں مثل بنی آدم مبتلا ہونا عاقل کو یہ سمجھاتا ہے کہ جیسے بنی آدم کا وجود سر سے لے پا تک بظاہر اپنے نفع اور دفع مضرت کیلئے بنا ہے وہ نفع دینی ہو یا دنیوی ایسے ہی حیوانات کا وجود بھی ان کے نفع اور دفع مضرت کے لئے طیار ہوا نظر آتا ہے۔ مثل نباتات اور حیوانات (۳) بے دست و پا خالی از قوی اور معری از ادارک و شعور ہی نہیں ہیں جو بے تامل اوروں کے لئے کہہ دیجئے البتہ بوجہ افضلیتِ انسانی امیدِ اجازت ہے مگر اتنی بات سے جرأتِ دست درازی نہیں ہو سکتی اس لئے علاوہ افضلیتِ مشار الیہ، اور کار آمد ہونے حیوانات کے انسان کے حق میں خدا کی صریح اجازت کی حاجت اور اس اجازت کے لحاظ کی ضرورت نظر آتی ہے۔

خدا کا نام سن کر حیوانات کو جان دینا آسان:

مگر لحاظِ اجازت کے یہ معنی ہیں کہ خدا کی اجازت کی خبر سن کر اس خبر کے باعث جرأت ذبح پیدا ہو ورنہ خالی الذہن اگر ذبح کرے گا تو پھر وہ ذبح کرنا اور اس کے بعد ذبیحہ کا کھانا خدا کی اجازت پر مبنی ہوگا مگر یہ ٹھیری تو پھر اعلانِ اجازتِ خداوندی ضرور ہے تاکہ یہ وہم صورتِ ذبح

---

۱) کتاب میں یہاں ''حیوانات'' چھپا ہوا ہے جو سہوِ کاتب ہے۔

کتاب میں بغیر واؤ کے اعضاء قوی ہے مگر واؤ کا اضافہ چاہئے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

۲) یعنی جیسے نباتات بے دست و پا اور قوی اور ادراک سے خالی ہیں حیوانات ایسے نہیں ان کو اللہ نے اعضاء بھی دیئے ہیں اور ادراک و شعور بھی۔ اس لئے ''اور'' کا لفظ شاید سہوِ کاتب ہو۔ واللہ اعلم۔

سے نہ پیدا ہو کہ وہ خدا کی اجازت کا محتاج نہیں یا قبل اجازت خدا کے عمدہ عمدہ مملوکات میں حسبِ دِل خواہ تصرف کرسکتا ہے جس سے اس کا ظالم ہونا اور خدا کی تحقیر نکلتی ہے پھر اس پر اس اعلان میں یہ فائدہ ہوگا کہ خدا کا نام سن کر حیوانات کو بوجہ اس اعتقاد کے جس کا خدا کی مالکیت اور اپنی مملوکیت کی نسبت ان کے دِل میں ہونا ثابت ہو چکا ہے جان دینی سہل ہو جائے۔

مَا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ کی بحث:

القصہ خداوندِ عالم مالک الملک اور حیوانات متاع غیر نر ہے اس لئے اگر ان کا حلال ہونا وقتِ ذبح خدا کے نام لینے پر موقوف رکھا جائے اور غیر خدا کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کو اگر حرام کہا جائے تو بجا ہے کیونکہ مالک کو یہ گراں نہیں ہوتا کہ اس کی اجازت سے اس کی مملوکات میں تصرف کیا جائے پر بے اجازت تصرف کبھی گوارا نہیں ہوتا۔

اور اگر اجازت کے سوا یہ بھی پیش آئے کہ تصرف کرنے والا اس شے کو کسی اور کے نام کہتا پھرے اور اس کے نام اس میں تصرف کرے تو گوارا ہونا تو کجا، الٹی سزائے بغاوت اس کے لئے تجویز کی جائیگی (۲) اور وہ چیز اس سے چھین لی جائے گی یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل اسلام

---

۱) یعنی خداوندِ عالم تو مالک الملک ہے مگر حیوانات جو ہیں وہ نباتات کی طرح محض دوسروں کے فائدے کے لئے نہیں کہ ان سے انتفاع کیلئے خدا تعالیٰ کی صریح اجازت کی ضرورت نہ ہو

۲) مطلب یہ ہے وہ جانور بھی حرام ہے جس پر وقتِ ذبح غیر خدا کا نام لیا جائے، اور وہ جانور بھی حرام ہے جس کو غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا جائے مگر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے جیسے پیر پرست جانور کو پیروں کے نام لگاتے ہیں مگر ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھتے ہیں حضرتؒ فرماتے ہیں ایسا جانور حلال نہیں کیونکہ اسے ذبح کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ میں نے جس کے نام اس کو لگا دیا وہ نہ اس کے گوشت کا محتاج ہے نہ ثواب کا، مقصد یہ ہے کہ اس کی تعظیم کیلئے اس جانور کی جان لیں گے تو وہ خوش ہوگا۔ حضرت نانوتویؒ کا اس موضوع پر بڑا مفصل مکتوب ہے جو قاسم العلوم مع انوار النجوم ص ۲۳۲ تا ص ۳۱۱ میں ہے۔

ایسے ذبیحہ کو جس پر غیر خدا کا نام وقتِ ذبح لیا جائے یا غیر خدا کا سمجھ کر برائے نام خدا کے نام پر ذبح کیا جائے حرام کہتے ہیں۔

<u>خدا تعالیٰ کا محبوب ہونا نا قابل زوال ہے:</u>

اس تقریر سے تو وقتِ ذبح خدا کے نام لینے کی ضرورت اور غیر خدا کے نام لینے کی خرابی مُوَجَّہ ہوگئی مگر ذکرِ نام، خدا کی محبوبیتِ خداوندی پر مبنی ہونے کی ہنوز کیفیت معلوم نہیں ہوئی (۱)

اس لئے یہ گذارش ہے کہ ذبح میں جان نثاری جاندار کی طرف سے اگر ہوتی ہے تو محبوبِ اصلی کیلئے ہوتی ہے اور اس کا کوئی واسطہ دار اگر جان نثاری کرے مثلاً باپ بیٹے کی جان نثاری کرے یا مالک اپنے کسی پلے ہوئے جانور کی جان نثاری کرے تب اپنے محبوب اصلی کیلئے ہوتی ہے نہ بے وجہ کوئی اپنی جان نثاری کرے، نہ اپنے واسطہ داروں کی جان نثاری کرے اور یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ غیر محبوب کیلئے جان نثاری کی جائے۔

اور یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ خداوندِ عالم تمام بنی آدم کا بھی محبوب اور حیوانات کا بھی محبوب پھر محبت بھی کیسی جیسی خدا کی محبوبیت یعنی جیسے بحکمِ اوراق سابقہ تمام وجوہِ محبوبیت خدا میں خانہ زاد اور اصلی ہیں اور غیر خدا میں اس سے مستعار ایسے ہی خدا کی محبت بھی انسان اور حیوان کے حق میں ذاتی اور اصلی ہے خارجی اور عارضی نہیں کیونکہ اگر اپنی محبت خدا کی محبت پر موقوف ہے چنانچہ ابھی ثابت ہو چکا ہے اور اپنی محبت اوروں کی محبت کی طرح کسی طرح قابل زوال نہیں اس لئے مستحق جان نثاری سوا اس کے اور کوئی نہیں ہو سکتا اور یہ ہے تو پھر حیوانات کی وہ کیفیت جس سے اکثر امور میں حیوانات کا ہم سنگ بنی آدم ہونا ثابت ہو چکا ہے اس بات کو مقتضی ہے کہ براہ محبت ان کی جان نثاری کی جائے تو خدا ہی کیلئے کی جائے۔

<u>ذبح کے وقت بسم اللہ نہ پڑھنے سے تحقیر خداوندی کا شبہ ہے:</u>

---

۱) یعنی بوقتِ ذبح اللہ کا نام لینا اللہ کی محبت کی بنا پر کیوں ہے؟ اس کی وضاحت آگے ہے۔

مگر یہ ہے تو پھر وہی اعلان ضرور ہوگا تا کہ شبہ تحقیر خداوندی لازم نہ آئے اور جانوروں کو بتقاضائے محبت مشار الیہ جان دینا سہل ہو جائے ورنہ بے وجہ جان نثاری ہونے لگے تو پھر بسہولت تو کیا ہوتی ان کی جان مفت ضائع ہوتی کیونکہ اس جان نثاری میں محبوبیت ہی کو کیا فروغ ہوگا بلکہ جان نثاری منجملہ اندازِ محبت ہی نہ ہوگی جو محبوب کے ساتھ یہ معاملہ دیکھ کر کہ اس کو محبِ باوفا خیال کریں اور غیر خدا کے نام پر جان نثاری ہوئی تو یوں کہو اسی کو محبوب اصلی سمجھا جس کا انجام یہ ہوگا کہ اس کو اپنی حقیقت کا بانی مبانی تصور کیا کیونکہ خدا کی محبت کی بنا اس کی محبت پر تھی جو فیما بین مخلوقات دو جودِ محض ثابت ہوئے ہیں۔

<u>غیر خدا کیلئے جانور کو نامزد کرنا خدا سے بغاوت ہے:</u>

اور ظاہر ہے کہ وہی توقف سرمایۂ خالقیت ہے اس لئے اگر غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے یا غیر خدا کی محبوبیت کی خاطر اس کو ذبح کیا جائے (۱) گو برائے نام خدا ہی کا نام لیا جائے تو پھر ذبح کرنا تو خدا سے انحراف پر دلالت کرے گا اور اس وجہ سے یہ مضمون منجملہ مضامین واسوخت (۲) بہ نسبت خداوندِ عالم سمجھا جائے گا۔ اس وجہ سے سزائے بغاوت کا مستحق ہوگا کیونکہ اس صورت میں بھی غیر خدا کو ہمتائے خدا (۳) بنا دیا اتنا فرق ہے کہ خدا کی مالکیت کے لحاظ میں تو در صورت بغاوتِ، مالکیت میں غیر خدا ہمتائے خدا بنتا تھا، اور اس صورت میں محبوبیت میں ہمسری ہوگی اور ظاہر ہے کہ یہ ہمسری بہ نسبت اُس ہمسری کے استحقاق اطاعت میں کہیں زیادہ ہے۔

---

۱) اس میں بھی مَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کی طرف اشارہ ہے۔ راقم

۲) یعنی اسے خدا تعالیٰ سے بغاوت و بیزاری سمجھا جائے گا۔ فیروز اللغات جدید ص ۶۹۶ میں ہے: واسوخت (مونث) مسدس طرز کی ایک نظم جس میں معشوق کے ظلم وستم کا حال بیان کر کے اس سے بے زاری کا اظہار کیا جاتا ہے۔

۳) ہمتا: برابر، مثل، مانند (فیروز اللغات جدید ص ۱۸ ۷)

مَا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ کی حرمت کا بیان:

کون نہیں جانتا کہ محب جس قدر مطیع ہوتا ہے اس قدر غلام مملوک مطیع نہیں ہوتا اور یہ صورت ہے تو پھر ایسا ذبیحہ جس پر براہِ محبت غیر خدا کا نام لیا جاوے یعنی غیر خدا کے لئے قربان کیا جاوے ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کو حلال کہیں کیونکہ جیسے وہ ذبیحہ جو بلحاظ مالکیت خدا باجازت خداوندی اپنے لئے ذبح کیا جاتا ہے درو بست (۱) اپنے لئے ہوتا ہے ایسے ہی وہ ذبیحہ جو برائے محبت خدا ذبح کیا جائے اصل میں خدا کیلئے ہوتا ہے۔

قربانی کے گوشت وغیرہ کی بیع شراء کی ممانعت کیوں؟

یہی وجہ ہے کہ اہل اسلام میں قربانی کے گوشت پوست کی بیع شرا کی اجازت نہیں اور باقی ذبیحوں کے گوشت پوست کی بیع شرا کی ممانعت نہیں اس صورت میں گوشت کی اجازت خدا کی طرف سے بمنزلہ ضیافت احباب ہوگی جیسے پہلی صورت میں اجازت معلومہ بمنزلہ عطائے غلام وفقیر۔ پہلی صورت میں سارے جانوروں کی تملیک ہے اور دوسری صورت میں تملیک نہیں بلکہ بمنزلہ طعام ضیافت فقط بہ نسبت گوشت پوست اباحت اور اختیار خور ونوش ہے۔

حیوانات کی حرمت کی چار صورتیں:

ان تمام مضامین کے سمجھنے کے بعد یہ سمجھ آ جائے گا کہ حیوانات کے متعلق جو حرمت ہے وہ اصل میں چار قسم ہے ایک تو مردار کی حرمت دوسرے خون کی حرمت تیسرے ان جانوروں کی حرمت جو بوجہ خرابی اخلاق حرام ہوتے جائیں چوتھے غیر خدا کے نام پر ذبح کی حرمت یا خدا کے نام نہ لینے کی وجہ سے حرمت۔

ان چاروں کے سوا تمام حیوانات کا گوشت حلال ہونے کے قابل ہے پھر اگر بلحاظ مالکیت باجازت خداوندی ذبح کیا جائے تو وہ فقط حلال ہی ہے استحقاق ثواب اس میں کچھ نہیں

---

۱) پورے کا پورا، تمام (دیکھئے فیروز اللغات جدید ص ۳۳۰)

اگر براہ محبت خداوندی ذبح کریں جیسا قربانیوں میں ہوتا ہے تو فتوائے عقل سلیم یوں ہے کہ خداوندِ قدر شناس اس محبت کی جزا بھی دے گا۔ اس تقریر سے اہل فہم کو قربانیوں کی فضیلت واضح ہو جائے گی۔

تمت

واضح ہو کہ تقریر مولانا مرحوم کی بسیط ہے پہلے جس قدر اس کا حصہ بہم پہنچا تھا چھاپ کر پیشکش ناظرین کیا تھا پھر بقیہ تقریر مولانا ممدوح کی مولوی عبدالغنی صاحب کے ذریعہ سے حاصل ہوئی اس کو بطور تتمہ حجۃ الاسلام طبع کیا تھا اس دفعہ مع تتمہ کل کتاب چھاپی گئی ہے افسوس کہ ایک حصہ تقریر کا اب بھی باقی رہ گیا (۱) اور ہاتھ نہ لگا ناچار جہانتک کہ فقرہ ختم ہوتا تھا ختم کر دیا گیا ناظرین معاف فرمائیں۔

خادم العلماء محمد عبدالاحد عفی عنہ

مدیر مطبع مجتبائی دہلی

ماہ فروری ۱۹۱۹ء

---

۱) اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں اس لئے کہ حضرت کی کسی تحریر میں ایک بات مکمل معلوم ہوتی مگر جب دوسری تحریر کو دیکھتے ہیں تو اس میں اور بڑے مسائل چھیڑ دیتے ہیں مثلاً میلہ خدا شناسی میں حضرت کو پندرہ منٹ وعظ کیلئے دیئے گئے وہاں حضرتؒ نے جو وعظ فرمایا، اس میں زیادہ نبی ﷺ کے اخلاق کو بیان فرمایا مباحثہ شاہجہانپور حضرت کو ایک گھنٹہ موقع ملا وہاں حضرت نے اور بہت کچھ بیان فرما دیا۔ اے اللہ! ہمیں حضرت کے علوم سے استفادہ کرنے اور انہیں نشر کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین محمد و علی آلہ و صحابہ اجمعین اما بعد کمترین **فخر الحسن**
عفا اللہ عنہ خدمت میں ناظرین رسالہ ہذا کے عرض پرداز ہے کہ ۱۲۹۴ھ ہجریہ میں جو جلسہ شاہجہان پور میں ہوا تھا
اُس میں جو تقریر جناب مولانا و مرشدنا **مولوی محمد قاسم** صاحب مدظلہم نے اہل جلسہ کے سامنے
در باب اثبات توحید و رسالت و حقانیت دین اسلام بدلائل عقلیہ بیان کی تھی چونکہ وہ تقریر ہر اہل اسلام
کے لیے موجب تسکین قلب ہے اس لیے اُس کا طبع کرنا ضرور جانا تاکہ ہر خاص و عام مستفید ہوں اور سو تقریر
بعینہ یہ ہے:۔ اے حاضران جلسہ یہ کمترین اور آپ صاحب بلکہ تمام بنی آدم اول سے ایک ماں باپ کی اولاد
ہیں اس لیے ہر کسی کے ذمہ ایک دوسرے کی خیر خواہی لازم ہے اور دوسروں کے مطالب اصلیہ بہم پہنچانے
میں کوشش کرنی سب کے ذمہ ضرور ہے مگر جیسے آنکھ ناک کا مطلب اصلی دیکھنا سونگھنا اور زبان کان کا
مطلب اصلی بولنا سننا ہے ایسے ہی ہر بنی آدم کا مطلب اصلی اپنے خالق کی اطاعت ہے وجہ اس مشابہت
کی یہ ہے کہ جیسے آنکھ ناک زبان وغیرہ دیکھنے سونگھنے سننے بولنے کے لیے بنائی گئی ہیں ایسے ہی بنی آدم بھی خدا کی
اطاعت کے لیے بنائے گئے ہیں شرح اس کی مجھ سے سنیئے زمین سے لیکر آسمان تک جس چیز پر سوائے
انسان کے نظر پڑتی ہے وہ انسان کے کارآمد نظر آتی ہے پر انسان اُن میں سے کسی کے کام کا نظر
نہیں آتا دیکھیے زمین پانی ہوا آگ چاند سورج ستارے اگر نہوں تو تم کو جینا محال یا دشوار ہو جائے
اور ہم نہوں تو اشیاء مذکورہ میں سے کسی کا کچھ نقصان نہیں علی ہذا القیاس درخت جانور وغیرہ مخلوقات

اگر نہوتے تو ہمارا کچھ نہ کچھ حرج ضرور تھا کیونکہ اور نہی کچھ نہیں تو یہ اشیا کبھی کبھی کسی نہ کسی مرض ہی کی دوا ہو جاتی ہین پر ہمکو دیکھئے کہ ہم اُن کے حق مین کسی مرض کی دوا نہین مگر جب ہم مخلوقات مین سے کسی کے کام کے نہین تو بالضرور ہم اپنے خالق کے کام کے ہون گے ورنہ ہماری پیدایش فضول اور بیہودہ ہو جاتے جس سے خالق کی طرف تو بیہودہ کاری کا الزام عائد ہو اور ہماری طرف نکمے ہونے کا عیب راجع ہو اور ظاہر ہے کہ یہ دونون باتین ایسی ہین کہ کوئی عاقل ان کو تسلیم نہین کرسکتا اور کیونکر تسلیم کر لیجیے بدلالت آثار و کاربار انسانی انسان کی افضلیت اور مخلوقات پر خصوصاً جمادات نباتات حیوانات وغیرہ اشیائے معلومہ محسوسہ پر ایسی طرح روشن ہے جیسے خوبصورتون کا بدصورتون پر صورت مین افضل ہونا اور خوش آوازون کا بدآوازون سے آواز مین افضل ہونا اور خوش فہمون کا بدفہمون سے فہم مین افضل ہونا ظاہر و باہر ہے۔ پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ اور سب چیزین تو کام کی ہون اور انسان نکما ہو اور اشیا اگر انسان کے کام مین آتی ہین تو انسان بیشک خدا کے کام کا ہوگا علاوہ برین سب صاحبون سے پوچھتا ہون یہ تو غلط نہوگا کہ آگ جلایا ہی کرتی ہے بجھاتی نہین اور پانی بجھایا ہی کرتا ہے۔ جلاتا نہین اور یہ غلط ہو جائے کہ حکیم علی الاطلاق حکمت ہی کے کام کیا کرتا ہے۔ کوئی بیہودہ کام نہین کرتا بیشک جیسی آگ جلاتی ہے بجھاتی نہین ایسے ہی حکیم علی الاطلاق بھی حکمت ہی کے کام کرے گا بیہودہ کام اُس سے سرزد نہون گے پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ انسان کو محض فضول بنایا ہو اُس کے بنانے مین کوئی حکمت نہو یعنی اُس کے بنانے مین کوئی نتیجہ مقصود و ملحوظ نہو محض نکما ہی ہو ہان اگر خالق کا حکیم ہونا قابل تسلیم نہوتا تو البتہ کچھ مضائقہ نہ تھا مگر اس کو کیا کیجیے کہ اُس کے بندے جو اُس کی مخلوق ہین اور اُن مین جو کچھ ہے۔ وہ سب اُسی کا دیا ہوا ہے۔ بڑے بڑے حکیم ہوتے ہین وہ اگر حکیم نہو تو پھر ان مین حکمت کے آنے کی کوئی صورت نہین چنانچہ انشاءاللہ عنقریب یہ مضمون دل نشین ہوا چاہتا ہے۔ مگر جب یہ بات ٹھہری کہ پیدایش انسانی حکمت سے خالی نہین تو اُس کے یہی معنی ہون گے کہ اُس کو کسی کام کے لیے بنایا ہے۔ سو سوا خدا کے اور تو یہ کسی کے کام کا ہو نہین سکتا چنانچہ ابھی واضح ہو چکا ہے ہو نہو خدا ہی کے کام کا ہوگا ہان اگر انسان کسی کا مخلوق نہوتا تو البتہ یہ احتمال ہو سکتا تھا

کہ حکمت یعنی غرض تو اُسی چیز سے متعلق ہوسکتی ہے جو بنائی ہوئی ہوتی ہے۔ وہان یہ کہہ سکتے ہین
کہ اس نے کو اس مطلب کے لیے بنایا ہے۔ ورنہ جو کسی کی بنائی ہوئی نہو کسی کا ارادہ اُسکے بنانے
مین مصروف نہوا ہو کسی کی توجہ اُس طرف نہوتی ہو جیسے خود خداوند عالم وہان غرض اور مطلب
کی گنجایش نہین گو سب کی مطلب برآری اور کارروائی اُسی سے متعلق ہو مگر اسکو کیا کیجیے
کہ بنی آدم کے مخلوق ہونے پر خود اُسی کی ذات وصفات کی کیفیت بزبان حال گواہ ہے چنانچہ
عنقریب انشاءاللہ تعالےٰ یہ عقدہ کھلا چاہتا ہے۔ الحاصل مطلب اصلی اُسکی پیدائش سے
یہ ہے کہ یہ خدا کے کام آئے اور کسی اور کام مین مشغول نہو ورنہ پھر یہ تو احتمال ہی نہین
کہ مطلب اصلی سے اعلی کام اُس سے نکلے ورنہ وہی مطلب اصلی ہوتا اسلیے اسوقت اسکی ایسی
مثال ہو جائے گی جیسے فرض کیجیے کپڑا بنایا تھا پہننے کے لیے۔ مگر پہننے کے عوض جلا کر روٹی پکا لیجیے
ظاہر ہے۔ کہ یہ بات کپڑے کے حق میں از قسم کم نصیبی ہوگی ایسے ہی انسان بھی اگر اُس مطلب اصلی سے
محروم رہے۔ جو اصل غرض اُسکی پیدائش سے تھی تو اُسکی کم نصیبی مین کیا کلام ہوگا مگر یہ بات بھی ظاہر ہے
کہ خدا تعالےٰ کسی کا کسی بات مین محتاج نہین بلکہ سب اُسی کے محتاج ہین چنانچہ بدلائل یہ بھی انشاءاللہ
تعالےٰ ثابت ہوا چاہتا ہے۔ تو اُسکا کام بجز اطاعت و فرمانبرداری اور کچھ نہوگا۔ اور اُس فرمان
برداری کا نتیجہ بجز نفع بنی آدم اور کچھ نہوگا یعنی جیسے مریض کے حق مین اطاعت طبیب اور اُسکی فرمان
برداری اُسی کے حق مین مفید ہے۔ طبیب کے حق مین مفید نہین ایسی ہی خدا کی اطاعت بندہ کے
حق مین اُسی کی نسبت مفید ہوگی خدا کی نسبت کچھ مفید نہوگی اور یہ بھی نہوگا کسی کے حق مین مفید نہو
ورنہ پھر وہی بیہودہ کاری کا الزام لازم آئے گا بہرحال بندہ اطاعت خدا کے لیے پیدا ہوا ہے۔ اور اُس اطاعت
کا نفع اُسی کو ہے اسلیے اطاعت خود بندہ کے حق مین مطلب اصلی ہوگی علاوہ برین عقل ہر چیز کی حقیقت کے
پہچاننے کے لیے بنائی گئی ہے۔ اور قدرت بشری وغیرہ کو اسلیے بنایا ہے۔ کہ حسب ہدایت عقل کام کیا کرے
اور ظاہر ہے۔ کہ سب مین اول لائق شناخت و علم خداوند عالم ہے کیونکہ سب حقائق اُسی کے وجود سے
ایسی طرح تابان ہوتی ہین جیسے فرض کیجیے آفتاب سے دھوپ چنانچہ انشاءاللہ تعالےٰ واضح ہوا چاہتا ہے

اور ظاہر ہے۔ کہ دھوپ کی حقیقت اِس سے زیادہ اور کیا ہے۔ کہ وہ ایک پر تو آفتاب ہے۔ مگر چونکہ سب
لین اوّل اپنی ذات کا علم ہوتا ہے۔ اور اپنی حقیقت اُسکا ایک پر تو ٹھہرا تو بیشک اپنا پہچاننا اور علم اُسکے
پہچاننے اور اُسکے علم پر موقوف ہوگا مگر خدا کی معرفت مین کم سے کم یہ ضرور ہی ہوگا کہ اُسکو غنی اور بے پروا
اور اپنے آپ کو اُس کا محتاج سمجھے مگر یہ بات ہوگی تو بالضرور اُس کی اطاعت اور فرمانبرداری ایک طبعی بات بمقتضائے
مقتضائے دلی ہوگا اور سوا اُس کے جو کام ایسا ہو کہ خدا کی اطاعت اُس پر ایسی طرح موقوف ہو جیسے
روٹی کا پکنا مثلاً آگ لکڑی توے کونڈے وغیرہ پر تو وہ اطاعت ہی کے حساب مین شمار کیا جائیگا اور مثل
اشیاء مذکورہ جو کھانے کے حساب مین شمار کیجاتی ہین اُس کام کو اطاعت خدا کی حساب سے خارج نکر سکین گے
اور سوا اُس کے اور جو کام ہوگا وہ سب اُس کارخانہ سے علیحدہ سمجھا جائیگا اور اِس لیے بوجہ فوت مقصود
مذکور وہ کام آدمی کے حق مین از قسم کم نصیبی اور بدبختی شمار کیا جائے گا مگر اُس بدبختی کا سبب کبھی غلطی
ہوتی ہے۔ اور کبھی غلبہ خواہش تو میرے ذمہ بوجہ خیر خواہی جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ لازم ہے
کہ غلطی والون کو غلطی سے آگاہ کرون اور مغلوبان خواہش کو اپنا شریک مرض سمجھکر فضائل آخرت
سمجھاؤن اور اُن سے خود اُس ترغیب کا اُمیدوار ہون مگر چونکہ غلط کار لوگ بمنزلہ اُس مسافر کے
ہین جو شہر مطلب کی سڑک کو بوجہ غلطی چھوڑ کر کسی اور راہ کو ہو لے اور مغلوبان خواہش ایسے ہین جیسے
فرض کیجیے شہر مطلوب کی سڑک پر جاتے ہین پر باد مخالف قدم بدشواری اُٹھانے دیتی ہے۔ اس لیے
غلطی والون کے حال پر زیادہ افسوس چاہیے کیونکہ جیسے اُس مسافر کی کامیابی کی کوئی صورت نہین
جو سڑک شہر مطلوب کو چھوڑ کر کسی اور سڑک کو ہو لیا ہے۔ اگرچہ کیسا ہی تیز رفتار کیون نہو ویسے ہی اُن صاحبون
کی کامیابی کی کوئی صورت نہین جو بوجہ غلطی راہ مستقیم خدا کو چھوڑ کر کسی اور راہ ہو لیے ہین عابد زاہد
کیون نہون البتہ وہ لوگ جو اسی راہ کو جاتے ہین جو خدا تک جاتا ہے۔ پر ہوا و ہوس کے دھکے بدشواری
چلنے دیتے ہین وہ گو بدشواری پہنچین پر ایک نہ ایک روز گرتے پڑتے گرم سرد زمانہ چکھتے چکھاتے شہر
مطلوب یعنی جنت مین پہنچ رہین گے گو اثناء راہ مین نزع اور عذاب کی تکالیف گوناگون اُن کو بھگتنی
پڑین اور اُن کا ایسا حال ہو جیسا فرض کیجیے مسافر مثار الیہ باد مخالف کے جھوکون اور دھکون کے

باعث گر گر کر جو ٹھوکرین کھاتے اور سلامت نہ جاتے اس لیے بنظر خیرخواہی یہ گذارش ہے کہ سوائے دین محمدی
کوئی مذہب ایسا نہیں جس مین عقائد کی غلطیان باعث ترک رہگذار اصلی جس کو صراط مستقیم کہیے نہو
ہون تعصب مذہبی کو چھوڑ کر اگر اور صاحب غور فرمائین گے تو سب کے سب اسی دین کو اپنے مطلوب
اصلی کا راستہ سمجھین گے ہان جن کو فکر آخرت ہی نہو گا اور اُس جنت کی طلب آپ اُس کے دل مین نہو گی جو شہر
شہر مطلوب منزل مقصود ہر عام وخاص ہے۔ تو وہ صاحب بیشک بمقابلہ خیرخواہی لکھتو ہین اور اُلٹے در پے
تردید حق ہون گے اور خود اپنے ہاتھون اپنے پانون کاٹین گے خیر ہر چہ بادا باد عاقل کو اہل عقل سے
اُمید تسلیم حق ہی چاہیے اس لیے یہ گذارش ہے کہ اس دین کے اصول نہایت پاکیزہ ہین دو باتون پر اس
مذہب کی بنا ہے۔ ایک توحید جو خلاصہ لا الٰہ الا اللہ ہے۔ دوسرے رسالت جو خلاصہ محمد رسول اللہ ہے
سوا ان کے اور جو کچھ ہے انھین دو باتون کی تفریع و تمہید ہے اول رکن اول کی توضیح کرتا ہون بعد
ازان رکن ثانی کو بیان کرون گا اے حاضران جلسہ سنو اور غیر حاضرون کو سناؤ کہ ہمارا تمہارا وجود پائدار
نہین نہ ازل سے ہے نہ ابد تک رہتا ہے ایک زمانہ وہ تھا کہ ہم پردۂ عدم مین مستور تھے اور پھر اسی طرح ایک زمانہ
آنیوالا ہے جس مین ہمارا نام ونشان صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا یہ وجود ہستی زوال و انفصال آوازیلید کہہ رہا ہے
کہ ہمارا وجود ہمارا خانہ زاد نہین مستعار ہے۔ یعنی مثل نور زمین وگرمی آب ہے مثل نور آفتاب و حرارت آتش
نہین مگر جیسے زمین کا نور اور آب گرم کی گرمی آفتاب اور آگ کا فیض اور اُس کی عطا ہے۔ ایسے ہی ہمارا
وجود بھی کسی ایسے کا فیض وعطا ہوگا جس کا وجود خانہ زاد ہو مستعار نہو جیسے آفتاب اور آگ پر نور اور گرمی
کا قصہ ختم ہو جاتا ہے۔ یون نہین کہ سکتے کہ عالم اسباب مین آفتاب اور آگ سے اوپر کوئی اور ہے جس کے
فیض سے وہ منور اور یہ گرم ہے ایسے ہی ہمارا وجود جس کا فیض ہوگا اُس پر وجود کا قصہ ختم ہو جائے
گا یہ نہوگا کہ اُس کا وجود کسی اور کا فیض ہو ہم اُسی کو خدا اور اللہ اور مالک الملک کہتے ہین مگر جب اُس کا وجود اُسی کا ہے کسی
اور کا دیا ہوا نہین تو بیشک اُس کا وجود اُس کے ساتھ ایسی طرح لازم و ملازم رہے گا۔ جیسے آفتاب کے
ساتھ نور اور آگ کے ساتھ گرمی یہ نہین ہو سکتا کہ آگ ہو اور گرمی نہ ہو آفتاب ہو اور نور نہ ہو ایسے ہی یہ بھی
نہ ہوگا کہ خدا کی ذات ہو اور اُس کا وجود نہ ہو بلکہ یہ خیال ہی غلط ہوگا کہ خدا کی ذات ہو اور اُس کا وجود نہو اس لیے

خدا کی ذات کا ہونا بے وجود متصور نہیں ہوتا اس وجود اور موجودیت ہی کو تو خدا کہتے ہیں اور اس لیے اُس کی
ذات اور اُس کے وجود میں ایسی نسبت ہوگی جیسے دو میں مثلاً اس کی زوجیت یعنی جفت ہونے ہیں جیسے زوجیت
دو سے کسی حالت میں اور کسی وقت میں ذہن میں نہ خارج میں جدی نہیں ہوسکتی ایسے ہی خدا کی ہستی اُسکی
ذات سے جدی نہیں ہوسکتی کیونکہ جیسے عدد دو کی زوجیت ایسی نہیں جیسے اُس کی معدود کی یعنی اُس شئے
کی جس کو دو کہتے ہیں ایسے ہی خدا کی ہستی اور اُس کا وجود ایسا نہیں جیسے اُس کی مخلوقات کا وجود غرض معدود دو
کی زوجیت اور مخلوقات کا وجود دونوں کے دونوں مستعار اور قابل زوال ہیں پر عدد دو کی زوجیت
اور خدا کی ہستی اور اُس کا وجود اصلی دائم اور قائم ہے۔ ممکن نہیں جو اُس سے جدا ہو جائے رہا آفتاب
کا کسوف اور آگ کا بجھ جانا یا آفتاب کا اور آگ کا معدوم ہوسکنا ہمارے دعوے کی مخالف نہیں کیونکہ
سورج گہن میں تو سورج کا نور ایسی طرح اوٹ میں آجاتا ہے جیسے چراغ دیوار کی اوٹ میں سارا یا آدھا
یا تہائی آجائے الغرض اُس کا نور اُس سے زائل نہیں ہوتا چھپ جاتا ہے اور آگ چراغ کی بجھنے کے وقت
اُس کا نور اُس سے جدا نہیں ہوتا بلکہ آگ معدوم ہو جاتی ہے۔ اُس کی گرمی اور نور بھی اُسی کے ساتھ
عدم میں چلی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ جدائی اور بیوفائی نہیں بلکہ نہایت ہی درجہ کی معیت اور ساتھ ہے
ہاں اتنا فرق ہے کہ یہ معیت اور ہمراہی وجود میں متصور نہیں کیونکہ وجود کسی چیز کے ساتھ اُس عدم میں
نہیں جا سکتا یہ بات جبھی متصور ہے کہ وجود اُس سے الگ ہو جائے اسلیے وہ خداوند عالم بانیوجہ کہ اُسکا
وجود اصلی ہے قابل زوال نہیں اور سب کا وجود اُسکا فیض ہے۔ ازلی بھی ہوگا اور ابدی بھی ہوگا کبھی
وہ معدوم تھا اور نہ کبھی معدوم ہوگا اور اسی سبب سے یہ بھی ماننا ضرور ہوگا کہ وہ خدا اپنی ہستی میں
کسی کا محتاج نہیں اور سب اپنی ہستی میں اُس کے محتاج ہیں اسلیے اُسکا جلال ازلی اور ابدی ہے اور سوا
اُس کے سب کی عاجزی اور بیچارگی اصلی اور ذاتی اس تقریر سے تو فقط اتنی بات ثابت ہوئی کہ وجود
ہمارا خانہ زاد نہیں اُس خدا کا پرتوہ ہے۔ جو اپنے وجود میں مستغنی ہے پر اب اُس کی وحدانیت کی بات
بھی سننی چاہیئے دیکھیے جیسے متعدد روشندانوں کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں پر نور ایک ہی سا ہوتا ہے اور
پھر وہ شکلیں بذات خود باہم بھی متمیز ہوتی ہیں اور اُس نور سے بھی متمیز ہوتی ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس

وہ نور بھی بذات خود ہر شکل سے ممتاز و متمیز ہوتا ہے۔ دوسرے جس چیز کو دیکھیے اُس کی ایک جدی حقیقت
ہے۔ گو وجود ایک ہی سا ہے۔ اور پھر ہر حقیقت بذات خود دوسری حقیقت سے بھی متمیز اور وجود مشترک
سے بھی متمیز ہے۔ علی ہذا القیاس وجود بھی بذات خود ہر حقیقت سے ممتاز و متمیز ہے۔ اور اس لیے جیسے روشندان
کی دھوپ یون میں مدد و باتیں ہیں ایک نور اور ایک شکل پر خود نور میں دو چیزیں نہیں ایسے ہی مخلوقات
میں تو دو دو چیزیں ہیں ایک وجود اور ایک اُن کی حقیقت پر اُس وجود میں دو چیزیں نہ ہوں گی اور
اس لیے اُس موجود اصلی میں جسکی نسبت وجود مذکور فیض ہے۔ اگر دوئی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جیسے گرمی
گرم چیز اور غیر گرم چیز سے اور سردی سرد چیز اور غیر سرد چیز سے نہیں نکل سکتی اور اس لیے گرمی اور سردی
کی مخرج اصلی میں ایسی دوئی کی گنجایش نہیں جو مخالف وحدت گرمی و سردی ہو ایسے ہی وجود بھی
موجود اصلی اور غیر موجود اصلی سے نہیں نکل سکتا اور اسلئے اس کی مخرج یعنی اُسی موجود اصلی میں وجود
کی وحدت کے مخالف کوئی دوئی نہ ہوگی اور ظاہر ہے کہ وجود میں کسی قسم کی ترکیب نہیں کیونکہ جیسے
مرکب کا انتہا آخر کار ایسے اجزا پر ہو جاتا ہے جنمیں کچھ ترکیب نہ ہو ایسے ہی ہر چیز کا انتہا وجود پر ہے وجود
سے آگے اور کوئی چیز نہیں نکل سکتا اس تقریر سے تو موجود اصلی یعنی خدا کی ذات میں وحدت ثابت ہوئی جسکا
حاصل یہ نکلا کہ خدا کی ذات مین ترکیب نہیں اب اُس وحدانیت کی بات بھی سنیے جسکا ماحصل یہ ہوا کہ دوسرا
اُسکا ثانی بھی کوئی نہیں لے حاضران جلسہ یہ بات سب کو معلوم ہے۔ کہ ہمارے احاطہ وجود میں کسی دوسرے
کی گنجایش نہیں یعنی جتنی دور میں کو ہم آتے ہیں اُتنی دور میں اور کوئی نہیں سماتا جب ہمارا وجود ضعیف اپنے
احاطہ میں کسی کو آنے نہیں دیتا اُس موجود اصلی کا وجود قوی کیونکر اپنے احاطہ میں کسی دوسرے کو سمانے دیگا
اور ظاہر ہے کہ وجود کے احاطہ کی برابر نہ انسانیت کا احاطہ ہے نہ حیوانیت کا احاطہ ہے۔ نہ جسمیت کا
احاطہ ہے نہ جوہریت کا احاطہ ہے یہی وجہ ہے کہ سب کو موجود کہتے ہیں اور سب موجودات کو انسان
یا حیوان یا جسم یا جوہر نہیں کہہ سکتے اس سے صاف ظاہر ہے کہ احاطہ وجود سب احاطوں میں وسیع ہے
اور اُس سے اوپر کوئی احاطہ نہیں یعنی ایسا کوئی مفہوم نہیں کہ وہ وجود اور غیر وجود کو شامل ہو اسلیے یہ بات
ماننی لازم ہے کہ جیسے کشتی کے احاطہ میں کسی دوسری کشتی یا دوسری کشتی کی حرکت کی گنجایش نہیں ایسے ہی

موجود اصلی کے احاطہ مین جو بمقابلہ کشتی متحرک ہے اور فیض وجود عالمگیر کے احاطہ مین جو بمقابلہ حرکت کشتی ہے - جو کشتی نشینون کے حق مین اُسکا فیض ہے - کسی دوسرے موجود اصلی او فیض وجود کی گنجایش نہین ہوسکتی علاوہ برین اگر دو یا زیادہ موجود اصلی ہون گے تو پھر وہ دونون آپسمین متمیز بھی ضرور ہون گے یعنی اُن مین دوئی ہوگی لیکن باوجود اسکے وجود ایک ہی ہوگا کیونکہ دونون کو موجود کہنا خود اسبات پر شاہد ہے کہ وہ ایک چیز ہے جو دونون مین مشترک ہے اگر مشترک نہ ہوتی تو ایک لفظ ایک معنے کی رو سے دونون کے لئے بولنا صحیح نہ ہوتا اس صورت مین وہ چیزین جنکے سبب امتیاز باہمی ہے - وہ کچھ اور ہون گی اور یہ وجود کچھ اور شئے ہوگا - الغرض تعدد ہوگا تو سامان امتیاز بھی ضرور ہوگا مگر امتیاز بے اسکے متصور نہین کہ ماورا وجود مشترک دونون مین اور کچھ بھی ہو یہ بھی ممکن نہین کہ ایک مین فقط وجود ہو کیونکہ اول تو وجود صفت ہے اور صفت کا تحقق بے تحقق موصوف ممکن نہین دوسرے اس صورت مین ایک طرف اگر فقط وجود ہوگا تو دوسری طرف اسی کا فیض ہوگا اور وہی وحدت و وحدانیت ثابت ہو جائے گی ورنہ تعدد وجود لازم آئے گا جس کے بطلان پر اتنی ہی بات کافی ہے - کہ دونون جا ایک ہی معنے اور مضمون ہے - مگر اس صورت مین وہ دو چیزین علت وجود مشترک نہ ہون گی کیونکہ معلول پر توہ علت ہوتا ہے - اور ایک شئے واحد دو مختلف چیزون کا پرتوہ نہین ہوسکتی الغرض دونون چیزین باہم بھی ممتاز ہون گی اور وجود مشترک سے بھی ممتاز ہون گی اسلئے وجود اور شئے مین جسکی اِس وقت ایسی صورت ہو جائے گی جیسے زمین اور نور کی ہے - کوئی رابطہ ذاتی نہ ہوگا جو مانع انفصال ہو اسلئے ایک دوسرے سے جیسے متصل ہے ویسے ہی جدا بھی ہو سکے گا اور ظاہر ہے کہ اس صورت مین وہ موجودیت اصلیہ خاک مین ملجائے گی اور اُس سے اوپر اور کوئی موجود ماننا پڑے گا جس کا وجود اصلی ہوگا الغرض وجود ایک مضمون واحد ہے اُس کا مخرج بھی واحد ہی ہوگا پھر اُسکے احاطہ وجود مین تو اسلئے اُسکے ثانی کی گنجایش نہین کہ یہ بات تو ہمارے احاطہ وجود مین بھی ممکن نہین حالانکہ ہمارا وجود اُسکے وجود سے ایسی طرح ضعیف ہے جیسے دھوپ آفتاب کی اُس نور سے جو اُسکی ذات مین ہے - اور اُس سے باہر اسلئے کہ کسی دوسرے کا امکان نہین کیونکہ وجود کا احاطہ

سب چیزوں پر اسکا احاطہ ہے اس سے خارج اور کوئی احاطہ نہیں پھر دوسرا ہو تو کہاں ہو بلکہ بہم پانصاف
ہو تو یون معلوم ہوتا ہے کہ وجود ہر طرح سے غیر محدود اور غیر متناہی ہے کیونکہ محدود اور متناہی ہونے کے
تو یہی معنے ہین کہ یہان تک منتہا ہے اور اس سے آگے نہین اور یہ بات بجز اسکے متصور نہین کہ خدا کے
آگے کوئی شے مانع ہو جائے کہ اُس مین یہ حادث ہوا اور اُسکے اوپر کوئی مطلق مانا جائے کہ اُس مین یہ قید نہ ہو
مگر جس صورت مین وجود سے اوپر کوئی مطلق اور غیر محدود نہین تو پھر وجود ہی کو ایسا مطلق اور غیر
محدود کہنا پڑے گا جسکے اوپر کوئی مطلق اور غیر محدود نہین جس سے یہ بات خواہ نخواہ لازم آجاتی ہے کہ
وجود ہر طرح سے غیر متناہی اور غیر محدود اور تمیع الوجوہ مطلق ہے۔ اس صورت مین کسی دوسرے کی
اُسکے آگے گنجایش ہی نہین کیونکہ غیر متناہی کے آگے کوئی ٹھکانا ہی نہین ہوتا اسلئے فیاض وجود ایک
وحدہ لاشریک لہ ہو گا اور سوا اُسکے اور سب کا وجود اُسکی عطا اور فیض ہو گا مگر جب یہ بات مسلم ہو گئی
کہ وہ وحدہ لاشریک لہ ہے۔ تو پھر نہ کوئی اُسکا ماں باپ ہو گا نہ کوئی اُسکی اولاد نہ کوئی اُسکا بھائی برادر
کیونکہ یہ باتین جبھی متصور ہون کہ باوجود اتحاد نوعی تعدد متصور ہو اور ظاہر ہے۔ کہ خدا کا باپ اور خدا
کا بیٹا اور خدا کا بھائی باوجود تعدد خدائی مین ایسی طرح شریک ہونگے جیسے انسان کا باپ اور انسان
کا بیٹا اور انسان کا بھائی باوجود تعدد انسانیت مین شریک ہین لیکن ابھی اس بات سے فراغت ہو گئی
ہے۔ کہ خدا کا تعدد محال ہے۔ اسلئے خدا کے لئے بیٹے کا ہونا یا ماں باپ کا ہونا یا بھائی کا ہونا بھی بیشک
محال ہو گا البتہ یہ ہو سکتا ہے۔ کہ جیسے رعیت کے لوگ اپنے حاکمون اور بادشا ہون کو بوجہ
مزید التفات ماں باپ کہہ دیا کرتے ہین اور بادشاہ اور حاکم اُن کو فرزندی کا خطاب دیدیا کرتے ہین
ایسے ہی اگر کسی بزرگ نبی و ولی نے خدا تعالےٰ کو باپ کہدیا ہو یا خداوند تعالےٰ نے کسی اپنے اچھے
بندے کو جیسے انبیاء یا اولیاء فرزند کہدیا تو اُسکے بھی یہی معنی ہونگے کہ خدا تعالےٰ ان بزرگون پر مہربان
ہے۔ حقیقی ابوت یا بنوت ایسی جا پر سمجھ لینا اور خدا تعالےٰ کو حقیقی باپ اور اُن کو حقیقی بیٹا سمجھنا سخت
نادانی ہو گا نہین خیال کرو کہ اگر کوئی شخص کسی حاکم سے اُسکی رعیت کی نسبت لفظ فرزند سنکر یا رعیت
سے بہ نسبت حاکم لفظ باپ سنکر باوجود اُن قرائن کے جو حقیقی معنون کی نفی کرتے ہین حقیقی معنی سمجھ جائے

اور اس وجہ سے رعیت کے آدمیون کو وارث تاج و تخت اعتقاد کرکے اُسکی تعظیم و توقیر نامناسب
کرنے لگے تو یون کہو کہ اُس نے غلامون کو میان کے برابر کر دیا اور اس وجہ سے بیشک مورد عتاب
بادشاہی ہو جاتے گا ادھر اس طوفان بے تمیزی کا انجام یہ ہوگا کہ یہ شخص تو اپنی سزا کو پہنچے اور رعیت کا
یہ خطاب بدلا جاتے تاکہ پھر کوئی ایسی حرکت نہ کرے مگر حاکم اور رعیت مین تو بڑا فرق بھی ہوتا ہے کہ حاکم لباس معزز
پہنے ہوئے تاج مرصع سر پر رکھے ہوئے ہو امراء وزراء اپنے اپنے قرینون سے دست بستہ مؤدب کھڑے ہوتے
تخت زیر قدم ملک زیر قلم اور بیچاری رعیت والے ذلیل و خوار نہ لباس درست نہ صورت معقول ہزار
خواری و زاری جو تیون مین استادہ اس قسم کے تفاوت خارجی ظاہر بینون کے حق مین تفاوت مراتب
سمجھنے کو کافی ہوتی ہین حالانکہ تمام اوصاف اصلی یعنی مقتضیات نوعی اور امکانی مین اشتراک موجود ہے
جس سے ایک بار وہم قرابت نسبی ہو جاتے تو کچھ دور نہین اور خدا مین اور بندہ مین خدائی تو درکنار کسی
بات مین بھی اشتراک نہین ؎ چہ نسبت خاک را با عالم پاک ۔ اسپر بھی کسی بندہ کو بوجہ الفاظ مذکورہ خدا یا
خدا کا بیٹا سمجھ لینا بڑی ہی فاش غلطی ہے ۔ اور بیشک یہ اعتقاد غلط اسکے حق مین باعث عذاب اور
اُن بزرگون کے حق مین موجب سلب خطاب ہوگا علاوہ برین خدائی اور حاجتمندی مین منافات
ہے ۔ خدا وہ ہے جسکا وجود خانہ زاد ہو اور ظاہر ہے ۔ کہ وجود خانہ زاد ہوا تو پھر ساری خوبیان موجود
ہون گی کیونکہ جس خوبی کو دیکھئے علم ہو یا قدرت جلال ہو یا جمال ہو اصل مین یہ سب باتین وجود
ہی کے تابع ہین اگر کوئی شے موجود نہ ہو تو پھر اُس مین علم و قدرت وغیرہ اوصاف ہی نہین آسکتے
یہ کب ممکن ہے ۔ کہ زید مثلاً موجود نہ ہو اور عالم ہو جائے اس سے صاف ظاہر ہے ۔ کہ یہ اوصاف حقیقت
مین وجود کے اوصاف ہین اگر اُسکے اوصاف نہین تو بیشک ان اوصاف کا اپنے موصوف مین قبل وجود
موصوف ہونا ممکن ہوتا اسلئے یہ بات واجب التسلیم ہے ۔ کہ خدا مین سب خوبیان پوری پوری ہین اور کسی
قسم کی حاجت نہین کیونکہ حاجت اُسی کو کہتے ہین کہ کوئی بھی چاہتی چیز نہ ہو مگر سوائے خوبی اور کیا چیز ہے
جس کو جی چاہے ۔ اس تقریر سے جیسا یہ معلوم ہوا کہ خداوند عالم کسی بات مین کسی کا محتاج نہین ایسا
ہی یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اُس مین کوئی عیب نہین کیونکہ عیب سوا اس کے اور کیا ہے کہ اُس مین کوئی خوبی

نہ ہو اور نیز اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ سوئے خدا تمام موجودات ہر بات مین خدا کے محتاج ہین کیونکہ
جب وجود مین خدا کے محتاج ہوئے تو اور خوبیون مین بدرجۂ اولی محتاج ہون گے اسلئے سوائے وجود کیھی
خوبی کی بات ہے۔ وہ اصل مین وجود ہی کی صفت ہے اور اسلئے اسبات کا بھی اقرار کرنا ضرور ہوگا کہ ہر
چیز مین کچھ نہ کچھ علم و فہم حس و حرکت کی قوت ہے۔ کیونکہ جب علم وغیرہ اوصاف اصل مین وجود کے اوصاف
ٹھیرے تو پھر جہاں جہاں وجود ہوگا وہاں یہ اوصاف بھی ضرور ہون گے اسلئے کہ اوصاف اصلیہ جدا
نہین ہو سکتے چنانچہ ظاہر ہے۔ البتہ یہ بات مسلم کہ جیسے آئینہ اور پتھر بوجہ تفاوت قابلیت آفتاب سے
برابر فیض نہین لے سکتے گو اسکی طرف سے برابر فیض نور روان ہو ایسے ہی بوجہ تفاوت قابلیت انسان
کے برابر کوئی چیز قابل العلم نہین ہو سکتی مگر جیسے قابلیت کمال اس مین سب سے زیادہ ہے ایسے ہی احتیاج بھی
اس مین سب سے زیادہ دیکھ لیجئے زمین کو بظاہر سوائے خدا اور کسی کی حاجت ہی نہین پر نباتات کو
زمین پانی ہوا دھوپ سب کی ضرورت اور پھر حیوانات کو علاوہ حاجت مشار الیہ کھانے پینے اور سانس
لینے کی بھی ضرورت ہے۔ اور انسان مین سوا حاجات مذکورہ لباس گھوڑا ٹٹو مکان عزت آبرو وغیرہ
کی بھی ضرورت کھیتی باڑی گائے بھینس اونٹ سونا چاندی تانبا روپیہ وغیرہ اسقدر اشیاء کی حاجت
ہے جس سے اسکا سراپا حاجت ہونا نمایان ہے اسلئے یہ کسقدر سخت گمراہی اور غلطی ہے کہ کسی
آدمی کو خدا سمجھ لیجئے اور ان حاجات کو بھی جانے دیجئے بول و براز تھوک سینک میل کچیل وغیرہ الا انشونا
کو دیکھئے تو پھر خدائی کی تجویز انھین کا کام ہے جنکو خدا سے کچھ مطلب نہین افسوس صد افسوس
اپنے گھر اگر بندر سور کی شکل کا لڑکا پیدا ہو جائے تو کسقدر رنجیدہ ہون کہ الٰہی پناہ حالانکہ بندر اور
سور اور آدمی اور بھی کچھ نہین تو مخلوق ہونے اور کھانے پینے اور بول و براز مین تو شریک ہین اور خدا
کے لئے ایسی اولاد تجویز کرین جسکو کچھ مناسبت ہی نہ ہو تمہین فرماؤ جو شخص کھانے پینے کا محتاج
ہو بول و براز سے مجبور ہو اس مین اور خدا مین کونسی بات کا اشتراک ہے جو خدا کا بیٹا یا خدا کہتے ہو توبہ کرو
اور خدا کے غضب سے ڈرو ایسے محتاج ہو کر ایسے غنی مستغنی کی اتنی بڑی گستاخی جنکو تم خدا یا خدا کا بیٹا
سمجھتے ہو ان مین آثار عبودیت ہمسے بھی زیادہ تھے علاوہ ان عیوب کے جنکو عرض کر چکا ہون انکا

زہد وتقوے اور خوف و خشیت اور طاعت و عبادت میں شب و روز وہ لوگ غلطان پیچان رہتے تھے خود اس بات پر شاہد ہے کہ ان میں خدائی کی بو بھی نہ تھی فرعون نے خدائی کا بہروپ اور سانگ تو بنا رکھا تھا وہاں تو یہ بھی نہ تھا جس وقت فرعون کے خدا کہنے والے مستوجب عذاب ہوئے تو حضرت عیسیٰ کے خدا کہنے والے کیونکر مستحق عذاب نہ ہونگے یہاں تو ہر پہلو سے بندگی ہی ٹپکتی تھی اقرار تھا تو بندگی کا تھا اور کار تھا تو بندگی کا تھا اگر وہ اپنے بندہ ہونے کو چھپاتے اور دعوے خدائی کرتے عبادت زہد وتقوی سے کچھ مطلب نہ رکھتے تو خیر کسی عاقل یا جاہل کو اگرچہ معجزات اُن کی طرف گمان خدائی ہو جاتا تو ہو جاتا افسوس تو یہ ہے۔ کہ عقل و دانش سب موجود وہاں بجز آثار بندگی اور کوئی چیز نہیں تسپر اُن کو خدا کہے جاتے ہیں اور باز نہیں آتے یہ کس شراب کا نشہ ہے جسنے عقل و دانش سب کو بیکار کر دیا کیا عقل و دانش فقط اس متاع قلیل دنیا ہی کے لئے خدا نے عطا فرمائی تھی ہرگز نہیں یہ چراغ بے دود راہ دین کی نشیب و فراز کے دریافت کرنے کے لئے تھا اب بھی کچھ نہیں گیا باز آؤ توبہ کرو اور ایسی گستاخیاں کرکے اپنی عاقبت خراب نہ کرو تسپر یہ کیا ستم ہے۔ کہ اُس ایک خدا کو ایک بھی حقیقت کی رو سے کہتے ہو اور تین بھی حقیقت ہی کی رو سے کہتے ہو اور باز نہیں آتے آگے حضرت عیسائی درد مندی نوعی کے باعث یہ کہتے ہیں خستہ حال سمع خراش ہے۔ کہ اصول دین میں ایسی محال باتوں کا ہونا بیشک اہل عقل کے نزدیک بطلان مذہب کے لئے کافی ہے صاحبو عقیدہ ایک قسم کی خبر ہوتی ہے۔ جسکے صحیح و صادق ہونے پر مذہب کا صحیح و صادق ہونا اور اُس کے غلط اور جھوٹ ہونے پر مذہب کا غلط اور جھوٹ ہونا موقوف ہوتا ہے۔ کیونکہ اور باقی کارخانہ یعنی بندگی و عبادت اسی خبر اور اعتقاد کی باعث ہوتا ہے۔ مگر تمہیں کہو ایک شئے کی حقیقت میں ایک ہونا اور پھر حقیقت میں تین ہونے کو کس کی عقل صحیح و صادق کہدے گی یہ ایسی غلطی عظیم الشان ہے۔ جس کو لڑکوں سے لیکر بوڑھوں تک بے بتلائے سمجھ جاتے ہیں تثلیث اور توحید کے اجتماع کے محال ہونے پر عقل ایسی طرح شاہد ہے۔ جیسے آنکھ آفتاب کے نورانی ہونے پر یعنی جیسے بے واسطہ غیر ہر کسی کو اپنی آنکھ سے آفتاب کا نورانی ہونا معلوم ہو جاتا ہے ایسے ہی اجتماع مذکور کا محال ہونا بے واسطہ دلیل عقل کے نزدیک

واضح اور روشن ہے۔ اور ادھر اجتماع مذکور کے ثبوت پر نہ عقل بے واسطہ شاہد ہے نہ بواسطہ کوئی قوی دلیل عقلی ہے۔ نہ ضعیف جس سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ تثلیث اور توحید دونون صحیح ہین اس صورت مین اگر کوئی انجیل کا فقرہ اس مضمون پر دلالت بھی کرے تو اُس فقرہ ہی کو غلط کہین گے اور شہادت عقل کو غلط نہ کہین گے القصہ دلیل نقلی ہو یا عقلی اُس سے جو مطلب ثابت ہو گا وہ بمنزلہ شنیدہ ہو گا اور جو بات بے واسطہ دلیل خود معلوم ہو گی وہ بمنزلہ دیدہ ہو گی اور ظاہر ہے کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ؟ اگر کوئی شخص فرض کرو کہین اونچے پر کھڑا ہوا آفتاب کو بچشم خود دیکھے کہ کسی قدر افق سے اونچا ہے اور ایک شخص کسی دیوار کے نیچے بیٹھا ہوا بوسیلہ گھڑی یہ کہے کہ آفتاب غروب ہو چکا تو وہ شخص جو اپنی آنکھ سے آفتاب کو دیکھ رہا ہے۔ بالیقین یہی سمجھے گا کہ یہ گھڑی غلط ہے۔ القصہ جیسے گھڑی اوقات شناسی کے لئے بنائی گئی ہے۔ مگر بمقابلہ چشم بینا اُس کا اعتبار نہین اور وجہ اسکی یہ ہے۔ کہ گھڑی مین غلطی ممکن ہے ایسی ہی انجیل بھی ہدایت کے لئے اُتاری گئی ہے۔ مگر بمقابلہ عقل مصفا اُسکا اعتبار نہین اور وجہ اسکی یہ ہے۔ کہ نقل کتاب مین غلطی ممکن ہے البتہ جیسے آنکھ بشرطیکہ صاف ہو اپنے ادراک مین غلطی نہین کرتی اور اُسکا ادراک یہی ہے۔ کہ مبصرات کو بے واسطہ غیر دریافت کرے نوبت سماعت کی نہ آئے ایسے ہی عقل مصفا بھی اپنے ادراک مین غلطی نہین کرتی مگر اُسکا ادراک یہی ہے کہ معقولات کو بے واسطہ دلائل سمجھے نوبت استدلال نہ آئے پھر طرفہ یہ ہے کہ وہ فقرہ جو اِس قسم کے مضامین پر دلالت کرتا ہے خود مسیحیون کے نزدیک اُن کے علماء کے اقرار کے موافق منجملہ لحقات ہے چنانچہ نسخہ بیبل مطبوعہ مرزا پور سنہ ۱۸۷۰ء مین اس فقرہ کے حاشیہ پر مہتممان طبع نے جو بڑے بڑے پادری تھے چھاپ بھی دیا ہے کہ یہ فقرہ کسی قدیم نسخہ مین نہین پایا جاتا مگر تسپر بھی وہی تعصب اور وہی عقیدہ ہے۔ اے حضرات مسیحی ہمارا کام فقط عرض معروض ہے سمجھانے کی بات سمجھ لینا تمہارا کام ہے خدا سے التجا کرو کہ حق کو حق کر دکھلائے اور باطل کو باطل کر دکھلائے برا نمانو تو سچ یہ ہے کہ سچے عیسائی ہم ہین۔ کہ حضرت عیسی علیہ السلام کے اقوال و افعال کے موافق اُن کو بندہ سمجھتے ہین خدا اور خدا کا بیٹا نہین سمجھتے خدا کو ایک کہتے ہین تین نہین کہتے اسکے بعد یہ گزارش ہے کہ وہ خداوند عالم جسکا جلال ازلی اور ابدی

تمام عالم کا بنانے والا اور سب کا مارنے جلانے والا ہے مگر اُسکے افعال اختیاری ہین ایسے نہیں
جیسے ڈھیلے پتھر کو کہین پھینک دیجئے تو چلا جائے نہیں تو نہیں اگر بالفرض ایسا ہو تو یون کہو وہ
اپنی حرکت و سکون مین اورون کا محتاج ہو جائے اور وہ اُسکے محتاج نرہین مگر ہر کوئی جانتا ہے
کہ بعد تسلیم اس بات کے کہ جو کچھ مخلوقات مین علم و قدرت ہے۔ وہ سب خدا کے فیض سے ہے خدائے
تعالےٰ کا اورون کی نسبت مجبور کرنا ایسا ہو گا جیسا یون کہیے اصل مین کشتی مین بیٹھنے والے متحرک
ہین اور کشتی کی حرکت اُن کا فیض ہے۔ یا آب گرم آگ سے گرم ہے پر گرمی آتش آب کا فیض ہے
الغرض یہ نہیں ہو سکتا کہ خداوند عالم باجود یکتائی و خالقیت زور و قدرت مین اور کسی کے سامنے
مجبور ہو سوائے اُسکے اگر ہے تو یہی خلق عالم ہے پھر انھین سے خالق مجبور ہونے لگے تو الٹے بانس
پہاڑ کو جانے لگین اسلئے یہ بات بالضرور جاننی لازم ہے کہ اُس نے اپنے ارادہ سے سب کچھ کیا ہے
اور اپنے ارادہ سے سب کچھ کرتا ہے۔ کیونکہ افعال کی یہی دو قسمین ہین ایک اختیاری اور ایک اضطراری
جو کسی اور کے جبر کے باعث سرزد ہون مثل صفات ضرورت اور وجوب کا احتمال ہی
نہیں ورنہ حاصل افعال قدیم ہو جائے اور سب جانتے ہین کہ حاصل افعال خداوندی یہی
مخلوقات ہین یا واقعات جو ایک دوسرے کے بعد ہوتے رہتے ہین سو اگر افعال قدیم ہون تو یہ مفعولات
بھی قدیم ہو جائین علاوہ برین افعال ایک قسم کی حرکت ہوتی ہے۔ اور حرکت مین ہر دم تجدد اور حدوث
رہتا ہے۔ اس مین قدم کا احتمال ہی نہیں جو واجب ہونے کا وہم آتے اور جب واجب نہیں تو پھر یہی
دو صورتین ہین یا اختیاری ہون گے مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ ارادہ کے کامون مین ارادہ سے پہلے اس کام
کو سمجھ لیتے ہین مکان اگر بناتے ہین تو اُس کا نقشہ بنا لیتے ہین کھانا پکاتے ہین تو اُس کا تخمینہ کر لیتے ہین
کپڑا سیتے ہین تو قطع کر لیتے ہین اسلئے یہ ضرور ہے۔ کہ خداوند عالم نے جو کچھ بنایا یا بنائے گا کہ اُس کا
نقشہ اور اُس کا تخمینہ اور اُس کا کینڈا بالضرور اُس کے پاس ہو گا ورنہ لازم آئے گا کہ اُس کے کاروبار
مثل حرکات و سکنات حجر و شجر ہون نعوذ باللہ اس صورت مین بعض اسباب کا بعض کامون
مین دخیل ہونا ایسا ہو گا جیسا باوجود تیاری نقشہ مکان معمار اور مزدور وغیرہ کا اس مکان کی تیاری

ہین ذخیل ہونا یا جیسے کھانے پکانے مین باوجود ثمین مقدار و کیفیت لذات آگ وغیرہ اشیاء کا دخیل ہونا بلکہ غور کیجیے تو جو جو اشیاء کسی کام مین دخیل معلوم ہوتی ہین سارے عالم کی نسبت وہ بھی ہمہ اجزاء نقشہ عالم ہون گی اگرچہ بہ نسبت نقشہ قدر مقصود خارج ہو اُسی کو اہل اسلام تقدیر کہتے ہین لغت عرب مین تقدیر بمعنی اندازہ ہے اور اس وقت وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔ اس صورت مین بھلائی برائی جنت و دوزخ اگر ہون اور پھر جنت مین بھلون کا جانا اور دوزخ مین بُرون کا ہنا ایسا ہوگا جیسا مکان کا دالان اور پاخانہ اور راحت وآرام کے لئے یہان آنا اور پاخانہ پیشاب کے لئے وہان جانا جیسے یہان اگر پاخانہ کی زبان ہو اور وہ شکایت کرے کہ میرا کیا قصور جو ہر روز مجھ مین پاخانہ ڈالا جاتا ہے اور دالان نے کیا انعام کا کام کیا ہے۔ جو اُس مین یہ فرش و فروش و شیشہ آلات و جھاڑ فانوس و عطر و خوشبو ہے۔ تو اُس کا یہی جواب ہوگا کہ تو اسی لائق ہے اور تجھکو اسی کے لیے بنایا ہے اور وہ اُسی کے قابل ہے اور اُس کو اُسی لئے بنایا ہے علیٰ ہذا القیاس ناپاکی مثل پاخانہ و پیشاب اگر یہ شکایت کرین کہ ہمنے کیا قصور کیا کہ جو پاخانہ ہی مین ڈالے جاتے ہین کبھی دالان نصیب نہین ہوتا اور عطر و خوشبو وغیرہ نے کیا انعام کا کام کیا ہے۔ جو ہمیشہ دالان ہی مین رہتے ہین اور کبھی پاخانہ مین اُن کو نہین بھیجا جاتا تو اُس کا جواب بھی یہی ہوگا ایسے ہی اگر دوزخ اس کی شکایت کرے کہ مین نے کیا قصور کیا ہے اور جنت نے کیا انعام کا کام کیا یا بُرائی یہ شکایت کرے کہ مین نے کیا قصور کیا جو میرے لئے سوائے دوزخ اور بُرے لوگون کے اور کچھ نہین اور بھلائی نے کیا انعام کا کام کیا جو ہمیشہ اچھے آدمی اور جنت ہی اُس کے لئے ہے یا بُرے آدمی یہ شکایت کرین کہ ہم اگر بُرے ہین تو تقدیر کی برائی ہے ہمارا کیا قصور اور اچھے آدمی اگر اچھے ہین تو تقدیر کی بھلائی ہے۔ اُن کا کیا زور تو یہان بھی یہی جواب ہوگا کہ تم اسی لائق ہو اور تمھین اسی لئے بنایا ہے۔ اور وہ اسی قابل ہین اور اُن کو اُسی لئے بنایا ہے القصہ اگر بنی آدم اپنے وجود اور کمالات وجود کو مثل علم ارادہ قدرت وغیرہ خدا کی طرف سے مستعار سمجھتا ہے جیسا ہمنے بوجہ اتم سمجھا دیا ہے۔ تب تو یہ جواب ہے کہ ادھر ہم مالک اور ہمکو اختیار ادھر تمکو اس لئے بنایا اور تم اسی قابل ہو جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بندہ سر رضا و تسلیم خم کرے اور چون وچرا کچھ نہ کرے

یا اضطراری مگر اضطراری ہونے کا بطلان تو بانیوجہ ظاہر ہو گیا کہ اضطرار اسی مجبوری کو کہتے ہیں سو خدا تعالیٰ اگر مجبور ہو گا تو سوائے عالم اور کون ہے اگر ہو گا تو عالم ہی میں کسی کا مجبور ہو گا اور ظاہر ہے کہ یہ بات ظاہر البطلان ہے۔ کہ اختیار وقدرت مخلوقات ہو تو خدا کا دیا ہوا اور پھر خدا ہی اُن کے سامنے مجبور ہو جائے اس لیے کہ اس صورت میں اور الٹا خدا تعالیٰ کو مخلوقات سے مستفید کہنا پڑے گا کیونکہ جب خدا تعالیٰ مخلوقات کے سامنے مجبور ہو گا تو یہ معنی ہوں گے کہ اُس کے افعال مخلوقات کی قدرت سے اس طرح صادر ہوتے ہیں جیسے کشتی میں بیٹھنے والوں کا پار ہو جانا کشتی کے پار ہو جانے کی بدولت ہوتا ہے مگر ظاہر ہے۔ کہ اس صورت میں جیسے کشتی نشین حرکت میں خود کشتی سے مستفید ہوتے ہیں ایسے ہی خدا تعالیٰ بندوں سے مستفید ہو گا حالانکہ خوب طرح یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اختیار وقدرت وغیرہ صفات کمال میں بندہ خدا تعالیٰ سے مستفید ہے۔ اس تقریر سے یہ بات بھی اہل عقل کو معلوم ہو گئی ہو گی کہ عالم سارا کا سارا حادث ہے۔ اس میں ایک چیز بھی قدیم نہیں اگر ایک چیز بھی قدیم ہو گی تو اسی چیز کی نسبت یہ کہنا پڑے گا کہ یہ چیز مخلوق نہیں اور جب مخلوق نہ ہو گی تو دوسرا خدا اور نکلے گا جس کے ابطال کے لیے بعد ملاحظہ تقریرات گذشتہ اور کسی دلیل کی ضرورت نہیں وجہ اس بات کی کہ کوئی چیز قدیم ہو گی تو پھر مخلوق نہ ہو گی یہ ہے کہ خلق یعنے پیدا کرنا ایک فعل ہے بلکہ سب میں پہلا فعل ہے۔ اور خدا کے افعال سب اختیاری ہیں اور اگر خدانخواستہ اختیاری نہ ہوں اضطراری ہوں تب بھی ایک اختیار ماننا پڑے گا کیونکہ اضطرار کے تو معنی یہی ہیں کہ کسی صاحب اختیار کے سامنے مجبور ہو جائے غرض ہر فعل میں اپنا یا کسی بیگانہ کا اختیار ماننا پڑے گا اور ظاہر ہے۔ کہ ایجاد کا اختیار انہیں چیزوں میں متصور ہے۔ جو اپنے وجود سے پہلے معدوم ہوں کیونکہ اختیار ایجاد اس کا نام ہے۔ کہ معدومات کو چاہے معدوم رکھے چاہے موجود کر دے جیسا اختیار اِنہا اِس کا نام ہے۔ کہ چاہے موجود رکھے چاہے معدوم کر دے سو اگر موجودات عالم کو خدا تعالیٰ کا مخلوق کہیں گے اور خدا تعالیٰ کو اُن کے پیدا کرنے میں صاحب اختیار سمجھیں گے تو بالضرور ہر شے کے وجود سے پہلے اُس کو معدوم کہنا پڑے گا لیکن جب یہ بات مسلم ہو چکی تو اب اور سینئے کہ جب

وجود وکمالات وجود عالم سب خداوند عالم کی طرف سے مستعار ہوئے تو دو باتیں واجب التسلیم ہوئیں
اوّل تو یہ کہ مخلوقات کے افعال اختیاری خداوند عالم کے اختیار سے ہوتے ہیں کیونکہ جیسے
آئینہ کے نور سے درصورتیکہ عکس آفتاب و ماہتاب و نور آفتاب و ماہتاب اُس میں آیا ہوا ہو اگر
در و دیوار منور ہوتے ہیں تو وہ آفتاب و ماہتاب ہی سے منور ہوتے ہیں ایسے ہی درصورتیکہ
نور و قدرت مخلوقات خدا کی زور و قدرت سے مستعار ہوئی تو جو کام اُن کے اختیار و قدرت سے
ہوگا وہ خدا ہی کے اختیار و قدرت سے ہوگا کیونکہ اُن کا اختیار و قدرت خدا ہی کے اختیار اور
قدرت سے مستعار ہے دوسرے یہ بات بھی ماننی لازم ہوگی کہ عالم کا نفع وضرر سب خداوند عالم
کے ہاتھ ہے وجہ اس کی مطلوب ہے تو سُنیئے دھوپ جسقدر آفتاب کے قبضہ و قدرت میں ہے
اُسقدر زمین کے قبضہ و قدرت میں نہیں اگرچہ زمین سے متصل اور آفتاب سے منفصل ہے
زمین اسقدر نزدیک کہ اس سے زیادہ اور کیا ہوگا اور آفتاب سے اسقدر دور کہ لاکھوں کوس
کہیئے تو بجا ہے۔ مگر نسپر آفتاب آتا ہے۔ تو دھوپ آتی ہے اور جاتا ہے تو ساتھ جاتی ہے پر زمین
سے یہ نہیں ہو سکتا کہ دھوپ کو چھین کر رکھ لے آفتاب کو اکیلا جانے دے وجہ اس کی بجز اس کے
اور کیا ہے۔ کہ نور زمین نور آفتاب سے مستعار ہے۔ مگر یہ ہے۔ تو وجود مخلوقات اور کمالات مخلوقات
بھی خدا کے وجود اور کمالات سے مستعار ہیں اسلیے ایسے ہی خداوند عالم اور وجود مخلوقات کو بھی سمجھئے
مخلوقات کو مخلوقات سے متصل اور خدا کو اُس سے وراء الوراء مگر پھر بھی جسقدر اختیار اور
قبضہ خدا کا اس وجود پر ہے۔ اُسقدر مخلوقات کا قبضہ اُس پر نہیں ان آثار سے ظاہر ہے۔ کہ وجود
مخلوقات ملک مخلوقات نہیں ملک خالق کائنات ہے کیونکہ جیسے لباس مستعار مستعیر کے بدن سے
متصل ہوتا ہے پر بوجہ اختیار داد و ستد معیر کی ملک سمجھا جاتا ہے گو اُس کے بدن سے متصل نہیں
ایسے ہی بوجہ اختیار داد و ستد وجود کائنات کو ملک خدا سمجھئے اُس کا دینا لینا جس کو عطا و سلب
اور نفع وضرر بھی کہتے ہیں دو تو اسی کے ہاتھ میں ہیں اور علاوہ نفع وضرر بایں وجہ کہ ساری خوبیاں
اس کے لیے مسلم ہو چکیں اور سوا اُس کے جس کسی میں کوئی بھلائی ہے تو اُسی کا پرتوہ ہے یہ بھی تسلیم

کرنا ضرور ہوگا کہ محبوبیت اصل مین اُسی کے لیے ہے سوا اُس کے جو کوئی محبوب ہے اس مین اُسی کا پرتوہ ہے۔ یہ بات جب ذہن نشین ہو چکی تو اور سنیے کہ مدار کار اطاعت فقط انھین تین باتون پر ہے۔ یا اُمید نفع و راحت پر یا اندیشہ نقصان و تکلیف پر یا محبوبیت پر نوکر اپنے آقا کی اطاعت نوکری کی اُمید پر کرتا ہے اور رعیت اپنے حاکم کی اطاعت اندیشہ اور خوف تکالیف سے کرتی ہے اور عاشق اپنے محبوب کی اطاعت بتقاضائے محبت اُس کی محبوبیت کے باعث کرتا ہے جب یہ تینون باتین اصل میں خدا ہی کے لیے ہوئین تو ہر قسم کی اطاعت بھی اُسی کے لیے ہونی چاہیئے اور کسی کو اُس کا شریک کیجیے تو پھر ایسا قصہ ہے کہ نوکر تو کسی کا ہو اور خدمت کسی کی کرے رعیت کسی کی ہو اور حاکم کسی کو سمجھے معشوق کوئی ہو اور دنیا کسی کو کرے اور ظاہر ہے۔ کہ ایسے نوکر لائق ضبط تنخواہ اور ایسی رعیت قابل سزائے بغاوت اور ایسے عاشق دھکے دینے کے لائق ہوتے ہیں انعام و اکرام تو درکنار پھر اُس پر اگر وہ غیر جس کی اطاعت مین نوکر سرگرم ہو اور اس وجہ سے آقا کی خدمت چھوڑ بیٹھے خود اُس کے آقا ہی کا غلام ہو اور وہ شخص جس کو رعیت کا آدمی اپنا حاکم سمجھتا ہے خود اُس کی بادشاہی کا ماتحت ہو اور وہ شخص جو معشوق کو چھوڑ کر جسکو یاد کرتا ہے۔ وہ خود اُس معشوق سے ایسی نسبت رکھتا ہو جیسے آفتاب سے اُسکا وہ عکس جو کسی خراب سے آئینہ میں ہوتا ہے۔ تو ایسی صورت مین وہ عتاب اول اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ اس صورت مین احتمال ہمسری و زیادتی غیر ہو ہی نہین سکتا جو اِس دغا کے لیے کوئی بہانا ہو بالجملہ اطاعت بجز خداوند عالم اور کسی کی جائز نہیں ہاں جیسے حکام ماتحت کی اطاعت بشرطیکہ وہ اپنے بادشاہ کے ماتحت ہو کر حکمرانی کریں آثار بغاوت نمایاں نہوں عین بادشاہ ہی کی اطاعت ہے۔ اسلیے کہ احکام بادشاہی کے احکام ہوتے ہین ایسے ہی انبیا اور علماء کی اطاعت بشرطیکہ علماء بمقتضائے منصب نیابت حکمرانی کریں وہ عین خدا ہی کے احکام ہیں اس تقریر کے بعد یہ گزارش ہے کہ اطاعت یعنی فرماں برداری بشرطیکہ اپنے حاکم اور فرماں روا کو نفع و ضرر کا مالک حقیقی اور محاسن اور محامد کا منبع تحقیقی سمجھے عبادت اور بندگی ہے اور جو یہ بات نہ ہو یعنی اُسکو مالک نفع و ضرر بطور مذکور اور منبع محاسن و محامد بطرز مشارالیہ نہ سمجھے

تو عبادت نہیں کیونکہ پھر وہ اطاعت حقیقت میں اُس کی نہیں ہوتی جسکی اطاعت کرتا ہے آخر اگر کوئی
حاکم معزول ہو جائے تو پھر اسکی اطاعت کون کرتا ہے علی ہذا القیاس اگر محاسن و محامد کسی شخص میں
نہ رہیں تو پھر اُسکا عاشق اور خریدار کون بنتا ہے اور ظاہر ہے۔ کہ خداوند عالم سے یہ باتیں اور وں
کی طرح نہیں جدی ہو سکتیں جو یوں کہا جائے کہ جس میں ملکیت نفع و ضرر اصلی ہے وہی معبود ہے
خدا نہیں اور جس میں یہ محاسن اصلی ہیں وہی محبوب ہے خدا نہیں مگر چونکہ طاعت مطیع کی ذلت اور
مطاع کی عزت کو متضمن ہے تو وہ اعزاز جس میں کسی کو بذات خود مستحق سمجھ لیا جائے یعنی اُس کو مالک
نفع و ضرر اور منبع محاسن سمجھا جائے اگرچہ از قسم اطاعت یعنی امتثال امر و نہی نہ ہو وہ بھی منجملہ عبادت
ہو گا علی ہذا القیاس اس اعتقاد کے ساتھ کہ خداتعالے ہمارے نفع و ضرر کا مالک و مختار ہے اور تمام
محاسن کی اصل اور منبع ہے۔ یوں سے اعمال کو ایسی نسبت ہو جیسے ہماری روح کے ساتھ ہمارے بدن
کو اور اُس کے ساتھ قولے مختلفہ کو جیسے قوت باصرہ اور قوت سامعہ مثلاً بدن کے اعضائے مختلفہ
یعنی آنکھ کان کے ساتھ مثلاً تو وہ افعال بھی منجملہ عبادت شمار کیے جائیں گے ہاں اتنا فرق ہو گا جتنا روح
اور بدن اور قوت باصرہ اور آنکھ میں فرق ہے یعنی جیسے روح ہماری اصلی حقیقت ہے اور عالم اجسام
میں بدن اُس کا قائم مقام قوت باصرہ ابصار میں اصل ہے۔ اور آنکھ عالم اجسام میں اُس کا خلیفہ ایسے
ہی اصل عبادت وہ اعتقاد دلی ہو گا اور وہ مثال عالم اعمال میں اُس کے خلیفہ سو جیسے قوت باصرہ
کا خلیفہ آنکھ ہی ہوتی ہے کان نہیں ہوتا اور آنکھ قوت باصرہ ہی کا خلیفہ ہوتی ہے۔ قوت سامعہ
کا خلیفہ نہیں ہوتی ایسے ہی اعتقاد مذکور کا خلیفہ وہی اعمال ہوں گے جن کو وہ نسبت حاصل ہو اور اعمال
نہ ہوں گے اور وہ اعمال بھی اُسی اعتقاد کا خلیفہ سمجھے جائیں گے اور اعتقاد کا خلیفہ نہ ہوں گے سو
جیسے بدن انسانی کو دیکھکر سارے معاملات جسمانی انسان ہی کے مناسب کیے جاتے ہیں گو اُس کے
پردہ میں روح خنزیر ہی کیوں نہ ہو اور جسم خنزیر ہو تو سارے معاملات جسمانی خنزیر ہی کے مناسب کیے
جائیں گے گو اُس کے پردہ میں روح انسان ہی کیوں نہ ہو ایسے ہی سجدہ وغیرہ اعمال کو جن کو اعتقاد
مذکور کے ساتھ نسبت مذکورہ حاصل ہو عبادت ہی نہیں گو اُس شخص کی نسبت جس کو سجدہ کرتا ہے

یہ اعتقاد مذکور حاصل نہ ہو اس مثال کی تمہید کے بعد یہ گزارش ہے کہ جو شخص خدا کو مالک نفع و ضرر سمجھے گا اور اپنی حدوث و بقا یعنی پیدایش اور دوام میں ایسی طرح اُس کی احتیاج ہوگی جیسے دھوپ کو اپنی حدوث و بقا میں آفتاب کی ہر دم حاجت ہے۔ تو بالضرور اُس کو ہر دم خدا کی طرف روئے نیاز ہوگی اور اپنی قدرت کو اُس کی قدرت سے مستعار سمجھکر اُسی کے کاموں کے لیے روکے رکھے گا سوا اس کے اس خیال کو یہ بھی لازم ہے۔ کہ جیسے نور مستعار قطعات زمین آفتاب کے نور کا ایک ٹکڑا ہے۔ اُس کا پورا نور اُس میں نہیں آیا اور اس وجہ سے اُس کی بڑائی اور اُس کی چھوٹائی لازم ہے۔ ایسے ہی اپنی ہستی کو ایک حصہ حقیر سمجھے اور خدا کے وجود کو عظیم الشان خیال کرے ادھر جیسے بوجہ علیت آفتاب کا علو مراتب اور زمین کے نور کے مرتبہ میں کمی لازم ہے ایسے ہی خدا کی علو مراتب اور اپنی پستی مرتبہ کا اعتقاد اور اقرار ضروری ہے مگر روئے نیاز قلبی کا ادھر ہونا دل کی بات ہے احوال جسمانی میں اُس کا قائم مقام اگر ہو سکتا ہے تو اُس جہت کا استقبال ہو سکتا ہے۔ جو بمنزلہ آئینہ جو بعض اوقات تجلی گاہ آفتاب بنجاتا ہے۔ عالم اجسام میں خدا کی تجلی گاہ ہو اور اُس کے کام کے لیے اپنی قدرت کی روکے رکھنے کے مقابلہ میں اگر ہے تو اپنے ہاتھوں کا باندھکر کھڑا ہو جاتا ہے۔ جو اس بات کی طرف مشیر ہے۔ کہ خدمت کے لیے استادہ ہے اور اُس کی عظمت کے لحاظ کے بعد جو اپنے نقش کی تحقیر کی کیفیت اپنے دل پر طاری ہونی چاہیے عالم اجسام میں اُس کے قائم مقام اور اُس کے مقابلہ میں اگر ہے تو جھک جاتا ہے۔ جس کو اصطلاح اہل اسلام میں رکوع کہتے ہیں اُس کے علو مراتب کے اعتقاد کے بعد جو اپنی پستی کے خیال کی کیفیت دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اُس کے مقابلہ میں اور اُس کے قائم مقام اس بدن کے احوال و افعال میں اگر ہے تو یہ ہے۔ کہ اپنا سر اور متھ جو محل عزت سمجھی جاتی ہیں زمین پر رکھے اور ناک اُس کے خاک آستانہ پر رگڑے اس کو اہل اسلام سجدہ کہتے ہیں مگر جب ان افعال مذکورہ کو ان اُمور قلبیہ کے ساتھ وہ نسبت ہوئی جو بدن کو روح کے ساتھ تو جیسے بدن انسانی کو بوجہ نسبت مذکورہ انسان کہتے ہیں ایسے ہی افعال مذکورہ کو بوجہ نسبت مذکورہ عبادت کہنا لازم ہوگا اور سوا خدا کے اور کسی کے لیے اُن افعال کا بجا لانا روا نہ ہوگا منجملہ شرک سمجھا جائے گا اب اور سنیے جب بوجہ اعتقاد و احوال مثلاً الیہا و افعال مذکورہ بندے

یہ ثابت کر دکھایا کہ میں سراپا اطاعت ہوں تو منجملہ ملازمان بارگاہ احکم الحاکمین سمجھا جائے گا اور یہ تو
کہ اموال دنیوی مملوک خداوند مالک الملک ہیں چنانچہ اس کا ثبوت معروض ہو چکا ہے اور پھر وہ
اموال کسی قدر نہ کسی قدر بندہ کے قبض و تصرف میں رہتے ہیں اسلیے بندہ اُن اموال کی نسبت
خازن وامین سمجھا جائے گا اور اُس کے صرف میں تابع فرمان خداوندی رہا کرے گا اور جو کچھ
خرچ کرے گا خدا کا مال سمجھکر حسب اجازت خداوندی صرف کیا کرے گا جو دکھائے گا اور اپنے
صرف میں لائے گا تو خدا کی اجازت سے کھائے گا اور صرف میں لائیگا اور کسی دوسرے کو دے
دلائے گا تو حسب اجازت خداوندی دے دلائے گا مگر خداوند کریم کے لطف و رحمت سے یہ
بعید ہے۔ کہ خود قابض وامین حاجتمند ہو اور پھر اوروں کو دلوائے علی ہذا القیاس یہ بھی مستبعد ہے
کہ ایک شخص کی حفاظت وحراست میں خزانہ کثیر موجود ہو اور پھر محتاجوں کو ترسائے اور نہ دلوائے اسلیے
یہ بات قرین حکمت ہے کہ تھوڑے اموال میں سے تو کسی اور کو نہ دلوائیں اور زیادہ ہو تو اوروں کے
لیے حصہ تجویز کر دیں اس صورت میں اُس بندہ کا حصہ مذکور کو دینا اور حسب ارشاد خداوندی
صرف کرنا بطور نیابت ہو گا یعنی جیسے خادم اگر حسب اجازت اپنے آقا کے مال میں سے کسی کو کچھ
دیتا ہے۔ تو وہ آقا کا دیا سمجھا جاتا ہے۔ اور خادم محض نائب داد و دہش ہوتا ہے۔ اس قسم کی
عبادت کو اہل اسلام زکوۃ کہتے ہیں یہ دونوں باتیں جس میں سے ایک تو بوجہ الوجوہ عبادت ہے اور
دوسری بات بوجہ مذکور تو نیابت اور بوجہ فرمان برداری عبادت ہے۔ خدا کے مالک الملک اور
احکم الحاکمین ہونے کا ثمرہ ہے۔ جس کے اثبات سے بحمد اللہ فراغت ہو چکی اب رہی خدا کی محبوبیت
اور اُس کی خوبیاں جس کو جمال سے تعبیر کیجیے تو بجا ہے۔ اُس کے متعلق بھی دو ہی باتیں ہونی چاہییں
ایک تو خدا کے سوا اور چیزوں سے بیغرضی کیونکہ جب غلبہ محبت محبوبان مجازی میں کسی چیز کی پروا
نہیں رہتی تو محبوب حقیقی کی محبت میں یہ بات کیوں نہ ہو گی دوسرے اس بیغرضی کے بعد اپنے
محبوب یعنی خدا کے شوق میں محو ہو جانا اور پھر بمقتضائے وقت کبھی وجد ہے کبھی کسی صحرا میں
تصور یار میں عرض معروض ہے کبھی ناصح سے بیزاری کبھی اخلاص سے جان و مال قربان کرنے

کی تیاری علی ہذا القیاس جو جو کیفیتیں ہوا کرتی ہیں سو پہلی بات کے مقابلہ میں اور اس کے قائم مقام تو روزے ہیں جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ غلبۂ محبت الٰہی میں نہ کھانے سے مطلب رہا نہ پینے کی حاجت نہ مرد کو عورت سے غرض نہ عورت کو مرد کا خیال اور جب انھیں باتوں سے دست برداری ہے تو اور کیا رہ گیا سوا ان کے جو کچھ ہے یا ان کے حاصل کرنے کے سامان ہیں جیسے کھیتی نوکری تجارت مزدوری یا اُن کا نتیجہ ہے۔ جیسا دوائی امراض جو کھانے پینے وغیرہ سے حادث ہوتی ہیں اور دوسری بات کے مقابلہ میں اول تو بہ تقاضائے شوق اُس طرف کی راہ لیتے ہیں جہاں تجلی ربانی ہوا اور پھر وہ بھی اس کیفیت سے کہ نہ سر کی خبر نہ پانو کا ہوش نہ ناخنوں کی پرواہ نہ بالوں کی غور پرداخت سر برہنہ پا برہنہ ناخن بڑھے ہوئے بال بڑھے ہوئے پریشان صورت نعرہ زناں چلا جاتا ہے اس کو اہل اسلام احرام کہتے ہیں اور وہاں جا کر کبھی وجد میں گھومتا ہے۔ اور کبھی ادھر سے اُدھر نکل جاتا ہے اور اُدھر سے ادھر نکل آتا ہے اس کو طواف کہتے ہیں اُس کے بعد صحرائے عرفات میں تضرع وزاری ہے اور پھر ناصح نادان یعنی شیطان کے خاص مکان پر سنگ باری ہے۔ اور چونکہ عاشق کے حق میں نصیحت ایسی ہے جیسے جلتے توے پر پانی ڈال دیجیے تو اس لیے بعد سنگباراں بہ تقاضائے اخلاص جان ومال کے فدا کرنے کی تیاری یعنی قربانی ہے۔ اور جانفشانی ہے اس قسم کی عبادت کو حج کہتے ہیں مگر غیر محبوب سے بیغرضی جس کے مقابلہ میں رمضان کے روزے ہیں اور شوق ومحبت ووجد وتضرع واخلاص میں باہم ارتباط تھا اس لیے بعد رمضان ہی احرام کے شروع کرنے کے دن ہیں یعنی شوال وذی قعدہ عشرہ ذی الحج کو اس کام کے لیے رکھا الغرض ادھر تو نماز وزکوۃ میں باہم ارتباط ہے۔ اور ادھر روزے اور حج میں باہم ارتباط ہے۔ اتنا فرق ہے۔ وہاں اصل عبادت جو بجمیع الوجوہ عبادت ہے یعنی نماز مقدم ہے۔ اور زکوۃ جو بوجہ فرماں برداری عبادت ہے اس کے تابع اور اُس کے بعد اور یہاں رمضان کے روزے جو حقیقت میں عبادت نہیں ورنہ خدا کو معبود ہو کر عابد ہونا پڑے گا کیونکہ وہ بھی نہ کھائے نہ پیئے نہ عورت کے پاس جاتے بلکہ بوجہ فرمان برداری عبادت ہیں مقدم ہیں اور حج جو اصل میں عبادت ہے۔ اور بجمیع الوجوہ اُس کا عبادت ہونا ظاہر ہے۔ چنانچہ اُس سے موخر وجہ اُس کی خود

بنا بیٹھے - وہاں تو نماز کے بعد منصب نیابت خدمت گزاری میسر آتا ہے - اور یہاں عشق کی اول منزل یہی ہے - کہ غیر خدا پر خاک ڈالے اس کے بعد اور سنیئے جب بندہ مملوک اور محکوم خدا ٹھہرا اور خدا کا محب و مخلص بنا تو بالضرور دو باتیں اُسکو بہ تقاضائے غلامی و محبت کرنی پڑیں گی ایک تو جو خدا کے دوست ہوں جان و مال سے اُنکی مدد کرے اور جو خدا کے دشمن ہوں اُن کی جان و مال کی تاک میں رہے اور اُن کی تذلیل سے نہ چوکے پہلے کو حب فی اللہ اور دوسرے کو بغض فی اللہ کہتے ہیں سخاوت مروت ایثار حسن اخلاق و حیا و صلہ رحمی عیب پوشی نصیحت خیر خواہی وغیرہ اہل اسلام کے ساتھ اول سے متعلق ہیں اور جہاد اور جزیہ کا لینا اور غنیمت کا لینا اور مناظرہ وغیرہ دوسری سے متعلق ہیں اور سنیئے ان سب باتوں کو اگر غیر خدا کی خوشنودی کے لیے کرے اور نیت عبادت ہو تو یہ سب کی سب باتیں شرک ہو جائیں گی ورنہ نماز کے ارکان اور حج کے ارکان تو شرک ہوں گے اور چیزوں کے ادا کرنے میں بغیر نیت عبادت شرک نہ بنے گا وجہ اس تفریق کی یہی ہے - کہ اصل عبادت یہ دو ہی باتیں ہیں اور اُن کی ہر ہر بات خدا کی عظمت اور اُس کے مطاع ہونے پر دلالت کرتی ہے ان تقریرات لطیفہ کے بعد پھر یہ گزارش ہے کہ خداوند عالم جب حاکم اور مطاع و محبوب ٹھہرا تو اُس کی رضا جوئی ہمارے ذمہ فرض ہوتی اور اُس کی رضا کے موافق کام کرنا ہمارے ذمہ لازم ہوا مگر یہ بات بے اطلاع رضا و غیر رضا متصور نہیں مگر رضا کی اطلاع کا یہ حال ہے کہ ہماری تمہاری رضا غیر رضا بھی بدون ہمارے بتلائے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی خداوند عالم کی رضا غیر رضا بے اُس کے بتلائے کسی کو کیونکر معلوم ہو سکے یہاں تو یہ حال کہ ہم جسمانی ہیں اور جسم سے زیادہ کوئی چیز ظاہر نہیں پھر اس پر یہ حال ہے کہ سینہ سے سینہ ملا دیں اور دل کو چیر کر دکھلا دیں تو بھی دل کی بات دوسرے کو معلوم نہیں ہو سکتی خدائے عالم تو سب سے زیادہ لطیف ہے اسی وجہ سے آج تک کسی کو دکھلائی نہیں دیا پھر اُس کے دل کی بات بے اُس کے بتلائے کسی کو کیونکر معلوم ہو سکے اور ایک دو بات اگر بدلالت عقل سلیم کسی کے نزدیک لایق امر و نہی خداوندی معلوم بھی ہوں تو اول اُس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خداوند عالم قابلیت امر و نہی کا پابند ہی ہے - کیا عجب ہے کہ بوجہ خود مختاری بے نیازی اور کچھ حکم دیدے علاوہ بریں اس قسم کے

علم اجمالی سے کیا کام چلتا ہے جب تک تفصیل اعمال میں اور اوامر و نواہی معلوم نہ ہو جائے تعمیل حکم نہیں ہو سکتی اس لحاظ سے ارشاد کا انتظار ضرور ہے۔ مگر اس کی شان عالی کو دیکھیے تو یہ بات کب ہو سکتی ہے۔ کہ خود خداوند عالم ہر کس و ناکس کو اپنی رضا و غیر رضا کی خبر دے اور ہر کسی کو منہ لگائے بادشاہان دنیا اس تھوڑی سی نخوت پر اپنی ہی بنی نوع سے نہیں کہتے دوکان دوکان اور مکان مکان پر کہتے نہیں پھرتے مقربان بارگاہ ہی سے کہہ دیتے ہیں وہ اوروں کو سنا دیتے ہیں اور بذریعہ اشتہارات و منادی اعلان کرا دیتے ہیں خداوند عالم کو ایسا کیا کم سمجھ لیا ہے کہ وہ ہر کسی سے کہتا پھرے وہاں بھی یہی ہو گا کہ اپنے مقربوں سے اور اپنے خواصوں سے فرمائے اور وہ اوروں کو پہنچائیں ایسے لوگوں کو اہل اسلام انبیاء اور پیغمبر اور رسول کہتے ہیں لیکن دنیا کی تقرب اور خواصی کے لیے سراپا اطاعت ہونا ضرور ہے۔ اپنے مخالفوں کو اپنی بارگاہ میں کون گھسنے دیتا ہے۔ اور مسند قرب پہ کون قدم رکھنے دیتا ہے۔ اس لیے یہ ضرور ہے کہ وہ مقرب جن پر اسرار و ما فی الضمیر آشکارا کیے جائیں یعنی اصول احکام سے اطلاع دی جائے ظاہر و باطن میں مطیع ہوں مگر جس کو خداوند علیم و خبیر باعتبار ظاہر و باطن مطیع و فرمان بردار سمجھے گا اس میں غلطی ممکن نہیں البتہ بادشاہان دنیا موافق و مخالف مطیع و عاصی و مخلص و مکار کے سمجھنے میں بسا اوقات غلطی کھا جاتے ہیں اس لیے یہاں یہ ہو سکتا ہے کہ جس کو مطیع و مخلص سمجھا تھا وہ ایسا نہ نکلے یا بادشاہ کو بوجہ غلطی اس کی طرف گمان مخالفت و مکاری پیدا ہو جائے اور اس لیے دربار سے نکالا جائے مگر خدا تعالےٰ کی درگاہ کے مقرب بوجہ عدم امکان غلط فہمی ہمیشہ مطیع و مقرب ہی رہیں گے نظر بریں یہ لازم ہے کہ انبیاء معصوم بھی ہوں اور مرتبہ تقرب نبوت سے برطرف نہ کیے جائیں گو خدمت نبوت کی تخفیف ہو جائے لیکن جیسے مقربان بادشاہی اور خواص سلطانی مطیع و مقرب ہوتے ہیں شریک خدائی نہیں ہوتے اس لیے ان کو یہ اختیار نہ ہو سکا کہ کسی کو بطور خود جنت یا جہنم میں داخل کر دیں البتہ بوجہ تقرب یہ ممکن ہے کہ وہ بہ کمال ادب کسی کی سفارش کریں یا کسی کی شکایت کریں احباب کی سفارش کو جو انبیاء علیہم السلام در بارہ ترقی مدارج یا مغفرت معاصی خدا کی درگاہ میں کریں گے اہل اسلام شفاعت کہتے ہیں القصہ انبیاء کی معصومیت اور ان کی

شفاعت تو قرین عقل ہے۔ پر اُن کی گنہگاری اور در بارہ عطاے جنت یا اوخال نار اُن کی خود
مختاری ہرگز قرین عقل نہیں اور نہ یہ بات عقل میں آسکتی ہے۔ کہ کسی کے عوض کوئی جنت میں چلا
جاے اور کسی کے عوض کوئی دوزخ میں رہجائے وجہ اسکی یہ ہے کہ محبت اور عداوت کے لیے کوئی
وجہ ضرور ہے علی ہذا القیاس انعام اور سزا کے لیے سب کی حاجت ہے جہان جہان وہ اسباب موجود
ہون گے وہان وہاں محبت اور عداوت ہوگی اور پھر جہان جہان محبت اور عداوت ہوگی وہان
وہان عنایت اور التفات اور کشیدگی اور انقباض بھی ضرور ہوگا یہ نہین ہوسکتا کہ حسن وجمال
اور حسن خصال اور قرابت اور کمال اور احسان اور اعطاء مال تو کوئی کرے اور محبت اُن سے
ہوجاے جن کی صورت اچھی نہ سیرت بھلی قرابت ہے نہ کمال ہے احسان ہے نہ اعطاء مال ہے
اجنبی در اجنبی احسان کے بدلے نقصان راحت کے عوض ایذا بھلائی کے عوض بُرائی کرتے رہتے ہین
باوجود اتنی نا انصافیون کے یہ بات تو بنی آدم مین بھی نہین خداوند داد گر مین یہ بات کیونکر ہوسکتی ہے اس لیے
یہ ممکن نہیں کہ اطاعت کوئی کرے اور ثواب کا مستحق کوئی ہوجائے گناہ کوئی کرے اور سزا کسی کو دیجائے
تابعداری تو انبیاء کرین اور مرحوم اُمتی ہوجائین اور گناہ و تقصیر تو اُمتی کرین اور ملعون انبیاء علیہم
السلام ہوجائین نعوذ باللہ منہا حضرت عیسٰی علیہ السلام یا اور انبیاء بدستور ویسے ہی بارگاہ قریب مین
اپنی شان وعظمت کے ساتھ موجود ہین نہ کبھی وہ عذاب مین گرفتار ہوے نہ ہون انشاء اللہ اے حضرات
نصاریٰ یہ سخت گستاخی ہے جو تم صاحب حضرت عیسیٰ کی نسبت تجویز کرتے ہو اس تقریر کے ملاحظہ
کرنے والوں کو یہ بات معلوم ہوگئی ہوگی کہ نبوت کے لیے اوّل یہ ضرور ہے کہ ظاہر و باطن میں موافق
مرضی خداوندی ہوں اور ظاہر و باطن سے اطاعت خدا کے لیے تیار ہوں اس لیے کہ ہر اپنے مدافوق مرضی
ہوتا ہے۔ وہی مقرب ربانی ہوسکتا ہے اور جو شخص ظاہر و باطن دونوں طرح مطیع و فرمان بردار ہو
وہی شخص حاکم ماتحت خدا ہوسکتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ بے تقرب بادشاہ سے کلام و گفتگو کوئی نہین
کرسکتا اور بے تقرب چوبدار با دشاہی کسی کے پاس سلام و پیام پادشاہی نہین لاسکتا ہے اسی طرح بے
تقرب شرف ہم کلامی خداوندی میسر نہین آسکتا اور بے تقرب ربانی ملائکہ سلام و پیام خداوندی نہین

لا سکتے مگر بنائے تقرب جب موافق مرضی پر ہوئی تو بالضرور نبی میں تین باتیں ضرور ہوں گی اول تو یہ
کہ اخلاص و محبت خداوندی اس قدر ہو کہ ارادہ معصیت کی گنجائش ہی نہ ہو دوسرے یہ کہ اخلاق حمیدہ ہوں
ہوں کیونکہ ہر شخص اور ہر کام کرنے والا اپنے اخلاق کے موافق اور مناسب کام کیا کرتا ہے سخی دیا کرتے ہیں بخیل
جمع کیا کرتے ہیں خوش خلق اخلاق سے پیش آتے ہیں اور راحت پہنچاتے ہیں اور بد اخلاق بدی سے پیش آتے
ہیں اور ایذا دیا کرتے ہیں اس لیے ہر کار ایک خصلت سے مربوط ہوگا اگر اچھی خصلت سے مربوط ہے تو اچھا
ہوگا بری سے مربوط ہے۔ تو برا ہوگا اور اخلاق اچھا برا ہونا اس پر منحصر ہے کہ خدا کے اخلاق کے موافق
یا مخالف ہو جو خلق موافق ہوگا وہ اچھا سمجھا جائے گا جو مخالف ہوگا وہ برا ہوگا اس لیے جو باتیں موافق
اخلاق خداوندی ہوں ان کا برا کہنا بجز ناقص فہموں کے اور کسی کا کام نہیں مثلاً خداوند عالم بالاتفاق
سب کے نزدیک اچھوں سے خوش ہوتا ہے اور بروں سے ناخوش ان کو انعام دیتا ہے ان کو سزا پہنچاتا ہے
پھر جو شخص ہو بہو ایسا ہو اس کو اوروں سے کامل اور جان و دل سے محبوب رکھنا چاہیے نہ یہ کہ
بجائے محبت عداوت اور بجائے تعریف اس میں عیب نکالنے لگیں اس وقت یہ حضرات نصاریٰ کا
اعتراض جہاد جو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر کرتے ہیں سراسر ناانصافی ہوگی یہ دو باتیں
یعنی اعمال اور اخلاق تو ایک قسم کی باتیں ہیں یعنی کرنے کی باتیں ہیں اور معاملات سے متعلق ہیں تیسری
بات جو از قسم دوم ہے۔ وہ خوبی عقل فہم ہے کیونکہ اول تو بدفہمی خود ایک ایسا عیب ہے کہ کیا کہیے
دوسری تقرب مقربین خود اسی غرض سے ہوتا ہے کہ بات کہیے تو سمجھ جائیں اور سمجھ کر خود بھی تعمیل کریں اور
اوروں سے بھی کرائیں اس لیے انبیاء علیہم السلام خدا اور امت کے بیچ میں ایسے ہوں گے جیسے آفتاب
کے اور زمین کے بیچ میں قمر یعنی جیسے نور قمر آفتاب سے ماخوذ ہوتا ہے۔ اور زمین تک پہنچتا ہے اور در
حقیقت مادہ نورانی زمین وہ نور قمر ہی ہوتا ہے ایسے ہی مادہ علم و فہم امت انبیاء ہی سے ماخوذ
ہوتا ہے۔ مگر مادہ علم و فہم وہی عقل ہے اس صورت میں عقل و فہم امت بالضرور مثل چاندنی جو
نتیجہ نور قمر ہوتی ہے پرتو عقل و فہم انبیاء علیہم السلام ہوگا اور اس وجہ سے یہ لازم ہے کہ مادہ
حیات امت بھی انبیاء کی حیات سے ماخوذ ہو کیونکہ عقل حیات سے جدی نہیں ہو سکتی یعنی یہ نہیں

ہوسکتا کہ سیوۃ نہ ہو اور عقل ہو اور جب سیوۂ امت سیوۂ انبیاء سے ماخوذ ہوئی تو بالضرور تمام اخلاق امت اخلاق انبیاء سے ماخوذ ہوں گے بشرطیکہ امت گمراہ نہ ہو کیونکہ امت گمراہ حقیقت میں امت ہی نہیں ہوتی بالجملہ امت اور نبی میں یہ فرق ضرور ہے اس لیے امت کی فہم اور اُن کے اخلاق اور اعمال اگر اچھے بھی ہوئے تو ایسے ہوں گے جیسے زمین کا چاندنا اپنی ذات سے اچھی چیز ہے مگر مثل نور بقرہ و سرلیا تک پہنچ نہیں سکتا اور اگر پہنچا بھی تو ایسا پہنچتا ہے جیسے چاندنی رات میں زمین کی چاندنی کے باعث دالان کے اندر اُجالا ہو جاتا ہے الغرض بنائے تقرب ان تین باتوں پر ہے بشرطیکہ اور وں کا مادہ فہم و اخلاق اُن کے فہم و اخلاق سے ایسی نسبت رکھتا ہو جیسا معروض ہوا اس کے بعد تفاوت اخلاق امت ایسا ہو گا جیسا اشیائے مختلف الالوان کا ایک نور سے مختلف طور سے اچھا برا معلوم ہونا الغرض اصل نبوت تو ان دو باتوں کو مقتضی ہے کہ فہم سلیم و اخلاق حمیدہ اس قدر ہوں رہے معجزات وہ بعد عطائے نبوت عطا کرتے ہیں یہ نہیں ہوتا کہ جس نے اظہار معجزات کے امتحان میں نمبر اول پایا اُس کو نبوت عطا کی ورنہ ناکام رہا چنانچہ ظاہر ہے اس لیے اہل عقل کو لازم ہے کہ اول فہم و اخلاق و اعمال کو میزان عقل میں تولیں اور پھر بولیں کہ کون نبی ہے اور کون نہیں اہل اسلام تو سبھی انبیاء علیہم السلام کے درم ناخریدہ غلام ہیں خاصکر اُن میں اُن اولوالعزموں کی جن کی تاثیر و اولوالعزمی اور علو ہمت سے دین خداوندی نے بہت شیوع پایا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیونکہ انبیاء کا اعتقاد اور محبت اہل اسلام کے نزدیک جزو ایمان ہے مگر ان سے اور باقی تمام انبیاء سے بڑھکر حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو سمجھتے ہیں اور اُن کو سب میں افضل اور سب کا سردار جانتے ہیں اہل انصاف کے لیے تو بشرط فہم سلیم موازنہ احوال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور احوال دیگر انبیاء کافی ہے ملک عرب کی جہالت اور درشت مزاجی اور گردن کشی کون نہیں جانتا جس قوم میں ایسی جہالت ہو کہ کوئی کتاب آسمانی ہو نہ غیر آسمانی اور اخلاق کا یہ حال کہ قتل کر دینا ایک بات ہو فہم کی یہ کیفیت کہ پتھروں کو اٹھا لائے اور پوجنے لگے اور گردن کشی کی یہ صورت کہ کسی بادشاہ کے کبھی مطیع نہ ہوئے جفاکشی کی یہ نوبت کہ ایسے

خشک ملک میں شاد و خورم عمر گذار یں ایسے جاہلوں گردن کشوں کو راہ پر لانا ہی دشوار تھا چہ جائیکہ علوم الٰہیات و اخلاق و سیاست مدن میں اور علم معاملات و عبادات میں زشک افلاطون و ارسطو و دیگر حکماے نامدار بنا دیا اعتبار نہ ہو تو اہل اسلام کی کتب اور اُن کے کتب کو موازنہ کر کے دیکھیں مطالعہ کنان کتب فریقین کو معلوم ہوگا کہ ان علوم میں اہل اسلام تمام عالم کے علماء پر سبقت لے گئے نہ یہ تدقیقات کہیں ہیں نہ یہ تحقیقات کہیں ہیں جن کے شاگردوں کے علوم کا یہ حال ہے خود وجد علوم کا کیا حال ہوگا اگر یہ بھی معجزہ نہیں تو اور کیا ہے صاحبو انصاف کرو تو معلوم ہو کہ یہ معجزہ اور انبیاء کے معجزات سے کس قدر بڑھا ہوا ہے سب جانتے ہیں کہ علم کو عمل پر شرف ہے یہی وجہ ہے کہ ہر فن میں اُس فن کے اُستادوں کی تعظیم کی جاتی ہے ہر ہر سر رشتہ میں افسروں کو باوجودیکہ اُن کے کام میں بمقابلہ خدمات اتباع بہت کم محنت ہوتی ہے۔ تنخواہ زیادہ دیتے ہیں یہ شرف علم نہیں تو اور کیا ہے خود انبیاء ہی کو دیکھو اُمتی آدمی بسا اوقات مجاہدہ و ریاضت میں اُن سے بڑھے ہوئے نظر آتے ہیں مگر مرتبہ میں انبیاء کی برابر نہیں ہو سکتے وجہ اس کی بجز شرف علم و تعلیم اور کیا ہے۔ الغرض بوجہ علم و تعلیم ہی انبیا امتیوں سے ممتاز ہوتے ہیں بوجہ عبادت و ریاضت ممتاز نہیں ہوتے مگر جب یہ ہے تو پھر علم عمل سے بالضرور افضل ہوگا اس لیے معجزات علمیہ معجزات عملیہ سے کہیں زیادہ ہوں گے مگر معجزات عملی اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص دعوی نبوت کر کے ایسا کام کر دکھائے کہ اور سب اُس کام کے کرنے سے عاجز آجائیں اس صورت میں معجزات علمی اس کا نام ہوگا کہ کوئی شخص دعوی نبوت کر کے ایسے علوم ظاہر کرے کہ اور اقران و امثال اُس کے مقابلہ میں عاجز آجائیں مگر علوم میں بھی فرق ہے یعنی جیسے گلاب ہو یا پیشاب ہو دیکھنے میں دونوں برابر ہیں مگر جس کو دیکھتے ہیں اُس میں اتنا تفاوت ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا ہوگا ایک پاک اور خوشبودار دوسرا ناپاک اور بدبودار ایسے ہی علم ذات و صفات خداوندی اور علم اسرار احکام خداوندی اور علم معلومات باقیہ میں بھی فرق ہے بلکہ غور سے دیکھیے تو اُس سے زیادہ فرق ہے اس لیے کہ گلاب و پیشاب میں اتنا تو اتحاد ہے کہ یہ بھی مخلوق وہ بھی مخلوق خالق اور مخلوق میں تو اتنا بھی اتحاد اور مناسبت نہیں ادھر دیکھیے علم

وقائع یعنی باہم فرق ہے دنیا کے وقائع کی اگر کوئی شخص خبر دے تو پھر ورے ہی کی خبر دیتا ہے پر جو
شخص وقائع آخرت کی خبر دیتا ہے۔ وہ دور تک کی خبر دیتا ہے۔ اور چونکہ خبر مستقبل کا اعجاز بہ نسبت
ماضی کے زیادہ ظاہر ہے کیونکہ یہاں تو کسی قسم کی اطلاع کا بھی احتمال ہے پر مستقبل میں یہ احتمال بھی
نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے جو شخص کثرت سے امور مستقبلہ کی خبر دے اور امور مستقبلہ بھی بہت دور
دور کے بیان کرے تو اُسکا اعجاز علم وقائع بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ہوگا اب دیکھیے کس کی
پیشین گوئیاں زیادہ ہیں اور پھر وہ بھی کہاں کہاں تک اور کس کس قدر دور دراز زمانہ کی باتیں ہیں یہاں یہ
احتمال کہ آخرت تک کی پیشین گوئیوں کا صدق و کذب کس کو معلوم ہے اس کا یہ جواب ہے کہ کوئی
پیشین گوئی کیوں نہ ہو قبل وقوع سب کا یہی حال ہوتا ہے۔ اگر دو چار گھڑی پیشتر کی ہے۔ تب تو
اکثر حاضرین کو معلوم ہوگا ورنہ بیان کسی کے سامنے کی جاتی ہے اور ظہور کسی کے سامنے ہوتا ہے تو
تورات کی پیشین گوئیوں کو دیکھ لیجیے بعض تو اب تک بھی ظہور میں نہیں آئی بہر حال پیشین گوئیاں
اگلے ہی زمانہ میں جاکر معجزہ ہو جاتی ہیں یعنی ان کا معجزہ ہونا اگلے زمانہ میں معلوم ہوتا ہے۔ مگر ایک
دو کا صدق بھی اوروں کی تصدیق کے لیے کافی ہوتا ہے ادھر اور قرائن صادقہ اور معجزات
دیگر اُس کی تصدیق کرتے ہیں اور اس لیے قبل ظہور موجب یقین ہو جاتے ہیں ہاں زمانہ ماضی
کی باتیں بشرطیکہ وجود اطلاع خارجی مفقود ہوں بیشک اسی وقت معجزہ سمجھے جائیں گے بالجملہ ہمارے
پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں بھی اس قدر ہیں کہ کسی اور نبی کی نہیں کسی صاحب کو دعویٰ
ہو تو مقابلہ کر کے دیکھیں جن میں سے کثرت سے صادق بھی ہو چکی ہیں مثلاً خلافت کا ہونا حضرت عثمانؓ
اور حضرت حسین کا شہید ہونا اور حضرت حسن کے ہاتھ پر دو گروہ اعظم کا صلح ہو جانا ملک
کسریٰ اور ملک روم کا فتح ہونا بیت المقدس کا فتح ہو جانا مروانیوں اور عباسیوں کا بادشاہ
ہونا نار حجاز کا ظاہر ہونا ترکوں کے ہاتھ سے اہل اسلام پر صدمات کا نازل ہونا جیسا چنگیز خان کے زمانہ
میں ظاہر ہوا اور سوا ان کے اور بہت سی باتیں ظہور میں آ چکی ہیں ادھر وقائع ماضیہ کا یہ حال کہ باوجود
اُمّی ہونے اور کسی عالم نصرانی یا یہودی کی صحبت کے نہ ہونے کے وقائع انبیاء سابق کے احوال کا بیان

فرمانا ایسا روشن ہے کہ بجز متعصب ناانصاف اور کوئی انکار نہیں کرسکتا اب اخلاق کو دیکھیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کے پادشاہ یا امیر نہ تھے آپ کا افلاس ایسا نہیں جو کوئی نجاشی ہو اس پر اپنے لشکر کی فراہمی جس نے اول تو تمام ملک عرب کو زیر و زبر کر دیا اور پھر فارس اور روم اور عراق کو چند عرصہ مین تسخیر کرلیا اور اس پر معاملات میں وہ شائستگی رہی کہ کسی لشکری نے سوا مقابلہ جہاد کسی کی ایذا رسانی کسی طرح گوارا نہ کی بجز تسخیر اخلاق اور کسی وجہ پر منطبق نہیں اسکتی الغرض آپ کے علم و اخلاق کے دلائل قاطعہ کے آثار تو اب تک موجود ہین اس پر بھی کوئی نہ مانے تو وہ جانے علاوہ برین قرآن شریف جس کو تمام معجزات علمی مین بھی افضل و اعلی کہیے ایسا برہان قاطع ہے کہ کسی سے کسی بات مین اُس کا مقابلہ نہ ہوسکا علوم ذات و صفات و تجلیات و بدا نعلاق و علم برزخ و علم آخرت و علم اخلاق و علم احوال و علم افعال علم تاریخ وغیرہ اس قدر ہین کہ کسی کتاب مین اس قدر نہین کسی کو دعوی ہو تو لاوے اور دکھائے اس پر فصاحت و بلاغت کا یہ حال کہ آج تک کسی سے مقابلہ نہ ہوسکا مگر ہان جیسے اجسام و محسوسات کے حُسن و قبح کا ادراک تو ایک نگاہ اور ایک توجہ مین بھی متصور ہے۔ اور روح کے کمالات کا ادراک ایک بار متصور نہین ایسے ہی اُن معجزات علمی کی خوبی جو متضمن علوم عجیبہ ہون ایک بار متصور نہین مگر ظاہر ہے۔ کہ یہ بات کمال لطافت پر دلالت کرتی ہے۔ نہ کہ نقصان پر بالجملہ اگر کسی بلیدالفہم کو وجوہ فصاحت و بلاغت قرآنی ظاہر نہ ہون تو اس سے اُس کا نقصان لازم نہین آتا کمال ہی ثابت ہوتا ہے علاوہ برین عبارت قرآنی ہر کس و ناکس رند بازاری کے نزدیک بھی ایسی طرح اور عبارتوں سے ممتاز ہوتی ہے جیسے کسی خوشنویس کا خط بدنویس کے خط سے پھر جیسے تناسب خط و خال معشوقان اور تناسب حروف خط خوشنویسان معلوم ہو جاتا ہے۔ اور پھر کوئی اُس کی حقیقت اس سے زیادہ نہین بتلاسکتا کہ دیکھ لو یہ موجود ہے۔ ویسے ہی تناسب عبارت قرآنی جو وہی فصاحت و بلاغت ہے ہر کسی کو معلوم ہو جاتا ہے۔ پر اُس کی حقیقت اس سے زیادہ کوئی نہین بتلاسکتا کہ دیکھ لو یہ موجود ہے۔ الغرض معجزات علمی مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب سے زیادہ ہین۔ کیونکہ کلام ربانی اور کسی کے لیے نازل نہین ہوئی چنانچہ خود اہل کتاب اس بات کے معترف ہین کہ الفاظ توریت و انجیل منزل من اللہ نہین ہین ان سے فقط الہام معانی ہوا ہے یہاں اگر انبیاء یا حواریون

نے اُن کو اپنے الفاظ میں ادا کر دیا اور اپنا یہ اعتقاد ہے۔ کہ الفاظ کتب سابقہ بھی اسی طرف سے ہیں پر وہ مرتبہ فصاحت و بلاغت جو مناسب شان خداوندی ہے اور کتابوں میں اس لیے نہیں کہ اُن کا فقط خود صفت کلام خداوندی نہیں یا یوں کہو عبارت ملائکہ ہے گو مضامین خداوندی ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ توریت و انجیل کی نسبت قرآن و حدیث میں کتاب اللہ کا لفظ آتا ہے کلام اللہ کا لفظ نہیں آتا گو کہیں آیا ہے تو ایک جا ہے مگر وہاں دو احتمال ہیں ایک تو یہی توراۃ دوسرے وہ کلام جو بعض بنی اسرائیل نے بمعیت حضرت موسیٰ علیہ السلام سُنی تھے اگر وہ کلام تھے تو اُس سے توراۃ کا عبارت خداوندی ہونا ثابت نہیں ہو سکتا اور اگر خود توراۃ مراد ہے۔ تو وہ کلام ایسی سمجھو جیسے بعض کامل شاعر گنواروں سے انھیں کے محاوروں میں گفتگو کرنے لگتے ہیں مگر ظاہر ہے کہ اس وقت کلام شاعر مذکور اگرچہ بظاہر کلام شاعری سمجھی جائے گی مگر منشا۔ اس کلام کا اس کا وہ کمال نہ ہوگا جس کو کمال شاعرانہ اور قوت فصاحت و بلاغت کہتے ہیں ایسے ہی توراۃ کو بھی بہ نسبت خدا خیال فرمائیے اور شاید یہی وجہ ہوئی کہ دعویٰ اعجاز توراۃ و انجیل نہ کیا گیا ورنہ ظاہر ہے کہ اس معجزہ سے بڑھ کر اور کوئی معجزہ نہ تھا چنانچہ اوپر معروض ہو چکا اور با ایں وجہ کہ علم تمام اُن صفات سے اعلیٰ ہے۔ جو جو مربی عالم ہیں یعنی اُن صفات کو عالم سے تعلق ہے جیسے علم و قدرت ارادہ مشیت کلام کیونکہ علم کو معلوم اور قدرت کو مقدور اور ارادہ کو مراد اور مشیت کو مرغوب اور کلام کو مخاطب کی ضرورت ہے اس لیے وہ نبی جس کے پاس معجزہ علمی ہو تمام اُن نبیوں سے اعلیٰ درجہ میں ہوگا جو معجزہ عملی رکھتے ہوں گے کیونکہ جس درجہ کا معجزہ ہوگا وہ معجزہ اس بات پر دلالت کرے گا کہ صاحب معجزہ اس درجہ میں یکتائے روزگار ہے۔ اور اس فن میں بڑا سردار ہے۔ اس لیے ہمارے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کا اقرار بشرط فہم و انصاف ضرور ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ علم سے اوپر کوئی ایسی صفت نہیں جس کو عالم سے تعلق ہو تو خواہ مخواہ اس بات کا یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام مراتب کمال اسی طرح ختم ہو گئے جیسے بادشاہ پر مراتب حکومت ختم ہو جاتے ہیں اس لیے جیسے بادشاہ کو خاتم الحکام کہہ سکتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الکاملین اور خاتم النبیین کہہ سکتے ہیں مگر جس شخص پر مراتب کمال ختم ہو جائیں گے تو بایں وجہ کہ نبوت سب

کمالات بشری میں اعلیٰ ہے۔ چنانچہ مسلم بھی ہے۔ اور تقریر متعلق بحث تقرب بھی جو اوپر گزر چکی ہے
اس پر شاہد ہے اس لیے آپ کے دین کے ظہور کے بعد سب اہل کتاب کو بھی اُنکا اتباع ضروری
ہوگا کیونکہ حاکم اعلیٰ کا اتباع تو حکام ماتحت کے ذمہ بھی ہوتا ہے۔ رعایا تو کس شمار میں ہیں علاوہ
بریں جیسے لارڈ لٹن کے زمانہ میں لارڈ لٹن کا اتباع ضروری ہے اس وقت احکام لارڈ نارتھ بروک
کا اتباع کافی نہیں ہوسکتا اور نہ اُس کا اتباع باعث نجات سمجھا جاتا ہے ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے زمانہ بابرکات میں اور ان کے بعد انبیاء سابق کا اتباع کافی اور موجب نجات نہیں
ہوسکتا اور یہی وجہ ہوئی کہ سوا آپ کے اور کسی نبی نے دعوے خاتمیت نہ کیا بلکہ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ
السلام کا یہ ارشاد کہ جہان کا سردار آتا ہے خود اس بات پر شاہد ہے کہ حضرت عیسیٰ خاتم نہیں کیونکہ حسب اشارہ
مثال خاتمیت بادشاہ خاتم وہی ہوگا جو سارے جہان کا سردار ہو اس وجہ سے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو سب میں افضل سمجھتے ہیں پھر یہ آپ کا خاتم ہونا آپ کے سردار ہونے پر دلالت کرتا ہے اور بقرینہ دعوی
خاتمیت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے یہ بات یقینی سمجھتے ہیں کہ وہ جہان کے سردار
جن کی خبر حضرت عیسیٰ دیتے ہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں رہا یہ شبہہ کہ یہ صورت
نسخ احکام کی ہے اور نسخ احکام چونکہ غلطی حکم اول پر دلالت کرتا ہے اور خدا کے علوم اور احکام میں غلطی متصور
نہیں اس لیے یہ بات بھی غلط ہوگی کہ سوا اتباع محمدی اور کسی طرح نجات متصور نہیں اس کا جواب یہ ہے
کہ نسخ فقط تبدیلی احکام کو کہتے ہیں غلطی کا اشارہ اُس میں سے سمجھ لینا سخت ناانصافی ہے۔ یہ لفظ عربی ہے
اس کے معنی ہمسے پوچھنے تھے پھر اعتراض کرنا تھا سُنیے خدا کے احکام کا نسخ اس قسم کا ہوتا ہے جیسے
طبیب کا منضج کے نسخہ کی جگہ مسہل کا لکھ دینا چنانچہ وہ تقریر بھی جس میں خدا کے احکام کا بندوں کے
حق میں نافع ہونے اور اُس کے مناہی کا اُن کے حق میں مضر ہونے کی طرف اشارہ کر چکا ہوں اور اُس کے
ساتھ ہی طبیب کی مثال عرض کر چکا ہوں اس مضمون کے لیے مؤید ہے الغرض تبدیلی احکام خداوندی مثل
تبدیلی احکام حکام دنیا بوجہ غلطی فہم نہیں ہوتی بلکہ اس غرض سے ہوتی ہے کہ مثل منضج حکم اول کا زمانہ نکل گیا
اور مثل مسہل حکم ثانی کا زمانہ آگیا اور اس قسم کے تبدل احکام کے اقرار سے حضرت نصاریٰ بھی منحرف نہیں

ہو سکے چنانچہ بعض احکام توراۃ کا بوجہ انجیل مبدل ہو جانا سب کو معلوم ہے۔ پھر اگر اس ترمیم کو نصاری
نسخ نہ کہیں تکمیل کہیں تو فقط لفظوں ہی کا فرق ہوگا معنی وہی رہیں گے اور اگر نسخ ہی کہتے رہیں تو چشم
ما روشن دل ما شاد اس کے بعد یہ گزارش ہے کہ شاید نصاری کو یہ خیال ہو کہ حضرت موسی کا کلیم ہونا اور
حضرت عیسی کا کلمہ ہونا بھی مسلم ہے پھر بوجہ نزول کلام اللہ محمدیوں ہی کو کیا افتخار رہا تو اس کا اول تو یہ جواب
ہے۔ کہ حضرت موسی علیہ السلام کا کلیم ہونا بایں معنی ہے کہ وہ خدا کے مخاطب تھے اور خدا کی کلام اُن کے
کان میں آتی یہ نہیں کہ اُن کی زبان تک اور اُن کے منہ تک بھی نوبت پہنچی ہو اور ظاہر ہے کہ کلام فصیح و بلیغ
کا کان میں آجانا سامع کا کمال نہیں ورنہ اس حساب سے بھی وصاحب اعجاز اور صاحب کمال کلام ہو جائیں
البتہ کلام بلیغ کا منہ میں آنا اور زبان سے نکلنا البتہ کمال سمجھا جاتا ہے بشرطیکہ اول کسی اور سے نہ سنا ہو فقط
خدا ہی کی قدرت و عنایت کا واسطہ ہو سو یہ بات اگر میسر آئی ہے۔ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو میسر آئی یہی وجہ ہوئی کہ سوا آپ کے اور کسی نے یہ دعوی نہیں کیا اس تقریر کے سننے و دیکھنے والوں کو انشاء اللہ
اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ توراۃ کی وہ پیشین گوئی جس میں یہ ہے کہ اُس کے منہ میں اپنے کلام ڈالوں
گا بلا شبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اور اسوقت یہ بات بھی آشکار
ہو گئی ہو گی کہ اس پیشین گوئی میں جو اس فقرہ سے اول حضرت موسی علیہ السلام کو خطاب کر کے فرماتے
ہیں کہ تجھ جیسا نبی پیدا کروں گا اُس کا یہ مطلب نہیں کہ تو اور وہ تساوی المراتب ہوں گے بلکہ یہ مطلب
ہے کہ کلام ربانی سے تجھے بھی معاملہ پڑا اور اُسے بھی معاملہ پڑے گا مگر چونکہ یہ تشبیہ اگر مطلق رہتی تو کمال
مشابہت پر دلالت کرتی جس کا حاصل یہی تساوی مراتب نکلتا اس لیے آگے بطور استثناء و استدراک
یہ ارشاد فرمایا کہ اُس کے منہ میں اپنے کلام ڈالوں گا تاکہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ وہ تم سے افضل ہوں
گے کیونکہ اُس وقت وہ نبی بمنزلہ زبان خدا ہوں گے اور ایسی صورت ہو جائے گی جیسے فرض کیجیے کسی
کے سر پر بھوت چڑھ جائے اور وہ اس وقت کچھ باتیں کرے یا بزعم مسمریزم سے کسی عالم کی روح
کا پرتو کسی جاہل کی روح پر پڑ جائے اور اس وجہ سے علوم کی باتیں کرنے لگے جیسے اُس وقت متکلم وہی
ہوتا ہے۔ پر زبان اسی شخص کی ہوتی ہے۔ اور اسی لیے بظاہر یوں ہی کہا جاتا ہے کہ یہی شخص باتیں

کرتا ہے ایسے ہی یہاں بھی خیال فرمالیجیے اور ظاہر ہے کہ زبان متکلم ہی کی جانب شمار کی جاتی ہے۔ البتہ کان مخاطب کے جانب شمار کیے جاتے ہیں سو جب متکلم خود خداوند کریم ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلہ زبان و ترجمان تو بیشک اس حساب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کے ساتھ درجہ تساوی میسر نہیں آسکتا مگر جب یہ بات واجب التسلیم ہوئی تو یہ بات اب چسپاں ہو گئی کہ جو اُس نبی کا مخالف ہو گا اُس میں انتقام لوں گا کیونکہ اس وقت اس نبی کی مخالفت کرنا اور نبیوں کی مخالفت کے زیادہ تر یوں کہہ سکتے ہیں کہ خدا کی مخالفت ہے اس لیے خدا ہی انتقام لے گا مگر جس طرح خدا کی جانب دربارہ کلام وہ شمار کیے گئے ایسے ہی دربارہ انتقام بھی اُن کو شمار کر لیجیے اور اُن جہادوں کو جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخالفوں کے ساتھ کیے ہیں اس انتقام کا ظہور سمجھ لیجیے گا اور انواع عذاب بھی اُس کا تتمہ ہو باقی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلمہ ہونا مخاطب فوقیت رکھے گا متکلم پر فوقیت اس سے ثابت نہ ہو گی بلکہ کلمہ مفعول متکلم ہونا خود متکلم ہی کی افضلیت پر دلالت کرے گا گر چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو متکلم کے جانب مانا تو وہی افضل ہوں گے حضرت عیسیٰ افضل نہ ہوں گے علاوہ بریں تمام انبیاء بلکہ تمام کائنات کلمات خدا ہیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کلام حقیقی کلام معنوی ہے الفاظ کو فقط بایں وجہ کلام کہہ دیتے ہیں کہ کلام معنوی پر دلالت کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر شے کے بنانے سے پہلے اُس کی نسبت کچھ نہ کچھ سمجھ لینا ضرور ہے اس لیے اول اُس شے کا وجود ذہن میں ہو گا اُس کے بعد خارج میں ہو گا اور اس لیے اس شے کو کلمہ کہنا ضرور ہو گا اس صورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں اور اوروں میں اتنا ہی فرق ہو گا کہ اُن کی نسبت قرآن میں یہ آیا ہے۔ کلمۃ القاہا الی مریم جس کا حاصل یہ ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ کلمہ خدا ہیں خدا نے اُس کو مریم کی طرف ڈال دیا غرض خداوندی یہ تھی کہ اُن میں کچھ فوقیت نہیں جیسے اور ایسے ہی وہ فقط اتنا ہے کہ بے واسطہ غیر مریم کی طرف ڈالے گئے مگر اس بیان کے باعث وہ خطاب کے ساتھ مشہور ہو گئے اس تقریر کے بعد جب یہ لحاظ کیا جاتا ہے۔ کہ منشاء فیوض محمدی صلی اللہ علیہ وسلم صفت العلم ہے۔ اور وہ سب میں اول ہے۔ یہاں تک کہ کلام بھی اُس کے تعد میں ہے۔ بلکہ کلام خود اُس علم ہی کے طفیل ظہور میں آتی ہے۔ تو پھر یہ تقریر اور بھی چسپاں ہو جاتی

ہے الغرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر مفعول صفت کلام اور ظہور و مظہر صفت کلام ہیں کیونکہ ہر
مفعول ظہور و مظہر مصدر رہوتا ہے۔ چنانچہ مشاہدہ حال دھوپ و زمین سے عیاں ہے اس لیے کہ
اوّل مفعول مطلق دوسرا مفعول بہ ہے وہ ظہور ہے۔ یہ مظہر ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو
ظہور و مظہر صفت العلم سمجھیے جو کلام کی بھی اصل ہے یہی وجہ ہے۔ کہ تاثیرات صفت کلام میں رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ سے بڑھے ہوئے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ کلام
خواص حیات میں سے ہے حالت موت میں کلام متصور نہیں اس لیے جس میں صفت کلام خداوندی
کا زیادہ ظہور ہوگا اُس میں تاثیر احیاء بھی زیادہ ہوگی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اگر اُن کا عصا
سانپ بنکر زندہ ہو جاتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصدق سے پتھر اور سوکھی کھجور کی لکڑی
کا ستون زندہ ہو گیا اور پھر تماشا یہ ہے۔ کہ اپنی وہی ہیئت اصلی رہی اگر کسی جانور کی شکل ہو جاتا جیسے حضرت
موسیٰ کے عصا کا حال ہوا تو یوں تو کہنے کی گنجایش تھی کہ آخر کچھ نہ کچھ زندوں سے مناسبت تو ہے مگر
سوکھا ستون روتے اور درد محبت میں چلاوے اس میں ہرگز پہلے سے کچھ لگاؤ بھی زندگانی کا نہیں
اگر ہوتا تو پھر بھی کچھ مناسبت تھی اس پر شوق ذوق محبت اور درد فراق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو
اس سوکھے ستون سے جمعہ کے روز ایک جم غفیر اور مجمع کثیر میں ظہور میں آیا اور بھی افضلیت محمدی
صلی اللہ علیہ وسلم پر دلالت کرتا ہے کیونکہ درد فراق اور شوق و اشتیاق مذکور کمال ہی درجہ کا ادراک
و شعور پر دلالت کرتا ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عصاء موسوی کو اس ستون کے ساتھ
کچھ نسبت نہیں وہاں اُس اژدہا سے سانپوں کی نوع سے بڑھکر کوئی بات ثابت نہیں ہوئی اور یہاں
وہ آثار حیات اُس ستون سے نمایاں ہوئے کہ بجز اہل کمال نوع انسانی اور کسی سے اُسکی اُمید نہیں علی ہذا
القیاس پتھروں کا سلام کرنا اور درختوں کا بعد استماع امر اطاعت کرنا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا
اور پردہ کے لیے دو درختوں کا جھک کر ملجانا اس حیات اور اس ادراک و شعور پر دلالت کرتا ہے کہ
حیوانات سے اُس کی توقع نہیں اگر ہے تو افراد انسانی ہی سے ہے۔ علی ہذا القیاس حضرت عیسیٰ کا
مُردوں کو زندہ کرنا یا گارے سے جانوروں کی شکل بنا کر زندہ کر دینا بھی اس قسم کے معجزات نبوی صلعم کے

برابر نہیں ہو سکتا کیونکہ مردہ قبل موت تو زندہ تھا سو کھا درخت تو کبھی زندہ تھا ہی نہیں ایسے ہی وہ
جانور جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنا کر اڑاتے تھے باعتبار شکل تو اُن کو کسی قدر زندوں سے مناسبت بھی
یہاں تو یہ بھی نہ تھا پھر فرق ادراک و شعور اور علاوہ رہا اس پر بھی بوجہ تعصب کوئی شخص اپنی وہی
مرغی کی ایک ٹانگ کہے جائے تو اس کا کیا علاج مُنہ کے آگے آڑ نہیں پہاڑ نہیں جو چاہو سو کہو مگر فکر
آخرت بھی ضرور ہے اس کے بعد یہ گزارش ہے کہ باعتبار معجزات علمیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا اوروں انبیاء سے بڑھا رہنا تو بحکم انصاف ظاہر و باہر ہو گیا بلکہ اس ضمن میں بعض معجزات عملی کی رو سے
بھی آپ کی فوقیت اوروں انبیاء پر واضح و آشکار ہو گئی اس لیے کہ درختوں کا چلنا اور ستون کا رونا
منجملہ اعمال ہے منجملہ علوم نہیں گو باین اعتبار کہ اعمال اختیاریہ اور روزمرہ کے لیے اول ادراک
و شعور اور حیات کی ضرورت ہے ان اعمال سے اول انھیں وقائع میں ظہور معجزہ علمیہ بھی ہو گیا مگر اب
اہل انصاف کی خدمت میں یہ گذارش ہے کہ بسبیل مزید گزارش بھی سُن لیں تاکہ فوقیت محمدی
باعتبار معجزات عملی بھی ظاہر ہو جائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے اگر پتھر میں سے پانی نکلتا
تھا تو یہاں دست مبارک میں سے نکلتا تھا اور ظاہر ہے کہ پتھروں سے پانی کا نکلنا اتنا عجیب نہیں جتنا
گوشت و پوست میں سے پانی کا نکلنا عجیب ہے اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ میں پتھر سے پانی کے
نکلنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جسم مبارک موسوی کا یہ کمال تھا اور یہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ دست
مبارک محمدی منبع فیوض لاانتہا ہے۔ بلکہ جب یہ دیکھا جائے کہ کسی پیالہ میں تھوڑا سا پانی لیکر
اُس پر آپ نے ہاتھ پھیلا دیا جس سے اسقدر پانی نکلا کہ تمام لشکر سیراب ہو گیا اور لشکر کے جانور سیراب
ہو گئے تو یہ بات بحکم فہم سلیم سمجھ میں آتی ہے کہ جیسے آئینہ وقت تقابل آفتاب فقط قابل و مفعول ہوتا
ہے۔ اور نور افشانی فقط آفتاب ہی کا کام ہے اور یہ کمال نور اسی کی طرف سے آیا ہے آئینہ کی
طرف سے نہیں یا کائنات الجو اور حوادث مابین ارض و سما میں فاعلیۃ آسمان کی طرف سے ہے
زمین فقط قابل ہے دوسروں کا کمال لیکر ظاہر کرتی ہے۔ ایسے ہی اُس وقت جس وقت آپنے دست
مبارک اس پانی پر رکھا اور یہ معجزہ تکثیر آب نمایاں ہوا تو یوں سمجھو کہ پانی محض قابل تھا فاعلیت

اور ایجاد آپ کی طرف سے تھا یعنی فاعلیت فاعل حقیقی اور ایجاد موجد حقیقی کے سامنے آپ کا دست مبارک
ایک واسطہ فیض اور آلہ ایجاد تھا گو اُس خدا کو بے اِن وسائط کے بھی بنانا آتا ہے لیکن اس میں شک
نہیں کہ اس طور سے پانی کا پیدا ہونا صاف اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو کچھ ہوا وہ آپ کے
دست مبارک کی تاثیر سے ہوا اور ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ میں یہ خوبی نہیں نکلتی بلکہ
فقط ایک قدرت خدا ثابت ہوتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس کوئیں میں آپ کے تھوکنے سے پانی کا زیادہ ہو جانا یا
کچھ پڑھنے سے کھانے کا بڑھ جانا بھی آپ کے کمال جسمی پر دلالت کرتا ہے۔ اور قدرت خدا پر بھی دلالت
کرتا ہے۔ اور فقط یوں ہی روٹیوں کا زیادہ ہو جانا فقط خدا کی قدرت ہی پر دلالت کرتا ہے حضرت عیسیٰ
کے کمال جسمی پر دلالت نہیں کرتا ہاں یہ مسلم کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے
سے ان امور کا ظہور میں آنا اُن کے تقرب پر دلالت کرتا ہے اور اسی وجہ سے اُن کا معجزہ سمجھا جاتا ہے مگر
یہ بات تو دونوں جا یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام میں
برابر موجود ہے۔ اور پھر اُس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ میں کمال جسمی اور مزید برآں ہے
علیٰ ہذا القیاس حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ لگانے سے ٹوٹی ہوئی ٹانگ کا فی الفور
صحیح و سالم ہو جانا اور بگڑی ہوئی آنکھ کا آپ کے ہاتھ لگاتے ہی اچھا ہو جانا فقط یوں ہی بیماروں کے
اچھے ہو جانے سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ وہاں تو اس سے زیادہ کیا ہے۔ کہ خداوند عالم نے حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کے کہنے ہی بیماروں کو اچھا کر دیا کچھ برکت جسمانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں پائی
جاتی اور یہاں دونوں موجود ہیں کیونکہ اصلی فاعل تو پھر بھی خداوند عالم ہی رہا پر بواسطہ جسم محمدی اس معجزہ
کا ظاہر ہونا بیشک اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ آپ کا جسم مفیض منبع البرکات کا ہے اور سنیئے حضرت
یوشع علیہ السلام کے لیے آفتاب کا ایک جا پر قائم رہنا یا حضرت یسعیاہ کے لیے یا کسی اور کے لیے آفتاب
کا غروب کے بعد لوٹ آنا اگرچہ معجزہ عظیم الشان ہے مگر انشقاق قمر اس سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ
اول تو حکمائے انگلینڈ اور فیثا غورسیوں کے مذہب کے موافق اُن دونوں معجزوں میں زمین کا سکون
یا کسی قدر اس کا الٹی حرکت کرنا ثابت ہوگا اور میں جانتا ہوں کہ حضرات پادریان انگلستان ساتھ

وہ اسی مذہب کو قبول فرمائیں گے بطلمیوسیوں کے مذہب کو یعنی حرکت افلاک و شمس و قمر و کواکب
کو تسلیم نہ کریں گے اور اگر در بارہ افلاک مخالفت کا ہونا باعث عدم قبول ہو تو اُس کا یہ جواب ہے
کہ حکمائے انگلستان کے موافق آسمانوں کے اثبات کی ضرورت نہیں گو اُن کے طور پر انکار بھی ضروری
نہیں اگر تمام کواکب کو آسمان سے ورے مانیے اور آفتاب کو مرکز عالم پر تجویز کیجیے اور آسمان سے ورے ورے
زمین وغیرہ کا اُس کے گرداگرد متحرک ہونا تجویز کیجیے تو اُن کا کچھ نقصان نہیں نہ ان کی رائے و مذہب میں کچھ
خلل آسکتا ہے بالجملہ بطور حکمائے انگلستان اس معجزہ کا خلاصہ یہ نکلے گا کہ زمین کی حرکت مبدل بسکون
ہوگئی تھی اور کسی حرکت کے بدلے تھوڑی دور اُدھر کو حرکت ہوگی مگر بوجہ قرب زمین اس بات میں اتنا تعجب
نہیں جتنا انشقاق قمر میں تعجب ہے کیونکہ وہاں ایک تو یہ بات کہ لاکھوں کوس دور اتنی دور اُوپر کی طرف
تاثیر کا پہنچنا بنسبت اِس کے کہ اُس چیز پر تاثیر ہو جائے جو اپنے زیر قدم ہو اور وہ بھی قدموں سے لگی ہو
کہیں زیادہ ہے علاوہ بریں اس تاثیر اور اُس تاثیر میں فرق زمین و آسمان کا ہے۔ حرکت کا مبدل
بسکون ہو جانا اتنا دشوار نہیں جتنا ایک جسم مضبوط کا پھٹ جانا کیونکہ اِن اجسام کی حرکت اگر اختیاری
ہے۔ تو اختیار سے جیسے حرکت متصور ہے۔ ایسے ہی سکون بھی متصور ہے۔ اور اگر کسی دوسرے کی تحریک
سے اُن کی حرکت ہے تو اس صورت میں سکون اُن کے حق میں اصل مقتضائے طبیعت ہوگا اس صورت میں
سکون کا عارض ہو جانا پھر اُن کے حق میں دشوار نہ ہوگا جو اُس کے قبول سے انکار ہو پر پھٹ جانا جو
خلاف طبیعت ہے۔ دشوار ہوگا اور چاند کو جاندار فرض کیجیے تو اور بھی اُس کے حق میں مصیبت عظیم
سمجھیے اس صورت میں بیشک انشقاق قمر سکون زمین سے کہیں اعلیٰ اور افضل ہوگا اسی پر حرکت معکوس
کو خیال کر لیجیے یعنی حرکت زمین اگر اختیاری ہے تب اُس کو حرکت معکوس دشوار نہیں ہماری حرکت
چونکہ اختیاری ہے۔ اس لیے۔ جس طرف کو ہم چاہیں جا سکتے ہیں اور اگر حرکت زمین کسی دوسرے کی تحریک
سے ہے۔ تو اُن کی تحریک سے حرکت معکوس بھی ممکن ہے باقی ایسا محرک تجویز کرنا جس کو ادراک و شعور ہو
اور اُس سے سوائے حرکت واحد یعنی ایک طرفی حرکت کے دوسری حرکت صادر ہی نہ ہو سکے اور اُس کا
نام طبیعت رکھنا انھیں لوگوں کا کام ہے جن کو ادراک و شعور نہ ہو کیونکہ حرکت بے اس کے متصور نہیں

کہ ایک جہت اور ایک جانب راجح اور متعین ہو جاتے اور ظاہر ہے۔ کہ یہ بات بے ادراک وشعور ممکن نہیں
سو اگر طبیعت خود مرجح ہوتی ہے۔ تب تو اُسی کا ادراک وشعور ثابت ہو گیا اس لیے وہ حرکت ارادی
ہو گئی اور اگر مرجح کسی اور کا ادراک وشعور ہے۔ تو حرکت طبعی قسری یعنی دوسرے کی تحریک سے
ہو گئی اور حقیقت میں طبیعت کے یہی معنی ہیں چنانچہ اس لفظ کا عربی زبان میں بمعنے مفعول ہونا خود
اس بات پر شاہد ہے۔ الحاصل سکون زمین ہو یا حرکت معکوس دونوں طرح انشقاق قمر کے برابر نہیں
ہو سکتی پھر اُس پر قرب وبعد وفوقیت تحتیت محل تاثیر کا فرق مزید برآں رہا اور اگر فرض کیجیے حضرات نصاریٰ
آفتاب ہی کو متحرک کہیں تب بھی یہی بات ہے۔ کہ شق قمر کا اور یہ سکون آفتاب یا حرکت معکوس آفتاب کی
سکون آفتاب یا حرکت معکوس آفتاب ارادی ہو یا نہ ہو دونوں طرح شق قمر سے مشکل نہیں البتہ قرب وبعد
محل تاثیر بظاہر یہاں معکوس ہو گیا ہے کیونکہ آفتاب قمر سے دور ہے۔ مگر اوّل تو متحرکین بالاختیار کا بوجہ
امر ونہی واستدعا والتماس دور سے کام لینا ممکن آدمیوں اور جانوروں میں بسا اوقات یہ ہوتا ہے
کہ دور کی آواز پر تھم جاتے ہیں یا چل دیتے ہیں پر دور سے کسی جسم کا پھاڑ دینا متصور نہیں سو اگر
آفتاب خود اپنے ارادہ سے متحرک ہو تب تو حضرت یوشع کی استدعا کے بعد اُس کا ٹھہر جانا حضرت یوشع
کی تاثیر پر اور قوت پر دلالت نہ کرے گا بلکہ اس بات پر دلالت کرے گا کہ آفتاب نے اُن کی ایک بات مان
لی سو کسی کا کسی کی بات کو مان لینا کچھ اُس کی عظمت ہی پر منحصر نہیں خدا بندوں کی دعا قبول کر لیتا
ہے۔ تو کیا بندے اُس سے بڑھ گئے اور کافروں کی سن لیتا ہے۔ تو کیا وہ کچھ خدا کے مقرب ہو گئے
علیٰ ہذا القیاس بسا اوقات امرا وسلاطین مساکین کی عرض معروض سن لیتے ہیں تو کیا مساکین اُن سے
بڑھ جاتے ہیں نہیں ہرگز نہیں بلکہ یہ استدعا ہے۔ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس بات کی استدعا کی جاتی
ہے۔ اُس بات میں مستدعی کو کچھ مداخلت نہیں زیادہ نہیں تو وقت استدعا تو ضرور یہی اُس کا بے دخل
ہونا ثابت ہو گا اور اگر آفتاب کسی دوسرے کی تحریک سے متحرک ہے تو پھر اُس کا سکون محرک کے ہاتھ میں
ہو گا اور حضرت یوشع کی استدعا۔ گو بظاہر آفتاب سے ہو گی پر حقیقت میں اس محرک سے ہو گی مگر ظاہر
الفاظ حکایت اسی بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آفتاب سے استدعا تھی اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں

کا اور وہ بھی ایسا جس پر عجب نہیں چکنا شا بھی ہوتا ہو دوسرے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور
دسترخوان مین زمین و آسمان کا فرق وہ خود نبی اور نبی بھی کیسے خلیل اللہ اور وہان دسترخوان مین فقط
اتنی بات کہ گھہ وبیگاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا گیا ہو اور آپ نے اُس پر کھانا کھایا ہو
الحاصل معجزات عملی مین بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سب مین فائق ہین اور پھر وہ معجزات
جو قرآن مین موجود ہین اُن کا ثبوت تو ایسا یقینی کہ کوئی تاریخی بات اُس کے ہم پلہ نہین ہو سکتی کیونکہ کوئی
کتاب سوائے قرآن شریف عالم مین ایسی نہین کہ اُس کا لفظ لفظ متواتر ہوا اور لاکھون آدمی اُس کے
حافظ ہون بلکہ کسی کتاب کا ایک دو حافظ بھی عالم مین شاید نہ ہو سوا اس کے احادیث نبوی صلی اللہ
علیہ وسلم اس بات مین تو توراۃ وانجیل کے ساتھ مساوی ہین کیونکہ یہود و نصاریٰ بھی اپنی
کتابون کی نسبت اس بات کے قائل ہین کہ مضامین الہامی اور الفاظ الہامی نہین اہل اسلام بھی
اس بات کے قائل ہین کہ مضامین احادیث وحی سے متعلق ہین پر الفاظ وحی مین نہین آئے چنانچہ اسی
وجہ سے قرآن وحدیث کو باہم ممتاز سمجھتے ہین اور قرآن شریف کو جو نماز مین پڑھتے اور احادیث کو
نہین پڑھتے تو اُس کی بھی یہی وجہ ہے۔ کہ وہ وقت گویا ہم کلامی خدا ہے اُس وقت وہی الفاظ
چاہیین جو خدا کے یہان سے آئے ہین زیادہ فرصت نہین اور نہ زیادہ گنجایش ورنہ اس
مضمون کو انشاء اللہ واشگاف کر کے دکھلا دیتا مگر باوجود اس تساوی کے یہ فرق ہے کہ اہل اسلام
کے پاس احادیث کی سندین من اولہ الی آخرہ موجود اس زمانہ سے لیکر اوپر تک تمام راویون کا سلسلہ
بتلا سکتے ہین اور ظاہر ہے کہ یہ بات کس قدر موجب اعتبار ہے علاوہ برین جس زمانہ تک احادیث
متواتر نہین اُس زمانہ تک کے راویون کے احوال مفصل بتلا سکتے ہین کیونکہ اس علم مین کثرت سے
کتابین موجود ہین ہان ایک دو روایت شاید ایسی بھی ہو گی کہ مثل توراۃ وانجیل اُن کی سند کا
آجکل پتا نہ نکلے مگر جب حضرات نصاریٰ سے مقابلہ ہے۔ تو پھر اُن روایات کے پیش کرنے مین کیا
حرج اس کے بعد اہل انصاف کو تو مجال دم زدن نہین یہ کیا انصاف ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ
السلام کے معجزات اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تو اُن روایات کے بھروسے تسلیم کر لیے جائین

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات باوجودیکہ ایسی ایسی روایات متصلہ ہون تسلیم نہ کیے
جائین اور پھر تماشا یہ ہے۔ کہ ایسی بے معنی حجتین کیجاتی ہین کہ کیا کہیے کوئی صاحب فرماتے ہین یہ معجزے
قرآن مین مذکور نہین مگر اوّل تو کوئی پوچھے کہ قرآن مین مذکور ہونا جو تسلیم کے لیے ضروری ہے تو یہ ضرورت
بہ شہادت عقل ہے۔ یا بہ شہادت نقل عجب اندھیر ہے۔ کہ تاریخون کی باتین تو جنکے مصنف اکثر سُنی سُنائی
لکھتے ہین اور راویون کی کچھ تحقیق نہین کرتے اور پھر آج اُن تاریخون کی کوئی سند مصنف تک نہین
ملتی حضرات نصاریٰ کے دل مین نقش کالحجر ہو جائین اور نہ مانین تو احادیث محمدی کو نہ مانین علاوہ
برین اگر یہ مطلب ہے کہ کوئی معجزہ قرآن مین مذکور نہین تو یہ از قسم دروغ گویم بر روے تو ہے
شق قمر اور کثرت سے پیشین گوئیان جن مین سے اسلام مین خلفاء کا ہونا اور فارس سے لڑائی کا
ہونا اور روم کا مغلوب ہونا اور سوا اُن کے اور بہت موجود ہین اور اگر یہ مطلب ہے۔ کہ سارے معجزے
قرآن مین موجود نہین تو ہماری یہ گزارش ہے کہ ایمان کے لیے ایک بھی کافی ہے۔ علاوہ برین مدار کار
قبول روایت سند پر ہے۔ خدا کے نام لگ جانے پر نہین ورنہ لازم یون ہے۔ کہ حضرات نصاریٰ سوا
ان چار انجیلون کے جتنی انجیلین کہ اب مردود غلط سمجھتے ہین اُن سب کو واجب التسلیم سمجھین اور جب
مدار کار روایت سند پر ہوا تو پھر احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم واجب التسلیم ہون گی اور تورات
و انجیل واجب الانکار اور سُنیے کوئی صاحب فرماتے ہین کہ قرآن مین معجزون کے دکھلانے سے انکار
ہے۔ یہ نہین سمجھتے کہ وہ ایسا انکار ہے جیسا انجیل مین انکار ہے کوئی صاحب فرماتے ہین کہ اگر انشقاق
قمر ہوا ہوتا تو سارے جہان مین شور پڑ جاتا تاریخون مین لکھا جاتا اوّل تو یہی ایک معجزہ نہین جس کے
عدم ثبوت سے کچھ خلل واقع ہو علاوہ برین یہ خیال نہین فرماتے کہ اگر ایسے واقع مین شور عالمگیر کا
ہونا لازم ہے اور تاریخون مین لکھا جانا ضرور ہے تو اُس اندھیرے کا کونسی تاریخ مین ذکر اور کہان
کہان شور ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سولی دینے کے دن واقع ہوا تھا اور اُس ستارہ
کا کون کون سی کتاب مین ذکر ہے۔ اور کہان کہان شور ہے۔ جو حضرت عیسیٰ کے تولد کے دنون
مین نمایان ہوا تھا اور آفتاب کے پہر بھر تک ساکن رہنے کا کہان کہان چرچا ہے اور کون کون

سی کتاب مین مذکور ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور وقائع کو خیال فرمائیے علاوہ برین اُن کے واقعات اور اُن کے حوادث مین عموم اطلاع کے باب مین زمین آسمان کا فرق ہے خاص کر اندھیرے کا ہو جانا کہ اُس کی اطلاع تو ہر کس و ناکس کو ضرور ہے۔ انشقاق قمر کی اطلاع تو سوا اُن صاحبون کے ضروری نہین کہ اُس وقت بیدار بھی ہون اور پھر نگاہ بھی اُن کی چاندھی کی طرف ہو اور ظاہر ہے۔ کہ یہ بات شب کے وقت بہت کم اتفاق مین آتی ہے کہ بیدار بھی ہوں اور نگاہ بھی اُدھر ہو اور اگر فرض کیجیے کہ موسم سرما ہو تو یہ بات اور بھی مستبعد ہو جاتی ہے علاوہ برین طلوع قمر کے تھوڑی دیر کے بعد یہ قصہ واقع ہوا اس لیے جبل حرا کے دونون ٹکڑون کے بیچ مین حائل ہو جانے کا مذکور ہے۔ اس صورت مین ممالک مغرب مین تو اُس وقت تک عجب نہین طلوع بھی نہوا ہو اور بعض بعض مواقع مین عجب نہین کہ ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے کی آڑ مین آ گیا ہو اور اس لیے انشقاق قمر اُس جا پر محسوس نہوا ہو ہان ہندوستان مین اُس وقت ارتفاع قمر البتہ زیادہ ہو گا اور اس لیے وہان اور جگہ کی نسبت اس کی اطلاع کا زیادہ احتمال ہے۔ مگر جیسے اُس وقت ہندوستان مین ارتفاع قمر زیادہ ہو گا ویسا ہی اُس وقت رات بھی آدھی ہو گی اور ظاہر ہے کہ اُس وقت کون جاگتا ہوتا ہے۔ سوا اس کے ہندوستانیون کو قدیم سے اس طرف توجہ ہی نہین کہ تاریخ لکھا کرین بایں ہمہ تاریخون مین موجود ہے۔ کہ یہان کے ایک راجہ نے ایک رات یہ واقعہ بچشم خود دیکھا ہے زیادہ اس سے کیا عرض کیجیے اہل انصاف کو یہ بھی کافی ہے اور نا انصاف لوگ عذاب آخرت ہی کے بعد تسلیم کرین تو کرین مگر ان حضرات ہنود کے دل مین شاید ہنوز یہ خدشہ حلت گوشت کا کھٹکا ہو اور یہ خیال ہو کہ گوشت کے لیے جانورون کا ذبح کرنا سراسر ظلم ہے ایک جان کے لیے اسقدر جانین تلف کرنی کیونکر جائز ہو سکتی ہین بایں ہمہ تلف بھی کاہے کے لیے کرتے ہین ایک ذرا سی لذت کے لیے یہ بھی نہین کہ مدار زندگانی انسان حیوانات کے گوشت پر ہو اسلیے یہ گزارش ہے۔ کہ ہم اگر بطور خود بے اجازت خداوندی جانورون کو ذرا بھی ستائین تو بیشک ظلم ہو مگر اس کو خیال فرمائیے کہ ہم با جازت مالک الملک اُن کو حلال جانتے ہین اُس کی اجازت کے بعد

بھی جانور حلال نہ ہو تو اس کے یہ معنی ہیں کہ خداوند عالم کو جانوروں کا اختیار نہیں حیوانات
اُس کے مملوک نہیں مگر تمہیں کہو یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ مالک کو اپنی چیز کا اختیار نہ ہو نا چاہیے۔ کہ
جانوروں کا ذبح کرنا تو ظلم ہے۔ اور خدا تعالیٰ کو اجازت کی ممانعت ظلم نہ ہو پھر اُس پر معلوم سواری
اور بار برداری اور دودھ کا پینا کونسی استحقاق پر مبنی ہے۔ اور اگر یہ خیال ہے۔ کہ خدا کو تو حق تھا لیکن
پر انسان کے واسطے اُن کا حلال ہونا مناسب نہ تھا تو اس کا اوّل تو یہ جواب ہے۔ کہ مناسب اگر اس کو
کہتے ہیں کہ موافق اپنے استحقاق کے کام کیجیے تو کوئی صاحب فرمائیں تو سہی کہ وہ ایسی کونسی چیز ہے کہ خدا کو
اُس پر استحقاق نہیں اور ایسا کونسا استحقاق ہے جو خدا کو اپنی مخلوقات پر حاصل نہیں اور اگر مناسب
اس کو کہتے ہیں کہ جیسے آئینہ اور پتھر میں فرق قابلیت ہے اور اس لیے آئینہ کو آفتاب زیادہ نور عطا کرتا
ہے۔ اور پتھر کو کم اور بوجہ فرق قابلیت یہی مناسب ہے اس کے مخالف ہونا نامناسب ہے تو اُسکا جواب
یہ ہے۔ کہ بیشک انسان اس بات کا مستحق ہے۔ کہ اُس کے لیے یہ چیزیں حلال ہوں کہنہ مکان
کو اگر گرا کر دوسرا نیا عمدہ مکان بنائیں تو اس کو کوئی شخص بایں معنی نامناسب نہیں کہہ سکتا کہ نیا عمدہ
مکان بنانے کے قابل نہیں ایسے ہی اگر حیوانات کو ذبح کر کے اُس کے گوشت سے بدن انسانی
بنایا جائے تو عین ثواب ہے۔ غرض بری چیز کو توڑ پھوڑ کر عمدہ چیز کا بنانا ہرگز نامناسب نہیں
بلکہ عین مناسب ہے انسان کے لیے تو یوں مناسب کہ اور غذاؤں میں مادہ بعید اور گوشت مادہ قریب ہے
اور اس لیے گوشت سے کامل گوشت پیدا ہو تو تعجب نہیں کیونکہ فضلات کے اندفاع کے بعد اور بھی
صفائی کی امید ہے اور حیوانات کے حق میں یوں مناسب کہ پہلے اُس گوشت سے قوام جسم حیوانی
تھا اب قوام جسم انسانی میسر آیا جس کا یہ حاصل نکلا کہ پہلے آلہ و مرکب روح ادنیٰ تھا اب آلہ و
مرکب روح اعلیٰ ہو گیا اور ظاہر ہے کہ ترقی مدارج حسنہ ہرگز قابل گرفت نہیں علاوہ بریں انسان
کو مثل شیر و چیتا و بھیڑیا وغیرہ کچلیوں کا عطا کرنا خود اس جانب مشیر ہے کہ اس کی غذا اصلی گوشت
ہے۔ اور اہل عقل کے نزدیک یہ بات کم از اجازت نہیں اور ظاہر ہے کہ جتنی چیزیں دی گئیں
ہیں کسی نہ کسی کام کے لیے دی گئیں ہیں آنکھ کان جیسے دیکھنے سننے کے لیے ہیں اور اسی لیے دیکھنے

سُننے کی اجازت ہوئی ایسے ہی کچلیون کو بھی خیال فرمالیجیے ہان یہ بات مسلم کہ سارے حیوانات یکسان نہین
ہر کسی کے گوشت مین جدی تاثیر ہے جس جانور کا گوشت مفید ہوگا وہی جائز ہوگا جس جانور کا گوشت
مضر ہوگا بقدر مضرت ناجائز ہوگا کیونکہ خداوند کریم کے امر و نہی اجازت و ممانعت آدمی کے نفع و نقصان
کے لحاظ سے ہے اپنے نفع و نقصان کے لحاظ سے نہین اس لیے سور و شیر وغیرہ درندون کا گوشت
قابل ممانعت ہے کیونکہ سور تو سراپا بجس دوسرے بیحیا اُس کی مادہ سے جس کا جی چاہے جست کرے اس کو کچھ
پروا نہین اس لیے وہ قابل حرمت نظر آیا تاکہ اُن کے کھانے سے بیحیائی نہ چھا جائے اور دل و جان ناپاک
نہ ہوجائین جس سے خیالات ناپاک پیدا ہون اور شیر وغیرہ جانوران درندہ بوجہ بداخلاق قابل ممانعت تھے تاکہ
اُن کے کھانے کی تاثیر سے مزاج مین بدخلقی نہ پیدا ہوجائے کیونکہ جیسے گرم غذا سے گرمی اور سرد سے سردی پیدا
ہوتی ہے ایسے ہی اخلاق و کیفیات و خواص الانواع حیوانات کو خیال فرما لیجیے فقط مگر یہ ہے تو جیسے اکثر حیوانات
کا گوشت قابل حرمت نظر آتا ہے ایسے ہی ہر قسم کے جانور کا خون لائق حرمت ہے کیونکہ جیسے پاخانہ پیشاب کی
ناپاکی مین اس وجہ سے کہ ہر کسیکو اس سے نفرت ہے کسیکو تامل نہین اور اسی لیے کسیکی تعلیم کی حاجت نہین
ایسے ہی خون بھی بوجہ نفرت طبعی جو ہر کسی کے دلمین موجود ہے سزاوار حرمت ہے اور کیون نہ ہو پاخانہ کا
فضلہ ہونا اس پر شاہد ہے کہ وہ غذا نہین آخر فضلہ اُسیکو کہتے ہین کہ جسقدر کچھ غذائیت سے فاضل سمجھا اُسکو
جدا کرکے مخرج کیطرف کردیا تاکہ باہر ہوجائے یون موجودہ خارجہ و موانع خروج اگر خارج نہ ہو تو جبر اس صورت مین
یہ اشارہ کم از ممانعت نہین کہ اگر لائق غذا ہوتا تو اُسکو پیٹ ہی سے کیون نکالتے دوبارہ تو داخل کرنا کجا ایسے ہی
خون کا آمادہ خروج رہنا اور جہان کہین اُسکو راہ خروج ملا جبھی نکلجانا اسپر شاہد ہے۔ کہ یہ اصل مین فضلہ ہے
ابدان حیوانی مین محبوس ہوتا ہے البتہ جیسے پاخانہ پیشاب مین لیاقت اور قابلیت استحالہ الی الغذا ہے یعنی کھاد
ہوکر پھر کسی قسم کا غلہ اور اناج بنجاتا ہے۔ ایسے ہی خون بھی اپنی حیثیت سے مستحیل و منتقل ہوکر گوشت بنجاتا ہے
اتنا فرق ہے کہ خون جسم کے اندر ہی اندر مستحیل اور متبدل ہوجاتا ہے اور پاخانہ پیشاب کا استحالہ اور انتقال بعد
خروج ہوتا ہے دوسرے خون اور گوشت کے درمیان اور کوئی واسطہ نہین یا خون تھا یا گوشت ہوگیا اور پاخانہ
پیشاب مین اور غلہ مین کئی واسطے حائل ہین اول کھاد ہوتا ہے پھر خاک پھر سبزہ پھر غلہ مگر ظاہر ہے کہ یہ سبب

نقل اور تحویل مین حال الی حال جسم حیوانی سے باہر ہی ظہور مین آتی ہین اسلیے پاخانہ پیشاب کے لیے تو مخرج
بنایا گیا اور خون کا استحالہ اندر ہی اندر ہوتا رہتا ہے اسلیے اسکے لیے کوئی مخرج نہ رکھا گیا مگر یہ فرق فضلہ ہونے
مین قادح نہین ہوسکتا بلکہ جیسے پاخانہ پیشاب کو باین غرض کہ اور بدن آلودہ نہ ہو جائے آنتون کے نلون مین
بھر دیتے ہین اور اس سے اہل فہم یہ سمجھ سکتے ہین کہ یہ ناپاک تھا تو یہ بندوبست کیا گیا ایسے ہی خون کو رگون کے نلون
مین بھر دیتے ہین اسلیے یہان بھی وہی اشارہ ہوگا باقی رہا بلغم اور رینٹ ہرچند وہ بھی فضلہ نظر آتے ہین مگر اول تو یہ فرق
کہ پاخانہ پیشاب اور خون مین تو سب افراد انسانی بلکہ جملہ افراد حیوانی برابر اور بلغم اور رینٹ مین کچھ تفاوت کہ اکثر اس
سے خالی ہوتی اور اکثر مبتلا اور پھر وہ بچارہ رہنا صحت مین شمار کیا جاتا ہے اور یہ ابتلا منجملہ امراض اس پر شاہد ہے کہ یہ فضلہ اصل
مین بوجہ ضعف قوۃ ہاضمہ اور قوۃ محیلہ جسکا کام یہ ہے کہ خون گوشت وغیرہ اجزاء بدانی کی طرف مستحیل کر دے تاکہ یہ صورت
پیدا ہو جائے ورنہ اصل مین وہ اجزاء غذائی ہوتے ہین یہی وجہ ہے کہ نہ مثل پاخانہ اور پیشاب خاص اُنکے لیے کوئی مخرج
بنایا گیا اور نہ مثل خون اُنکا محبوس رکھنا مقصود ہے اور یہ منھ اور ناک جو اُن کیلیے مخرج نظر آتے ہین تو انکا مخرج ہونا
باین اعتبار تو صحیح ہے کہ انہین کو بلغم اور رینٹ اور تھوک اور رسنک کا خروج نظر آتا ہے لیکن یون نہین کہہ سکتے کہ جیسے پاخانہ
کی جائے اور پیشاب گاہ کو فقط بغرض خروج پاخانہ اور پیشاب بنایا ہے منھ اور ناک کو بھی فقط بلغم اور رینٹ اور تھوک ورسنک
کی اخراج کیلیے بنایا ہے کون نہین جانتا کہ مونھ کھانے اور بولنے کے لیے اور ناک سونگھنے کے لیے ہے غرض نہ مثل پاخانہ پیشاب
اُنکے لیے کوئی مخرج بنایا گیا اور نہ مثل خون اُنکا محبوس رکھنا مقصود تھا اسلیے باعتبار ظاہر تو فضلہ کہہ سکتے ہین پھر باعتبار
حقیقت وہ فضلہ نہین فقط نقصان قوت ہاضمہ وغیرہ اسکا باعث ہوا کہ وہ جزو بدن نہ ہوسکا یہی وجہ ہوئی کہ جیسے پاخانہ پیشاب اور
خون کے لیے جدے جدے نل بنا دیئے تھے تاکہ اور جسم آلودہ نہ ہو اسی طرح بلغم اور رینٹ کے لیے کوئی جدا ظرف نہ بنایا گیا اسوجہ
سے انکو ناپاک تو نہین کہہ سکتے پر غذا بھی نہین کہہ سکتے یہی وجہ ہے کہ نہ طبائع انسانی مین مثل خون و پاخانہ و پیشاب ان سے
ایسا تنفر ہے کہ ہاتھ بھی نہ لگا سکین اور نہ کچھ رغبت ہے کہ مثل گوشت اناج و غلہ وغیرہ نوش جان کر جائین مگر خون
مین وہ کونسی بات ہے جسکے اُسکے ناپاک ہونے مین تامل کیجیے خون کا اندر ہی اندر ادھر سے اُدھر دوڑے دوڑے پھرنا فقط
مخرج ہی کی تلاش کیلیے ہے ورنہ مثل گوشت و پوست ساکن رہا کرتا پاخانہ پیشاب کو مخرج ملجاتا ہے اور وہ اپنی حرکت مین
کامیاب ہوتے ہین اور خون کو مخرج نہین ملتا اسلیے وہ ناکام رہتا ہے مگر وجہ اس مخرج نہ رکھنے کی ایک تو یہ معلوم ہوتی ہے

آفتاب کا بارادہ خود متحرک ہونا ثابت ہو گا علاوہ برین بطور حکماء یونان زوال حرکت فلکیات
محال نہین کیونکہ اُن کے نزدیک یہ حرکتین دائمی ہین ضروری نہین اور ماہران منطق جانتے ہین کہ محال
ضرورت محال ہوتا ہے۔ مخالف دوام محال نہین ہوتا اور خرق والتیام فلکیات یعنی افلاک کواکب
شمس و قمر اُن کے نزدیک منجملہ محالات ہے اور فلکیات کا بجنسہ باقی رہنا ضروری گو واقع مین محال
اور یہ ضروری نہ ہو لیکن بہرحال اتنی بات تو معلوم ہوئی کہ خرق والتیام مین بہ نسبت سکون و حرکت
معکوس زیادہ دشواری ہے جو ایسے ایسے عقلا کو خیال امتناع و استحالہ ہوا اس کے بعد گزارش ہے
کہ اس معجزہ کو پتھرون کے نرم ہو جانے یا لوہے کے نرم ہو جانے سے ملائیے اور پھر بتلائیے کہ تفاوت
آسمان و زمین ہے۔ کہہین حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یدبیضا کی خوبی مین کچھ کلام نہین پر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب کی چھڑی کے سر پر طفیل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندھیری
رات مین جب وہ آپ کی خدمت سے رخصت ہونے لگے روشنی ہو گئی وہ جانے والے دو شخص تھے
جہان سے راہ جدا ہوا وہان سے وہ روشنی دونون کے ساتھ ہولی اب خیال فرمایئے دست مبارک
موسیٰ علیہ السلام اگر جیب مین ڈالنے کے بعد بوجہ قرب قلب منور روشن ہوا تھا تو اوّل تو وہ نبی دوسرے
نور قلب کا قرب و جوار جیسے بوجہ قرب ارواح اجسام مین اُن کے مناسب حیات آجاتی ہے
ایسے ہی اگر بوجہ قرب نور قلب دست موسوی مین اُس کے مناسب نور آجائے تو کیا دور ہے یہان
تو وہ دونون صاحب نہ نبی تھے نہ اُن کی لکڑی کو قلب سے قرب و جوار نہ اخذ فیض مین وہ قابلیت
جو بدن مین بنسبت روح ہوتی ہے فقط برکت صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھی اور سنیے آتش
نمرود نے اگر جسم مبارک حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہ جلایا تو اتنا تعجب انگیز نہین جتنا اُس دسترخوان
کا آگ مین نہ جلنا جو حضرت انس کے پاس بطور تبرک نبوی تھا اور وہ بھی ایک بار نہین بارہا اس
قسم کا اتفاق ہوا کہ جہان میل چکناہٹ زیادہ ہو گیا جبھی آگ مین ڈال دیا اور جب میل چکناہٹ جل
گیا جبھی نکال لیا یہ قصہ مثنوی مولانا روم مین مذکور ہے اور اور حکایتین اور کتابون مین مذکور
ہین مگر خیال فرمایئے کہ ایک تو آدمی کا نہ جلنا اتنا موجب تعجب نہین جتنا کجھور کے پٹھو کے دسترخوان

کہ الغرض بدل ما یتحلل اسکو مستحیل کرکے گوشت بنانا مقصود ہے اور وہ استحالہ انہیں میں ہوتا ہے۔ اگر اُسکے لیے مخرج ہوتا تو
پھر بدن میں اُسکا پتہ بھی نہ لگتا۔ مستحیل ہوکر بدل ما یتحلل ہونا تو دوسری بات ہے۔ مخرج تو یہ حال ہے کہ ذرا کہیں بدن
میں شگاف آجائے یا فصد لیجائے ایچنے دیجیے تو پھر سارا خون اُسی رستہ ہو لیتا ہے نہ مثل پاخانہ پیشاب قبض کی وجہ سے
رکتا ہے نہ انکی طرح یہی ہو کہ ایک راہ کے سوا اور کسی طرف کو رخ ہی نہ ہو پاخانہ اوپر کو کبھی نہیں آتا حالانکہ حلق کا راہ اسکے لیے
کشادہ ہے اور خون کا یہ حال ہے کہ سر میں زخم آئے تو اُسی طرح نکلنے کے لیے آمادہ ہے جیسے پاؤں میں زخم آئے اور خون
نکلجائے جب مخرج یہ حال ہے تو درصورتیکہ مخرج ہو تو خون کا بدن میں پتہ بھی نہ لگتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ خون بوجہ
حرکت طبعی جو خون کے اندر رکھی ہے سامان حرکت ابدان ہے اگر خون کسی وجہ سے رگ کر ساکن ہوجاتا ہے جیسے ہاتھ پاؤں
کے سوجانے کے وقت ہوتا ہے یا خشک ہوجائے جیسے حالت ضعف و نقاہت و لاغری میں ہوتا ہے یا بدن میں سے
تھوڑا بہت نکلجائے تو حرکت میں ایک تفاوت عظیم ظاہر ہوتا ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ خون کی اُس طبعی حرکت سے یہ حرکت
ارادی حاصل ہوتی ہے اور یہ ایسی بات ہے جیسی بھاپ کی حرکت مستقیم او طبعی سے انجن کے پہیوں کی حرکت
مستدیر اور ارادی اور ریل کے پہیوں کی حرکت مستدیر سے بیٹھنے والوں کی حرکت مستقیم حاصل ہوجاتی ہے غرض
اختلاف جہات حرکات اور فرق طبیعت و ارادہ اسباب محرکہ اس امر میں قادح نہیں اسلیے یہ بات لائق استبعاد
نہیں کہ خون کی حرکت طبعی اور حرکت حیوانات ارادی ادھر ہمت حرکت خون طول اعضا اور ابدان حیوانات
کے حرکات اور ہوتے ہیں غرض بظاہر یہ دو باتیں معلوم ہوتی ہیں جن کی وجہ سے حکیم مطلق نے باوجود فضلہ ہونے
کے خون کے لیے کوئی مخرج نہ رکھا۔ بالجملہ خون کے ناپاک طبعی ہونے میں کچھ کلام نہیں مخرج نہ ہونے سے اسکا
فضلہ ہونا باطل نہیں ہوتا مگر یہ ہے۔ تو مردار ہر قسم کا ناپاک اور حرام ہونا چاہیے۔ کیونکہ بے ذبح اگر کوئی جانور
مرجاتا ہے تو اُسکا خون گوشت ہی میں جذب ہوجاتا ہے اور جذب بھی ایسی طرح ہوتا ہے کہ اُسکے جدا کرنے کی کوئی
تدبیر نہیں چنانچہ ظاہر ہے اس صورت میں لازم یوں ہے کہ خون کے اختلاط کے باعث تمام گوشت ناپاک ہوجائے
ہاں اگر جدا کرنے کی کوئی تدبیر ہوتی تو بعد جدائی خون گوشت بھی اُسی طرح پاک ہوسکتا ہے جیسے بوسیلہ آب بعد انفصال پاخانہ
پیشاب کپڑا پاک ہوجاتا ہے اور یہ ہے تو مردار کے گوشت کے حلال ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں کیونکہ مثل مشہور ہے
جیسی اصل ویسی نسل جیسا تخم ویسا ہی پھل سو جیسی غذا ہوگی ویسا ہی گوشت پیدا ہوگا پاک سے پاک ناپاک سے ناپاک

چنانچہ اوپر بھی ہم اسکی طرف اشارہ کر چکے ہیں علی ہذا القیاس ایسی ہی روح ہوائی پیدا ہوگی پھر جیسی روح ہوائی ہوگی ویسا ہی نفس ناطقہ فائض ہوگا نہین تو اس سے بھی کیا کم کہ بعد فیضان بوجہ صحبت روح ہوائی کی ناپاکی اسمین اثر کر جائیگی اور چونکہ ایک شئے کی دوسری شئے کی طرف مستحیل ہوجانے میں یہ ہوتا ہے کہ اصل مادہ اسیقدر رہتا ہے پر صورۃ نوعیہ بدل جاتی ہے اور آثار صورۃ نوعیہ تبدل ہوجاتے ہیں اور کسی شئے کے جوہر نکالنے میں یا کسی مرکب کے اجزا تحلیل کرنے میں گو مادہ جون کا تون نہین رہتا پر آثار میں فرق نہیں آتا پہلی صورۃ میں تو اثر سابق قوی ہوجاتا ہے چنانچہ ادویہ کے جوہرون کے تجربہ سے نمایاں ہے اور دوسری صورت میں ہر چند وہ اثر مرکب نہیں رہتا پر اس جزو کا اثر جو بعد تحلیل ہاتھ آیا ہے بعینہٖ وہی ہے جو اثر مرکب مین موجود تھا اسلیے یہ شبہہ نہین ہوسکتا کہ پاخانہ پیشاب اور خون وغیرہ اشیا بجنسہ تو بعد استحالہ پاک ہوجاتے ہیں اور روح ہوائی اتنے تحول اور استحالہ کے بعد بھی کہ اب کچھ کا کچھ ہوگیا ناپاک کی ناپاک ہی رہی کیونکہ روح ہوائی یا جوہر غذا ہے یا از قسم تحلیل اجزا ہے یعنی منجملہ مرکبات عنصریہ ہے اس وجہ سے تحلیل اجزا متصور ہے ہر چند صحیح یہ ہے کہ روح ہوائی جوہر غذا ہے اور چارون عناصرون کا اسمین اثر ہے چنانچہ انسان کا جامع الکمالات ہونا اہل فہم غامض کیلیے اس پر دلالت کرسکتا ہے اور پیشاب پاخانہ خون وغیرہ فضلات کا فضلہ ہونا بھی ادھر ہی مشیر ہے مگر ہر چہ بادا باد پاخانہ پیشاب خون وغیرہ مقدار کثیر کا اس سے جدا کر دینا اسپر شاہد اول ہے کہ غذا سے روح ہوائی کا پیدا ہونا از قسم استحالہ نہین اگر استحالہ ہوتا تو اغذیہ ممنوعہ شرعی کا کھانا ممنوع نہ ہوتا اشیاے ناپاک کا نوش جان کرنا بھی مثل اشیاء پاک اپنے اختیار مین ہوتا مگر استحالہ نہین تو پاخانہ پیشاب اور معدا جس مین خون رہجاتا ہے ہرگز قابل جواز نہیں ہیں اب رہی یہ بات کہ بعد مرگ خون گوشت میں جذب ہوجاتا ہے یا بعد استحالہ گوشت بنجاتا ہے اسلیے یہ گذارش ہے کہ مستحیل ہونیکے لیے تو قوت ہاضمہ اور قوت محیلہ یعنی اُس قوت کی ضرورت ہے جسکا کام یہ ہے کہ ایک شئے کو دوسری شئے کی طرف مستحیل کر دے اور ظاہر ہے کہ بدن کی سب قوتین مثل قوت باصرہ وغیرہ قواے حیوانی حیات تک ساتھ ہین اور وجہ اسکی یہ ہے کہ اعضاے حیوانی مثل چشم و گوش وغیرہ اُن قوا کے لیے ایسے ہین جیسا آئینہ نور کیلیے یعنی قابل اور منفذ ہین جیسے اصل نور آئینہ مین نہین ہوتا آفتاب مین ہوتا ہے ایسے ہی اصل قواے حیوانی نفوس حیوانی مین ہوتے ہین اعضا مین نہین ہوتے یہی وجہ ہے کہ جیسے آئینہ بے امداد آفتاب نور کے حساب سے بیکار ہے ایسے ہی ابدان حیوانی بے عنایت روحانی قواے حیوانی کے حساب سے بیکار ہین اس صورت مین بعد مرگ استحالہ ممکن نہین ہونہو جذب ہی ہوگا جو بعد مرگ کاٹو تو خون نہین نکلتا اور جذب ہوا تو پھر ناپاکی یقینی ہے اسلیے مُردار کی حرمت اور ذبح کی ضرورت دونون ظاہر ہین اور چونکہ حلق مین تمام رگین اکٹھی ہوجاتی ہین اور اعضاء باقیہ مین یہ بات نہین تو تا مقدور حلق ہی کو ذبح کرنا چاہیئے مگر اس تقریر سے تو حرمت مین بنسبت مُردار خون کا نمبر اول معلوم ہوتا ہے مگر غور سے دیکھئے تو بات علی الاطلاق نہین

وہ جانور جو صحیح و سالم ہوں اگر کسی ایسی طرح مارے جائیں جسمیں خون باہر نہ نکلنے پائے تو وہ خون ہی کی وجہ سے ناپاک سمجھے جائینگے اور اس
وجہ سے حرمت میں خون کا نمبر اول ہوگا بعدہ مردار جس سے روح کے انفصال کا باعث فقط تنفر طبعی ہو تو بعد حرمت میں اس قسم
کے مردار کا نمبر اول ہوگا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مرنے کے ہزاروں سامان ہیں پر باعتبار داخل و خارج کل دو قسمیں
ہیں یعنی سبب موت کوئی امر داخل بدن ہو یا خارج بدن ہو دوسرے کی صورت تو قتل باسباب مختلفہ ہے اور پہلی کی دو صورتیں
ہیں ایک تو اسکو مرض دوسرے عمر طبعی کا انتہا ان دونوں صورتوں میں بعد غور یوں معلوم ہوتا ہے کہ روح حیوانی کو بعد
اس انس و محبت کے جسپر عالم علوی سے اسکا یہاں آنا اور مدتوں رہنا دلالت کرتا ہے ایک نفرۃ پیدا ہو جاتی ہے البتہ
قتل میں اخراج بالجبر معلوم ہوتا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ جیسے عکس آفتاب کا آئینہ نزول اُسکی قابلیتہ کا ثمرہ ہے ایسے ہی روح
کا بدن کے ساتھ ارتباط بدن کی قابلیتہ کا ثمرہ ہے مگر یہ ہے تو پھر یوں کہنا پڑیگا کہ باہم وہ ربط پیدا ہے جو آہن و مقناطیس
میں ہوتا ہے اور یہ وہ ارتباط ہے کہ ادراک و شعور ہو تو اُسکو محبت کہتے ہیں بالجملہ ربط محبت تو اُس دور کے آنے اور دیر تک
تھہرنے سے ظاہر ہوتا ہے اُسکے بعد اگر اخراج بالجبر ہے تب تو خیر ورنہ بجز تنفر طبعی سبب انفصال اور کیا ہوگا۔ معہذا
انتہائی عمر طبعی پر بدن کی کیفیت کو دیکھئے تو بالکل کیفیت ابتدائی کے مخالف اور اُسکی ضد ہوتی ہے بجائے نشو و نما ذبول
ہے اور بجائے تازگی خشکی اور بجائے نرمی سختی آجاتی ہے اس لیے بجائے انس اگر نفرۃ ہو جائے تو بیجا نہیں اور یہاں نفرۃ ہے
تو در صورت مرض بدرجہ اولی نفرت ہوگی کیونکہ وہاں تو بجائے کیفیت اعتدال وہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جسکو مرض
اور مخالف کیفیت اعتدال کہئے اور ظاہر ہے کہ کیفیت صحت محبوب ہے اس لیے وہ کیفیت جسکو مرض کہئے بیشک لائق نفرت
ہوگی اور یہ ہے تو پھر اس صورت میں بدن حیوانی سے خون حیوانی بیشک حرمت میں نمبر اول ہوگا کیونکہ وجہ حرمت خون
وہ ناپاکی تھی اور ناپاکی کی بنا اصل میں نفرۃ طبعی پر ہے بشرطیکہ طبیعت سلیمہ ہو اور ظاہر ہے کہ حالت حیات میں بدن خون
سے خالی نہیں ہوتا بلکہ وہ ایام جسکو خلاصہ زندگی کہتے یعنی زمانہ شباب اُن میں خون اس کثرت سے ہوتا ہے کہ اُس سے زیادہ
متصور نہیں سو باوجود کثرت خون ربط مشار الیہ کا بجنسہ باقی رہنا اسپر شاہد ہے کہ خون میں وہ بات نہیں جو بعد اختتام
عمر طبعی یا بعد تاثیر مرض موت بدن حیوانی میں پیدا ہو جاتی ہے ورنہ زمانہ شباب میں بہ نسبت زمانہ مذکور زیادہ تر نفرت
ہوتی مگر ہرچہ بادا باد خون اول نمبر ہو یا مردار حرمت میں دونوں کے بحکم انصاف کلام نہیں گو بحکم مضمون بالا اس میں
بھی کلام نہیں کہ مرگ طبعی اور مرض موت کی صورت میں بدن حیوانی بذات خود حرام ہوگا اور اور صورتوں میں بدن
حیوانی بوجہ اختلاط خون حرام ہوگا بذات خود حرام نہ ہوگا اسلیے یہ ضرور ہے کہ گلا گھونٹ کر یا کسی اور طریقہ سے اس کا کام
کر کے نوشجان نہ فرمائیں ورنہ یہ غذائے ناپاک بیشک علی الترتیب اُن ناپاکیوں کا باعث ہوگی جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے یعنی

غذا ناپاک ہے بدن ناپاک پیدا ہوگا اور اُس سے روح ہوائی ناپاک پیدا ہوگی اور اُس سے ناپاک روح بھی اُس عالم وغیرہ کی یوں
اکو یہاں آکر ناپاک ہو جائیگی اور پھر اُس روح سے ناپاک ہی خیالات پیدا ہونگے اور اس لیے اعمال بھی ناپاک ہی ظہور میں
آئینگے اور عالم میں ایک ناپاکی پھیل جائیگی اور کیوں نہ ہو جیسی اصل ویسی نسل جیسا درخت ویسا پھل مگر ناپاکی از واح سے
مطلب یہ ہے کہ عقائد باطلہ کی اُسکو سوجھی اور چونکہ ارادہ اپنی کارگذاری میں علم و اعتقاد کا تابع ہے اور تمام اخلاق اپنے ظہور میں
ارادہ کے تابع ہیں تو سب کارخانہ درہم برہم ہو جائیگا مثلاً اندھیرے میں شیر کو گائے سمجھ جائے تو محبت سے ہاتھ پھیرنے
کا ارادہ ہوگا۔ اور گائے کو شیر سمجھ جائے تو خوف سے بھاگنے کا ارادہ ہوگا۔ یہ ارادہ تو اُس اپنے خیال کا تابع ہے جسکو علم اعتقاد
کہتے ہیں اور پھر وہ محبت و خوف اُس ارادہ کا تابع جو اُس اعتقاد سے پیدا ہوا ہو مگر انجام اُس غلطی اعتقاد کا آخر یہی ہے کہ سب
کام غلط ہو گئے اسی طرح اگر غیر خدا کو مثلاً کوئی خدا سمجھ جائے تو اپنے ارادہ سے اُس خوف و محبت کے باعث جو خدا سے ہونی چاہیے
جو کام ہوگا سب بے موقع ہوگا اسی طرح اور غلطیوں کو سمجھ لیجیے باقی غلطی اعتقاد کی باعث اعتقاد کو ناپاک کہنا اس وجہ سے
کہ موجودات میں باہم فرق تنزیہ و آلایش ہے خدا تعالےٰ تو ہر طرح مقدس ہے اور مخلوقات میں علے حسب المراتب عیب و آلایش
ہیں اور کیوں نہ ہو جب خدا تعالیٰ کو اسلیے مقدس کہا کہ اسمیں کوئی عیب نہیں تو جتنا عیب اور ہوگا اُتنی ہی آلایش ہوگی اس
صورت میں اگر محل اعتقاد میں بجائے خداوند مقدس کوئی اور ہوگا تو بیشک اُسکی آلایش محل اعتقاد کو آلودہ بنائے گی مگر
جب اس وجہ سے کم درجہ کی چیزوں کے حق میں وہ اعتقاد ناپاک ہوا جو اعلی درجہ کی چیزوں کے ساتھ ہونا چاہیے تھا
تو تمام اعتقادات غلط میں یہ آلودگی ہوگی کیونکہ ہر اعتقاد غلط میں واقع کو غیر واقع کی برابر کر دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ واقع
غیر واقع سے افضل ہوتا ہے۔ اور اسوجہ سے وہی آلودگی یہاں پیش آئیگی اتنا فرق ہے کہ واقع ضروری غیر واقع ضروری سے
افضل ہوتا ہے اسلیے واقع ضروری کیساتھ غیر واقع کی برابری بہ نسبت اسکے زیادہ مضر ہوگی کہ واقع غیر ضروری کیساتھ غیر واقع کو برابر
کر دیجیے خیر یہ مضمون تو بیچ میں اتفاقی تھا اصل مطلب تو یہ ہے کہ مردار بھی ناپاک ہے جیسے روح بوجہ انتہائی عمر طبعی منفصل ہوتی ہو یعنی
روح بوجہ مرض منفصل ہو پر عمر طبعی سے یہ مراد ہے کہ اُس فرد حیوانی کے تمام قوا تمام ہو لیں۔ علی ہذا القیاس وہ مردار بھی ناپاک ہے
جو باوجود صحت و بقاء عمر طبعی کسی طریقہ سے اُسکی روح کو اُس سے جدا کر دیا ہو پر خون اُسمیں جذب نہ ہو گیا ہو اتنا فرق ہے کہ پہلی
دو صورتوں میں حرمت ذاتی بھی ہوگی اور خون کی وجہ سے بھی حرمت عارض ہوگی اور تیسری صورت میں فقط خون
کے باعث ناپاکی اور حرمت آئیگی اسلیے بذریعہ ذبح خون کا نکال دینا حلت گوشت کے لیے ضرور ہے مگر چونکہ غلہ بقول وغیرہ
نباتات کا بنی آدم کے لیے ہونا تو ظاہر تھا کون نہیں جانتا کہ یہ چیزیں نہ ہوتیں تو بنی آدم کی زندگانی محال تھی چنانچہ تشریح
اوراق میں اس امر کی تشریح کسی قدر ہو چکی ہے۔ البتہ حیوانات کا بنی آدم کے لیے ہونا اس وجہ سے مخفی تھا کہ جیسے بنی آدم

دست و پا و چشم و گوش وغیرہ اعضا و قوی انکے حق میں آلات انتفاع ہیں ایسے حیوانات کے اعضا و قوا انکے حق میں آلات انتفاع ہیں
پھر جیسے غلہ پھل وغیرہ نباتات بنی آدم کے کام آتے ہیں ایسے ہی حیوانات ہم سنگ بنی آدم نظر آتے تھے البتہ نباتات میں یہ بات
نہ تھی اسلیے انکا تو پیدا کر دینا ہی کم از اجازت نہیں اور حیوانات میں پیدا کرنے کے سوا اور اجازت کی ضرورت ہے ورنہ ایذائے
ذبح جو اعلےٰ درجہ کی ایذا ہے کیونکہ قتل ہی لاریب اعلیٰ درجہ کا ظلم ہوگا اور کیوں نہ ہو ہماری تمہاری ملک برائے نام ملک
ہے جب ہماری مملوکات میں تصرف بے اجازت ظلم سمجھا جائے تو خدا کی مملوکات میں تصرف بے اجازت ظلم کیوں نہ ہوگا
اسلیے اسکی اجازت کی ضرورت پڑی مگر ہر کس و ناکس جانتا ہے کہ مالک کی اجازت اُسیوقت متصور ہے جب تصرف
کرنے والا مالک کو مالک سمجھتا ہو اور اگر سوائے مالک کسی اور کو مالک سمجھ بیٹھے تو بجائے اجازت بحکم غیرت مالک ممانعت
ضرور ہے علی ہذا القیاس انعام کی توقع اُسیوقت ہو سکتی ہے جبکہ حقوق مالکیت اُسیکو ادا کیے جائیں اور گر بالفرض مالک
کے حقوق کسی اور کو ادا کیے جائیں تو اُس وقت انعام کی جائے الٹا مستحق سزا ہوگا اسلیے بغرض رفع اشتباہ ذبح کے مالکیت
اور اجازت کا اعلان ضرور ہوگا یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل اسلام اور اہل کتاب کے مذہب میں وقت ذبح بسم اللہ کا کہنا ضروری
سمجھتے ہیں بالجملہ وقت ذبح خدا کا نام لینا موافق عقل ضروری ہے مگر یہ ہے تو پھر غیر خدا کا نام لینا لاریب ناخوشی کا باعث
ہوگا اور اسلیے یہ انعام حلت گوشت مبدل بحرمت تو ہو ہی گا بلکہ اور سزا کا بھی اندیشہ ہے الحاصل گوشت ایک نعمت عظمی
ہے اُسکی عطا اُسیوقت متصور ہے جبکہ خدا کو مالک الملک سمجھ کر جانور کو اُسکی ملک سمجھ کر اُسکی اجازت کے بھروسے ذبح
کرے اور اگر کسی اور کی ملک سمجھے یا کسی اور کی اجازت کا بھروسا ہو تو پھر یہ نعمت ممکن الحصول نہیں یہ وجہ تو خدا کی
ملکیت اور حیوانات بنی آدم کی مملوکیت پر مبنی تھی اور بحساب محبوبیت دیکھیے تو دربارہ حلت و حرمت گوشت خدا کے نام
لینے نہ لینے کی علت کی یہ صورت ہے کہ خداوند عالم بالاصالت محبوب حقیقی ہے چنانچہ اوراق گذشتہ میں بقدر ضرورت
اس امر کا اثبات ہو چکا ہے مگر چونکہ وہ بالذات جامع وجوہ محبوبیت ہے تو ہر صاحب محبت کو اُسکی محبت ہونی چاہیے
مگر ظاہر ہے کہ ہر حیوان کے دل میں محبت رکھی ہوئی ہے پر محبت کو اُن اشیا کے جو قابل محبت ہیں ایسی نسبت ہے جیسے قوۂ
باصرہ کو مثلاً مبصرات کے ساتھ یعنی اُن اشیاء کے ساتھ جو قابل ابصار ہیں مگر جیسے ہر ذی لون قابل ابصار ہیں ایسے
ہی ہر جمیل و موصوف باوصاف حسنہ قابل محبت ہے اسلیے ہر حیوان کو خداوند عالم کے ساتھ محبت ہونی چاہیے اور کیوں
نہ ہو خدا کے ہونے کی اطلاع تو جملہ عالم کو ضرور ہے کیونکہ ہر موجود میں بحکم بعض تقریرات گذشتہ ادراک و شعور وجود اور یہ
بھی ظاہر ہے کہ سب میں اول اپنا ادراک ہوتا ہے اور اپنی حقیقت کی یہ صورت کہ جیسے دھوپ مثلاً انتہائی شعاع
کا نام ہے اور شعاع ایک پرتوہ آفتاب کو کہتے ہیں ایسے ہی ہر مخلوق کے لیے ایک انتہائی وجود ہوتا ہے اور وہ وجود پرتو

وجود رب معبود ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ مخلوقات کو معدوم محض کہنا تو بالبداہت غلط ورنہ مخلوق ہی کیوں کہتے پر وجود
محض بھی اسی وجہ سے نہیں کہہ سکتے اگر یہ ہوتا تو مخلوق کیا ہوتے خالق ہوتے کیونکہ عدم پر وجود عارض نہیں ہو سکتا
وجود پر عدم عارض نہیں ہو سکتا اس وجہ سے نہ معدوم محض موجود ہو سکے نہ موجود محض معدوم ہو سکے ہاں اگر
یوں کہیے کہ جیسے دھوپ اور سایہ کے بیچ میں ایک خط فاصل ہوتا ہے۔ یا شعاعوں اور زمین اور اسکے ظلمت کے
بیچ میں ایک سطح جسکو دھوپ کہتے ہیں فاصل ہوتا ہے ایسے ہی عدم محض اور وجود محض یا یوں کہو موجود محض اور
معدوم محض کے بیچ میں ممکنات حائل ہوتی ہیں تو جیسے خط مذکور اور سطح مذکور من وجہ نورانی اور من وجہ ظلمانی
ہیں چنانچہ انکا دونوں طرف قائم ہونا اس پر شاہد ہے ایسے ہی ممکنات کو بھی من وجہ معدوم اور من وجہ موجود دیکھنا ضرور ہوگا
اور من وجہ سے بہ حیثیت وجود اسکو منتہا سے موجود محض یا موجود دیکھنا پڑیگا یعنی جیسے سطح متوسطہ جسکو باعتبار نور دھوپ
کہتے ہیں باعتبار نور ایک منتہائی نور ہے ایسے ہی ممکنات جنکو باعتبار وجود مخلوق کہتے ہیں باعتبار وجود منتہائی وجود محض
ہونگے مگر اس صورت میں مثل دھوپ اور خط مذکور حقیقت انکی منجملہ اضافیات ہوگی جسکا حاصل یہ ہوگا کہ جیسے دھوپ
کی حقیقۃ سمجھنے کیلیے یہ ضرور ہے کہ اول شعاع آفتاب کو سمجھئے کیونکہ سطح کی حقیقۃ کلابے ذی سطح کے تصور ممکن نہیں ایسے
ہی ممکنات کی حقیقت سمجھنے کے لیے وجود محض کی ضرورت ہے مگر یہ ہے تو پھر خود ممکنات کو بھی اپنی حقیقۃ کے سمجھنے میں
بھی واسطہ درپیش ہوگا جیسے وقت بیہوشی اپنی خبر نہیں رہتی ایسے ہی اگر اور خیالات میں مشغول ہو کر خدا سے غافل
ہو جائیں تو ہو جائیں پھر چونکہ وجود محض جو بطور مذکور سامان تخلیق ممکنات ہے ذات خداوندی سے وہی نسبۃ رکھتا ہے جو
شعاعیں جو نور محض ہیں ذات آفتاب سے اسلیے اپنی حقیقۃ کے تصور میں خدا کے تصور کی حاجۃ ہے اور ظاہر ہے کہ اپنا
تصور کس کو نہیں ہوتا بلکہ سب میں اول یہی تصور ہوتا ہے مگر جب وجہ لزوم تصور یہ ہے کہ ممکنات کا تحقق خدا کے
تحقق پر موقوف ہے تو اپنی محبت کو خدا کی محبت بھی لازم ہوگی بلکہ اپنی محبت خدا کی محبت پر موقوف ہوگی اور ظاہر ہے
کہ اپنی محبت کسکو نہیں ہوتی اس صورت میں مقتضائے دقیقہ فہمی اور حقیقۃ سنجی تو یہ ہے کہ ہر شے کی نسبۃ یہ اعتقاد کیا
جائے کیونکہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ ہر چیز میں ادراک وشعور ہے مگر اتنا بھی نہیں تو اس سے کیا کم کہ حیوانات کی نسبت
یہ امر واجب التسلیم ہو کہ انکے دلمیں بھی خدا کی محبت مرکوز ہے اور چونکہ خداوند مالک الملک کی مالکیت اور مملوکات کی مملوکیت
کی بنا اسی توقف پر ہے جو دربارہ تحقق مخلوقات کو خدا کی نسبت حاصل ہے تو مثل محبت خدا کی مالکیۃ اور اپنی مملوکیۃ
کا اعتقاد بھی ہر چیز کی تہ حقیقۃ میں رکھا ہوا ہوگا شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ قبضہ ضروریات ملک میں سے ہے اور اس
سے بڑھکر کوئی قبضہ نہیں کہ ایک حقیقۃ دوسری حقیقۃ پر موقوف ہو چنانچہ یہ دونوں باتیں اوراق گذشتہ میں بقدر ضرورت

ثابت ہو چکی ہیں جب دونوں معلوم ہو گئیں کہ محبت خداوندی بھی بنی آدم اور تمام حیوانات کی تہ دل میں مرکوز ہے اور اعتقاد مالکیت خداوندی اور عقیدہ مملوکیت عالم بھی حیوانات کے دل میں رکھا ہوا ہے تو پھر مقتضائے عقل و دانش یہ ہے کہ وقت ذبح خدا کا نام ضرور لیا جائے تاکہ جیسے ریل کا ٹکٹ ریل میں بیٹھنے کے لیے بمنزلہ پروانہ اجازت اور دافع شبہ عدم ادائے محصول ہوتا ہے ایسے اللہ کا نام لینا بمنزلہ پروانہ اجازت اور دافع شبہ ظلم ہو جائے بالجملہ حیوانات اور نعمتیں تو بذات خود اسپر شاہد ہیں کہ ہمکو اپنے نفع نقصان سے کچھ بحث نہیں غیروں ہی کے لیے ہم بنے ہیں کھاؤ اور اپنے کام میں لاؤ اور حیوانات کا دست و پا چشم و گوش قوۃ باصرہ و سامعہ وغیرہ اعضاء قوی میں بنی آدم کا شریک ہونا اور خورونوش کے سامان سے مثل بنی آدم اُن کا متمتع ہونا اور رنج و راحت میں مثل بنی آدم مبتلا ہونا عاقل کو یہ سمجھاتا ہے کہ جیسے بنی آدم کا وجود سر سے لیکر پاؤں تک بظاہر اپنے نفع اور دفع مضرت کے لیے بنا ہے وہ نفع دینی ہو یا دنیوی ایسے ہی حیوانات کا وجود بھی انکے نفع اور دفع مضرت کے لیے طیار ہوا نظر آتا ہے مثل نباتات اور حیوانات بے دست و پا خالی از قوی و معرا از ادراک و شعور بھی نہیں ہیں جو بے تامل اوروں کے لیے کہدیجیے البتہ بوجہ افضلیت انسانی امید اجازت ہے مگر اتنی بات سے جرأت دست درازی نہیں ہو سکتی اسکے لیے علاوہ افضلیت مشار الیہ اور کام آمد ہونے حیوانات کے انسان کے حق میں خدا کی صریح اجازت کی حاجت اور اُس اجازت کے لحاظ کی ضرورت نظر آتی ہے مگر لحاظ اجازت کے یہ معنی ہیں کہ خدا کی اجازت کی خبر سنکر اُس خبر کے باعث جرأت ذبح پیدا ہو ورنہ خالی الذہن اگر ذبح کر لیگا تو پھر وہ ذبح کرنا اور اسکے بعد ذبیحہ کا کھانا خدا کی اجازت پر مبنی ہو گا مگر یہ ٹھہری تو پھر اعلان اجازت خداوندی ضرور ہے تاکہ یہ وہم صورت حال ذبح سے نہ پیدا ہو کہ وہ خدا کی اجازت کا محتاج نہیں۔ یا قبل اجازت خدا کے عمدہ عمدہ مملوکات میں حسب دلخواہ تصرف کر سکتا ہے جس سے اُسکا ظالم ہونا اور خدا کی تحقیر نکلتی ہے پھر اس پر اس اعلان میں یہ فائدہ ہو گا کہ خدا کا نام سنکر حیوانات کو بوجہ اس اعتقاد کے جسکا خدا کی مالکیت اور اپنی مملوکیت کی نسبت انکے دل میں ثابت ہو چکا ہے جان دینی سہل ہو جائے القصہ خداوند عالم مالک الملک اور حیوانات متاع غیر نز ہے اسلیے اگر اُنکا حلال ہونا وقت ذبح خدا کے نام لینے پر موقوف رکھا جائے اور غیر خدا کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور کو اگر حرام کہا جائے تو بجا ہے کیونکہ مالک کو یہ گوارا نہیں ہوتا کہ اُسکی اجازت سے اُسکی مملوکات میں تصرف کیا جانے پر بے اجازت تصرف کبھی گوارا نہیں ہوتا اور اگر اجازت کے سوا یہ بھی پیش آئے کہ تصرف کرنے والا اس شے کو کسی اور کے نام کہتا پھرے اور اسکے نام اسمیں تصرف کرے تو گوارا ہونا کجا الٹی سزائے بغاوت اُسکے لیے تجویز کیجائیگی اور وہ چیز اُس سے چھین لیجائیگی یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل اسلام ایسی ذبیحہ کو جسپر غیر خدا کا نام وقت ذبح لیا جاتے یا غیر خدا کا سمجھ کر ہلی

نام خدا کے نام پر ذبح کیا جاتا ہے حرام کہتے ہیں اس تقریر سے تو وقت ذبح خدا کے نام لینے کی ضرورت اور غیر خدا کے نام لینے
کی خرابی موجہ ہو گئی مگر ذکر نام خدا کی محبوبیت خداوندی پر مبنی ہونے کی ہنوز کیفیت معلوم نہیں ہوئی اسلیے یہ گذارش ہے
کہ ذبح میں جاں نثاری جانور کی طرف سے اگر ہوتی ہے تو محبوب اصلی کے لیے ہوتی ہے اور اُسکا کوئی واسطہ دار
اگر اُسکی جاں نثاری کرے مثلاً باپ بیٹے کی جاں نثاری کرے یا مالک اپنے کسی پلے ہوئے جانور کی جاں نثاری کرے
تب اپنے محبوب اصلی کے لیے ہوتی ہے نہ بے وجہ کوئی اپنی جاں نثاری کرے نہ اپنے واسطہ داروں کی جاں نثاری
کرے اور یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ غیر محبوب کے لیے جاں نثاری کی جائے اور یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ خداوند عالم
تمام بنی آدم کا بھی محبوب اور حیوانات کا بھی محبوب پھر محبت بھی کیسی جیسے خدا کی محبوبیت جیسے بحکم اوراق سابقہ
تمام وجوہ محبوبیت خدا میں خانہ زاد اور اصلی ہیں اور غیر خدا میں اُس سے مستعار ایسے ہی خدا کی محبت بھی انسان اور
حیوان کے حق میں ذاتی اور اصلی ہے خارجی اور عارضی نہیں کیونکہ اپنی محبت خدا کی محبت پر موقوف ہے چنانچہ یہ بھی ثابت
ہو چکا ہے اور اپنی محبت اوروں کی محبت کی طرح کسی طرح قابل زوال نہیں اسلیے مستحق جاں نثاری سوا اسکے اور کوئی
نہیں ہو سکتا اور یہ ہے تو پھر حیوانات کی وہ کیفیت جس سے اکثر امور میں حیوانات کا ہم سنگ بنی آدم ہونا ثابت
ہو چکا ہے اس بات کو مقتضی ہے کہ براہ محبت اُنکی جاں نثاری کی جائے تو خدا ہی کے لیے کی جائے مگر یہ ہے تو پھر یہ
علان ضرور ہوگا تاکہ شبہ تحقیر خداوندی لازم نہ آئے اور جانوروں کو بمقتضائے محبت منشاء الیہ جان دینا سہل ہو جائے
ورنہ بے وجہ جاں نثاری ہونے لگے تو پھر بسہولت تو کیا ہوتی اُنکی جان مفت ضائع ہوتی کیونکہ اس جاں نثاری میں
محبوبیت ہی کو کیا فروغ ہوگا بلکہ جاں نثاری منجملہ انداز محبت ہی نہ ہوگی جو محبوب کے ساتھ یہ معاملہ دیکھ کر کہ اسکو محب با
وفا خیال کریں اور غیر خدا کے نام پر جاں نثاری ہوتی تو یوں کہو اُسیکو محبوب اصلی سمجھا جسکا انجام یہ ہوگا کہ اُسکو
منبع حقیقت کا بانی مبانی تصور کیا کیونکہ خدا کی جہت کی بنا اُسکی محبت پر تھی جو فیما بین مخلوقات وجود محض ثابت ہوئے ہیں
اور ظاہر ہے کہ وہی تو محض سرمایہ خالقیت ہے اسلیے اگر غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے یا غیر خدا کی محبوبیت کی خاطر سے اسکو
ذبح کیا جائے گو برائے نام خدا ہی کا نام لیا جاوے تو پھر ذبح کرنا تو خدا سے انحراف پر دلالت کریگا اور اس وجہ سے یہ
یہ مضمون منجملہ مضامین دلسوختہ بہ نسبت خداوند عالم سمجھا جائیگا اس وجہ سے بمنزلہ بغاوت کا مستحق ہوگا کیونکہ
اس صورت میں بھی غیر خدا کو مستانی خدا بنا دیا اتنا فرق ہے کہ خدا کی مالکیت کے لحاظ میں تو در صورت بغاوت
مالکیت میں غیر خدا مستانی خدا بنا تھا اور اس صورت میں محبوبیت میں ہمسری ہوگی اور ظاہر ہے کہ یہ ہمسری بہ نسبت اس
ہمسری کے استحقاق اطاعت میں کہیں زیادہ ہے کون نہیں جانتا کہ محب جسقدر مطیع ہوتا ہے اس قدر غلام مملوک

مطیع نہیں ہوتا اور یہ صورت ہے تو پھر ایسا ذبیحہ جسپر براہ محبت غیر خدا کا نام لیا جاوے یعنی غیر خدا کے لیے قربان کیا جاوے ہرگز اس قابل نہیں کہ اُسکو حلال کہیں کیونکہ جیسے وہ ذبیحہ جو بلحاظ مالکیت خدا باجازت خداوندی اپنے لیے ذبح کیا جاتا ہے درو بست اپنے لیے ہوتا ہے ایسے ہی وہ ذبیحہ جو برائے محبت خدا ذبح کیا جائے اصل میں خدا کے لیے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اہل اسلام میں قربانی کے گوشت پوست کی بیع شرا کی اجازۃ نہیں اور باقی ذبیحون کے گوشت پوست کی بیع وشرا کی ممانعت نہیں اس صورت مین گوشت کی اجازۃ خدا کی طرف سے بمنزلہ ضیافت احباب ہو گی جیسے پہلی صورت میں اجازت معلومہ بمنزلہ عطائی غلام وفقیر پہلی صورت میں سارے جانور کی تملیک ہے اور دوسری صورت میں تملیک نہیں بلکہ بمنزلہ طعام ضیافت فقط بہ نسبت گوشت پوست اباحت اور اختیار خورد ونوش ہے ان تمام مضامین کے سمجھنے کے بعد یہ سمجھ میں آجائے گا کہ حیوانات کے متعلق جو حرمت ہے وہ اصل میں چار قسم ہے ایک تو مردار کی حرمت دوسرے خون کی حرمت تیسرے اُن حیوانات کی حرمت جو بوجہ خرابی اخلاق حرام ہوتے جائیں چوتھے غیر خدا کے نام پر ذبح کی حرمت یا خدا کے نام نہ لینے کی وجہ سے حرمت ان چارون کے سوا تمام حیوانات کا گوشت حلال ہونے کے قابل ہے پھر اگر بلحاظ مالکیت باجازت خداوندی ذبح کیا جائے تو وہ فقط حلال ہی ہے استحقاق ثواب اس میں کچھ نہیں اگر براہ محبت خداوندی ذبح کریں جیسا قربانیوں میں ہوتا ہے تو فتوے عقل سلیم یون ہے کہ خداوند قدر شناس اس محبت کی جزا بھی دیگا اس تقریر سے اہل فہم کو قربانیوں کی فضیلت واضح ہو جاتیگی ؏

واضح ہو کہ تقریر مولانا مرحوم کی بسیط ہے پہلے جسقدر اسکا حصہ ہم پہنچا تھا چھاپکر پیشکش ناظرین کیا تھا پھر بقیہ تقریر مولانا ممدوح کی مولوی عبد الغنی صاحب کے ذریعہ سے حاصل ہوئی اسکو بطور تتمہ حجۃ الاسلام طبع کیا تھا اس دفعہ مع تتمہ کل کتاب چھاپی گئی ہے افسوس کہ ایک حصہ تقریر کا اب بھی باقی رہ گیا اور ہاتھ نہ لگا۔ ناچار جہانتک کہ فقرہ ختم ہوتا تھا ختم کر دیا گیا ناظرین معاف فرمائیں۔

خادم العلماء۔ محمد عبد الاحد عفی عنہ۔ مدیر مطبع مجتبائی دہلی ماہ فروری ۱۹۱۹ء

سوالات برائے تتمہ ’حجۃ الاسلام‘

نوٹ: شروع کے سوالات تمہید سے متعلق ہیں اُن کے ساتھ صفحہ نمبر نہیں دیا گیا۔ باقی سوالات کے ساتھ طبع مجتبائی دہلی کے اس صفحے کا نمبر بھی دیا گیا ہے جس میں اس سوال کا جواب موجود ہے۔

س: کتاب ’حجۃ الاسلام‘ تو مولانا فخر الحسنؒ نے چھپوائی تھی، اس کا تتمہ کن سے حاصل ہوا؟

س: تتمہ الگ کیوں ہو گیا؟ نیز حجۃ الاسلام اور تتمہ کے اسلوب میں کیا فرق ہے؟

س: کتاب ’حجۃ الاسلام‘ کا متن کیسے تیار ہوا؟ اس میں کتنے قول ہے اور راجح بات کیا ہے؟

س: یہ تتمہ ’حجۃ الاسلام‘ کے ساتھ کس مطبع سے چھپا تھا؟ اور ہم الگ کمپوز کر کے کیوں شائع کر رہے ہیں؟

س: ’حجۃ الاسلام‘ کے آخر میں وہ کونسی بحث ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تحریر واقعی کتاب ’حجۃ الاسلام‘ ہی کا تتمہ ہے۔

س: حضرتؒ نے اس تتمہ میں خالص عقلی انداز میں قرآن کریم کے کن مسائل کو سمجھانے کی کوشش کی ہے؟

س: جب یہ مسائل قرآن میں منصوص ہیں تو کیا ان کے لئے قرآن کا حوالہ کافی نہیں اتنی دقیق بحث کی کیا ضرورت تھی؟

س: خون کے لائق حُرمت ہونے کو ثابت کریں اور بتائیں کہ مولانا نے اس مسئلہ کو کس بنیاد سے شروع کیا بدیہی سے یا نظری سے اور وہ کیسے؟ ص ۴۶

س: فضلہ کسے کہتے ہیں؟ نیز خون کا فضلہ ہونا ثابت کریں۔ ص ۴۶

س: پیشاب، پاخانہ اور خون میں قدرِ مشترک کیا ہے؟ ص ۴۶

س: خون کے گوشت بننے میں اور پاخانہ کے غذا بننے میں دو وجہِ فرق بتائیں؟ ص ۴۶

س: اگر کہا جائے کہ خون سے گوشت بنتا ہے خون فضلہ کیوں؟ تو جواب کیا ہے جبکہ گوشت تو فضلہ نہیں؟ ص ۴۶، ۴۷

س: پاخانہ کیلئے مخرج ہے خون کیلئے مخرج کیوں نہیں؟ دو وجوہات ذکر کریں ص ۴۷

س: خون کے رگوں میں بند ہونے میں کس طرف اشارہ ہے؟ ص ۴۷

س: بلغم اور ریند بھی تو فضلہ ہے اس کیلئے مخصوص رگیں کیوں نہیں؟ ص ۴۷

س: بلغم اور خون میں یہ فرق کیوں کہ خون نجس ہے بلغم نجس نہیں؟ ص ۴۷

س: منہ اور ناک کو بلغم کا مخرج کہنا درست کیوں نہیں؟ ص ۴۷

س: بلغم خون کی طرح حقیقۃً فضلہ ہے یا نہیں اور کس طرح؟ ص ۴۷

س: جسم سے نکلنے میں بیتابی خون میں زیادہ ہے یا پاخانہ میں؟ اور یہ بتائیں کہ یہ کس چیز کی خبر دیتا ہے؟ ص ۴۷، ۴۸

س: خون کیلئے مخرج نہ ہونے میں کیا حکمت ہے؟ ص ۴۸

س: انسان کو حرکتِ ارادی کس چیز سے ملتی ہے؟ ص ۴۸

س: مردار کے حرام ہونے کی کیا وجہ ہے؟ ص ۴۸

س: خون کی قباحت کا اندازہ مردار کی حرمت سے کیسے لگتا ہے؟ ص ۴۸

س: کیا مردار کا خون گوشت سے جدا ہوسکتا ہے جیسا کہ کپڑا فضلہ کو دھونے سے پاک ہوجاتا ہے؟ ص ۴۸

س: حرکتِ طبعی، حرکتِ ارادی، حرکتِ مستقیم اور حرکتِ مستدیر کی وضاحت کریں اور مثالیں بھی دیں۔ ص ۴۸

س: مردار کا گوشت صرف حرام ہوتا ہے یا ناپاک بھی اور کیوں؟ ص ۴۸

س: مردار کی حلت کی کوئی صورت کیوں نہیں؟ ص ۴۸

س: ان مثالوں کا مقصد کیا؟ ''جیسی اصل ویسی نسل''، ''جیسا تخم ویسا ہی پھل'' ص ۴۸

س: روح ہوائی اور نفس ناطقہ سے کیا مراد ہے؟ ص ۴۹

س: اس کا مطلب کیا ہے کہ جیسی غذا ہوگی ویسی ہی روح ہوائی پیدا ہوگی۔ ص ۴۹

س: نفس ناطقہ کے فائض ہونے اور متاثر ہونے میں کیا فرق ہے؟ ص ۴۹

س: چیز کے مستحیل ہونے، جوہر نکالنے اور مرکب کے تحلیل کرنے کو مثالوں سے واضح کریں نیز یہ بتائیں کہ کس صورت میں آثارِ قوی ہوتے ہیں کس صورت میں تبدیل ہوتے ہیں پھر بتائیں کہ حضرت نے اس سے کونسے مسائل حل فرمائے ہیں؟ ص ۴۹

س: اس کا کیا مطلب ہے کہ غذا سے روح ہوائی کا پیدا ہونا از قسم استحالہ نہیں؟ ص ۴۹

س: پاخانہ پیشاب اور مردار ہرگز قابل جواز کیوں نہیں؟ ص ۴۹

س: کیا یہ ممکن نہیں کہ مرنے کے بعد جانور کے جسم میں خون گوشت بن جائے اور مردار حلال ہو جائے؟ ص ۴۹

س: جانور کو حلق سے ہی ذبح کرنا کیوں ضروری ہے؟ ص ۴۹

س: حرمت میں خون مقدم ہے یا مردار؟ حضرت کی تحقیق کیا ہے؟ ص ۴۹، ۵۰

س: شرعی ذبح کے بغیر جانور کو کھانے کے اثرات کیا ہیں؟ ص ۵۰، ۵۱

س: مردار کھانے سے ناپاک جذبات وخیالات کیوں آتے ہیں؟ ص ۵۰، ۵۱

س: اخلاقیات کا ارادے اور ارادے کا اعتقادیات کے تابع ہونا مبرہن کریں گائے اور شیر والی مثال بھی دیں۔ ص ۵۱

س: ذات باری تعالیٰ ہر طرح مقدس کیوں ہے؟ ص ۵۱

س: غلطی کی وجہ سے عقیدہ کو ناپاک کیوں کہا؟ ص ۵۱

س: اس عبارت کی وضاحت کریں:

واقع ضروری کے ساتھ غیر واقع کی برابری بہ نسبت اس کے زیادہ مضر ہوگی کہ واقع غیر ضروری کے ساتھ غیر واقع کو برابر کر دیجئے ص ۵۱

س: بغیر چوٹ کے حیوان کے مرنے کی تین صورتیں لکھیں، اوران صورتوں میں باہمی فرق بھی بتائیں۔ ص ۵۱

س: طبعی موت سے مرنے والے جانور کی حرمت دو وجہ سے کس طرح ہے؟ ص ۵۱

س: اگر اشکال ہو کہ اگر گوشت حلال تھا تو پھلوں کی طرح اس کی اجازت کیلئے عقل کافی کیوں نہیں؟ تو اس کا جواب کیا ہوگا؟ ص ۵۱،۵۲

س: بغیر اذن خداوندی جانور کو ذبح کرنا ظلم ہے یا نہیں اور کیوں؟ ص ۵۲

س: شے میں تصرف کیلئے مالک کی اجازت کب متصور ہے؟ ص ۵۲

س: مالک سے انعام کی توقع کب ہو سکتی ہے؟ ص ۵۲

س: ذبح کے وقت بسم اللہ کہنا کن کے ہاں ضروری ہے اور کیوں؟ ص ۵۲

س: وقتِ ذبح غیر خدا کا نام لینے کا کیا نقصان ہے؟ ص ۵۲

س: اس کو ثابت کریں کہ جانوروں کے دِل میں بھی اللہ کی محبت ہے پھر یہ بتائیں کہ حضرتؒ نے اس بحث کو یہاں کیوں چھیڑا؟ ص ۵۲ تا ۵۴

س: اس کی تشریح کریں کہ ممکنات من وجہ معدوم من وجہ موجود ہیں۔ ص ۵۲،۵۳

س: اپنے حقیقت کے تصور میں خدا کے تصور کی حاجت کس دلیل سے؟ ص ۵۳

س: اس کا کیا مطلب ہے کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا ایسے ہے جیسے ریل میں بیٹھنے کیلئے ریل کا ٹکٹ؟ ص ۵۴

س: ذبح کے وقت کسی اور کا نام لینے سے جانور پر حرمت کا حکم کیوں لگتا ہے؟ ص ۵۴

س: جمادات، نباتات اور حیوانات میں سے کس سے فائدہ اٹھانے کیلئے اللہ کی طرف سے صریح اذن کی ضرورت ہے اور کس سے فائدہ اٹھانے کیلئے نہیں اور کیوں؟ ص ۵۴

س: وقتِ ذبح خدا کا نام سن کو جانور کو جان دینا آسان کیوں ہے؟ ص ۵۴

س: وقت ذبح بسم اللہ نہ پڑھنے سے انسان کا ظالم ہونا کیسے مفہوم ہوتا ہے؟ ص ۵۴

س غیر خدا کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور حرام کیوں ہیں؟ ص ۵۴

س: اس عبارت کی وضاحت کریں:

یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل اسلام ایسے ذبیحہ کو جس پر غیر خدا کا نام وقتِ ذبح لیا جائے یا غیر خدا کا سمجھ کر برائے نام خدا کے نام پر ذبح کیا جائے حرام کہتے ہیں۔ ص۵۴،۵۵

س: مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کیا ہے اور اس کا حکم کیا ہے؟ ص۵۴،۵۵

س: اس کو ثابت کریں کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہونا نا قابل زوال ہے۔ ص۵۵

س: بوجہ محبوبیت خدا کا نام لینے یا نہ لینے کا جانور کے حرام یا حلال میں اثر ثابت کریں ص۵۵

س: اس کو ثابت کریں کہ ہر حیوان کو خداوندِ عالم سے محبت ضرور ہے؟ ص۵۵

س: ذبح کے وقت بسم اللہ نہ پڑھنے میں تحقیر خداوندی کا شبہ کس طرح ہے؟ ص۵۵

س: عبارت کی وضاحت کریں:

اگر غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے یا غیر خدا کی محبوبیت کی خاطر اس کو ذبح کیا جائے گو برائے نام خدا ہی کا نام لیا جائے تو پھر ذبح کرنا تو خدا سے انحراف پر دلالت کرے گا ص۵۵

س: غیر خدا کیلئے جانور کو نامزد کرنا خدا سے بغاوت کیوں ہے؟ ص۵۵

س: مالکیت میں غیر خدا کو خدا کے برابر سمجھنا بڑا جرم ہے یا محبوبیت میں غیر خدا کو خدا کے برابر سمجھنا اور کیوں؟ ص۵۵

س: عبارت کی وضاحت کریں:

ایسا ذبیحہ جس پر براہِ محبت غیر خدا کا نام لیا جاوے یعنی غیر خدا کے لئے قربان کیا جاوے ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کو حلال کہیں۔ ص۵۶

س: کونسے ذبیحہ کے گوشت پوست کی بیع شراء کی اجازت ہے کونسے ذبیحہ کے گوشت پوست کی نہیں اور کیوں؟ ص۵۶

س: جانور کے حرام ہونے کی چار صورتیں لکھیں نیز یہ بتائیں کہ کس صورت میں انسان کو کھانا جائز ہوگا اور کس صورت میں کھانا بھی جائز ہوگا اور ثواب بھی ملے گا؟ ص۵۶

س: تتمہ کی یہ تقریر کن کے ذریعہ ملی تھی؟ اور کس نے چھاپنے کا اہتمام کیا تھا؟ ص۵۶

☆☆☆☆☆

﴿تعارف رسالہ تحفہ لحمیہ﴾

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی ""اجوبہ اربعین"" کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں حضرت نانوتویؒ نے ہنود کے اس وہم باطل کا رد کیا ہے کہ جانوروں کا ذبح کرنا ظلم ہے اور ان کا گوشت کھانا تعدی ہے حضرت نانوتویؒ نے یہ ثابت کیا ہے کہ حلال جانوروں کا گوشت کھانا اور ان کا ذبح کرنا بالکل فطرت کے مطابق ہے۔ عقل سلیم بھی اس کو تسلیم کرتی ہے۔ عقلی دلائل سے اس مسئلہ کو حضرت نے بین طور پر ثابت کر دیا ہے۔

اگر ان کا گوشت کھانا ظلم ہے تو ان کی کھال کا جوتا پہننا اور ان کی ہڈیاں اور دیگر اجزاء کا استعمال کرنا اور ان سے سواری وغیرہ کی خدمت لینا کونسا انصاف ہے (اجوبہ اربعین ص ۳۸،۳۹)

اقول: یہ رسالہ بارہ صفحات پر مشتمل ہے اس پر عنوانات مکتبہ اعزازیہ کے مالک سید احمدؒ کے لگائے ہوئے ہیں

اس کے صفحہ ۱۰ سطر ۱۰ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس سے آگے کا مضمون مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ یا کسی اور بزرگ کی طرف سے بطور ضمیمہ اضافہ کیا ہوا ہے۔

حضرت نانوتویؒ نے اس موضوع پر حجۃ الاسلام کے آخر میں، اور تتمہ حجۃ الاسلام بھی لکھا ہے۔ یہ رسائل آپ کے سامنے میں استفادہ کر سکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

تحفہ لحمیہ

از افاضات حامی اساطین الموحدین ماحی اساطیر الملحدین حجۃ اللہ علی الخلائق کاشف اسرار المعارف والحقائق مظہر کمالات السلف الصالحین وارث علوم سید الانبیاء والمرسلین جامع الفیوض والبرکات قاسم العلوم والخیرات سیدنا ومولٰینا محمد قاسم انار اللہ برہانہٗ وافاض علی العالمین برہ واحسانہ

جسکو

(مولوی) سید احمد مالک کتب خانہ اعزازیہ دیوبند نے خاص اہتمام کیساتھ

اپنے

کتب خانہ اعزازیہ دیوبند سے شائع کیا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تبشیر

نہایت ہی ذوق و رغبت کے ساتھ باربار یہ خیال اکابر و اصاغر کی زبانوں پر آتا رہا ہے کہ حضرت قطب وقت آیۃ من آیات اللہ مولانا محمد قاسم الخیرات قدس سرہ کی تصانیفِ جمیلہ جس طرح اپنے معنوی حسن و خوبی کے سبب بے نظیر ہیں۔ کاش اسی طرح وہ ظاہری زیب و زینت حسن طبع خوبی کاغذ اور نزاکت قلم میں بھی اپنی نظیر خود ہو جائیں اس خیالی حرکت نے اپنے انتہائی مراحل طے کر لئے اور وہ بجائے خیالی کے ایک وجودی چیز بن گئی۔ مؤتمر الانصار کی جمعیۃ نے حضرت مرشدی و استاذی شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ کی سرپرستی میں حجۃ الاسلام سے اس پاکیزہ سلسلہ کا آغاز کیا جس سے کفش برداران قاسمی و دل دادگانِ اسرارِ علمی کی اشک شوئی ہو گئی۔ لیکن زمانہ کی ناساعدت نے اس مبارک سلسلہ میں ایک طویل و عریض فترہ حائل کر دی اور بجائے واقعہ کے پھر یہ سلسلہ خیالی رہ گیا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد قدیم عزائم و ارادے شوق و رغبت کی مدد سے پھر ابھرنے لگے اور تمناؤں کا اظہار شروع ہوا۔ اس احقر نے بحول اللہ و قوتہ اس مبارک سلسلہ کی تکمیل کا اسی انداز پر ارادہ کیا ہے جس طرح وہ حضرت استاذی و مرشدی قدس سرہ کے عہد حیات میں شروع ہوا تھا صد شکر کہ جس مبارک سلسلہ کا پہلا نمبر قبل ازیں حجۃ الاسلام کی صورت میں نور افزائے نظر ہوا تھا۔ اسی سلسلہ کا دوسرا نمبر تحفۂ لحمیۃ کے لباس میں آج آپ کے سامنے آرہا ہے۔ تصحیح حسن طبع اور موزونیت تقطیع کا کامل لحاظ کیا گیا ہے۔ بسیط مضامین کے سہل الوصول بنانے اور بآسانی متفرق مضامین کو تلاش کرنے کے لئے عنوانی نشانات اضافہ کر دئے گئے ہیں۔ اور یہی وہ طرز ہے کہ جس پر کل تصانیف انشاء اللہ آپ کے سامنے آئیں گی۔ یہ صحیح ہے کہ اتنا دقت خیز اور مشکل سلسلہ کسی وقیع شاندار اور مشہور قلم سے حد تکمیل کو نہیں پہنچ رہا ہے تاہم اگر ایک غیر مشہور اور کم مایہ ہاتھ سے ایک چیز پردۂ عدم سے چہرہ نکال سکتی ہے اور کم از کم خیالی وجود سے واقعی وجود کا لباس پہن سکتی ہے تو ایسے دست و قلم کی یہ حرکت یقیناً اس کی کم مائگی اور بے بضاعتی کے لئے کافی تدارک ہے وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

احقر سید احمد عفا اللہ عنہ مالک کتب خانۂ اعزازیہ دیوبند

قَالَ النَّبِیُّ صلعم اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

گوشت خوری کی ممانعت پر بڑی سی بڑی دلیل

جو لوگ گوشت کھانیکو بہت بُرا جانتے ہیں اُن کے پاس بجز اس کے کوئی دلیل نہیں ہے کہ ظاہر میں ذبح کرنا جانوروں کا ظلم معلوم ہوتا ہے۔ اور ظلم ہر مذہب و ملت میں بلکہ ہر کس و ناکس کے نزدیک بُرا ہے پس باوجود اس کے نہیں معلوم کہ کھانے والے کیوں ہزاروں جانوں کو تلف کرکے ایک اپنا دل خوش کرتے ہیں۔ اور خدا سے نہیں ڈرتے کہ ایک مخلوق کی مخلوق پر اس قدر جفا کہ اُس سے زیادہ اور کیا ہو گا کرتے ہیں۔

جوابی مضمون کی تمہید

واقعی یہ دھوکا ایسا ہی کہ ایکدفعہ تو اچھے عقلمندوں کو بھی بچلا دیتا ہے پس اُن حضرات کو اگر خدائے تعالیٰ عقل سلیم اور نظر انصاف عنایت فرمائے تو صاف معلوم ہو جائے کہ اس کو ظلم سمجھنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص جس کو سونے اور پیتل اور بلور اور پھٹک اور زمرد اور سبز کانچ کی تمیز نہ ہو اور سونے اور بلور زمرد کی کان پر جائے اور دیکھے کہ ہزار ہا سنار اور جوہری گودیں بھر بھر لئے جاتے ہیں پر اپنی بے تمیزی سے سونے کو پیتل اور بلور کو پھٹک اور زمرد کو سبز کانچ سمجھ کر چھوڑ دنے اور اٹھا لینے والوں پر اعتراض کرنے سو ایسوں ہی کے حق میں کہا ہے ع مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں۔

مناسب تو یوں تھا کہ یہ بھی اُن کا اتباع کرتا اور جانکاروں کو طلبگار دیکھ کر اپنی سمجھ کو غلط سمجھتا تو محروم نہ رہتا

عالم کی کثرت گوشت خوری کی طرف ہے

دستور عام ہے کہ جس طرف زیادہ عاقل ہوتے ہیں اسی طرف عقل کی بات ہوتی ہے پھر تماشا ہے کہ سارا جہاں تو ایک طرف ہو۔ یہاں تک کہ ہندؤں میں سے بھی بہت سی قومیں گوشت خور ہیں۔ پھر بھی اہل ہنود گوشت کھانے کو ظلم اور کھانے والوں کو ظالم سمجھیں۔ اور اپنی وہی عمر ٹے کی

ایک ٹانگ کہے جاویں۔ اس سے زیادہ اور کیا ناحق شناسی ہوگی۔

....

ظلم کی حقیقت

منصف کے نزدیک تو یہی بات بہت ہے پر مزید توضیح کے لئے اتنا اور بیان کیا جاتا ہے کہ ظلم کے معنی نہ فقط ایذا رسانی ہے ورنہ سانپ اور بچھو اور شیر کا مارنا بھی جو سب کے نزدیک بالاتفاق ہندو ہوں یا مسلمان جائز ہے بلکہ بعض موقع پر واجب۔ یقیناً حرام ہو جاتا بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی غیر کی چیز کو کسی کام کی نہ ہو اس کی بے اجازت اپنے تصرف میں نہ لاؤ اپنی چیز کا اختیار ہے جلاؤ یا پھونکو توڑو یا موڑو اسی لئے اگر کوئی کسی کے پھٹے پرانے کپڑے کو پھاڑ دے تو ہر کوئی ظلم کہہ کر کے جینے سے تنگ کر دیتا ہے اور اگر وقت ضرورت کے کوئی شخص اپنے کشمیری دوشالہ کو بھی جلا کے کھانا پکا لے یا دوسرے کو پکانے کو دیدے بلکہ بے ضرورت بھی اگر ضائع کر دے یا کرا دے تو کوئی ظلم نہیں کہتا خود کرے یا دوسرے سے کرنے کو کہے۔

اپنی ملک میں تصرف کرنا ظلم نہیں

خدا تعالیٰ کو بوجہ ملک کامل تمام کائنات پر ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہے

سو جب ہم بیع و شراء و اجارہ و وصیت اور وراثت کے سبب ان اشیاء کو اپنا خیال کرتے ہوں اور ان خیالی باتوں پر آپس میں کیا کیا بحثیں ہوں کہ الٰہی پناہ باوجودیکہ عقلاً سب انسان سب چیزوں میں برابر نظر آتے ہیں اس صورت میں اگر خداوند کہ ہم بھی جس نے ہمیں اور سب چیزوں کو بنایا ہے جہان کو اپنا کہے اور گائے بھینس بکری وغیرہ کو اپنا کر کے اپنی اشرف المخلوقات کو اجازت دے کہ ان کا گوشت تمہارے کار آمد ہے کھاؤ اور مزے اڑاؤ پر حد سے باہر نہ جاؤ تو فرمائیے کہ کیا گناہ ہے اور کونسی تقصیر ہے گر طمع خواہد ز من سلطان دین خاک بر فرق قناعت بعد ازین۔

گوشت خوری ظلم نہیں بلکہ موجب زیادۂ اطاعت ہے

بلکہ دیکھئے تو یہ احسان باعث زیادتی اطاعت اور موجب ترقی محبت الٰہی کا ہوگا جب نعمت

ملے گی تو شکر الہٰی زبان پر جاری ہوگا اور یاد آئے گا کہ ہم اور یہ سب برابر تھے فقط عنایت الہٰی نے ہمیں اشرف اور انہیں کمتر کر کے اُن کو ہمارے کھانے اور پینے اور سواری اور بوجھ اُٹھانے کے لئے ہمارا مسخر بنا دیا۔ اگر اُلٹا کر دیتا تو کون اس کا مانع تھا باقی انسان کا اشرف ہونا ایسا نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو، ہاں اگر کوئی جاری بدشگنی کے لئے اپنی ناک کٹائے اور گئو بھینس بکری کو انسان سے افضل کہے تو انسان سے تو کیوں افضل ہونے لگے۔ البتہ ایسے جاہل سے گائے بکری چھوڑ گدھا بھی افضل ہے۔ سوالیسوں سے ہمارا کلام نہیں۔ بندہ انصاف والوں سے کام رکھتا ہے۔

گوشت خوری از روئے طب بھی کثیر المنافع ہے

الحاصل جب انسان افضل ٹھیرا اور بملاحظہ منافع کثیرہ جو باتفاق اطباءِ عالم گوشت میں موجود ہیں گوشت انسان کے بہت کارآمد نکلا۔ اگر خداوند کریم اس کے کھانے کی اجازت نہ دے تو اس کو حکیم کون کہے۔ بلکہ اس میں اور اس شخص میں کیا فرق ہو جس کے گھر میں بچے بھوکے مرتے ہوں پر بایں خیال کہ

مانع گوشت کی مثال

اگر اُن کے ہاتھ میں روٹی دوں گا تو یہ روٹیوں کے ٹکرے ٹکڑے کر دیں گے کھا کر کھانے کا پاخانہ بنا دیں گے۔ اس ظلم کے خیال میں اُس ظلم کو روا رکھے اور بچوں کو دھری دھرائی روٹی سے ترسائے۔

گوشت ہر مذہب میں جائز ہے

الغرض بنظر شفقت اور مالکیت الہٰی اور افضلیت انسانی کیا بعید ہے کہ گوشت حلال ہو۔ اور ظاہرًا یہی وجہ ہے کہ ہر مذہب و مشرب میں اس کا رواج ہے۔ ہنود میں بہت سی قومیں اور دوں کی شریک ہیں۔ بلکہ خود تو خود اپنے معبودوں کے لئے بھی مثل دیبی وغیرہ بکروں کا جھٹکا کر کے نذر گزرانتے ہیں۔

مذاہب عالم اور عامہ اقوام ہنود میں بڑی تنظر اور بڑا شکر خون ہے

شاید بہت ہی عمدہ سمجھتے ہوں گے جو معبودوں کے لیے تجویز کیا اور جو شاستر سے واقف ہیں اور بید پُران کو جانتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جس وقت کہ برہمن زادہ تحصیل علم کر کے گھر آتا تھا گئو کی قربانی کر کے کچھ کیا کرتے تھے۔ سو اگر اس بات کو ظلم یا حرام جانتے تو ایسے وقت شکر میں جو اچھے کاموں اور مبارک وقتوں کا وقت ہے ہرگز نہ کرتے بلکہ نام سے بھی بُرا مانتے۔ اور اگر بالفرض یہ نقل غلط ہو تو اس سے زیادہ اب ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ ایسے بہت کم ہوں گے کہ چمڑے کی جوتیاں نہیں پہنتے۔ گوشت کھانے میں تو تعظیم بھی تھی۔ فقط ایک ایذا کے خیال سے جی کھٹتا تھا۔ جوتیاں بنانے میں فرمایئے کونسی تعظیم ہے۔ وہی مثل ہے کہ گڑ کھائیں پر گلگلوں کا پرہیز۔ کوئی بہت کہے تو یہ کہے کہ یہ ہمارے دین کی بات نہیں۔ یونہی ایک رسم پڑ گئی ہے۔ سو یہ وہی بات ہے کہ عذر گناہ بدتر از گناہ۔ کیونکہ مسلمان اگر ایسے کام کرتے ہیں تو بزعم خود خدا کا کہا کرتے ہیں ہندو لوگ کس بلا نے گھیرا کہ بے وجہ بے سہارے اس قدر گئو کی اہانت کر کے مسلمانوں کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہتے۔ سو خیر یہ کہانی کہاں تک کہیے۔ اصل مطلب کو کان دھر کر سنیے۔

خدا تعالیٰ کی شفقت اور انسان کی افضلیت حلت گوشت کی لم ہے

جب خدا حکیم شفیق اور انسان افضل المخلوقات ٹھیرا اور گوشت کا نافع اور لذیذ ہونا مقرر ہو چکا اور اس کے ساتھ ایک جہان کو اول سے اب تک گوشت کھانے اور حلال کہنے پر متفق اللفظ سنا اور دیکھا

مالکین و معترضین اپنے علم و فہم اور عقل و تعداد میں موافقین کے عشر عشیر بھی نہیں

اور ان کے مقابل میں فقط ہنود کو جو باعتبار مقدار کے عشر عشیر بھی نہ ہوں گے اور باعتبار عقل اور علم اور رسوم اور عادات اور بلند ہمتی کے ہم سنگ پاسنگ بھی نہیں ایک مانع دیکھا تو عقل سلیم نے ان سب وجوہ مذکورہ پر نظر کر کے یوں سمجھا کہ گوشت کی حلت میں تو کچھ شک نہیں پر ایسا بھی نہ چاہیے کہ ہر دم و ہر لحظہ گائے کے گلے پر طور بے طور چھری لئے تیار رہیں۔ اور مثل شیران بیشہ ہر طرح خونخواری سے کام ہو۔

آداب ذبح اور اس کے اسرار عظیمہ

ہاں اگر ذبح کرنا منظور ہو تو دل بے نیازی الٰہی یاد کریں اور اپنے دل میں کہیں کہ اگر ہمارے واسطے ذبح کا حکم دیکر دوسروں کے واسطے ہمیں حلال کرتا تو ہم اس کی ملک تھے۔

کل کائنات خدا تعالیٰ کی ہے اس لئے اس کے نام پر نثار ہونی چاہیئے

اب جو اس نے ہمارے لئے انہیں حلال بنایا تو چاہیئے کہ اسی کے نام پر ہم یہ کام کریں اور اسکی جان سمجھ کر بطور نثار اس کیلئے قربان کریں سب جانیں اسکی ہیں اسی کے نام پر نثار ہونی چاہئیں انسان اپنے موقعہ پر وقت پاکر اس کی راہ میں سر کٹائیں مال لٹائیں اور ناسمجھائیں اور اپنے پاک اور طیب جانوروں کو اسکے نام پر نثار کریں اور ان سے ہاتھ اٹھائیں پھر ان کے گوشت کو خدا کے نام کی برکت اعتقاد کرکے بہت رغبت سے کھائیں اور ان کی کھالوں اور ہڈیوں کو استعمال میں لائیں۔

جہاد بالنفس و بالمال اور ذبیحہ اسلامی میں مناسبت

یہ بات ہر چند سر دست ان لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے گی جن کے دلوں میں سالہا سال سے گوشت کی برائی جمی ہوئی ہے وہ مثل ہر کسی ہندو یا پیر سال نے وقت تقاضائے اسلام کے مسلمانوں بھائیوں سے کہا لنا کرمیاں ستر برس کا رام۔ جی میں بیٹھا ہوا نکلتے ہی نکلتے نکلے ہے لیکن جو لوگ اپنی خو اور عادت سے الگ ہو کر ان وجوہ مذکورہ پر نظر غور سے معقول ہنود اور اہل اسلام میں محاکمہ کیجئے تو اس کے سوا اور کیا کہیں گے کہ گوشت کا کھانا اگر بوجہ ظلم و تعدی نا درست ہوتا تو قطع

گوشت خوری کا ایک الزامی جواب

وجوہ مذکورہ کے سواری اور جانوروں پر لادنا پھاندنا اور ان کو بحکم مقید اور محبوس رکھنا بھی نا روا ہوتا۔ تھوڑے بہت کا فرق ہے قتل اگر گناہ کبیرہ ہے تو مارنا پیٹنا، قید رکھنا کچھ ثواب نہیں ہو جاتا

اشرف کے لیئے ادنیٰ کا استعمال عین فطرت ہے

الغرض ناچار یہی کہنا پڑے گا کہ انسان کو خدا تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اشرف کیلئے ادنیٰ کا استعمال میں لانا قاعدۂ عام ہے یہی مسلمان کہتے ہیں کہ اشرف المخلوقات کے لئے اس نے مناسب نامناسب دیکھکر اجازت کھانے پینے اور استعمال میں لانے کی دی ہے۔ اور رفع شبہ کے لئے ہزار ہا مثالوں سے اس عالم کو بھر دیا اگر اس وجہ سے اسکو عالم مثال کہیئے تو بجا ہے۔

کاٹ تراش اور توڑنا پھوڑنا ہر جگہ ظلم نہیں

کیونکہ تمام عالم کے کاروبار اسکی

خدائی کا نمونہ ہیں آخر کون نہیں جانتا کہ اچھے مکان کے بنانے کے وقت اینٹوں کو کیسا کیسا کوڑ پھوڑ
کر گھڑ کے لگاتے ہیں مکان اور اہل مکان کو انہوں سے افضل سمجھا تو یہ ستم اینٹوں پر روا رکھا
اسنے کے واسطے کسی نے نہ دیکھا ہوگا کہ اینٹ یا سنگ موسیٰ یا سنگ مرمر یا زمرد یا یاقوت یا لعل
کو گھڑ کے اور بیل بوٹے ان پر تراش کے تیار کر کے رکھا ہو۔

الغرض جب قاعدہ ہنود کے نزدیک بھی مسلم ٹھیر اتو پھر کیا وجہ ہے کہ مثل جوتیاں پہننے اور
بجز سوار ہونے اور لادنے پھاندنے کے اہل اسلام کے گوشت کھانے میں شریک نہیں ہوتے اور معہذا
باوجودیکہ بملاحظہ رسوم مذہبی اور اطوار عبادات اور شعار بزرگان اہل اسلام کے اکثر لوگ اس
دین کو پسند کرتے ہیں ایک ظاہر کی کم فہمی پر سے اہل اسلام پر اعتراض کرتے ہیں اور شرف اسلام
سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اگر سمجھ کا فرق تھا تو یہ اس کا جواب ہے اور اگر برادری کا خوف ہے
تو خدا کا خوف کے لئے کچھ برادری سے کم نہیں۔ ہاں اگر اہل اسلام آدمی کا کھانا آدمی کے لئے
درست بتلاتے اور آدم خوری کراتے تو ہم بھی کہتے کہ ہندو بے چارے سچ کہتے ہیں یہ عقل میں نہیں آتا
کہ خدا کے گھر سے ایسا نازیبا حکم آئے

گوشت کو بالکل قبول نہ کرنا نخوت اور قلتِ محبت الٰہی ہے

بلکہ خدا کے جاہ و جلال اور جمال پر اگر نظر کریں اور اپنی بندگی اور عاجزی کو دیکھیں اور پھر
تصور کریں کہ اس نے یہ نعمتیں ہمارے لیے بنائی ہیں تو قطع نظر اس کے کہ ان نعمتوں کا قبول نہ کرنا
قلتِ محبت اور کثرتِ غرور و نخوت پر بمقابلہ خدا تعالیٰ کے دلالت کرتا ہے اور مضمون بندگی
اور فرماں برداری سے بہت بعید ہے اور قاعدۂ عشق اور محبت سے کہیں دور۔ اندیشہ
اس کا ہے کہ کہیں موردِ عتاب نہ ہو جائیں۔

ہم پوچھتے ہیں کہ اگر کوئی بادشاہ کسی ادنیٰ سے نوکر کو کچھ مٹھائی یا روٹی وغیرہ دینے عنایت
کرے اور فرمائے کہ کھاؤ۔ اور وہ بایں خیال کہ اگر کھاؤں گا تو یہ بادشاہ کی چیز ہے۔ اس کی
ہیئت بگڑ جائے گی ٹکڑے ٹکڑے اور پارہ پارہ ہو کر خراب ہو جائے گی اور پیٹ میں جا کر
کچھ کا کچھ بن جائے گا۔ انکار کرے اور نہ کھائے اور غنیمت سمجھ کر سر و آنکھوں
پر نہ دھرے بلکہ الٹا پھیر دے۔ تو اس بادشاہ کو کیا اچھا
معلوم ہوگا۔

الغرض بنظر ان چند کلیات کے جو اس کلام میں ملحوظ ہیں صاف ہویدا ہے کہ گوشت بے شبہ حلال ہے اور اس کا بالکل ترک کر دینا اچھا نہیں اس بات کو جو دیکھا تو اہل اسلام کے مذہب کے بالکل مطابق پایا جاتا ہے چنانچہ مردار کا نہ کھانا اور بہت سے ایسے جانوروں کا جن میں ناپاکی یا کوئی خوئے بد غالب ہوتی ہے صاف کہے دیتی ہے کہ ان کے مذہب میں اس بات پر لحاظ ہے کہ اگر خدا کا نام نہ لگا ہو اور اس کے لئے جان نثاری نہ ہوئی ہو تو قطع نظر اس کے کہ خون اس کا مر کر گوشت پوست میں رل مل گیا اور اپنا سا ناپاک سب کو بنا دیا اب نعمت نہ رہی بلکہ نقصان کی چیز بن گئی تو وہ بے برکت ہے اور اس میں سے کچھ اپنے معبود محبوب کی بو نہیں آتی۔

حرام جانور ذاتی نجاست کے سبب خدا کے نام لگنے کی قابل نہیں اسلئے کہ وہ کسی وقت بھی نعمت نہیں

اور ایسے ہی اگر کسی روح کو بسبب ناپاکی یا کسی اور برائی کے قابل نذر خداوندی کے نہیں جانتے تو اپنے لئے بھی اسے حرام سمجھتے ہیں کیونکہ اپنا کھانا تو طفیل میں اپنے معبود محبوب کے سمجھتے ہیں اور با این ہمہ جو چیز خود بری ہے وہ دوسرے کو کیا نفع دے گی بلکہ موافق قاعدۂ تاثیر دوا و غذا کے جو اس میں اثر ہے وہی اثر کرے گی۔

حلت گوشت اس کے نعمت ہونے پر مبنی ہے نہ فقط خواہش نفسانی پر

پس اس صورت میں گوشت کا نعمت ہونا بھی جو اصل اور لم اور وجہ حلت کی تھی نہ رہی۔ ورنہ اگر یہ ستم گری فقط بتقاضائے خواہش نفسانی ہوتی تو کون مانع تھا کہ سور کتے بلی وغیرہ کو چھوڑ دیتے فقط یہی خیال رہا کہ نہ یہ قابل نثار کرنے خدائے جل شانہ کے ہیں اور نہ کوئی نعمت ہے۔

ہر جانور کے گوشت میں اس کے خصائل سرایت کئے ہوئے ہیں

بلکہ اگر فرض کرو کہ آدمی سور کھانے لگیں تو جیسی سور میں بے حیائی ہے کہ اپنے جوڑے سے اگر کسی کو جفتی کرتے دیکھتا ہے تو اور جانوروں کی طرح کچھ اس کو غصہ نہیں آتا اسی طرح سور خوروں میں بھی یہی پیدا ہوگا۔ اور کسی کو ان میں سے ماں بہن جورو بیٹی کی غیرت نہ رہی گی اور جیسے اس

کو صبح سے شام تک ناپاکی میں گندہ جاتا ہے اور لحظہ کو نہیں گھبراتا دنیا گندی سے انکا دل بھی نہیں گھبرائے گا۔ اور خدا کی عبادت کا وارفتہ میں ایک دن بھی نہ آئے گا کیونکہ خدا کی عبادت اور یاد۔ دل پاک سے ہوسکتی ہے ناپاک اُس سے گھبراتا ہے ؎ کند ہم جنس با ہم جنس پرواز ؂

نتائج وثمرات کی خوبی اَحکام کی خوبی پر موقوف ہے

الغرض جو منصف اور بے ارشخر ہیں وہ ایسے فرق خوب سمجھتے ہیں اور مجموعۂ اہل اسلام کو اور مجموعوں سے نسبت دے کر اوسط نکال لیتے ہیں اور بلاحظہ کثرتِ عبادات جو مسلمانوں میں دیکھتے ہیں۔ سمجھ جاتے ہیں کہ اوروں کی نسبت اکثر دل پاک ہیں تو مسلمانوں ہی کے ہیں اور اسی طریقہ سے رفتہ رفتہ اُن کی عقل کو یہاں تک رسائی ہوجاتی ہے کہ ظاہرا یہ ثمرہ خوبی احکام کا معلوم ہوتا ہے۔ مثل ہے کہ جیسا بیج ویسے ہی پھل پھول۔

یہاں ایک اور بات قابل بیان کرنے کے ہے کہ بیان مذکورہ بالا اُس وقت درست ہو کہ ہنود اور مسلمانوں سے بحث پڑے لیکن یہ تقریر اُس وقت کار آمد نہیں کہ کوئی شخص جو کسی دین کا پابند نہیں گوشت کھانے پر اعتراض کرے۔ کیونکہ اُس کے سامنے یہ کہنا کہ خداوندکریم نے اپنی مخلوقات میں سے اشرف کو انعام کے استعمال کا حکم دیا ہے خواہ اُن کو لادنے پھاندنے میں کام میں لاویں یا گوشت کھانے میں تو ایسا شخص اس جواب پر قانع نہ ہوگا اِس لئے کہ مُلحد تو خود خدائے تعالیٰ کے قائل نہیں ہوتے تو پھر اُس کے حکم کو اُن کے سامنے بیان کرنا بے فائدہ ہے بلکہ اُن کے لئے کوئی عقلی دلیل چاہیئے جس میں اُن کو بھی مجال دم مارنے کی نہ ہو اس لئے ہم یہاں ایک مختصر دلیلِ عقلی بھی لکھ دیتے ہیں۔ تاکہ اس قسم کے لوگوں کے لئے کار آمد ہو وہ یہ ہے

گوشت خوری پر ایک فلسفیانہ استدلال

کہ جہان کے جانداروں میں ایک وضع خلقی پائی جاتی ہے کہ اُس وضع کو اُمور دنیاوی میں بہت

ع یہاں سے آخر تک جس قدر بھی مضمون ہے وہ حضرت نانوتوی قدس اللہ سرہ کا نہیں ہے۔ بلکہ بطور ضمیمہ کے جامع العلوم ومخزن الفنون حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ یا اور کسی بزرگ کا اضافہ فرمایا ہوا ہے اس کا علم ایک یادداشت سے ہوا جو حضرت نانوتوی قدس سرہ نے اپنے قلم سے اپنے مملوکہ نسخہ تحفہ لحمیہ پر تحریر فرمائی تھی جو محفوظ ہے ۱۲ محمد طیب عفا اللہ عنہ

ثمرہ عبادت طہارت دل پر اور طہارت دل طہارت غذا پر موقوف ہے

تمام ادیان سے قطع نظر کر کے محض عقل سے بھی گوشت خوری کا ثبوت

دخل ہے مثلاً گھوڑے کے استعمال کا طور لگام دینے اور پشت پر بوجھ لادنے سے ہے اور بیل کے کام میں لانے کا طور ناتھ ڈالنے اور گردن پر جوا رکھنے سے۔ اگر اس کے خلاف کیا جاتا ہے تو جانوروں کی صورت بگڑ جاتی ہے اور یہ محتاج بیان نہیں جن لوگوں نے دھوبیوں اور سقوں کے بیل دیکھے ہوں گے۔ وہ خود سمجھ لیں گے اسی طرح ہر ایک کے لادنے کا طور جدا ہے۔ گھوڑے کو کھڑا ہوا لادتے ہیں اور اونٹ کو بیٹھا ہوا غرض کہ جتنے جانور ہیں اُن کی وضع جبلی کے لحاظ سے ہر ایک قسم میں وہ بات پائی جاتی ہے جو دوسرے میں نہیں۔

خلقی وضع کو غذا میں بھی دخل ہے

اب اگر جاندار کی خوراک پر لحاظ کیا جاتا ہے۔ تو یہ بھی پرند اور چرند میں مختلف وضع کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے مثلاً پرندوں میں جن کی نوک ترچھی ہے اُن کی خوراک گوشت ہے۔ اور جن کی نوک سیدھی ہے وہ گوشت کے گرد نہیں پھرتے اور اگر اس قاعدہ سے ایک دو پرند مستثنیٰ ہوں تو وہ ہمارے مطلب میں مخل نہیں۔ اور چوپایوں میں گوشت خوروں کی یہ وضع رکھی گئی ہے کہ اُن کے دو کیلے اور ڈاڑھیں کچھ گول ہوتی ہیں اور جن کی خوراک گھاس وغیرہ ہے اُن کی ڈاڑھیں چپٹی ہوتی ہیں گو بعضوں کے نیش مثل کیلوں کے ہوتے ہیں۔ جیسے اونٹ کے یا گھوڑے کے مگر ڈاڑھوں کی شکل گائے بیل اور اونٹ کی یکساں ہے اور یہ ایسی پہچان ہے کہ اگر چوپایہ سامنے نہ ہو صرف اس کی ڈاڑھیں پیش کی جائیں تو پہچان سکتے ہیں کہ اس کی خوراک گوشت ہے یا گھاس۔

گوشت خوری انسان کی فطرۃ ہے

پھر چونکہ آدمی بھی ایک جاندار غیر پرند ہے تو اُس کی ڈاڑھوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مثل اُن جانوروں کے ہیں جو گوشت کھاتے ہیں گھاس کھانے والوں کے سے نہیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس کی وضع جبلی گوشت کھانے کو مقتضی ہے۔ اور اسی وجہ سے تمام دنیا میں کوئی ملک ایسا نہ پاؤ گے جس کے باشندے بالکل گوشت کے تارک ہوں۔

باقی رہا یہ کہ اہل اسلام ذبح کر کے کیوں کھاتے ہیں اگر وضع جبلی کا لحاظ ہے تو مثل اور جانوروں کے

فرق مذبوح اور جھٹکے اور مردہ کا عبث ہے۔

ذبح کرنے کی فلسفی علّت

اس کا جواب عقلی یہ ہے کہ ذبح کیا ہوا جانور لذیذ زیادہ ہوتا ہے اور یہ امر اُن لوگوں پر مخفی نہیں جو دونوں قسم کے جانور کھاتے ہیں بہت سے غیر مذہب کے لوگو نکو دیکھا ہے کہ اپنے کھانے کے لئے جانور کو ذبح کرالیتے ہیں اگر اس میں کچھ لذت زیادہ نہ ہوتی تو وہ یہ حرکت کیوں کرتے۔

غیر اقوام کو لذت ذبیحہ کا اعتراف ہے

علاوہ ازیں منصف مزاج بیان بھی کر دیتے ہیں کہ اس صورت خاص سے ذبح ہونے سے لذت زیادہ ہوتی ہے۔ اور جو متعصب یا بے عقل ہیں وہ اپنی وہی گائیں گے اور مرغی کی ایک ٹانگ بتائیں گے سو ہمیں اس باب میں کچھ سینہ زوری کرنی نہیں جو سمجھے وہ سمجھے جو اس پر بھی نہ سمجھے اُسے خدا سمجھے آمین آمین
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۵

تمت

فہرست مضامین رسالہ "تحفۂ لحمیہ"

﴿سوالات بر رسالہ "تحفہ لحمیہ"﴾

نوٹ: سوالات بالترتیب بنائے گئے مگر طلبہ کی آسانی کیلئے سوالات کے ساتھ اس صفحے کا نمبر بھی دیا گیا ہے جس میں اس سوال کا جواب موجود ہے۔

س: "حجۃ الاسلام" کے بعد حضرت نانوتویؒ کا کونسا رسالہ عنوانات کے ساتھ طبع ہوا؟ ص۲

س "تحفہ لحمیہ" کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ [خود بتائیں]

س: گوشت کی ممانعت پر لوگ بڑی سے بڑی دلیل کیا پیش کرتے ہیں؟ ص۳

س: جو لوگ گوشت کھانے کو ظلم کہتے ہیں مولانا نے ان کی تنگ نظری کو سونا و پیتل وغیرہ کی مثال سے کس طرح واضح کیا ہے؟ ص۳

س: کونسی بات قابل قبول ہوتی ہے؟ جدھر زیادہ عاقل ہوں یا جدھر کم ہوں؟ نیز یہ بتائیں کہ دنیا میں گوشت کھانے والوں کی شرح زیادہ ہے یا نہ کھانے والوں کی؟ ص۳

س: کیا ہندوؤں میں بھی گوشت خور لوگ موجود ہیں؟ ص۳

س: ظلم کا معنی فقط ایذاء رسانی کرنے میں کیا قباحت ہے؟ ص۴

س: ظلم کی صحیح تعریف لکھیں اور مثال سے وضاحت کریں۔ ص۴

س: تمام کائنات میں ملکِ کامل جس ذات باری کو حاصل ہے اس کا اشرف المخلوقات کو گوشت خوری کی اجازت دینا کیسا ہے؟ ص۴

س: گوشت خوری ظلم ہے یا موجب زیادت اطاعت ہے؟ اور کیوں؟ ص۴

س: جانوروں کی نسبت انسان کا اشرف ہونا کیسے سمجھ آ رہا ہے؟ ص۵

س: جو ہماری بدشگنی (یعنی بدشگونی) کیلئے اپنی ناک کٹائے اور گائے بھینس بکری کو انسان سے افضل سمجھنے لگے اس کے بارے میں مولانا نے کیا فرمایا؟ ص۵

س: از روئے طب گوشت کھانا کیسا ہے؟ ص۵

س: انسان کیلئے گوشت کے مفید ہونے کے باوجود اگر خداوندِ کریم گوشت کی اجازت نہ دیتے تو اس کے حکمتِ خداوند کے خلاف ہونے کی مولانا نے کیا مثال دی؟ ص ۵

س: ہنود کے علاوہ دیگر مذاہب میں گوشت خوری کی اجازت ہے یا نہیں؟ ص ۵

س: کیا ہنود اپنے معبودوں کیلئے جانور قربان کرتے ہیں؟ اگر کرتے ہیں تو ذبح کے ذریعے یا کسی اور طرح؟ ص ۵

س: جب کوئی برہمن زادہ تحصیل علم کر کے آئے تو اس موقع پر ہندو کونسا جانور قربان کرتے ہیں؟ اور یہ کس پر دلالت کرتا ہے؟ قربانی کے برکت ہونے پر یا ظلم و حرام ہونے پر؟ ص ٦

س: چمڑوں کے جوتوں کے حوالے سے ہنود پر الزام کیا ہے؟ ص ٦

س: گوشت خوری کے مانعین کی موافقین کے مقابلے میں کیا شرح ہے؟ ص ٦

س: کیا اللہ تعالیٰ ہمیں اور مخلوق کیلئے حلال کر سکتا تھا؟ اور کیوں؟ ص ۷

س: ذبح کے آداب کیا ہیں؟ اور غیر اللہ کیلئے ذبح کرنا از روئے عقل کیسا ہے؟ ص ۷

س: گوشت خوری کو ظلم کہنے والے کیا جانور سے کسی طرح کا نفع اٹھا سکتے ہیں؟ ص ۷

س: اشرف کیلئے ادنیٰ کو استعمال کرنا کیسا ہے؟ مثال سے وضاحت کریں۔ ص ۷

س: کیا کاٹنا تراشنا ہر جگہ ظلم ہوتا ہے؟ مثالوں سے وضاحت کریں۔ ص ۸

س: ہنود کا دینِ اسلام سے طبعی میلان ثابت کریں پھر بتائیں اس کے باوجود اسلام پر شبہات پیش کرنا کم فہمی ہے یا سمجھداری؟ ص ۸

س: اجازت اور حکم کے باوجود اللہ کی نعمت کو استعمال نہ کرنا کثرتِ محبتِ الٰہی پر دلالت کرتا ہے یا غرور و تکبر پر؟ ص ۸

س: مانع گوشت کی سوءِ فہم پر کوئی واضح دلیل پیش کریں ص ۸

س: مردار اور حرام جانوروں کے ممنوع ہونے میں کیا حکمت ہے؟ ص ۹

س: گوشت کا نعمت ہونا خدا تعالیٰ کے نام پر ذبح ہونے پر کیوں موقوف ہے؟ ص ۹

س: اس کا کیا جواب کہ مردار جانور اللہ کے نام پر ذبح ہو کر نعمت کیوں نہیں؟ ص ۹

س: گوشت کا حلال ہونا گوشت کے نعمت ہونے پر مبنی ہے یا خواہش نفسانی پر؟ ص ۹

س: سور کتے بلی وغیرہ کا گوشت نعمت کیوں نہیں؟ ص ۹

س: کیا جانور کے گوشت میں اس کی عادات سرایت کی ہوتی ہیں؟ ص ۹

س: سور کی کس گندی خصلت کی وجہ سے اس کا گوشت منع ہے؟ ص ۹

س: خدا کی عبادت واطاعت کونسا دِل کرتا ہے؟ نیز دِل کی طہارت ونجاست کس چیز پر موقوف ہے؟ ص ۱۰

س: عبادات کی شرح کس مذہب میں زیادہ ہے؟ اور یہ چیز کس بات پر دال ہے؟ ص ۱۰

س: تمام ادیان سے قطع نظر محض عقل کی روسے گوشت کی حلت کو ثابت کریں۔ ص ۱۰

س: جانداروں کی وضع خلقی کے حوالے سے مختصر کلام کریں۔ ص ۱۱

س: وضع خلقی کو غذا میں کیا دخل ہے؟ ص ۱۱

س: گوشت خور اور اناج خور پرندوں میں کیا فرق ہے؟ ص ۱۱

س: جانوروں میں گوشت خور اور گھاس خور کی پہچان کیا ہے؟ ص ۱۱

س: انسان کی ڈاڑھوں کو دیکھ کر اس کے گوشت خور ہونے کا اندازہ کیسے لگتا ہے؟ ص ۱۱

س: دنیا میں کوئی ایسا ملک ہے جس کے باشندگان گوشت کے بالکل تارک ہوں؟ ص ۱۱

س: انسان کا گوشت خور ہونا اگر وضع جبلی ہے تو جیسے گوشت خور جانور بغیر ذبح کے اپنا شکار کھاتے ہیں انسان کیلئے بغیر ذبح کے جانور حلال کیوں نہیں؟ ص ۱۱، ۱۲

س: کیا مذبوح اور غیر مذبوح جانوروں کے گوشت کے ذائقہ میں فرق ہوتا ہے؟ اور دلیل کیا ہے؟ ص ۱۲

☆☆☆☆☆

إنما أنا قاسم والله يعطي

اسرار الطہارۃ

از افاضاتِ مبارکہ

حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم صاحبؒ

بانی دارالعلوم نور اللہ مرقدہٗ

(جناب مولانا قاری محمد طیب صاحب و مولانا قاری محمد طاہر صاحب)

در مطبع قاسمی واقع دیوبند طبع گردید

﴿تعارف رسالہ اسرار الطہارۃ﴾

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

یہ بھی مختصر رسالہ ہے اور اس کو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے حضرت نانوتویؒ کی تحریرات سے حاصل کر کے ان سے مرتب کیا ہے اس میں طہارۃ کے اسرار و حکم اور عجیب و غریب نکات بیان کئے گئے ہیں قہقہہ اور خروج ریح کیسے ناقض وضو ہوتے ہیں اس کی حیرت انگیز تشریح بیان فرمائی ہے اور ایسے حکیمانہ افکار بیان کئے ہیں جن میں حضرت منفرد معلوم ہوتے ہیں (مقدمہ اجوبہ اربعین ص ۴۳)

اقول: حضرتؒ نے اس میں توحید خداوندی پر بھی دلائل دیئے اور نبی کی رسالت اور ختم نبوت کو بھی ثابت کیا ہے اس کے ساتھ ساتھ عیسائیت کا رد بھی کیا ہے توضمنی طور پر حضرت نے بڑے قیمتی نکات بیان کئے اس لئے حضرتؒ کی تحریروں کو نہ اس وجہ سے حقیر سمجھو کہ اردو میں ہیں عربی میں نہیں، اور نہ اس وجہ سے ان کی کسی تحریر کی ناقدری کرو کہ چند صفحوں کی تحریر ہے کوئی بڑی کتاب نہیں۔

راقم نے کتاب ''حضرت نانوتویؒ اور خدمات ختم نبوت'' میں مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی دامت برکاتہم کی کتاب سے کچھ عبارات کمپوز کر کے لگائی تھیں اس مجموعہ میں وہ کمپوز شدہ عبارات بھی دی گئی ہیں اور حضرت کے اس مکتوب کا پورا قلمی نسخہ بھی دیا تا کہ طلبہ اصل نسخے سے بھی مستفید ہوں واللہ الموفق۔ کمپوز شدہ صفحات میں ''قاسم العلوم'' سے مراد مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی کی کتاب ''قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ'' ہی ہے۔

﴿عبارات از رسالہ "اسرار الطہارۃ"﴾

مولانا نورالحسن راشد فرماتے ہیں

رسالہ "اسرار الطہارۃ" کب چھپا اس کی صراحت نہیں ملی، اس کے جو نسخے میری نظر سے گزرے ہیں وہ سب ایک ہی طباعت کے ہیں اور غالباً اس وقت یہی پہلی اور آخری طباعت ہے (قاسم العلوم ص ۴۴۷ موصوف نے قاسم العلوم کے صفحہ ۵۰۶ میں اسرار الطہارۃ کی اس طبع کے ٹائیٹل کا عکس بھی دیا ہے۔ موصوف نے حضرت نانوتویؒ کے اس سلسلہ میں کچھ مکتوبات کا عکس اپنی کتاب میں شائع کیا ہے۔ راقم الحروف نے اس رسالہ کے ٹائیٹل کا عکس بھی قاسم العلوم سے لیا ہے اور عبارات بھی اسی سے نقل کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو ہم سب کی طرف سے بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

۱) حضرت نانوتویؒ ایک مکتوب کے شروع میں لکھتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ (قاسم العلوم ص ۴۵۱)

[دیکھیں اس عبارت میں واضح طور پر نبی کریم ﷺ کے اعلیٰ اور آخری نبی ہونے کی شہادت ہے]

۲) ایک پادری نے طہارت کے مسائل پر اعتراض کیے تھے اس کا اصولی جواب دے کر موجودہ عیسائیت کا بطلان اور ملت محمدیہ کی حقانیت ثابت کرتے ہوئے حضرتؒ فرماتے ہیں:

بعد حمد و صلوٰۃ یہ گزارش ہے کہ اور مذہبوں والے جب اہل اسلام کے عقائد [جن میں عقیدۂ ختم نبوت بھی شامل ہے۔ راقم] میں مجال دم زدن نہیں پاتے تو اُن کے اعتراضوں کے مقابلہ میں جو وہ اوروں کے عقائد پر کرتے ہیں اہل اسلام کے فروع اور مسائل پر اعتراض کرتے ہیں (۱)

---

(۱) یعنی اہل اسلام دوسروں کے عقائد پر اعتراض کر کے ان کے مذہب کا بطلان ثابت کرتے ہیں۔۔۔ ت اسلام کے عقائد پر اعتراض نہیں ہوتا تو اسلام کے مسائل پر اعتراض کرتے ہیں۔

حالانکہ اہل عقل کے نزدیک بعد ثبوت عقائد و درستی اصول اعمال کی وجوہ سے باز پرس کرنی ایسے ہے جیسے بعد اس بات کے معلوم ہو جانے کے۔ کہ ملکہ بادشاہ ہند ہے اور کلکٹر اس کا مقرر کیا ہوا حاکم۔ قانون سرکاری اور احکام سرکاری میں جو بواسطہ کلکٹر وغیرہ نافذ اور جاری ہوتے ہیں تکرار کیجئے اور ان کے اوپر اعتراض کیجئے جیسے اس قسم کا شخص لائق جواب تو کیا ہوتا الٹا قابل مواخذہ ہوتا ہے ایسے ہی وہ شخص جو فروع پر اعتراض کرے لائق جواب تو کیا الٹا لائق عتاب خداوندی ہے (۱)

القصہ! حکام کی بات میں جیسے چوں چرا مناسب نہیں ہوتی۔ بے دلیل ان کے احکام کا ماننا لازم ہوتا ہے اس سے بڑھ کر خدا کے احکام میں چوں و چرا نا مناسب ہے بے دلیل تسلیم کرنا واجب ہے ہاں جیسے حکام کو بوجہ مراعات عدل تنفیذ احکام اور تجویز قوانین میں وجوہ اور حکمتوں کا لحاظ ہوتا ہے گو بوجہ حکومت اس کی ضرورت کچھ نہ ہو ایسے ہی خدائے تعالیٰ کے احکام میں بہ لحاظ عدل حکمتیں اور وجہیں ہوتی ہیں بوجہ حکومت اس کی کچھ ضرورت نہیں ہوتی مگر ہر چہ باداباد استفسار دلائل و وجوہ احکام بنظر تسلیم سخت گستاخی ہے۔ مگر ہم بپاس ملت محمدی ﷺ اس پر بھی پادری صاحب کے ان چار اعتراضوں کے جواب جو انہوں نے بعض احکام وضو پر وارد کئے ہیں لکھے دیتے ہیں مگر اول پادری صاحب سے یہ التماس ہے کہ آپ اول تثلیث اور کفارہ کی وجہ بتلائیے (۲) جو آپ کے دین کے اصل اصول ہیں۔

---

(۱) مذہب کی بنیاد عقائد پر ہوتی ہے اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب کے عقائد ہی سرے سے باطل ہیں اس لئے ان کے اعمال بھی قابل قبول نہیں جبکہ اسلام کے عقائد کی حقانیت عقل کی رو سے حضرت نانوتویؒ ثابت کرتے رہتے تھے۔ اور دوسروں کو حضرت کے دلائل پر اعتراض کی جرات نہ ہوتی تھی۔ تو جب عقائد ثابت ہو گئے مذہب اسلام سچا ہوا تو مسائل پر اعتراض کرنا اپنی ہلاکت ہے۔

(۲) یعنی ہم اسلام کے مسائل کو بھی ثابت کرتے ہیں پادری صاحب اپنے مذہب کے بنیادی عقائد بھی ثابت نہیں کر سکتے۔ تو اسلام کے مسائل پر کس منہ سے اعتراض کرتے ہیں؟

تماشا ہے کہ پادری صاحب ایسے نامعقول عقیدے تو تسلیم کئے بیٹھے ہیں کہ جن کو نہ عقل مانے نہ نقل سے ثبوت ہو نہ انجیل میں پتہ ہو نہ توریت میں ذکر ہو۔ نہ پہلے کسی نبی نے ان کی طرف ہدایت فرمائی نہ کوئی کتاب اس کی تائید میں آئی جس کی وجہ سے یہ کہنا لازم آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے پہلے جتنے نبی یا ولی یا صلحاء یا شہداء ہوئے سب دولت ایمان سے بے بہرہ رہے عوام تو عوام پادری صاحب آپ کس منہ سے اہل اسلام پر اعتراض کرتے ہیں تین خداؤں کو ایک کہو اور ایک کو تین کہو ایسی محال بات کو مان کر بھی آپ کو ہوسِ اعتراض اہل اسلام پر ہے۔ یہ وہ غلط عقیدہ ہے کہ بت پرستان جاہل بھی اس کو سن کر کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں اول تو کوئی بت پرست خدا کو متعدد نہیں کہتا نہ عرب کے جاہل مشرک نہ ہندوستان کے بیوقوف صورت پرست۔ سب کے سب پیدا کرنے والا ایک ہی کو سمجھتے ہیں گو کسی اور سے اوروں کی بھی عبادت کرتے ہوں دوسرے اس پر طرہ یہ ہے کہ ایک اور محال بھی سر دھرے یعنی تین خداؤں کو پھر ایک کہئے اور وحدت حقیقی اور کثرت حقیقی کو اکٹھا کر دیجئے۔

رہا کفارہ اس کے یہ معنی ہوئے کہ کرے کوئی بھرے کوئی۔ گناہ کریں امتی پکڑے جائیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ جو خدا بھی خدا کے بیٹے بھی اس علوشان پر تین دن دوزخ میں رہنے سے تو یہی بہتر تھا کہ بندہ رہتے کہ خدا اور خدا کا بیٹا نہ بنتے بایں ہمہ تثلیث کا تو کہیں پتہ ہی نہیں انجیل میں ہوتا تو ہوتا اس میں بھی نہیں تو پھر کہاں ہو۔ رہا کفارہ اس میں سے اتنی بات تو اس انجیل محرف سے نکلتی ہے کہ تین دن کے بعد قبر میں نعش کا پتہ نہ ملا کہنے والے تو کہہ سکتے ہیں کہ کسی نے نعش نکال لی ہوگی باقی اور کچھ ہی نصرانیوں کا ایجاد بندہ ہے پادری صاحب آپ اول اس کا جواب عنایت فرماویں اور پھر ہمارے جوابات ملاحظہ فرماویں۔ (قاسم العلوم ص ۴۵۱ تا ۴۵۳)

[دیکھا آپ نے حضرت نانوتویؒ نے کس طرح مدلل طریقے سے عیسائیت کو باطل کیا ہے جب عیسائیت باطل ہوئی اور اسلام کی حقانیت ثابت ہوئی تو نبی کریم ﷺ کا سچا ہونا آپ کا آخری نبی ہونا اور نجات کا آپ کی اتباع میں منحصر ہونا خود بخود لازم آ گیا خط کشیدہ الفاظ بتاتے ہیں کہ

حضرت احکام خداوندی کے بارے میں حکمتیں پوچھنے کو جائز نہ مانتے تھے ہاں لوگوں کے شکوک دور کرنے کیلئے ان کو بیان کیا کرتے تھے۔]

۳) ایک جگہ فرماتے ہیں:

محبت غیر اللہ کس قدر ناپاک چیز ہے شرک میں اور کیا ہوتا ہے یہی محبت غیر ہی تو ہوتی ہے (قاسم العلوم ص ۴۵۷)

[نبی کریم ﷺ کی محبت کا اہم تقاضا یہ ہے کہ آپ کی کامل تصدیق کی جائے شرک سے کامل اجتناب کیا جائے شرک کی سب سے خطرناک قسم اللہ کی محبت میں غیر کو شریک کرنا ہے جس کا حضرت نے اس مقام پر ذکر کیا ہے۔ الغرض ایسے مضامین کو لکھنا نبی کریم ﷺ کی محبت اور آپ پر ایمان رکھنے کی وجہ سے ہے]

۴) ایک اور جگہ لکھتے ہیں

صاحبو! دین اسلام پر جو اعتراض ابناء روزگار کے خیال میں آتے ہیں تو بوجہ قصور فہم خیال میں آتے ہیں اور اس لئے مجیب کو یہ دقت پیش آتی ہے کہ قرار واقعی بیان کیجئے تو معترضوں میں مادۂ عقل نہیں اور بات کو الجھے چھوڑ دیجئے تو کام نہیں چلتا مگر بناچاری کچھ نہ کچھ کہنا ہی پڑتا ہے (قاسم العلوم ص ۴۵۹)

[ناظرین اندازہ کریں کہ حضرت کو دین اسلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کس طرح شرح صدر فرمایا تھا اور دین میں اسی کو شرح صدر ہوگا جو نبی کریم ﷺ کو اللہ کا آخری نبی مانتا ہو]

۵) آگے فرماتے ہیں:

علوم شرعیہ اگر اتنے آسان ہوتے جیسے اور علوم تو خداوند عالم ہماری ہی عقل پر چھوڑ دیتا اور اپنی طرف سے معلم یعنی انبیاء کرام کو نہ بھیجتا یہ علوم کچھ دقیق ہی تھے تو یہ انتظام ہوا اور اس دقت ہی کی وجہ سے تو اس علم کا نام منقول ہوا معقول نہ ہوا اور نہ یہ مطلب نہیں کہ علوم نقلیہ سے عقل کو سروکار نہیں (قاسم العلوم ص ۴۵۹، ۴۶۰)

[حضرت نے اس عبارت میں علوم شرعیہ کو سب علوم سے اہم اور سب سے مشکل بتایا وہ اس طرح کہ دیگر علوم تو انسانی عقل سے حاصل ہوتے ہیں سائنس کے اندر انسان اپنی عقل سے روز بروز ترقی کر رہا ہے مگر علوم شرعیہ کی بنیاد انبیاء کی تعلیمات ہی ہیں۔ چونکہ پہلے انبیاء کی تعلیمات ہمیں صحیح سند سے نہ ملیں اس لئے بھی اب نجات صرف حضرت محمد ﷺ کی اتباع میں ہے]

(۶) نیز لکھتے ہیں:

شرک کی کل دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ منصب حکومتِ احکم الحاکمین میں کسی دوسرے کو شریک سمجھے یعنی احیاء واماتت پیدا کرنے اور ناپید کردینے وغیرہ میں جو تصرفات خاصہ خداوندی میں سے ہیں کسی دوسرے کو شریک سمجھے دوسرے یہ کہ کمال و جمال وغیرہ امور میں جو بناء محبوبیت ہیں کسی دوسرے کو ہمتاءِ ذات یکتا وحدہ لاشریک لہ اعتقاد کرے باقی رہا علم غیب وہ بحیثیت کمال تو دوسری قسم میں داخل ہے اور بایں نظر کہ حکم سے پہلے ارادہ اور ارادہ سے پہلے علم کی ضرورت ہے وہ مبادی حکومت میں سے ہے۔ (قاسم العلوم ص ۴۶۲)

[حضرت نے اس عبارت میں اول شرک کی دو قسمیں کی ہیں پھر یہ بتایا ہے کہ غیر اللہ کیلئے علم غیب کا اعتقاد ایک حیثیت سے شرک کی پہلی قسم میں داخل ہے اور دوسری ناحیت سے شرک کی پہلی قسم میں۔ اور ظاہر ہے کہ توحید کے ایسے نکات کا ذکر اور وہ بھی احکام طہارت کی حکمتوں کے ضمن میں نبی کریم ﷺ کی محبت کی وجہ سے ہے]

(۷) ایک جگہ فرماتے ہیں:

اطاعت بوجہ حکومت کیسی ہی اخلاص سے کیوں نہ ہو پھر بوجہ مجبوری ہے اخلاص حکومت اس سے زیادہ اور کیا ہے کہ حاکم کو دل سے حاکم سمجھے اور بایں نظر کہ خداوندِ عَالَم عَالِمُ الْغَيْب ہے نفاق کو دل سے دور کردے مگر ہر چہ بادا باد بناء تابعداری مجبوری اور لاچاری پر ہوگی اور وہ اطاعت جو بوجہ محبت ہو اس میں ہرگز وہم جبر و تعدی اور گمان ناچاری نہیں ہوتا وہاں جو کچھ ہوتا ہے تہہ دل سے ہوتا ہے۔ غرض وہ بندگی جو بوجہ محبت ہو وہ اول درجہ میں ہے اس لئے وہ شرک جس

میں محبوبیت خاصہ خداوندی میں دوسروں کوشریک کیا جائے اعلیٰ درجہ کا شرک ہوگا اوراس کی ناپاکی اول مرتبہ کی ناپاکی ہوگی۔ (صفحہ۴۶۲)

اگر اخلاص کے ساتھ اللہ کے ڈر سے اس کی بندگی کی جائے تو بھی قابل قبول ہے مگر اعلیٰ درجہ کی بندگی یہ ہے کہ اللہ کی محبت کی وجہ سے کی جائے۔ تو جیسے اعلیٰ درجہ کی بندگی محبت کی وجہ سے ہے اسی طرح اعلیٰ درجہ کا شرک یہ ہے کہ اللہ کی محبت میں غیر کوشریک کیا جائے

حضرت شیخ الہندارشاد باری يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ کے تحت لکھتے ہیں:

یعنی صرف اقوال وافعال جزئیہ ہی میں ان کو اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں مانتے بلکہ محبت قلبی جو کہ صدور اعمال کی اصل ہے اس تک شرک اور مساوات کی نوبت پہنچا رکھی ہے جو شرک کا اعلیٰ درجہ ہے اور شرک فی الاعمال اس کا تابع (تفسیر عثمانی ص ۳۱ ف ۳)

اورارشاد باری وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ کے تحت لکھتے ہیں:

مشرکین کو جو اپنے معبودوں سے محبت ہے مومنین کو اپنے اللہ سے اس سے بھی بہت زیادہ اور مستحکم محبت ہے کیونکہ مصائب دنیا میں مشرکین کی محبت بسا اوقات زائل ہو جاتی ہے اور عذاب آخرت دیکھ کر تو بالکل ہی تبری اور بیزاری ظاہر کریں گے جیسا کہ اگلی آیت میں آتا ہے بخلاف مومنین کے کہ اُن کی محبت اپنے اللہ کے ساتھ ہر ایک رنج وراحت مرض وصحت دنیا وآخرت میں برابر باقی اور پائیدار رہنے والی ہے اور نیز اہل ایمان کو جو اللہ سے محبت ہے وہ اس محبت سے بہت زیادہ ہے جو محبت اہل ایمان کو ماسوی اللہ یعنی انبیاء واولیاء وملائکہ وعباد یا علماء یا اپنے آباؤ اجداد اور اولاد و مال وغیرہ سے رکھتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تو اس کی عظمت شان کے موافق بالاصالہ اور بالاستقلال محبت رکھتے ہیں اور اوروں سے بالواسطہ اور حق تعالیٰ کے حکم کے موافق ہر ایک کے اندازہ کے مطابق محبت رکھتے ہیں۔

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

خدا اور غیر خدا کو محبت میں برابر کر دینا خواہ وہ کوئی ہو مشرکین کا کام ہے (تفسیر عثمانی ص ۳۱ ف ۴)

۸) اس کے بعد لکھتے ہیں:

اور یہ بھی مسلم ہے کہ کمال ہو یا جمال وہ سب عطاءِ خدا ہے اور پھر وہ عطا بھی از قسم داد و دہش روپیہ وفلوس نہیں یعنی یہ نہیں کہ جیسے یہ چیزیں بعد عطاء معطی کے قبضہ سے نکل جاتی ہیں اور معطی لہٗ کے قبضہ وتصرف میں چلی جاتی ہیں کمال و جمالِ خداوندی بھی بعد عطاء، خدا میں نہ رہے اوروں میں چلا جائے بلکہ اس کی خوبیاں سب ازلی وابدی ہیں اس لئے یہ بھی کہنا پڑے گا کہ عطاءِ خداوندی اس قسم کی ہیں جیسے آفتاب سے اوروں کو فیض نور ہوتا ہے اور آفتاب میں جوں کا توں رہتا ہے۔ (قاسم العلوم ص ۴۶۲، ۴۶۳)

[مطلب یہ ہے کہ بندے ہر دم اللہ کے محتاج ہیں جیسے بلب بجلی سے جلتا ہے جونہی بجلی بند ہوتی ہے بلب بجھ جاتا ہے۔ اگر اللہ کا فضل وکرم شامل حال نہ رہے تو مخلوق کا کوئی کمال تو کیا اس کا وجود ہی ختم ہو جائے۔ ایسے مضامین کا بیان کرنا علماء ربانی ہی کا حصہ ہے نبی کریم ﷺ کی سچی محبت ہو تو یہ مضامین قرآن پاک سے سمجھ آجاتے ہیں ارشادِ باری ہے "یَآ اَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ ج وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ" (سورۃ الفاطر:۱۵) ترجمہ: "اے لوگو تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ وہی ہے بے پرواسب تعریفوں والا"۔ نیز فرمایا: "اَللّٰہُ الصَّمَدُ" (سورۃ الاخلاص:۲) "اللہ بے نیاز ہے"۔ ان آیات سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ بندہ ہر دم اللہ کا محتاج ہے کسی وقت اس کی رحمت سے بے نیاز نہیں۔]

۹) عیسائی پادری نے ایک اعتراض یہ کیا تھا کہ نیند سے وضو کیوں ٹوٹ جاتا ہے؟ (دیکھئے قاسم العلوم صفحہ ۴۴۱، صفحہ ۵۰۴) اس کے جواب کے دوران حضرتؒ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی نیند کے ناقضِ وضو نہ ہونے کی حکمت بھی بتائی اور ساتھ ہی نبی کریم ﷺ کی عظمت اور آپ کی خاتمیت کا اعلان بھی کرتے گئے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

نوم بذاتِ خود ناقضِ وضو نہیں اگر ہے تو بایں نظر کہ اس وقت بوجہ استرخاءِ اعصاب [اعصاب کے ڈھیلے ہونے کی وجہ سے۔ راقم] گمان غالب یہ ہے کہ ریح نکل جائے اور خبر نہ ہو

اور یہ خوب معلوم ہے کہ اکثر افرادِ بنی آدم کا شکم جیسے ہر وقت کسی قدر نہ کسی قدر بول و براز پر مشتمل رہتا ہے ایسے ہی ریح سے بھی خالی نہیں رہتا اور دوسری وجہ اگر ہو سکتی ہے تو یہ ہو سکتی ہے کہ اصل میں یادِ خداوندی موجب روشنی وصفائی قلب ہے اور غفلت موجب کدورت اصلی۔ اور ظاہر ہے کہ نیند کے وقت سے زیادہ غفلت متصور نہیں مگر جب کدورت ہوئی تو اثر طہارت جو صفائی باطن تھا کہاں رہا؟ اس لئے یوں ہی کہنا پڑے گا کہ طہارت بھی چلتی ہوئی، مگر جہاں وقت خواب [یعنی نیند کے وقت] بھی خدا سے غفلت نہ ہو(۱) وہاں نہ یہ احتمال ہے کہ ریح کے نکلنے کی خبر نہ ہو اور نہ اس کدورت کی کوئی صورت ہے جو بوجہ غفلت وقت خواب پیش آتی ہے (ص ۴۶۶، ۴۶۷)

---

(۱) مقصد یہ ہے کہ جن وجوہات سے عام انسان کا نیند سے وضو ٹوٹتا ہے حضرات انبیاء علیہم السلام کی نیند ان سے پاک ہوتی ہے اس لئے ان کا وضو نیند سے نہیں جاتا۔ فقہاء کی تصریحات اس کی مؤید ہیں۔ چنانچہ ردالمحتار ج ۱ ص ۱۴۱ میں ہے، جس شخص کو انفلات ریح کا مرض ہو سونے سے نیند سے اس کا وضو نہیں ٹوٹتا اس لئے کہ محض نوم ناقض وضو نہیں اور جس کو یہ عذر ہو خروج ریح سے اس کا وضو نہیں جاتا بلکہ وقت کے نکلنے سے جاتا ہے تو نیند میں خروج ریح کے احتمال سے وضو خراب نہ ہوگا۔

فقہ حنبلی میں نواقض وضو میں زوال عقل کو بھی لکھا ہے (مختصر الخرقی مع المغنی ج ۱ ص ۱۶۴) امام ابن قدامہؒ لکھتے ہیں: وَمَنْ لَمْ يُغْلَبْ عَلَىٰ عَقْلِهٖ فَلَا وُضُوْءَ عَلَيْهِ (المغنی ج ۱ ص ۱۶۷) جس کی عقل مغلوب نہ ہو اس پر وضو نہیں۔

درمختار میں ہے کہ انبیاء کرام کی نیند ناقض وضو نہیں ردالمحتار میں ہے: عِلَّةُ عَدَمِ النَّقْضِ بِنَوْمِهِمْ هِيَ حِفْظُ قُلُوْبِهِمْ مِنْهُ وَهٰذِهِ الْعِلَّةُ مَوْجُوْدَةٌ حَالَةَ اِغْمَائِهِمْ قَالَ فِي الْمَوَاهِبِ اللَّدُنِّيَّةِ نَبَّهَ السُّبْكِيُّ عَلٰى اَنَّ اِغْمَاءَ هُمْ يُخَالِفُ اِغْمَاءَ غَيْرِهِمْ وَاِنَّمَا هُوَ عَنْ غَلَبَةِ الْاَوْجَاعِ لِلْحَوَاسِّ الظَّاهِرَةِ دُوْنَ الْقَلْبِ وَقَدْ وَرَدَ تَنَامُ اَعْيُنُهُمْ لَا قُلُوْبُهُمْ فَاِذَا حُفِظَتْ قُلُوْبُهُمْ مِنَ النَّوْمِ الَّذِيْ هُوَ اَخَفُّ مِنَ الْاِغْمَاءِ فَمِنْهُ بِالْاَوْلٰى (ردالمحتار ج ۱ ص ۱۴۳) ترجمہ: نیند کے ساتھ انبیاء کرام کے وضو نہ ٹوٹنے کی علت یہ ہے کہ ان کے قلوب نیند سے محفوظ رہتے (باقی اگلے صفحہ پر)

۱۰) ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

فہم وشعور واخلاق از قسم اوصاف ہیں اور اوصاف کی دو قسمیں ہیں جس میں سے ایک کا نام مصدر اور موصوف اصلی یعنی صاحب وصف خانہ زاد ہے اور دوسری کا نام قابل اور مستعیر ہے اور یہ پہلے ثابت ہولیا کہ فردِ اکمل مصدر ہوگا اور باقی قابل۔ اس صورت میں فردِ اکمل ارواح ادراک وشعور اور فہم وفراست وعلم واخلاق حمیدہ کے حق میں مصدر ہوگا اور موافق قرارداد حال اس سے فہم وشعور کا انفصال نہ ہوگا اس لئے اس کی خواب [نیند] اور موت گو اوروں کی خواب [نیند] اور موت کے ہمرنگ اسی طرح نظر آئیں جیسے سورج گہن اور چاند گہن بظاہر ہمرنگ یکدگر ہوتے ہیں، پر حقیقت میں اس کی خواب [نیند] اور موت اوروں کی خواب [نیند] اور موت میں ایسا فرق ہوگا جیسا باعتبارِ حقیقت سورج گہن اور چاند گہن میں فرق ہوتا ہے یعنی جیسے وقت گہن نورِ آفتاب تو زائل نہیں ہوتا بلکہ چاند کی اوٹ میں ایسے طرح مستور ہوجاتا ہے جیسے وقت گرد وغبار۔ اور چاند کا نور وقت خسوف بوجہ حیلولت زمین ایسی طرح زائل ہوجاتا ہے جیسے آئینہ مقابل آفتاب کا نور کسی چیز کے حائل ہوجانے کے باعث۔ ایسے ہی اُس فردِ اکمل کا فہم وشعور وقت خواب [نیند] وموت ومرگ مستور ہوگا زائل نہ ہوگا۔ اور افرادِ ناقصہ کا فہم وشعور وقت خواب [نیند] وموت زائل ہوگا مستور نہ ہوگا۔ اور اس لئے نہ اُس [فردِ اکمل] کے مال میں میراث جاری ہوگی نہ اس کی ازواج سے اوروں کو نکاح جائز ہوگا۔

مگر فرد اکمل کی خواب [نیند] ومرگ میں اس کا فہم وشعور زائل نہ ہوا (ا) مستور ہوا تو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہیں اور یہ علت اغماء کی حالت میں بھی ہے مواہب لدنیہ میں ہے کہ علامہ سبکی نے اس پر تنبیہ کی ہے کہ انبیاء کرام کا اغماء دوسروں کے اغماء کی طرح نہیں ہوتا انبیاء کرام کے اغماء میں حواس ظاہر پر غلبہ ہوتا ہے دل پر نہیں۔ اور یہ وارد ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں نہ کہ دل۔ تو جب ان کے دل اس نیند سے محفوظ ہیں جو اغماء سے خفیف۔ ہے تو اغماء سے بدرجہ اولیٰ محفوظ ہوں گے۔

پھر جیسے نورِ چراغ۔ اُس وقت جس وقت اس کو کسی ظرف [برتن فیروز اللغات اردو جدید ص ۴۷۴] گلی [مٹی کا بنا ہوا۔ فیروز اللغات اردو جدید ص ۵۷۷] یا مسی [تانبے کا بنا ہوا، فیروز اللغات اردو جدید ص ۶۳۴] وغیرہ میں رکھ کر اوپر سے سرپوش ڈھک دیجئے، بایں وجہ کہ ساری شعائیں جو پہلے دور دور پھیلی ہوئی تھیں سب طرف سے سمٹ کر اسی ظرف میں آجاتی ہیں۔ اور بھی شدید ہو جاتا ہے ایسے ہی لازم یوں ہے کہ فردِ اکمل کا فہم و شعور وقت خواب اور بھی تیز ہو جائے مگر یہ ہوگا تو نہ وقت خواب کدورت غفلت جو وقت خواب ہم کو تم کو ہوا کرتی ہے اس کو پیش آئے گی اور نہ یہ احتمال ہوگا کہ ریح نکل جائے اور بوجہ غفلت خواب اس کی خبر نہ ہو۔ (قاسم العلوم ص ۴۷۳، ۴۷۴)

[دیکھا حضرت نانوتویؒ نے کتنے پیارے آسان فہم انداز میں سورج گرہن اور چاند گرہن کی مثالوں سے انبیاء کرام کی نیند اور عام آدمی کی نیند کا فرق بتا دیا کہ جیسے سورج گرہن اور چاند گرہن دونوں کو گرہن کہا جاتا ہے مگر حقیقت کا فرق ہے چاند کو گرہن ہو تو روشنی ختم ہو جاتی ہے اور سورج کو گرہن ہو تو روشنی ہم سے چھپ جاتی ہے اسی طرح ہماری نیند میں ہوش حواس ختم ہو جاتے ہیں جبکہ حضرات انبیاء کرام کی نیند میں ہوش و حواس چھپ جاتے ہیں قارئین کرام نیند سے وضو ٹوٹنے کا حکم تو اور علماء بھی لکھتے ہیں مگر ایسے نکات صرف حضرت نانوتویؒ ہی بیان کرتے ہیں]

(۱۱) اس کے بعد فرماتے ہیں:

جب یہ مسلم ہو چکا تو اب یہ التماس ہے کہ جو شخص فرد اکمل ہوگا اس پر مراتب کمالات ایسی طرح ختم ہو جائیں گے جیسے بادشاہ پر مراتب حکومت۔ پھر جیسے ہر مرتبہ حکومت کے لئے

---

(۱) نبی کریم ﷺ کا قلب مبارک نیند کی حالت میں بھی بیدار رہتا تھا اس کے برخلاف قادیانی کا دل جاگنے کی حالت میں بھی سویا ہوتا تھا ہوش قائم نہ رہتے تھے۔ دائیں پاؤں کا جوتا بائیں پاؤں میں اور بائیں پاؤں کا جوتا دائیں پاؤں میں ڈالتا تھا۔ (سیرۃ المہدی جلد ۱ ص ۶۷ بحوالہ دفاع ختم نبوت ص ۴۲۶)

جدے ہی القاب اور جدے ہی آداب ہوتے ہیں کلکٹر کا لقب کلکٹر ہے اور کمشنر کا لقب کمشنر لفٹنٹ کا لقب لفٹنٹ اور گورنر کا لقب گورنر بادشاہ کا بادشاہ۔ ایسے ہی ہر مرتبہ کمال کیلئے خدا کی طرف سے بحیثیت کمال جدے جدے القاب اور آداب ہوں گے اور باعتبار حکومت بھی جدے جدے القاب اور آداب ہوں گے......الی ان قال..........سو جس کی شان میں وہ لقب خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے جو اختتام مراتب کمال اور اختتام مراتب حکومت پر دلالت کرے اس شخص کو فردِ اکمل اعتقاد کرنا چاہئے اور اس کی خواب و موت کو ساتر ہوش وحواس وفہم وشعور سمجھنا ضرور ہے اور اُس کی خواب و موت کو مزیل ہوش وحواس وفہم وشعور خیال نہ کرنا چاہئے مگر ایسا شخص جس کی شان میں خدا کی طرف سے وہ لقب آیا جو بنی آدم میں سے اس کے خاتم الکمالات اور خاتم مراتب حکومت ہونے پر دلالت کرے سوائے حضرت محمد رسول اللہ اور کوئی نہیں ہوا نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں اس قسم کا لقب آیا نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہم کی شان میں اس قسم کا لقب وارد ہوا اور نہ ان صاحبوں میں سے کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ میرے بعد کوئی حاکم نہ آئے گا اور کوئی نبی یا صاحب کمال اعظم ظہور نہ فرمائے گا اس قسم کا دعویٰ اگر کرتے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کرتے اور اس قسم کا لقب آتا تو ان کی شان میں آتا جب انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ مقولہ موجود ہو کہ جہان کا بادشاہ آنے والا ہے(۱)۔(قاسم العلوم ص ۴۷۵،۴۷۶)

---

۱) ایک موقعہ پر آپ نے فرمایا: کسی اور نبی نے دعویٰ خاتمیت نہ کیا۔ کیا تو حضرت محمد ﷺ نے کیا چنانچہ قرآن وحدیث میں بتصریح موجود ہے سو آپ کے اگر آپ سے پہلے دعویٰ خاتمیت کرتے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کرتے مگر دعویٰ خاتمیت تو درکنار انہوں نے یہ فرمایا کہ میرے بعد جہان کا سردار آنے والا ہے(مباحثہ شاہجہانپور ص ۳۵) انجیل میں عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان مذکور ہے "اس کے بعد میں تم سے بہت باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں (یوحنا باب ۱۴ آیت ۳۰)

۱۲) ایک جگہ فرمایا:

مگر وہ [دنیا کا سردار جن کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی۔راقم] کون ہیں ؟ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں کیونکہ بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اول تو حضرت محمد رسول اللہ سے پہلے کسی نے دعویٰ نبوت نہیں کیا اور نہ کوئی نبی ہوا دوسرے آپ کے سوا اور کسی نے دعویٰ خاتمیت نہیں کیا اور نہ بحوالہ پیغام ووحی خداوندی اس قسم کا لقب اپنی نسبت کسی نے کسی کو سنایا۔(قاسم العلوم ص ۴۷۷)

[دیکھیں کس طرح مدلل طریقے سے کتب سابقہ کے حوالہ جات کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی نبوت اور خاتمیت کو ثابت کیا جارہا ہے]

۱۳) اس کے بعد فرمایا:

رہے حضرات حواریین اول تو وہ نبی نہ تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے دعوت دین مسیحی کرتے تھے جس کا حاصل یہ ہوا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ اور ان کے نائب اور ان کے بھیجے ہوئے تھے۔ بے واسطہ خدا کے بھیجے ہوئے نہ تھے اور اگر ان کی نبوت حسب اعتقاد مسیحیاں تسلیم بھی کیجئے تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس مقولہ کے مخاطب نہ تھے اس لئے وہ شخص کوئی اور ہی ہونا چاہئے۔

[عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین اور پولس کیلئے نبوت یا رسالت کا اعتقاد رکھتے ہیں اس لئے اناجیل اربعہ کے بعد جس کتاب میں پولس کے کاموں کا ذکر ہے انہوں نے اس کا نام رکھا ہوا ہے "رسولوں کے اعمال"۔اس عبارت میں حضرت نے عیسائیوں کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے وہ یہ کہ عیسائی کہتے ہیں کہ انجیل میں مذکور جہان کے سردار سے مراد حواریین میں سے کوئی ہے یا پولس ہے حضرت اس عبارت میں پہلی شق کا جواب دیتے ہیں کہ حواریین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نائب تھے خود نبی نہ تھے اور اگر عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق ان کو نبی مان بھی لیا جائے تب بھی اس کلام کے مصداق نہیں کیونکہ اگر ان میں سے کوئی مراد ہوتا تو اس

طرح غائب کے الفاظ سے اس کی خبر نہ دی جاتی]

۱۴) اس کے بعد لکھتے ہیں:

رہے پولوس مقدس ان کو حواری کہنا بجز بے حیائی اور کیا ہے(۱) حضرت عیسی علیہ السلام کے زمانہ میں ان کا نام ونشان نہ تھا بایں ہمہ کسی نے ان میں سے نہ دعوی خاتمیت کیا(۲) نہ بحوالہ وحی اپنے لئے اس قسم کا لقب بیان کیا۔(قاسم العلوم ص ۴۷۷، ۴۷۸)

---

(۱) موجودہ عیسائیت کا مدار پولس کی تعلیمات اور تشریحات پر ہے اور پولس یہودی تھا حضرت عیسی علیہ السلام کے زمانے میں آپ کے ماننے والوں کو ستا تا رہا اور حضرت عیسی علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد اس نے اپنے طور پر عیسائیت کا اعلان کر دیا(دیکھئے رسولوں کے اعمال: باب ۲۲ آیت ۳ تا ۱۲)اور پولس نے حضرت عیسی علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے حواریین سے ملے بغیر ہی اپنے طور پر عیسائیت کا پرچار شروع کیا چنانچہ پولس خود لکھتا ہے:''اور میں نے یہی حوصلہ رکھا کہ جہاں مسیح کا نام نہیں لیا گیا وہاں خوشخبری سناؤں تاکہ دوسرے کی بنیاد پر عمارت نہ اٹھاؤں''(رومیوں کے نام پولس رسول کا خط باب ۱۵ آیت ۲۰)پھر پولس نے حسب منشا اس میں تبدیلیاں کر ڈالیں چنانچہ ایک جگہ لکھتا ہے:''میں یہودیوں کیلئے یہودی بنا تاکہ یہودیوں کو کھینچ لاؤں جو لوگ شریعت کے ماتحت ہیں ان کیلئے میں شریعت کے ماتحت ہوا تاکہ شریعت کے ماتحتوں کو کھینچ لاؤں اگرچہ خود شریعت کے ماتحت نہ تھا بے شرع لوگوں کیلئے بے شرع بنا تاکہ بے شرع لوگوں کو کھینچ لاؤں(کرنتھیوں کے نام پولس رسول کا پہلا خط باب ۹ آیت ۲۰، ۲۱)حضرت فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کو اس پیشگوئی کا مصداق کہنا بجز بے حیائی اور کیا ہے؟

(۲) حواریین یا پولس کو اس بشارت کا مصداق بنانے پر رد اس عبارت میں یوں کرتے ہیں کہ ان حضرات میں سے کسی نے دعوی خاتمیت نہ کیا اور نہ ہی ان میں سے کسی کو وحی میں خاتم کہا گیا۔اس لئے اگر بالفرض ان میں سے کوئی نبی تھا بھی تو خاتم النبیین نہیں۔جبکہ نبی کریم ﷺ نے دعوی خاتمیت کیا پھر قرآن وحدیث میں آپ کی خاتمیت کی منصوص ہے اس لئے اس بشارت کے مصداق آپ ہی ہیں۔

۱۵) اس کے بعد فرماتے ہیں:

البتہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شان میں لقب خاتم النبیین اور نذیر للعالمین اور رحمۃ للعالمین قرآن شریف میں موجود ہے جن میں سے دو اول سے تو خاتمیت مراتب حکومت بالتصریح اور خاتمیت مراتب کمال بالالتزام نکلتی ہے اور تیسرے لقب سے خاتمیت مراتب کمال تو بالتصریح اور خاتمیت مراتب حکومت بالالتزام نکلتی ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ نبی اور نذیر حکومت اور حکمرانی میں نائب خدا ہوتے ہیں جو ان کا خاتم ہوگا اس پر مراتب ماتحتی ختم ہو جائیں گے اس لئے وہ سب پر حاکم ہوگا اور تمام عالم اس کی عمل داری میں اسی طرح داخل ہوگا جیسے گورنر کی عملداری میں تمام ہندوستان اور کسی اور کو یہ بات نصیب نہ ہوگی کیونکہ اور سب اسی طرح خاص خاص اضلاع کے حاکم ہوں گے جیسے لفٹنٹ کمشنر جج وغیرہ خاص خاص اضلاع کے حاکم ہوتے ہیں اور چونکہ حاکم وہی ہونا چاہئے جو محکوموں سے افضل ہو اور خدا کے یہاں یوں ہی ہوتا ہے۔ یہ ناانصافی اور ظلم نہیں کہ لائق کوئی ہو اور حاکم کوئی ہو جائے؟ تو یہی خاتمیت حکومت اور عموم حکومت اس کی افضلیت اور اکملیت پر دلالت کرے گی

اور جب افضلیت اور خاتمیت حکومت میں بوجہ عدل وقدر شناسی خداوندی خاتم ہوا تو آیۃ رحمۃ للعالمین جو افضلیت اور خاتمیت مراتب کمال پر بالتصریح دلالت کرتی ہے خاتمیت مراتب حکومت پر آپ دلالت کرے گی۔ باقی رہا آیت مذکورہ کا خاتمیت مراتب کمال پر دلالت کرنا اس کی صورت یہ ہے کہ یہ تو پہلے ثابت ہو چکا کہ فرد اکمل و افضل اور افراد کے حق میں مفیض اور مفید اور مؤثر اور معطی ہوتا ہے اور سب جانتے ہیں کہ یہ عین ترحم اور رحمت ہے سو جو شخص تمام عالم کے حق میں رحمت ہو وہ بیشک سب کی نسبت مفیض اور مفید اور مؤثر اور معطی ہوگا اور اس وجہ سے اس کی افضلیت اور اکملیت کا قائل ہونا پڑے گا۔ (قاسم العلوم ص ۴۷۸، ۴۷۹)

[دیکھئے کس وضاحت کے ساتھ اس عبارت میں نبی کریم ﷺ کا سب کا حاکم اور سب کا خاتم کہا گیا ہے]

۱۶)   اس کے بعد فرماتے ہیں:

بالجملہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی شان میں اس قسم کے القاب وارد ہیں جو ان کی افضلیت اور اکملیت اور خاتمیت مراتب کمال وحکومت پر دلالت کرتے ہیں اور کسی کی شان میں اس قسم کے القاب نہیں آئے اور قسم کے القاب آئے ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ افضل المخلوقات اور اشرف الکائنات ہیں اور یہی وجہ ہوئی کہ ان کا دین آخر الادیان ٹھہرا علاوہ اور معجزات کے قرآن شریف ان کو معجزہ میں ملا۔

[خط کشیدہ الفاظ کو پڑھیں کسی صراحت کے ساتھ حضرت نے نبی کریم ﷺ کا افضل واعلیٰ اور سب سے آخری نبی مانا ہے]

۱۷)   اس کے بعد فرماتے ہیں:

اس دین کا آخر الادیان ہونا تو یوں ضروری ہوا کہ حکام ماتحت کے احکام کا مرافعہ کرتے ہیں تو آخری مرافعہ بادشاہ کی کچہری میں ہوتا ہے اور اس کچہری کا حکم آخری حکم ہوتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ اس کچہری اور اُس کچہری کے حاکم پر مراتب حکومت ختم ہو جاتے ہیں سو ایسے ہی کارخانہ حکومت دینی میں اس شخص کا حکم آخر رہنا چاہئے جس پر مراتب حکومت دینی ختم ہو جائیں۔

اور قرآن شریف کا اعجاز ایسے شخص کیلئے اس لئے ضرور ہوا کہ اعجاز میں ایک طرح کا اظہار کمال ہوتا ہے یعنی جیسے بڑا خوش نویس وہ ہے جو ایسا قطعہ لکھ دے جس کے ثانی کے لکھنے سے اور خوش نویس اور منشی عاجز آجائیں اور ظاہر ہے کہ یہ عین اظہار کمال ہے ایسے ہی بڑا نبی اور بڑا صاحب کمال وہ ہے جو ایسا کام کر سکے جو اور اقران وامثال اس کے کرنے سے عاجز آجائیں غرض حقیقت اعجاز ایک قسم کا اظہار کمال ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ کمالات میں اعلیٰ اور افضل علم ہے .... بالجملہ کمالات کا خاتمہ علم پر ہے جو شخص خاتم مراتب کمال ہوگا وہ علم میں اوروں سے افضل اور اکمل ہوگا اس لئے اظہار کمال علمی میں وہ سب سے فائق ہوگا اور سوا اُس کے اور سب

اُس کے سامنے عاجز ہوں گے اور اس وجہ سے اُس کی معلومات اور اُس کی عبارات اوروں کے حق میں معجز ہوں گے جیسے اُس کی معلومات عجیب ہوں گی ایسے ہی اُس کی عبارات بھی عجیب وغریب ہوں گی کیونکہ تجویز عبارت بھی اُسی کمال سے متعلق ہے۔

[اس عبارت میں نبی کریم ﷺ کے اعلیٰ و آخر ہونے میں تلازم ذکر کیا ہے اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ خاتمیت رتبی کو خاتمیت زمانی لازم ہے]

(۱۸) اس مکتوب کے آخر میں لکھتے ہیں:

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

فقط (صفحہ ۴۷۱ تا صفحہ ۴۸۱ سطر ۱۲)

[اس عبارت میں بھی حضرت نے نبی کریم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کی صراحت کی ہے]

(۱۹) قاسم العلوم ص ۴۸۵ تا ۴۹۵ میں فارسی کا ایک طویل مکتوب ہے جس کا موضوع شان رسالت کا بیان ہی ہے طوالت سے بچنے کیلئے اسے قلم انداز کیا جاتا ہے۔ باذوق حضرات قاسم العلوم کا مطالعہ کریں۔

(۲۰) منشی ممتاز علی صاحب کے نام ایک مکتوب لکھا اوران سے کہا کہ ایک ہفتہ کے اندر اس کو واپس کردینا یہ ضائع نہ ہو جائے پھر فرماتے ہیں:

پھر مکرر عرض ہے کہ یہ تحریر گم نہ ہو جائے آپ کی غفلت شعاریاں میری دل آزاری کا سبب نہ ہو جائیں میرے دل دکھانے کیلئے یہی مفتیان دہلی کا غل وشور کافی ہے آپ زیادہ تکلیف نہ فرمائیں۔ (قاسم العلوم ص ۴۹۹)

[تحذیر الناس پر بے سوچے سمجھے کچھ مفتیوں نے فتوے دیئے آپ کو ختم نبوت کا منکر کہا گیا اس سے حضرت کو بہت رنج ہوا۔ اور ہونا بھی چاہیئے تھا اس لئے کہ آپ اس الزام سے بری تھے نبی کریم ﷺ کی نبوت اور ختم نبوت کو اپنا دین وایمان سمجھتے تھے اور اس عقیدہ کی نشرواشاعت کو اپنی زندگی

کا مشن بنائے ہوئے تھے جو ختم نبوت کا منکر ہو اس کو ایسے فتووں کی کیا پروا؟]

۱۹) ایک جگہ لکھتے ہیں:

اگر نفسانیت عند اللہ مذموم نہ ہوتی اور بحث و مباحثہ کا انجام خراب نہ آتا اور نزاع اہل اسلام خدا اور رسول ﷺ کو ناگوار نہ ہوتا تو آپ بھی ایک تماشا دیکھ لیتے ان شاء اللہ مخالفان احقر کی حقیقۃ معلوم ہو جاتی سب کے نشے ان شاء اللہ ڈھیلے ہو جاتے اور مدعیان روزگار اپنے کیئے کو پہنچ جاتے۔ پر کیا کروں اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِن اس گرفتار ہوا و ہوس کے ذمہ خدا کی طرف سے بھی درباره مباحثہ سیکڑوں قید و قیود لگی ہوئی ہیں وہاں کی باز پرس کا کھٹکا ایسے کام کرنے نہیں دیتا......

......مگر جب دیکھا سب اہل مشورہ اسی طرف ہیں اُدھر آپ کا عنایت نامہ بھی بطلب جوابات معلومہ پہنچا ناچار ہو کر روانہ کرتا ہوں (قاسم العلوم ص ۴۹۶، ۴۹۷)

[مسلمانو! کیا آپ کو یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ حضرت پر جو الزام لگائے گئے حضرت نے ان پر صبر سے کام کیوں لیا ان کے خلاف کھل کر کام نہ کیا صرف چند افراد کے علمی اشکالات کے جواب دینے پر اکتفا کیا نہ ان کے خلاف سرِ عام جلسے کیے نہ ان کی کتابوں کا مطالعہ کر کے ان کے خلاف محاذ قائم کیا جبکہ حضرت انتہائی ذہین تھے۔ بڑے حاضر جواب تھے عوام میں ان کی بڑی مقبولیت تھی بے مثال خطیب تھے۔ یہ خاموشی صرف اس لئے کہ مسلمانوں کے درمیان نزاع نہ ہو اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو جائیں بتایئے کیا تحذیر الناس) کے مخالفین کے دلوں میں کبھی آخرت کا ایسا فکر پیدا ہوا۔ شاید تحذیر الناس کے مخالفین کہتے ہوں کہ ہمارے پاس تحذیر الناس کے سوا مولانا کی اور کوئی کتاب نہیں اب جب کہ ختم نبوت کے حوالے سے مولانا کی اس قدر خدمات سامنے آ گئی ہیں تو اگر مخالفین نے واقعی اللہ کی رضا کیلئے ایسا کئے ہے تو ان کی ذمہ داری بنتی ہے کہ علی الاعلان اپنے پہلے قول سے رجوع کریں اور کہہ دیں کہ مولانا اس الزام سے بری ہیں ورنہ آخرت کا فکر کریں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

تعارف مجلہ صحیفۃ النور و کتاب قاسم العلوم

مولانا نور الحسن راشد کاندھلویؒ ہندوستان کے بڑے باذوق محقق عالم ہیں انہیں اکابر علماء دیوبند کی نایاب تحریریں جمع کرنے اور انہیں شائع کرنا کا بہت شوق ہے ''صحیفۃ النور'' کے پہلے شمارے میں انہوں نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے متعلقہ بہت سی نایاب چیزیں شائع کی ہیں جن میں حضرت کے بعض علمی مکتوبات اور کتابیں ہیں۔

ان میں ایک مکمل کتاب'' تنویر النبراس '' کا قلمی نسخہ ہے جسے حضرت مولانا قاری محمد اسحاق صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے بڑی محنت کے پڑھ کر اس پر عنوانات لگائے یوں وہ کتاب چھپ کر منظر عام پر آئی اور اس سے استفادہ آسان ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔ ان میں ایک مکتوب اجرت تعلیم کے بارے میں ہے ایک مکتوب کسی عیسائی پادری کے جواب میں ہے جس نے نیند سے وضوء کے ٹوٹنے پر اعتراض کیا تھا۔

راقم نے کتاب'' حضرت نانوتویؒ اور خدمات ختم نبوت'' لکھتے وقت'' اسرار الطہارۃ'' کے نام سے اس سے منتخب عبارات لی تھیں گذشتہ صفحات میں وہی منتخب عبارات ہیں ان کے سوالات ۳۲ صفحات کے بعد ہیں۔ سوالات سے پہلے ۳۱ صفحات میں حضرت کے صل مکتوب کا عکس ہے اس سے پہلے ایک صفحہ ایک صفحہ میں ''صحیفۃ النور'' کے پہلے شمارے کا ٹائیٹل ہے تاکہ طلبہ کو اصل ماخذ تک پہنچنے میں دشواری نہ ہو۔ واللہ الموفق

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

مجلہ صحیفۂ نور
(پہلا شمارہ)

نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ

یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ (النور)

قاسم العلوم

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

(۱۲۴۸ھ ۱۸۳۳ء تا ۱۲۹۷ھ ۱۸۸۰ء)

احوال وکمالات کے نادر گوشے
مکتوبات کے نامعلوم مجموعے
چند علوم وافادات اور باقیات ومتعلقات

مرتبہ

نور الحسن راشد کاندھلوی

مکتبہ سید احمد شہیدؒ
الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

۱۴۲۱ھ
۲۰۰۰ء

منتخب موضوعات پر خاص اشاعتوں کا سلسلہ

﴿مکتوب معروف بہ "اسرار الطہارۃ"﴾

مکتوب دیگر الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین بعد حمد و صلوٰۃ یہہ گزارش ہی کہ اور مذہبوں والی جب اہل اسلام کی عقائد میں مجال دم زدن نہیں پاتی تو اونکی اعتراضوں کی مقابلہ مین جو وہ اور ونکی عقائد پر کرتی ہین اہل اسلام کی فروع اور مسائل پر اعتراض کرتی ہین حالانکہ اہل عقل کی نزدیک بعد ثبوت عقائد و درستی اصول اعمال کی وجوہ سی باز پرس کرنی ایسی ہی ہی جیسی بعد اسبات کی معلوم ہوجانی کی کہ ملکہ بادشاہ ہند ہی اور کلکٹر اوسکا مقرر کیا ہوا حاکم قانون سرکاری اور احکام سرکاری مین جو بواسطہ کلکٹر وغیرہ نافذ اور جاری ہوتی ہین تکرار کیجئی اور اونکی اوپر اعتراض کیجئی جیسی اس قسم کا شخص لایق جواب تو کیا ہوتا اولٹا قابل مواخذہ ہوتا ہے ایسی ہی وہ شخص جو فروع پر اعتراض کری لائق جواب تو کیا اولٹا لایق عتاب خداوندی ہی القصہ حکام کی بات مین جیسی چون وچرا مناسب نہین ہوتی اور دلیل اونکی احکام کا ماننا لازم ہوتا ہی ایسی بڑہکر خدا کی احکام مین چون وچرا نامناسب ہی اور دلیل تسلیم کرنا واجب ہی ہان جیسی حکام کو بوجہہ مراعات عدل تنفیذ احکام اور تجویز قوانین مین وجوہ اور حکمتوں کا لحاظ ہوتا ہی گو بوجہہ حکومت اوسکی ضرورت کچھہ نہو ایسی ہی خدا یتعالی کی احکام مین بہ لحاظ عدل حکمتین اور وجہین ہوتی ہین بوجہہ حکومت اوسکی کچھہ ضرورت نہین ہوتی مگر بر چہ باد اباد استفسار دلائل و وجوہ احکام بنظر تسلیم سخت گستاخی ہی مگر ہم بپاس ملت محمدی اسپر بہی باور لعیاب کی

اون چار اعتراضون کی جواب جو اونهون نی بعض احکام و منو پر وارد کئی ہین لکھی دیتی ہین
مگر اول پادری صاحب سی یہہ التماس ہے کہ آپ اول تثلیث اور کفارہ کی وجہہ بتلائی جو
آپ کی دین کی اصل اصول ہین تماشا ہی کہ پادری صاحب ایسی نامعقول عقیدی تو تسلیم کئی
بیٹھی ہین کہ جنکو نہ عقل مانی نہ نقل سی ثبوت ہو نہ انجیل مین پتہ ہو نہ توریت مین ذکر ہو نہ
پہلی کسی نبی نی اونکی طرف ہدایت فرمائی نہ کوئی کتاب اونکی تائید مین آئی جسکی وجہہ سی
یہہ کہنا لازم آتا ہی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سی پہلی پہلی جتنی نبی یا ولی یا صلحاء یا شہدا ہوئی
سب دولت ایمان سی بی بہرہ رہی عوام تو عوام پادری صاحب آپ کس منہہ سی اہل اسلام پر
اعتراض کرتی ہین تین خدا ؤنکو ایک کہو اور ایک کو تین کہو ایسی محال بات کو مان کر
بھی آپ کو ہوس اعتراض اہل اسلام پر ہی یہہ وہ عقیدہ غلط ہی کہ بت پرستان جاہل
بھی اسکو سنکر کانون پر ہاتہہ دہرتی ہین اول تو کوئی بت پرست خدا کو متعدد نہین کہتا نہ عرب
کی جاہل مشرک نہ ہندوستان کی بیوقوف صورت پرست سب کی سب پیدا کرنی والا ایک
ہی کو سمجھتی ہین گو کسی اور وجہہ سی اور و نکی بھی عبادت کرتی ہون دوسری یہ اوس پر یہہ طرہ کہ
ایک اور محال بھی اسپر دہری یعنی تین خداؤنکو پہر ایک کہی اور وحدت حقیقی اور کثرت
حقیقی کو اکہٹا کر دیجیے رہا کفارہ اوسکی یہہ معنی ہوئی کہ کری کوئی بہری کوئی گناہ کرین امتی
پکڑی جائین حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو خدا بھی ہین خدا کی بیٹی بھی اس علو شان پر تین دن دوزخ
مین رہنی سی تو یہی بہتر تہا کہ بندہ رہتے کہ خدا اور خدا کا بیٹا نہ بنتی با اینہمہ تثلیث کا

تو کہیں پتہ بہی نہین انجیل مین ہوتا تو ہوتا او مین ہی نہو تو پہر کہان ہو رہا کفارہ اومین
ہی اتنی بات تو اس انجیل محرّف سے نکلتی ہی کہ تین دن کی بعد قبر مین نعش کا پتہ نہلا
کہنی والی تو کہہ سکتی ہین کہ کسینی نعش نکال لی ہوگی باقی اور جو کچہ ہی نصرانیون کا ایجاد بندہ
ہی باور لیجاب آپ اول اسکا جواب عنایت فرماوین اور پہر ہماری جوابات ملاحظہ فرماوین
جواب اعتراض اول معدہ یا ماتحت معدہ جب پائخانہ سی بہر جاتا ہی تو طبیعت اوسکی
نکالنی اور باہر پہینکنی کی فکر مین ہوتی ہی اوسکی اوس حرکت طبعی کی باعث ہوائی محتبس ہی
اودہر کو ہولیتی ہی غرض گوز کا آنا اور پائخانہ پیشاب کا آنا بحکم طبیعت اسپر شاہد ہی کہ
اب ظرف ناپاکی معلوم پُر ہوگیا اور ظاہر ہی کہ اوس ظرف کا ناپاکی سی پُر ہوجانا اسقدر طبیعت
کو مکدر کردیتا ہی کہ ہر فرد بشر اوس سی واقف ہی اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام رونق افروز
ہوتی تو وہ بہی اسکی تصدیق فرماتی سواصل مین وہ کدورت ہی ناقض وضو ہی کیونکہ کدورت
صفائی کی مخالف ہی مگر جیسی معدہ وغیرہ کی امتلا ہی جواصل مین موجب آلودگی باطن
جسم انسان ہی روح کو بواسطہ جسم ایک آلودگی حاصل ہوتی ہی جسکا حاصل وہی
کدورت مذکورہ ہی ایسی ہی غسل و وضو وغیرہ سی جو اصل مین صفائی جسمانی ہی بواسطہ
جسم صفائی روحانی حاصل ہوتی ہی جسکا حاصل طہارت روحانی ہی اور وہ طہارت
موجب زوال کدورت مذکورہ ہوجاتی ہی جو نجاست روحانی تہی بالجملہ اصل مین وہ
امتلا جسکا اثر الیکہ ناقض وضو ہی اور خروج ریح و بول و براز اوسکی علامت ہی اور

بعض اوقات جو خلو معدہ پر ریح خارج ہوتی ہے تو اوسکا اعتبار نہیں اوسکی لحاظ سے قاعدہ
توڑئے تو گوز کی علی العموم برائی کا قاعدہ بہی پاور لیصاحب کو توڑنا پڑیگا اور اسوجہہ سے ایسی
حالت مین کسی کا پاور لیصاحب یا کسی اور کی ناک پر تُرین رکہکر گوز مارنا اور ایسی گوزون
کا سونگہنا بہی ممنوع و معیوب نہوگا غرض خلاف طبیعت اگر کوئی حالت مشابہ حالت
طبعی پیش آئے تو جب تک کچھہ حرج اور دقت نہو اوسکو حالت طبعی کی حکم مین رکہا کرتے
ہین تاکہ انتظام خراب نہو جائے دیکہیے شب کو جو وقت استراحت عام و خاص ہے
باہر اکثر چور ہی پہرا کرتے ہین اسلئے ہرکسیکو محافظان سرکاری گرفتار کر لیا کرتے ہین اگرچہ
کوئی کسی اور ہی ضرورت کی باعث پہرتا ہو فقط اس تقریر سے جیسا یہہ سمجھہ مین آگیا کہ خروج
ریح مین باوجودیکہ آثار ناپاکی نہین یہانتک کہ اسلئے کپڑے اور بدن کی پاک کرنیکی ضرورت
نہین وضو کیون ٹوٹ جاتی ہے ایسے ہی یہہ سمجھہ مین آگیا ہوگا کہ پائخانہ اور پیشاب کی نکلنے
سے وضو کیون ٹوٹ جاتی ہے حالانکہ ناپاکی کا رہنا موجب ناپاکی نظر آتا تہا نکلجانا تو اور
موجب پاکیزگی ہوتا مگر جسکو فہم نہو اوسکی حساب سے یہہ تقریر دلپذیر بہی لغو ہے اور کیون نہو
لطف سیر گلزار و مشاہدہ انوار و دیدار خوبان دلارام و دل آزار آنکہوں سے متعلق ہے
آنکہین ہی نہون تو پہر کچھہ نہین ایسے ہی ذوق مضامین دلچسپ فہم سلیم سے متعلق ہے فہم
ہی نہو تو تو پہر کچھہ بہی نہین ٭ جواب سوال دوم سنیے اگر انسان پیدا ہوتا ہے
تو پائخانہ کی کہات سے کمبخت مین وہ غذائین لطیف و لذیذ پیدا ہوتی ہین کہ انسان سا

اشرف المخلوقات ہیں جن پر جان نثار کرتا ہے اور ایک جہان میں لٹرتا پھرتا ہے اس حساب سے
دیکھئے تو وہ انسان سے بھی کسی درجہ میں اعلیٰ ہیں ورنہ طالب اور مطلوب کی کیا وجہ تھی
غرض انسان کا اشرف المخلوقات ہونا گو مسلم ہے پر ایسا بدیہی بھی نہیں جیسا اغذیہ
لطیفہ و لذیذہ کا مرغوب و مطلوب ہونا جس سے ایک طرح کا شرف اونکو خدائی انسان
پر بھی عطا فرمایا گو شرف کلی انسان ہی کو سہی مگر جب اغذیہ مذکورہ باعتبار فضل جزئی
انسان سے بھی افضل ہوئی تو معلوم نہیں ایسی اچھی پاک و پاکیزہ چیزیں ایسی ناپاکیوں
سے کیونکر پیدا ہوئیں ہاں یوں کہئے کہ معترض کے نزدیک پائخانہ بھی پاک ہو اور کیوں
نہو گا جب یہہ ہی قاعدہ ٹہیرا کہ اچھی شئے سے بری شئے پیدا نہیں ہوسکتی اور بری شئے
سے اچھی شئے کا پیدا ہونا محال ہے تو یہاں تو دونوں طرف بہلائی ہی بہلائی ہے جن
غذاؤں کے کہانے سے پائخانہ پیدا ہو وہ اچھی ستہری پاک پاکیزہ جو غذائیں لذیذ یا پہول
پہلواری پائخانہ کی کہات سے پیدا ہوتی ہیں وہ اچھی ستہری پاک پاکیزہ وعلیٰ ہذا القیاس
خون غذاؤں سے پیدا ہو اور خون سے گوشت سے عمدہ غذا پیدا ہو جسم انسانی
بھی باوجود اس اشرفیت و افضلیت مسلمہ معترض صاحب اسی خون سے بنتا ہے القصہ
منشاء غلطی یہہ قاعدہ غلط ہے جو ذہن نشین معترض صاحب ہے مگر یہہ غلط ہے تو پہر منی کا
پائخانہ پیشاب سے زیادہ ناپاک ہونا اہل عقل کے نزدیک بیشک مسلم ہو گا جس راہ
سے پیشاب آئے اوسی راہ سے منی آئے اتنا فرق ہے کہ پیشاب کی اصل وہی پانی ہے جس سے

ناپاک چیزون اور ناپاک جسمون کو پاک کرتی تہی اور منی کی اصل وہ مادّہ بلغمی کہ اپنی
موںہہ اور ناک سی بہی نکلی تو نفرت ہی آئی باعتبار ظاہر تو یہہ فرق ظاہر ہی اور باعتبار باطن
یہہ تفاوت ہی کہ باعث خروج پیشاب وہ تقاضائی اندرونی ہی جسکی حقیقت سی معترض
صاحب بہی خوب واقف ہین وانگاہ کہئی تو یہہ معنی ہون کہ پیشاب کا اندر ہونا اتنا
گران اور نفرت انگیز ہی کہ طبیعت کو بلا مدافعت واخراج چین نہین اور ظاہر ہی کہ وقت
نفرت اوسکی ضد کی رغبت ضرور ہی جس سی نفرت ہو یعنی کڑوی چیز اگر بری لگتی ہی تو اسی
وجہہ سی کہ مٹہائی وغیرہ ذائقہ دار چیزین مرغوب ہین وہ مرغوب نہوتین تو اس سی نفرت
بہی نہوتی علیٰ ہذ القیاس مرض سی اگر نفرت ہی تو اسی وجہہ سی کہ صحت مرغوب ومطلوب ہی
وہ مرغوب ومطلوب نہ ہوتی تو مرض سی نفرت بہی نہوتی اور وہ صحت اگر اپنی آپ کو محبوب
ومطلوب نہوتی تو اونکی بیماری سی بہی کچہہ تکلیف یعنی نفرت نہین ہوتی بالجملہ جس سی نفرت
یا تکلیف ہو اوسکی ضد کی طرف رغبت اور اوس سی راحت ہونی چاہئی اس صورت
مین بیشک وہ صفائی جو ضد کدورت لازمہ استلاء بول ہی وقت تقاضاء بول محبوب
ہوجانی چاہئی اور وہ محبوب ہوئی تو یون کہو وہ چیز محبوب ہوئی جو خدا تعالیٰ کی نزدیک
محبوب ہی غرض وقت تقاضاء بول باعتبار اصل مرضیات طلب خداوندی کی طلب
مکنون طبیعت ہوتی ہی گو شدت تقاضاء مین اودہر کو دہیان نہ جائی مگر یہہ غفلت ایسی
ہی جیسی کہ رب مرض مین صحت کا خیال دل سی زائل ہوجائی سو جیسی یہہ غفلت دلیل

عدم محبوبیت و مطلوبیت صحت نہین ایسی ہی وہ غفلت بہی دلیل عدم محبوبیت و مطلوبیت
نہین جیسی یہان یہہ کہنا لازم ہی کہ طلب ہی پر علم طلب نہین یا محبت ہی پر علم محبت نہین
اور یہہ ایسی بات ہی جیسی علم مین ہوتا ہی کہ بسا اوقات علم ہوتا ہی اور علم العلم نہین ہوتا
یا علم العلم ہوتا ہی اور اوسکا علم نہین ہوتا ایسی ہی وہان بہی یہہ کہنا لازم ہی کہ طلب ہی پر علم
طلب نہین اور محبت ہی پر علم محبت نہین القصہ اوس محبت کا اور طلب کا علم نہین
تو کیا ہوا محبت اور طلب موجود ہی اور باعتبار باطن طبیعت اسوقت خدا ہی کی طرف متوجہ
رہتی ہی اور دل وجان آلودگی طلب غیر ہی ملوث نہین ہوتی اور خروج منی کا حال گو نامردون
کو معلوم نہو پر مردونسی پوچہنا چاہئی کہ موجب خروج کیا لذت روح افزا ہوتی ہی اور جب
باعث خروج لذت مذکورہ ہوئی تو بیشک دل وجان اوسوقت فدائی مولس جان
ہونگی اور اسوجہہ ہی بیشک اور تمام اشیا سی اوسوقت اسقدر غفلت اور انحراف ہوگا
کہ اوس سی زیادہ حب ہی متصور ہو جو اوس سی زیادہ لذت نصیب ہو بہرحال وقت
لذت جماع جو موجب خروج منی ہی خدا سی غفلت اور انحراف ہوگا مگر یہہ ہی تو بہر صورت
حال صاحب جماع سی یہہ نمایان ہوتا ہی کہ وہ طلب و محبت جو حصہ خداوندی تہا اور کی
حوالہ کر بیٹہا اور ظاہر ہی کہ محبت غیر اللہ کسقدر ناپاک چیز ہی شرک مین اور کیا ہوتا ہی
یہی محبت غیر مولی ہی مگر اتنی بات ہی کہ محبت خدا تعالی از قسم محبت قرابت نہین
اور محبت قرابت ایسی طبعی ہی کہ اول سی ہوتی ہی اور آخر تک رہتی ہی محبت قرابت

نہ مزاحم محبت خدا تعالیٰ ہوگی جو خدا کی نزدیک موجب ناخوشی ہو اور نہ بوجہ طبعی ہونیکی قابل
زوال ہی جو اوسکی ازالہ کا تھوڑا بہت فکر کیا جائی اور زایل نہو سکی تو کچھ تاوان سر پڑ تی
البتہ محبت خداوندی از قسم محبت عشقی ہی یعنی باوجود عدم قرابت جیسی کسی محبوب کی
خوبیان موجب محبت ہو جاتی ہین ایسی ہی خدا تعالیٰ کی خوبیان بہی باوجود عدم قرابت
موجب محبت ہو جاتی ہین اور اس وجہہ سی اگر محبت عشقی کو مزاحم محبت خداوندی کہیی
تو بجا ہی اور پہر بوجہہ مزاحمت اگر اس محبت کو موجب ناخوشی کہئی تو زیبا ہی اور یہہ بہی
ظاہر ہی کہ محبت باہمی زن و شوہر از قسم محبت عشقی ہی پہلی سی کچھہ قرابت نہین ہوتی
تا آن ایک دوسری کو بوجہہ تقاضاء بشریت ایسا بہاتا ہی کہ اپنون سی چہڑا دیتا ہی اسلئی
اس محبت و رغبت کو اگر مکروہ کہئی تو دور از عقل نہین یہی وجہہ ہوئی کہ اکابر اہل اسلام
کی یہہ رای ہوئی اور قرآن و حدیث مین اوسکی طرف اشارے پائی کہ اصل مین اس
قصہ مین حرمت و کراہت ہی مگر بوجہہ ضرورت بقاء نسل یہہ امر مخالف عقل سلیم ایسی
طرح جائز ہو گیا جیسی بضرورت بقاء زندگانی دوائی مخالف طبع مگر پہر بہی بوا داعی خرابی
کی طرف کچھہ اشارہ چاہئی اسلئی تاوان غسل و حکم تطہیر جابجا و جسم لگا دیا گیا تاکہ اشارہ
شناسان حقیقت کو یہہ بات یاد رہی کہ موجب خروج منی وہ محبت غیر اور غفلت من اللہ
ہی جو سبب ناپاکیون کی ناپاکی ہی الغرض پیشاب اور منی دونون ایک راہ سی نکلتی ہین
مگر اتنا فرق ہی کہ پیشاب کی اصل وہ پانی ہی جو ظاہر چہوڑ مطہر ہی اور منی کی اصل وہ مادہ

بلغمی ہی کہ اپنی مونہہ اور ناک سی نکلی تب بہی نفرت آئی موجب خروج پیشاب وہ کدورت
اور استلذاز ناپاکی ہی جسکی پہلو مین رغبت صفائی اور رغبت مرضیات الٰہی ضروری ہی اور موجب
خروج منی وہ لذت اور محبت غیر اللہ ہا جسکو غفلت من اللہ لازم ہی پیشاب کی غلبہ کی
وقت جو کچہہ کیفیت مخالف طبیعت پیش آتی ہی فقط آلہ تناسل اور اوسکی گرد و پیش
مین ہوتی ہی اور لذت جماع جو عین موافق طبیعت بشری ہی ساری جسم کو محیط
ہوتی ہی اس صورت مین اہل عقل تو بیشک منی کو پیشاب سی زیادہ ناپاک کہین گی
پیشاب سی اگر وضو لازم ہو گیا تو خروج منی سے غسل واجب سمجہین گی چنانچہ لذت
جماع کا تمام جسم کو محیط ہونا ہی اسکو مقتضی ہی کیونکہ موجب خروج منی وہی لذت ہی
اور بیعقل یا کم عقل اور ہی لوگ ایسی مضامین پر معترض ہوتی ہین اگر پیشاب کو ہی پاک
سمجہین تو دور نہین صاحبو دین اسلام پر جو اعتراض ابناء روزگار کی خیال مین آتی
ہین تو بوجہہ قصور فہم خیال مین آتی ہین اور اسلئی مجیب کو یہہ وقت پیش آتی
ہی کہ قرار واقعی بیان کیجئی تو معترضون مین مادہ عقل نہین اور بات کو اولہی چہوڑ دیجئی
تو کام نہین چلتا مگر ناچاری کچہہ نہ کچہہ کہنا ہی پڑتا ہی خیر اہل فہم ہی کام ہی بد فہمون
کی حساب ہی تو مضامین عالیہ ایسی ہین جیسی ہلال شب سویم کم نظرون اور الی لیبرون
کی حق مین اسلئی اتنا اور کہنا لازم ہی کہ علوم شرعیہ اگر ایسی آسان ہوتی جیسی اور
علوم تو خداوند عالم ہماری ہی عقل پر چہوڑ دیتا اور اپنی طرف سی معلم یعنی انبیاء کرام

علیہم السلام کو نہ بہیجا یہہ علوم کچہہ دقیق ہی تہی تو یہہ انتظام ہوا اور اس وقت ہی کی وجہہ یا
تو اس علم کا نام منقول ہوا معقول نہوا ورنہ یہہ مطلب نہین کہ علوم نقلیہ مین عقل کو سروکار
ہی نہین :: جواب سوال سویم جواب مین پہلی ایک بات سن لیجئی غیر کی طرف توجہہ اور
التفات کی دو صورتین ہین ایک تو توجہہ و التفات محبت جیسی محبوبون کی طرف ہوتا ہی
دوسری توجہہ و التفات ضرورت جیسا اہل معاملات کی طرف ہوتا ہی محبوبون کو غیر کی طرف
پہلی قسم کی توجہہ اور التفات تو ناگوار ہوتی ہی پر دوسری قسم کی توجہہ ناخوش نہین معلوم
ہوتی غرض جیسی عشاق کو معشوقون کا اورون کی ساتہہ ارتباط موجب آزار ہوتا ہی ایسی ہی معشوقون
اور محبوبون کو بہی اور کسی محبوب کی طرف التفات ناگوار ہوتا ہی اور کیون نہو جان
نثارون کی کس کو طلب نہین اونکا گرفتار رہنا ہی بہلا ہی جہوٹی تو پہر کہ کی آشنا جو محبوبونکی
نازاوٹہائین اور اپنی جان گنوائین کام کرین اور جوتیان کہائین جان دین اور صلہ
نہ پائین اس تمہید کی بعد یہہ عرض ہی کہ محبت خداوندی کا حال معلوم ہی ہوگا کہ از
قسم محبت عشقی ہی اقسام محبت قرابت مین سی نہین اور یہہ بہی ظاہر ہی کہ خندہ و قہقہہ
وقت خرمی و خوشنودی آتا ہی اور کون نہین جانتا کہ موجبات خوشنودی محبوب
اوسکو مرغوب اور دلکش ہوتی ہین اسی وجہہ سی یہہ ہوتا ہی کہ سیکر آتی ہین تو راحت
اور خوشی ہوتی ہی اور نہین تو رنج و غم اتنا فرق ہی کہ کبہی اول سی محبت ہوتی ہی اور
اس وجہہ سی طلب مین سرگردان ہونا پڑتا ہی پہر اگر کامیابی ہوئی تو راحت پر راحت

اور سرور پر سرور ہے ورنہ غم ناکامی و رنج وحسرت جانگزا ہوتا ہے اور کبھی یوں ہوتا ہے
کہ نہ پہلے سے محبت ہے نہ پہلے سے بوجہہ محبت طلب ہے کوئی اور ضرورت مثلاً ضرورت
بیع وشرا باعث ملاقات و دیدار ہوئی صورت مہوش وناز دلکش موجب وابستگی
ہوگیا پہلی صورت میں وہ صورت پاک نقش کالحجر کی طرح نقش دل بیقرار اور دل محو یاد
دلدار ہوتا ہے اور دوسری صورت میں وہ صورت نقش بر آب اور مثل خیال وخواب
ہوتا ہے تھوڑی دیر میں مثل سراب زایل ہوجاتی ہے مگر خارج از نماز تو گنجایش معاملات
باہمی ہے او بوقت اگر کسی چیز کی طرف توجہہ اور التفات ہو تو اندیشہ ناخوشی خداوندی
چندان نہیں اور خاص نماز میں کسی اور طرف توجہہ اور التفات ہو تو احتمال معاملہ باہمی تو ہو
ہی نہیں سکتا ہو نہو توجہہ محبت اور التفات موذت ہوگا مگر یہہ بھی اہل عقل کو معلوم ہوگا
کہ شرک کی کل دو قسمیں ہیں ایک تو یہہ کہ منصب حکومت احکم الحاکمین میں کسی دوسری
کو شریک سمجھے یعنی احیا وامات پیدا کرلی اور نا پیدا کردینے وغیرہ میں جو تصرفات خاصہ خداوندی
میں ہی ہیں کسی دوسری کو شریک سمجھے دوسرے یہہ کہ کمال وجمال وغیرہ امور میں جو
منشاء محبوبیت ہیں کسی دوسری کو ہمتا ذات یکتا وحدہ لا شریک لہ اعتقاد کرے
باقی رہا علم غیب وہ بحیثیت کمال تو دوسری قسم میں داخل ہے اور باین نظر کہ حکم
سے پہلے ارادہ اور ارادہ سے پہلے علم مراد کی ضرورت ہے وہ مبادی حکومت میں سے ہے
بہر حال شرک کی یہی دو صورتیں ہیں اور کیوں نہو معبودیت انہیں دو صورتوں میں

منحصر ہی پہلی صورت کی طرف تو آیۃ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمْلِکُ لَکُمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۃ وغیرہ آیات مین اشارہ ہی کیونکہ مالکیت نفع و ضرر اور اختیار راحت رسانی و تکلیف دہی ہی کو حکومت کہتی ہین اور دوسری صورت کی طرف آیۃ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ۃ وغیرہ آیات مین اشارہ ہی اور یہہ بہی ظاہر ہی کہ اطاعت بوجہہ حکومت کیسی ہی اخلاص سی کیون نہو پہر بوجہہ مجبوری ہی اخلاص حکومت اس سی زیادہ اور کیا ہی کہ حاکم کو دل سی حاکم سمجہی اور باین نظر کہ خداوند عالم عالم الغیب ہی نفاق کو دل سی دور کر دی مگر ہرچہ باد اباد بنا ہر تابعداری مجبوری اور لاچاری پر ہو گی اور وہ اطاعت جو بوجہہ محبت ہو اوسمین ہرگز وہم جبر و تعدی اور گمان ناچاری نہین ہوتا وہان جو کچہہ ہوتا ہی تہ دل سی ہوتا ہی غرض وہ بندگی جو بوجہہ محبت ہو وہ اول درجہ مین ہی اسلئی وہ شرک جسمین محبوبیت خاصۂ خداوندی مین دوسرون کو شریک کیا جائی اعلیٰ درجہ کا شرک ہو گا اور اوسکی نا پاکی اول مرتبہ کی ناپاکی ہو گی اور یہہ بہی مسلّم ہی کہ کمال ہو یا جمال وہ سب عطاء خدا ہی اور پہر وہ عطا بہی از قسم داد و دہش روپیہ و فلوس نہین یعنی یہہ نہین کہ جیسی یہہ چیزین بعد عطاء معطی کی قبضہ سی نکلجاتی ہین اور معطیٰ لہٗ کی قبضہ و تصرف مین چلی جاتی ہین کمال و جمال خداوندی بہی بعد عطاء خدا مین نرہی اور ورون مین چلا جائی بلکہ اوسکی خوبیان سب ازلی و ابدی ہین اسلئی یہہ ہی کہنا پڑیگا کہ عطاء خداوندی اس قسم کی ہی جیسی آفتاب سے

اوروں کو فیض نور ہوتا ہی اور آفتاب مین جون کا تون رہتا ہی مگر جیسی کسی مستفیض النور کو دیکھی آفتاب ہی کا پرتوہ سمجھتی ہین اور اسوجہہ سی یون ہی کہتی ہین کہ یہان بہی نور آفتاب ہی جلوہ گر ہی اور اسلئی آفتاب ہی اوس محبّت اور قدردانی کا مستحق ہی جو بوجہہ نور ہونی چاہئی مستفیض شریک محبّت نہین ایسی ہی سوای خداوند عالم کوئی صاحب کمال وجمال کیون نہو اوسمین خدا ہی کا پرتوہ ہوگا اور اسلئی وہ محبّت جو بوجہہ کمال وجمال ہونی چاہئی خاص حصّہ خداوندی ہوگا وہ صاحب جمال و کمال بذات خود اسکا مستحق نہ ہوگا اور اسلئی سوای محبّت انبیاء و اولیاء و علماء جو بلحاظ تقرب و نیابت خداوندی ہوتی ہی اور سب اس قسم کی محبتین شرک سی خالی نہونگی اتنا فرق ہوگا کہ اعتقاد اور محبّت دونون کی مرتبہ مین خدا کی ظل و پرتوہ کا لحاظ نہین تب تو وہ شرک قابل مغفرت نہوگا اور اگر اعتقاد کی مرتبہ مین ظل و پرتوہ خداوندی سمجھتا ہی پر محبّت مین مثل محبّت انبیاء و علماء و اولیاء خدا کا واسطہ نہین جیسی عشق خوبان مین ہوتا ہی تو بوجہہ صحت اعتقاد دربارہ دارو گیر اور سی چشم پوشی ہوگی پر وہ آلودگی جو شرک کی ماہیت کو لازم ہی کسی درجہ مین کیون نہو کہان جائی کیونکہ غور سی دیکہئی تو آلودگی کی بناء یہہ محبّت ہی ہی اعتقاد درست ہو یا غلط ہو آخر اعتقاد غلط مین اس سی زیادہ اور کیا ہوتا ہی کہ دلکو ایک لگاؤ محبّت ہوجاتا ہی اور اسوجہہ سی محبوب مثل النقش کالحجر نقش دل ہوجاتا ہی اور چونکہ غیر اللہ کا دلمین نقش ہوجانا دل کو آلودہ کردیتا ہی

اصلی پیشرک کو رجس اورنجس کہتی ہین بہرحال اعتقاد اگر درست بہی ہی تب بہی وہ ناپاکی شرک وقت محبت غیر اللہ جسمین خدا کا واسطہ نہو کہین نہین گئی سو وقت محبت غیر مین مبتلا ہوجانا ایسا ہوگا جیسی چوڑ سیجے کو چوڑ یا سمجہی اور پہسلکر اوسمین گر پڑی یا غرض جان بوجہکر چوڑ ہی مین گر و یا پہسلکر گرو ناپاک ہوجاتی ہین دونون صورتین برابر ہین ایسی ہی محبت غیر مین اعتقادی مبتلا ہو یا بی اعتقادی سی مبتلا ہو آلودگی مذکورہ مین دونون حالتین برابر ہین جب یہہ مرحلہ طی ہوگیا تو اور سنئی روح اور بدن مین ارتباط ہی کہ ایک دوسری کی احوال ادہر جاتی ہین اور ادہر کی کیفیات ایدہر آتی ہین رنج و غم راحت و سرور اصل مین احوال قلبیہ ہین ہی ہین اون سب کا اثر بوجہہ ارتباط باہمی چہرہ اورتن پر نمایان ہوجاتا ہی اور درد بخار وغیرہ کیفیات جسمانی مین ہی ہین اونکی آثار یعنی تکلیفین روح کو بیتاب بنا دیتی ہین مگر اوس کدورت کو دیکہا جو بوجہہ تقاضاء بول و براز روح پر عارض ہوتی ہی روح پر جسم کی طرف سی آتی ہی یا اور اوس حالت کو دیکہا جو بوجہہ خرمی پیش آتی ہی یعنی یہہ ہی خندہ و ضحک تو وہ روح کی طرف سی بدن کی طرف آتی ہی اور ظاہر ہی کہ جو چیز خانہ زاد نہین ہوتی اونکی عطاء اور فیض ہوتی ہی وہ اوس درجہ کو قوی اور شدید نہین ہوتی جو خانہ زاد ہو اور اوسمین کسی کا واسطہ نہو اب التماس یہہ ہی کہ وقت خندہ جو آلودگی پیش آتی ہی وہ بی واسطہ اور خانہ زاد روح و دل اور وقت تقاضاء بول و براز جو آلودگی پیش

آتی ہی وہ فیض تن خاکی ہی پہر کیونکر کہدیجئی کہ یہہ اوسکی ہمسنگ ہو گی پہر یہہ آلودگی جو وقت
تقاضاء بول و براز پیش آتی ہی حسب قرارداد جواب دوم توجہہ مرضیات الہی کو اپنی
آغوش میں لئی ہوئی جسکا حاصل یہہ ہوا کہ خدا سی غافل نہیں تہا نہ خانہ طبیعت میں اودہر
کو توجہہ ہی گو اوس توجہہ کی ایسی طرح خبر نہو جیسی علم کا علم نہیں ہوتا اور وقت تعجب
بوجہہ دلکشی اشیای تعجب انگیز وہ غفلت کہ خدا کی یاد کا اوپر سی لیکر نیچی تک پتہ ہی نہیں
اسلئی وہ آلودگی جو وقت تعجب ہوتی ہی اوربہی زیادہ موجب آلایش ہوگی پہر کیونکر
کہدیجئی کہ کدورت بول و براز تو ناقض طہارت ہو اور کدورت محبت غیر ناقض
طہارت نہو مگر جیسی ایدہر خروج بول و براز کو علامت امتلاء قرار دیا ہی اور اسلئی اوسی
وقت حکم طہارت صادر ہوتا ہی ایسی ہی ضحک و قہقہہ کو علامت توجہہ الی الغیر
قرار دینا چاہئی لیکن کدورت بول و براز میں تو سوای اوسکی اور احتمال نہ تہا ناپاکی
کی آمد آمد ہی اور توجہہ الی الغیر میں یہہ بہی احتمال ہی کہ بوجہہ محبت نہو جو موجب آلایش
دل و جان ہوتی ہی بلکہ بوجہہ ضرورت معاملات ہو جو موجب تکدر خاطر محبوب نہیں
ہوتی اسلئی جہاں احتمال مذکور ہو وہاں تو خداوند کریم و رحیم کی طرف سی چنداں دارو گیر
نہو گی گو وہ توجہہ جسکا باعث اول معاملہ تہا فی الجملہ دلکشی کا باعث ایسی طرح ہو جائے
جیسی کسی حسین و جمیل کی طرف بوجہہ معاملہ بیع و شرا کسی قدر دل کو میلان پیدا ہو جائے
مگر جیسی ایسی توجہہ اور میلان سی صورت حسیناں نقش دل نہیں ہو جاتی بلکہ اگر تہوڑی

دیر کی بعد وہ خیال دل سی محو ہو جاتا ہی ایسی ہی وہ دل کشی جو بوجہہ اوس توجہہ کی
ہوئی ہو جو معاملہ کی باعث پیش آتی ہی لائق اندیشہ نہین اکثر یون ہوتا ہی کہ تھوڑی
دیر مین وہ خیال محو ہو جاوی اور نقش دل نہونی پائی جو دل و جان آلودہ ہو بہر حال
وہ توجہہ الی الغیر جو بضرورت معاملات ہو دلیل محبت غیر نہین جو بوجہہ ازالہ نجاست
شرک خفی سامان تطہیر کیا جاوی پر جہان یہہ احتمال ہی نہو وہان انتقاض طہارت
لازم و واجب ہی سو وقت نماز تو احتمال معاملہ ہی بنی آدم ہو ہی نہین سکتا اسلئی
اوس وقت کی ہنسی اور قہقہہ توجہہ محبت غیر کا ثمرہ سمجہا جائیگا اور وضو کو نقض کہنا پڑیگا
اور اس وجہہ سی نماز کو بہی فاسد کہنا پڑیگا کیونکہ بی طہارت نماز جائز نہین علاوہ برین
حقیقت نماز حضور دربار خداوندی ہی اور قہقہہ اسپر شاہد ہی کہ توجہہ الی اللہ کا نام
و نشان نہین جو کچہہ ہی توجہہ الی الغیر ہی اس تقریر کو سنکر اہل فہم کا دل تو باغ
باغ ہو جائیگا انشاء اللہ احکام دین کی حقیقت اور حقانیت کیلئی یہہ ایک دو مسئلہ
بمنزلہ مشتی نمونہ از خرواری ہوکر موجب قبول اسلام ہوگا ہان بد فہمون کی لئی
یہہ تقریر خوش آئیندہ ایسی طرح موجب انکار و استنکاف ہوگی جیسی کُتی بنا لیا
والون اور پاخانہ اوٹہانی والون کی لئی عطر کی خوشبو ناک چڑہانی کی باعث
ہو جاتی ہی واللہ اعلم ؛ جواب سوال چہارم نوم بذات خود ناقض وضو
نہین اگر ہی تو باین نظر ہی کہ او سوقت بوجہہ استرخاء اعصاب گمان خروج ریح

یہہ ہی کہ ریح نکلجائی اور خبر نہو اور یہہ خوب معلوم ہی کہ اکثر افراد بنی آدم کا شکم جیسی پر وقت کسیقدر نہ کسیقدر بول وبراز پر مشتمل رہتا ہی ایسی ہی ریح سی بھی خالی نہین رہتا اور دوسری وجہہ اگر ہوسکتی ہی تو یہہ ہوسکتی ہی کہ اصل مین یاد خداوندی موجب روشنی وصفائی قلب ہے اور غفلت موجب کدورت اصلی اور ظاہر ہی کہ نیند کی وقت سی زیادہ غفلت متصور نہین مگر جب کدورت ہوئی تو اثر طہارت جو صفائی باطن تہا کہان رہا اسلئی یون ہی کہنا پڑیگا کہ طہارت بہی جاتی ہوئی مگر جہان وقت خواب بہی خدا سی غفلت نہو وہان نہ یہہ احتمال ہی کہ ریح کی نکلنی کی خبر نہو اور نہ اوس کدورت کی کوئی صورت ہی جو بوجہہ غفلت وقت خواب پیش آتی ہی اسکی بعد یہہ عرض ہی کہ اوصاف کی کل دو قسمین ہین ایک تو یہہ کہ خانہ زاد ہون یعنی عالم اسباب مین کسی اور کا فیض نہو جیسی نور آفتاب یا حرارت آتش دوسری یہہ کہ فیض غیر اور عطاء بیگانہ ہو جیسی نور آئینہ یا حرارت آب گرم سوای ان دو صورتون کی اوصاف کی اور کوئی صورت نہین مگر جیسی یہہ دو قسمین ہین ایسی ہی ان دونون کی جدی جدی عوارض اور لوازم ہین سو جسکا وصف خانہ زاد ہوگا اوس وصف مین وہ موصوفات جو اوس سی مستفیض اور اونکا وصف اوس سی مستعار ہو کبہی برابر نہین ہوسکتا اور صاحب وصف خانہ زاد اورونپر موثر ہوتا ہے اور صاحب وصف مستعار اوس سی متاثر غرض اول کی احکام و آثار دوسرے مین آتی ہین اسلئی منصب حکومت

اوسکی طرف ہوتا ہی اور دوسرا اوسکا محکوم کیونکہ حاکم و محکوم مین بہی فرق تاثیر و تاثر
ہوتا ہی اور اسی وجہہ سی آثار کو احکام کہا کرتی ہین یعنی حکام ظاہری کی حکومت مین
بہی یہی ہی کہ حاکم کی طرف کی بات محکوم مین ظہور کرتی ہی اسی کا نام تاثیر ہی آگ کو
اگر یون کہتی ہین کہ اوسمین احراق و تسخین کی تاثیر ہی تو اوسکی بہی یہی معنی ہین کہ اوسکی
طرف کی بات یعنی حرارت اوروں مین نمایان ہوتی ہی غرض منصب حکومت بہی اودہری
ہوتا ہی جدہر وصف خانہ زاد ہوتا ہے اور اسوجہہ سی حکومت ظاہری کا مستحق
اول وہ ہی ہوگا جو دربارہ کمالات لازمہ حکومت یعنی علم و اخلاق اور نیز ہوش یعنی
او نیز حاکم طبیعی ہو القصہ منصب حکومت بہی اودہری ہوتا ہی جدہر وصف خانہ زاد
ہو اور شدت وصف بہی اودہری ہوتی ہی جدہر وصف خانہ زاد ہوتا ہی اور اسوجہہ
سی اوس وصف مین افضل بہی وہی ہوتا ہی جو خانہ زاد وصف رکہتا ہو اور اسوجہہ
سی یہہ بہی ضروری ہی کہ صاحب وصف خانہ زاد پر مراتب کمال وصف ختم ہوجائین
اور یہہ ہی تو پہر یہہ بہی ضروری ہی کہ اگر چند موصوفات وصف واحد مین باہم اوس
وصف مین کمی بیشی یعنی شدت و ضعف ہو تو جو فرد سب مین زیادہ وہ وصف
رکہتا ہوگا وہ تو وصف خانہ زاد رکہتا ہوگا اور باقی اوصاف والی اوس سی مستفید
ہونگی اگر سب مین زیادہ وصف والا خانہ زاد نہ رکہتا ہوگا تو یہہ بات غلط ہوجائیگی
کہ صاحب وصف خانہ زاد اونسی زیادہ ہوا کرتا ہی جو اوس سی مستفید ہوا کرتی ہین

کیونکہ سب مین زیادہ ہوکر جب کسی اور سی مستفید ہوگا تو اپنی سی کم ہی کا دست نگر ہوگا غرض جو سب مین زیادہ ہوگا وہ اورون کا دست نگر نہوگا ورنہ خدا تعالیٰ کو باوجود افضلیت و علوشان کلی اگر کوئی غیرون سی مستفید کہی تو اوسکا موہنہ بند کرنا مشکل ہی باقی رہا باقیونکا اس سی مستفید ہونا وہ اگر ضروری نہو تو یہہ بہی ضروری نہو کہ غیر خدا خدا ہی سی وجود اور کمالات وجود مثل علم و قدرت وغیرہ صفات مین مستفید ہین یہان بہی یہہ کہہ سکتی ہین کہ اورونکا وجود اور اورونکی کمالات وجود باوجود کمی و ضعف خانہ زاد ہین باقی رہا یہہ شبہہ کہ چراغ باوجودیکہ شمس و قمر کواکب سی نور مین کم ہوتا ہی اونسی مستفید نہین اسکا جواب یہہ ہی اصل نورانی وہ ایک ماتہ حاری ہی اور جسم آفتاب اور شعلہ چراغ و مشعل سب اوس سی مستفید ہین اتنا فرق ہی کہ کہین قابلیت زیادہ ہی کہین کم چنانچہ بعض مشعلون کا صاف ہونا اور بعض کا مکدر ہونا اسپر شاہد ہی یعنی گو ایک ہی آتش سی مختلف چراغ اور مشعلین اور شمعین روشن کرین پر بوجہہ تفاوت قابلیت ایسی طرح فرق پڑجاتا ہی جیسی آئینہ اور مہر کی آفتاب سی منور ہونی مین فرق پڑجاتا ہی اسکی بعد اگر آفتاب سی اور کواکب یا قمر مستنیر ہون تو وہ ایسا ہی جیسی آئینہ مستنیرہ من الشمس سی اور اشیاء منور ہوجاتی ہین اور اگر یون کہی کہ حقیقت آفتاب ایک نور مجسم ہی یہہ نہین کہ جسم آفتاب اور ہی اور اوسکا نور مثل انوار دیگر نیرات اور تو پہر جواب کی یہہ صورت ہی کہ یہہ جوہر

جسم میں ایک مادہ آتشین ہے چنانچہ ترکیب مسئلہ اربع عناصر اوسپر شاہد ہے اور تجربہ
کہنہ بہی اوسپر گواہ تو وہ فیض آفتاب ہی ہے کیونکہ جیسے آفتاب مطلع الانوار ہے ویسے مخرج
حرارت بہی ہے اسلئے جیسے اوس سے فیض تنویر ہوتا رہتا ہے ایسے ہی افاضۂ مادۂ آتشین
بہی اوسی کا کام ہے مگر چونکہ اوس مادہ کو بعد ظہور روشنی ایسی طرح لازم ہے جیسے چراغ
کو یا شمس و قمر کو ہنڈیا یا انجری نکلنے کے بعد روشنی لازم ہے اسلئے جہاں وہ مادہ
ظاہر ہوا اوسیوقت نور افشان بنا غرض اور عناصر کے تلے جب تک دبا ہوا ہے تب تک
تو اوسکو ایسا سمجہیے جیسا آفتاب فرض کرو گرد و غبار کے تلے دبا ہوا ہو اور اور عناصر کے اوپر
آگیا خواہ بوجہ کشش ہمجنس ہو یا بوجہ میلان طبعی جو ہمجنسوں کی طرف ہوتا ہے جیسے
مادۂ مکمونۂ روغن کا حال وقت اشتعال شعلۂ چراغ و مشعل ہوتا ہے یا بوجہ تحریک
خارجی ہو جیسے دیا سلائی میں نظر آتا ہے تو پہر وہ روشنی جو اوسکو لازم ہے نمایاں ہوگئی
علی ہذا القیاس اگر الوان اجسام میں تفاوت کمی بیشی دیکہکر یہہ شبہہ دل میں آئے کہ کوئی
چیز زیادہ سرخ و سفید ہے اور کوئی کم باایں ہمہ یوں نہیں کہہ سکتے کہ ایک دوسری سے
ایسی طرح مستفید ہے جیسے زمین آفتاب سے یا آب گرم آتش سے تو اسکا جواب یہہ ہے
کہ تمام اجسام ملونہ قابل الوان ہیں خود بذات خود متلون نہیں صورت اوسکی یہہ
ہے کہ نور آفتاب وغیرہ جلوہ گر ہوتا ہے تو الوان اجسام نمایاں ہوتے ہیں نہیں تو
نہیں اس سے صاف عیاں ہے کہ اصل مبصر وہ نور عارض ہے ورنہ لون بہی مبصر

ہوا کرتی اور جب نور ہی منبکر ہوا تو اصل ملوّن بھی وہی ہوگا کیونکہ ہم اوسکو رنگ کہتے ہیں جو منبکر ہوتا ہے چنانچہ سب پر آشکارا ہے مگر بوجہ تفاوت کہیں کسی طرح نظر آتا ہے اور کہیں کسی طرح کہیں کوئی کیفیت ہوتی ہے کہیں کوئی کیفیت سو یہہ ہی اختلاف کیفیات اختلاف الوان ہے غرض سفید و سرخ اصل میں وہ نور ہے اوس سے اور اجسام بقدر قابلیت مستفید ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ گفتگو اوصاف میں ہے خود قابلیت اوصاف میں نہیں غرض وہ اوصاف جو کمی کے ساتھہ ہونگے بیشک اوس موصوف کا فیض ہونگے جسکا وصف خانہ زاد ہو اور وہ موصوف جسکا وصف خانہ زاد ہو اور ونکا دست نگر نہوگا دلیل اس دعوی کی مسایل مسلمہ میں سے تو معروض ہو چکی یعنی خدا کے سوا اور مخلوقات وجود اور کمالات وجود میں خدا کے محتاج ہوتے ہیں اگر کمی و ضعف اوصاف بالذات اس بات کو مقتضی نہوتا کہ اور ونکا فیض ہوا کرے تو پھر سب کا فیضیاب خداوندی ہونا مسلّم نہ ہوسکتا اور دلیل عقلی درکار ہو تو لیجے اگر اوصاف ضعیفہ والے اوسکے دست نگر نہوں جو سب میں افضل اور اعلی اور اشد اور اقوی اوس صفت میں ہو بلکہ اونکا وصف بھی خانہ زاد ہو تو یہہ معنی ہوئے کہ منبع وصف اور مطلع صفت منبع اور مطلع نہیں کیونکہ کمی اور نقصان کے دریافت کرنیکے لئے کوئی پوری اصل چاہئے جس سے کم رہجاتے تو کم کہلاتے ہو باوجود اصلیت اور خانہ زاد ہونیکے اگر کمی ہو تو یہہ

معنی یوں کہ اصل میں اتنا تھا اب اتنا رہگیا اسلئے کہ کمی اور نقصان اصل ہی میں متصور ہے اور جو پہلی ہی سے ہو اوسکو نقصان بھی نہیں کہہ سکتے غرض نقصان بعد تمامیت متصور ہے اس سے پہلے متصور نہیں سو جہاں نقصان ہوگا اوس سے پہلے ایک اور مرتبہ ماننا پڑیگا جہاں تمامی اور کمال ہو مگر وہ مرتبہ اول ہوا تو پھر یوں نہیں کہہ سکتے کہ موصوف بالوصف الناقص منبع اور مطلع ہے بلکہ منبع اور مطلع وہ مرتبہ ہوگا جو اوس سے پہلے ہے اور جہاں وہ وصف تمام اور کمال ہے اسکے بعد یہہ گزارش ہے کہ اوصاف ناقصہ کی موصوفات کو جب موصوف بالوصف الکامل کی دستنگری لازم ہوئی تو موصوف وصف کامل تو مصدر اور مطلع وصف ہوگا اور باقی موصوفات اوصاف ناقصہ سب قابل مگر ہم دیکھتے ہیں کہ قابل کا وصف اوس سے منفصل ہوجاتا ہے پر مصدر کا وصف اوس سے منفصل نہیں ہوتا آفتاب اہل ہیئت کے نزدیک مصدر النور ہے اور قمر اوسکی نسبت قابل زمین بیچمیں آجائے جیسا چاند گہن کے وقت ہوتا ہے تو قمر سے تو نور علیحدہ ہوجاتا ہے پر آفتاب سے علیحدہ نہیں ہوتا پھر قمر سے صادر ہوکر اگر زمین وغیرہ میں نور آئے تو اور کوئی چیز بیچمیں حائل ہوجائے تو زمین وغیرہ سے تو نور علیحدہ ہوجاتا ہے پر قمر سے علیحدہ نہیں ہوتا اور اگر آئینہ نور قمر سے مستفید ہو اور اوس سے نور صادر ہوکر در و دیوار پر واقع ہو اور درمیان میں کوئی جسم

کثیف آجائی تو آئینہ تو بدستور منور رہی پر در و دیوار سی نور جاتا رہی غرض مصدر ہی وصف صادر بحیثیت صدور منفصل نہین ہو سکتا اور ظاہر ہی کہ فرد اکمل اور موصوف اعلیٰ وافضل مثل آفتاب بجمیع الوجوہ مصدر ہو گا مثل قمر وغیرہ من وجہہٖ قابل اور من وجہہٖ مصدر نہو گا مگر یہہ ہی تو پہر اوسکی وصف کی انفصال کی کوئی صورت ہی نہین اِس سب بحث طویل کی بعد یہہ عرض ہی کہ روح کی حقیقت کو ٹٹولئی تو یہہ ہی فہم و شعور اور اخلاق حمیدہ سی اوسکا خمیر معلوم ہوتا ہی اور ظاہر ہی کہ ان دونون باتون مین افراد بنی آدم مین باہم تفاوت زمین و آسمان ہی اور یہہ بہی ظاہر ہی کہ فہم و شعور و اخلاق از قسم اوصاف ہین اور اوصاف کی دو قسمین ہین جسمین سی ایک کا نام مصدر اور موصوف اصلی یعنی صاحب وصف خانہ زاد ہی اور دوسری کا نام قابل اور مستعیر ہی اور یہہ بہی ثابت ہو لیا کہ فرد اکمل مصدر ہو گا اور باقی قابل اس صورت مین فرد اکمل ارواح ادراک و شعور اور فہم و فراست و علم و اخلاق حمیدہ کی حق مین مصدر ہو گا اور موافق قرار داد حال اوس سی فہم و شعور کا انفصال نہو گا اسلئی اوسکی خواب اور موت گو اور ونکی خواب اور موت کی ہمرنگ اسی طرح نظر آئی جیسی سورج گہن اور چاند گہن بظاہر ہمرنگ یکدیگر ہوتی ہین پر حقیقت مین اوسکی خواب اور موت اور اور ونکی خواب اور موت مین ایسا فرق ہو گا جیسا

باعتبار حقیقت سورج گہن اور چاند گہن مین فرق ہوتا ہی یعنی جیسی وقت گہن نور آفتاب تو زایل نہین ہوتا بلکہ چاند کی اوٹ مین ایسی طرح مستور ہوجاتا ہی جیسی وقت گرد و غبار اور چاند کا نور وقت خسوف بوجہہ حیلولت زمین ایسی طرح زایل ہوجاتا ہی جیسی آئینہ مقابل آفتاب کا نور کسی چیز کی حائل ہوجانیکی باعث ایسی ہی اوس فرد اکمل کا فہم و شعور وقت خواب و موت مستور ہوگا زایل نہوگا اور افراد ناقصہ کا فہم و شعور وقت خواب و مرگ زایل ہوگا مستور نہوگا اور اسلئی نہ اوسکی مال مین میراث جاری ہوگی نہ اوسکی ازواج سی اوروںکو نکاح جائز ہوگا مگر فرد اکمل کی خواب و مرگ مین اوسکا فہم و شعور زایل نہوا مستور ہوا تو پھر جیسی نور چراغ اوسوقت جسوقت اوسکو کسی ظرف گلی یا مسی وغیرہ مین رکھکر اوپر سی سرپوش ڈہک دیجئی یا این وجہہ کہ ساری شعاعین جو پہلی دور دور پہیلی ہوئی تہین سب طرف سی سمٹ کر اوسی ظرف مین آجاتی ہین اور بہی شدید ہوجاتا ہی ایسی ہی لازم یون ہی کہ فرد اکمل کا فہم و شعور وقت خواب اور بہی تیز ہوجائی مگر یہہ ہوگا تو نہ وقت خواب کدورت غفلت جو وقت خواب تمکو تمکو ہوا کرتی ہی اوسکو پیش آئیگی اور نہ یہہ احتمال ہوگا کہ ریح نکلجائی اور بوجہہ غفلت خواب اوسکی خبر نہو جب یہہ مسلم ہوچکا تو اب یہہ التماس ہی کہ جو شخص فرد اکمل ہوگا اوسپر مراتب کمال ایسی طرح ختم ہوجائینگی جیسی

بادشاہ پر مراتب حکومت بہہ جیسی ہر مرتبہ حکومت کی لئی جُدی ہی القاب اور جدی
ہی آداب ہوتی ہین کلکٹر کا لقب کلکٹر ہی اور کمشنر کا لقب کمشنر لفٹنٹ کا
لقب لفٹنٹ اور گورنر کا لقب گورنر بادشاہ کا لقب بادشاہ ایسی ہی ہر مرتبہ
کمال کی لئی خدا کی طرف سی بحیثیت کمال جُدی جُدی القاب اور آداب ہونگی
اور باعتبار حکومت بہی جُدی جُدی القاب اور آداب ہونگی تفاوت کمال کا
حال تو ظاہر ہی ہی رہی حکومت اوسکی یہہ صورت ہی کہ خدا تعالیٰ احکم الحاکمین
اور پیغمبر اور رسول اوسکی نسبت بمنزلہ حکام ماتحت وجہہ اسکی یہہ ہی کہ کارخانہ
سلطنت مین اصل حاکم وہ ایک بادشاہ ہی ہوتا ہی اوسکی حکم احکام یعنی
قوانین کی موافق ملازمان سلطنت حکومت کرتی ہین اور اسیوجہہ سی حکام
ماتحت کہلاتی ہین ایسی ہی کارخانہ دین مین اصل حاکم خدا تعالیٰ ہی اوسی
کی احکام کی موافق انبیاء کرام علیہم السلام اور اونکی خلفاء راشدین احکام
جاری فرماتی ہین اور حکم کرتی رہتی ہین بالجملہ انبیاء اور خلفاء بمنزلہ حکام
ماتحت ہین اور اسوجہہ سی جیسی باعتبار کمالات باہم تفاوت ہی باعتبار
حکومت بہی تفاوت ہوگا اور اسوجہہ سی ہر مرتبہ کی لئی جدا لقب اور جدی
ہی اوسکی تعظیم ہوگی اور وہ لقب اور وہ تعظیم ہی اوسکی مرتبہ شناسی مین کافی
ہوگی سو جسکی شان مین وہ لقب خدا تعالیٰ کی طرف سی آئی جو اختتام

مراتب کمال اور اختتام مراتب حکومت پر دلالت کریں اوس شخص کو فرد اکمل اعتقاد کرنا چاہیے اور اوسکے خواب و موت کو ساتر ہوش و حواس و فہم و شعور سمجھنا ضرور ہے اور اوسکے خواب و موت کو مزیل ہوش و حواس و فہم و شعور خیال نکرنا چاہیے مگر ایسا شخص جسکی شان میں خدا کی طرف سے وہ لقب آیا ہو جو بنی آدم میں سے اوسکے خاتم الکمالات اور خاتم مراتب حکومت ہونے پر دلالت کرے سوائے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کوئی نہیں ہوا نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں اس قسم کا لقب آیا نہ حضرۃ موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہم کی شان میں اس قسم کا لقب وارد ہوا اور نہ ان صاحبوں میں سے کسی نے یہہ دعویٰ کیا کہ میرے بعد کوئی حاکم نہ آئیگا اور کوئی نبی یا صاحب کمال اعظم ظہور نہ فرمائیگا اس قسم کا دعویٰ اگر کرتے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کرتے اور اس قسم کا لقب آتا تو اونکی شان میں آتا جب انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہہ مقولہ موجود ہو کہ جہان کا بادشاہ آنیوالا ہے اور میں اوسکی جوتی کے تسمہ کے برابر بھی نہیں تو اہل فہم کو تو اسمیں تامل نرہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ خاتم مراتب حکومت ہیں اور نہ خاتم مراتب کمال اگر خاتم مراتب حکومت ہوتے تو خود بادشاہ جہان ہوتے یون نہ کہتے کہ بادشاہ جہان آنے والا ہے کیونکہ بادشاہ ہی خاتم مراتب حکومت

ہوتا ہی اور خاتم مراتب کمال ہوتی تو یون نہ فرماتی کہ مین اوسکی جوتیون کی تسمہ کی
برابر بھی نہین یہہ مقولہ اگر سچا ہی اور جو حضرت عیسی علیہ السلام پر ایمان رکھتی
ہین اونکی نزدیک بیشک یہہ قول سچا ہی تو پہر حضرت عیسی علیہ السلام خاتم مراتب
کمال کیونکر ہو سکتی ہین اگر ہوگا تو وہی شخص ہوگا جسکی نسبت یہہ ارشاد ہی باقی
رہی نکمی تاویلین وہ کسکو نہین آتی مگر وہ کون ہین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ہین کیونکہ بعد حضرت عیسی علیہ السلام اول تو حضرت محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سی پہلی کسی نی دعوی نبوت نہین کیا اور نہ کوئی نبی ہوا دوسری
آپ کی سوا اور کسی نی دعوی خاتمیت نہین کیا اور نہ بحوالہ پیغام و وحی
خداوندی اس قسم کا لقب اپنی نسبت کسی نی کسکو سنایا رہی حضرات حواریین
اول تو وہ نبی نہ تہی حضرت عیسی علیہ السلام کی طرف سی دعوت دین مسیحی کرتی
تہی جسکا حاصل یہہ ہوا کہ وہ حضرت عیسی علیہ السلام کی خلیفہ اور اونکی نائب
اور اونکی بہیجی ہوئی تہی بلا واسطہ خدا کی بہیجی ہوئی نہ تہی اور اگر اونکی نبوت حسب
اعتقاد مسیحیان تسلیم بہی کیجیی تو وہ حضرت عیسی علیہ السلام کی اس مقولہ کی مخاطب
نہ تہی اس لئی وہ شخص کوئی اور ہی ہونا چاہئی رہی پولوس مقدس اونکو حواری
کہنا بجز بیحیائی اور کیا ہی حضرت عیسی علیہ السلام کی زمانہ مین اونکا نام ونشان
نہ تہا با اینہمہ کسی نی اونمین سی نہ دعوی خاتمیت کیا نہ بحوالہ وحی اپنی لئی

اِس قسم کا لقب بیان کیا البتہ حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں لقب خاتم النبیین اور نذیر اللعلمین اور رحمۃ اللعلمین قرآن شریف میں موجود ہی جن میں سی دو اول ہی تو خاتمیت مراتب حکومت بالتصریح اور خاتمیت مراتب کمال بالالتزام نکلتی ہی اور تیسری لقب سی خاتمیت مراتب کمال تو بالتصریح اور خاتمیت مراتب حکومت بالالتزام نکلتی ہی وجہہ اسکی یہہ ہی کہ نبی اور نذیر حکومت اور حکمرانی میں نائب خدا ہوتی ہین جو اونکا خاتم ہوگا اوسپر مراتب ماتحتی ختم ہوجائین گی اسلئی وہ سب پر حاکم ہوگا اور تمام عالم اوسکی عملداری مین اسی طرح داخل ہوگا جیسی گورنر کی عملداری مین تمام ہندوستان اور کسی اور کو یہہ بات نصیب نہوگی کیونکہ اور سب ایسی طرح خاص خاص اضلاع کی حاکم ہونگی جیسی لفٹنٹ کمشنر وغیرہ خاص خاص اضلاع کی حاکم ہوتی ہین اور چونکہ حاکم وہی ہونا چاہئی جو محکوموں میں افضل ہو اور خدا کی یہان یون ہی ہوتا ہی یہہ ناانصافی اور ظلم نہین کہ لایق کوئی ہو اور حاکم کوئی ہوجائی تو یہی خاتمیت حکومت اور عموم حکومت اوسکی افضلیت اور اکملیت پر دلالت کریگی اور جب افضلیت اور خاتمیت حکومت مین بوجہہ عدل و قدر شناسی خداوندی تم ہوا تو آیۃ رحمۃ للعلمین جو افضلیت اور خاتمیت مراتب کمال پر بالتصریح

دلالت کرتی ہی خاتمیت مراتب حکومت پر آپ دلالت کریگی باقی رہا آیہ مذکورہ
کا خاتمیت مراتب کمال پر دلالت کرنا اوسکی صورت یہہ ہی کہ یہہ تو پہلی ثابت
ہوچکا کہ فرد اکمل و افضل اور افراد کی حق مین مفیض اور مفید اور موثر اور معطی
ہوتا ہی اور سب جانتی ہین کہ یہہ عین ترحم اور رحمت ہی سو جو شخص تمام عالم
کی حق مین رحمت ہو وہ بیشک سب کی نسبت مفیض اور مفید اور موثر اور معطی
ہوگا اور اسو جہہ سی اوسکی افضلیت اور اکملیت کا قایل ہونا پڑیگا بالجملہ حضرت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مین اوس قسم کی القاب وارد ہین جو اوسکی
افضلیت اور اکملیت اور خاتمیت مراتب کمال و حکومت پر دلالت کرتی ہین
اور کسی کی شان مین اس قسم کی القاب نہین آئی اور قسم کی القاب آئی ہین اس
سی صاف ظاہر ہی کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل المخلوقات
اور اشرف الکائنات ہین اور یہہ ہی وجہہ ہوئی کہ اونکا دین آخر الادیان ٹھیرا
علاوہ اور معجزات کی قرآن شریف اونکا معجزہ ہین علاوہ اس دین کا آخر الادیان
ہونا تو یون ضروری ہوا کہ حکام ماتحت کی احکام کا مرافعہ کرتی ہین تو آخری
مرافعہ بادشاہی کچہری مین ہوتا ہی اور اوس کچہری کا حکم آخری حکم ہوتا ہی اور وجہہ
اوسکی یہہ ہوتی ہی کہ اوس کچہری اور اوس کچہری کی حاکم پر مراتب حکومت
ختم ہوجاتی ہین سو ایسی ہی کارخانہ حکومت دینی مین اوس شخص کا حکم آخر

رہنا چاہئے جسپر مراتب حکومت دینی ختم ہو جائیں اور قرآن شریف کا اعجاز
ایسی شخص کیلئے اسلئے ضرور ہوا کہ اعجاز میں ایک طرح کا اظہار کمال ہوتا ہے
یعنی جیسے بڑا خوشنویس وہ ہے جو ایسا قطعہ لکھدے جسکی ثانی کے لکھنے سے اور خوشنویس
اور منشی عاجز آجائیں اور ظاہر ہے کہ یہہ عین اظہار کمال ہے ایسے ہی بڑا نبی
اور بڑا صاحب کمال وہ ہی ہے جو ایسا کام کر سکے جو اوروں سے نہ ہو سکے اور قرآن و امثال اوسکی
کرنے سے عاجز آجائیں غرض حقیقت اعجاز ایک قسم کا اظہار کمال ہوتا ہے اور
ظاہر ہے کہ کمالات میں اعلیٰ اور افضل علم ہے اور کیوں نہو محبت مشیت
ارادہ قدرت وغیرہ کمالات سب علم کے محتاج ہیں اور علم کسی کا کمالات میں
سے محتاج نہیں بظاہر حیات پر علم موقوف معلوم ہوتا ہے پر غور سے دیکھئے تو
حقیقت حیات قوت ادراکیہ اور قوت حرکت بالارادہ ہے اسلئے حیوان
کی تعریف میں حساس متحرک بالارادہ کہا کرتے ہیں غرض وہ قوت علمیہ جو معلومات
کے ساتھہ اسی طرح متعلق ہوتی ہے جیسے نور اجسام کے ساتھہ وہ قوت روح انسانی
کے ساتھہ اس طرح قائم ہے جیسے نور آفتاب کے ساتھہ جب وہ قوت رکن اور عنصر
اور جزء حیات ہوئی تو حیات اوسپر موقوف ہوئی نہ وہ حیات پر موقوف ہوئی
بالجملہ کمالات کا خاتمہ علم پر ہے جو شخص خاتم مراتب کمال ہوگا وہ علم میں اوروں سے
افضل اور اکمل ہوگا اسلئے اظہار کمال علمی میں وہ سب سے فائق ہوگا اور سوائے

اوسکی اور سب اوسکی سامنے عاجز ہونگے اور اسوجہہ سے اوسکی معلومات اور اوسکی
عبارات اور ونکی حق مین معجز ہونگی جیسے اوسکی معلومات عجیب ہونگی ایسے ہی
اوسکی عبارات بھی عجیب وغریب ہونگی کیونکہ تجویز عبارت بھی اوسی کمال سے
متعلق ہے اس تقریر کو اہل فہم تو قرار واقعی سمجھین گے اور اسوجہہ سے دین اسلام پر
ایسی طرح فریفتہ ہوجائین گے جیسے عاشق مزاج خاتم مراتب حسن وجمال پر فریفتہ
ہوجاتے ہین اور ہم سے پوچھو تو آدمی بھی وہی ہین جو صاحب فہم ہین اور جو
صاحب دولت ہین فہم سے معرّی ہین اونکو یہہ تقریر جبتہ ایسی طرح مہمل
اور بے معنی معلوم ہوگی جیسے حیوان لایعقل کو کلام فصیح وبلیغ غرض جیسے حیوانات
کلام انسانی نہین سمجھتے ایسے ہی وہ آدمی بھی جو آدمیون کی فقط تصویر ہی تصویر
ہین ورنہ حقیقت مین ایک کلام لغو اور بے معنی خیال فرما کر کچھ التفات
نکرینگے واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین
والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد خاتم النبیین وآلہ واصحابہ اجمعین فقط

سوالات برائے "اسرار الطہارۃ"

نوٹ: سوالات بالترتیب بنائے گئے سوالات کمپوز شدہ منتخب عبارات کے متعلق ہیں اس لئے صفحات کے نمبر نہیں دیئے گئے طلبہ تھوڑی سی کوشش کریں ان شاء اللہ جواب نکالنا کچھ مشکل نہ ہوگا۔

س: رسالہ "اسرار الطہارۃ" کا تعارف کرائیں اور بتائیں کہ یہ رسالہ کس کے جواب میں لکھا گیا تھا؟

س: رسالے کے خطبے سے توحید اور ختم نبوت کا اظہار ثابت کریں۔

س: عیسائیوں کو اسلام کے مسائل پر اعتراض کرنے کا کوئی حق کیوں نہیں؟

س: خدا کے احکام کو بے دلیل تسلیم کرنا کیوں واجب ہے؟

س: خدا کے احکام پر عمل کرنے کیلئے حکمت اور وجہ کے بارے میں سوال کرنا کیسا ہے؟

س: احکام خداوندی کے بارے میں حکمت کا سوال ہی غلط ہے تو حضرت نے پادری کے اعتراضات کے جوابات کیوں دیئے؟

س: عقیدۂ تثلیث و کفارہ پر تنقید لکھیں

س: اس کو ثابت کریں کہ حضرتؒ کو اسلام کے بارے میں پورا شرح صدر تھا

س: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم مبارک کے بارے میں انجیل سے کیا پتہ چلتا ہے اور اسلامی عقیدہ کیا ہے؟

ج: انجیل سے پتہ چلتا ہے کہ تین دن کے بعد قبر میں نعش کا پتہ نہ ملا، اسلام کہتا ہے کہ دشمن عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کر سکے نہ سولی دے سکے اللہ نے ان کو بحفاظت اپنی طرف اٹھالیا۔

س: غیر اللہ کی محبت سے حضرت نے کس طرح کراہت کا اظہار فرمایا ہے؟

س: اسلام پر اعتراض کرنے والے حضرت کی نظر میں کیسے ہیں؟

س: علوم شرعیہ کی عظمت کو حضرت نے کن الفاظ میں سمجھایا؟

س: شرک کی دو قسمیں کیسے ہیں نیز غیر اللہ کیلئے عقیدۂ علم غیب شرک کیوں ہے؟

س: محبوبیت خاصہ خداوندی میں دوسروں کو شریک کرنا کس قدر قبیح ہے اس بارے میں حضرت نانوتویؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کے ارشادات نقل کریں

س: بندہ ہر دم خدا کا محتاج ہے مثال دے سمجھائیں اس بارے میں حضرت کا کلام پیش کریں تائید میں قرآنی آیات بھی پیش کریں۔

س: عام آدمی کا وضو نیند سے کیوں ٹوٹتا ہے؟

س: انبیاء کرام کی نیند ناقض وضو کیوں نہیں؟ نیز اس بارے میں فقہاء کی تحقیقات بھی ذکر کریں۔

س: حضرت نے گرہن کی مثال سے انبیاء کرام کی نیند اور وفات کا امتیاز کیسے سمجھایا؟

س: اس کو ثابت کریں کہ قادیانی کا دل جاگنے کی حالت میں بھی سویا رہتا تھا

س: ''اسرار الطہارۃ'' سے ختم نبوت کا اثبات کریں اور حضرت نانوتویؒ کا امتیاز ذکر کریں

س: انجیل سے نبی ﷺ کی خاتمیت زمانی کو ثابت کریں۔

س: انجیل سے جہان کے سردار کی پیشگوئی ذکر کریں اور بتائیں کہ اس کے مصداق آپؐ ہی کیوں ہیں؟

س: پولس کون تھا اور عیسائیت پر اس کے کیا اثرات ہیں؟

س: عیسائی پولس کو جہان کا سردار بتاتے ہیں حضرت نے اس کا رد کس طرح فرمایا؟

س: قرآن کریم سے کچھ ایسے القاب ذکر فرمائیں جن سے نبی ﷺ کیلئے خاتمیت زمانی ثابت ہوتی ہو، اور ثابت بھی کریں۔

س: حضرت نانوتویؒ نے نبی ﷺ کی خاتمیت رتبی اور خاتمیت زمانی میں تلازم کس طرح ثابت کیا؟

س: رسالہ ''اسرار الطہارۃ'' کے آخر سے بھی نبی ﷺ کی ختم نبوت کا ثبوت پیش کریں۔

س: اس کو ثابت کریں کہ جب لوگوں نے حضرت نانوتویؒ کو ختم نبوت زمانی کا منکر کہا تو حضرت کو بہت دکھ ہوا؟

س: انکار ختم نبوت کے الزام کا حضرت کو جو رنج ہوا، یہ کس کی دلیل ہے کہ وہ ختم نبوت زمانی کے قائل تھے یا ختم نبوت زمانی کے منکر؟

س: الزام لگانے والوں کو حضرتؒ نے کافر کہا یا صبر کیا؟ اور کیوں؟

س: خالی جگہ پر کریں: اب ختم نبوت پر...... کی اس قدر...... سامنے آگئیں اس لئے مخالفین علی الاعلان اپنے پہلے قول سے...... کرلیں اور کہہ دیں کہ...... پکے مسلمان ہیں۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِی

الحمد للہ علیٰ احسانہ کہ کتاب مؤلفہ صاحب فضل و کمال مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی

اعنی

سوانح عمری

حامی السالکین الموحدین ماحی اساطیر الملحدین حجۃ اللہ علی الخلائق کاشف اسرار المعارف والحقائق مظہر کمالات السلف الصالحین وارث العلوم سید الانبیاء والمرسلین جامع الفیوض والبرکات قاسم العلوم والخیرات سیدنا و مولنا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی دار العلوم دیوبند

پہلی بار .... اکتوبر ۱۹۷۵ء

تعداد ۲۰۰۰

شرکت پریس لاہور

مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ ۳۲ شاہ عالم مارکیٹ لاہور

ناشران و تاجران کتب عالیہ اسلامیہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الٰہی تیری قدرت کا ظہور ہے کہ یہ تماشے دکھلاتا ہے۔ پھر اُن کو پردۂ اخفا میں چھپاتا ہے کیا کیا آفتاب طلوع ہوئے اور چمک دمک دکھلا کر پھر غروب ہوگئے۔ سب صفت و ثنا تیری ہی ہے۔ جس کی تعریف ہے اور سب وصف و کمال تیرا ہی ہے جس کسی کی توصیف ہے۔ تو ہر عیب سے پاک و بری اور سب تیرے قبضہ میں خشکی ہو یا تری۔ آسمان ایک بُلبلا ہے اور زمین ایک مُشتِ خاک۔ اور تو سب میں جلوہ گر اور سب سے برتر اور پاک۔ کس زبان سے تیری ثنا ہو سکے۔ جب فخر الاولین والآخرین سید المرسلین رحمۃ للعالمین حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لَآ اُحۡصِیۡ ثَنَآءً عَلَیۡكَ اَنۡتَ كَمَآ اَثۡنَیۡتَ عَلٰی نَفۡسِكَ لاکھوں بلکہ لا انتہا رحمت و سلام و صلوٰۃ نثار روح پاک اور تمام آل و اصحاب پر بلکہ تمام ارواح طیبین طاہرین علما و زہاد و فقرا و عباد پر۔ آمین۔

بعد حمد و صلوٰۃ بندۂ احقر ذرۂ کمتر محمد یعقوب نانوتوی[1] ابن مقدام العلما جناب مولوی مملوک العلی مرحوم نانوتوی عرض رساں خدمت احباب ہے کہ آپ صاحبان نے احقر سے فرمایا تھا کہ جو کچھ حال و سوانح عمری حضرت مخدوم مکرم جناب محمد قاسم صاحب مرحوم کے یاد آئیں مناسب ہے کہ بذیل تحریر جمع ہو جائیں۔ تاکہ ہمارے اور آئندہ لوگوں کے لئے یادگار رہے۔ آپ لوگوں کے امر کی اجابت واجب سمجھ کر باوجود قلت فرصت مختصر مختصر جو جو یاد آتا ہے لکھتا ہوں مولانا احقر سے چند ماہ بڑے تھے اُن کی پیدائش شعبان یا رمضان ۱۲۴۸ھ[2] ہے اور نام تاریخی خورشید حسین اور بندہ کی پیدائش صفر کی تیرھویں ۱۲۴۹ھ ہے اور نام تاریخی منظور احمد ہے اور حقیر کے اور مولوی صاحب کے (علاوہ قرب نسب) بہت سے روابط اتحاد تھے ایک مکتب میں پڑھا' ایک وطن ایک نسب ہم زُلف ہوئے' ایک اُستاد سے ایک وقت میں علم حاصل کیا اور بعضی کتابیں میں نے مولانا سے پڑھیں' ایک پیر کے مُرید ہوئے ہمسفر دو سفرِ حج کے رہے اور ایک زمانہ دراز تک ساتھ رہے مگر اُن کے کمالات کا اثر ہمارے قصور استعدادی

احوال ابتدائی مولانا مرحوم

[1] نانوتہ ایک چھوٹا سا قصبہ آباد ہے اوّل ایسی آب و ہوا خراب نہ تھی اب نہر کے سبب آب و ہوا وہاں کی نہایت خراب ہوگئی اور آبادی میں بھی کمی آگئی۔ دیوبند سے بارہ کوس غرب میں اور سہارنپور سے پندرہ کوس جنوب میں اور گنگوہ سے نو کوس شرق میں اور دہلی سے چار منزل سات کوس شمال میں ہے ۱۲

[2] جناب مولوی صاحب کی پیدائش کا سن تاریخی نام سے معلوم تھا اور مہینہ اور تاریخ محفوظ نہ تھا میرا یاد ربیع الثانی یا جمادی الثانی تھا اور تاریخ محفوظ رہی نہیں اور جن جن صاحبان پر گمان معلوم ہونے کا گمان تھا اُن سے پوچھا ہر کسی نے مختلف بیان کیا۔ ایک صاحب نے پندرھویں شعبان کہا۔ مگر میرے ماموں صاحب جناب حکیم صاحب نے اُس کی تغلیط کی اور ایک نے انتیسویں رمضان اور ایک صاحب نے ستائیس محرم اور یہ بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا ۱۲ محمد یعقوب

ہم میں ظاہر نہ ہوا۔ مولوی صاحب کے والد شیخ اسد علی صاحب ہر چند جناب والد مرحوم کیساتھ دہلی گئے تھے اور شاہنامہ وغیرہ کتابیں پڑھیں تھیں اور اپنے پڑھنے کے زمانہ کی دہمارے سامنے) حکایتیں بیان فرمایا کرتے تھے مگر حال ایسا تھا کہ گویا علم سے کچھ مناسبت ہی نہیں رکھتے۔ تمام عمر کھیتی کی اور ویسے ہی عادات اور ڈھنگ موٹے قصبات کے سے تھے مگر نہایت ہی صاحب مروت واخلاق، کنبہ پرور، مہمان نواز، نمازی، پرہیزگار رہتے تھے اُن کے والد شیخ غلام شاہ تھے احقر نے اُن کی بھی زیارت کی تھی۔ تھوڑے پڑھے ہوئے تھے مگر ذاکر شاغل تھے درویشوں کی خدمت کرتے تعبیر خواب میں مشہور تھے۔ جناب مولوی صاحب نے ایام طفلی میں یہ خواب دیکھا تھا کہ گویا میں اللہ جلّ شانہ کی گود میں بیٹھا ہوا ہوں۔ تو اُن کے دادا نے یہ تعبیر فرمائی کہ تم کو اللہ تعالیٰ علم عطا فرما دیگا اور بہت بڑے عالم ہوگے اور نہایت شہرت ہوگی۔ یہ تعبیر اُن کی نہایت درست ہوئی۔ اور میری بہن نے خواب میں دیکھا کہ ایک تراز و چھوٹی (جس سے لڑکے کھیلا کرتے ہیں) آسمان سے گری ہے اور اُس پر ابابیل جانور سیاہ رنگ کے بہت لپٹے ہوئے ہیں اگر چھڑاتے ہیں تو چھوٹتے نہیں۔ تُنکریوں فرمایا کہ قحط ہوگا چنانچہ وہ قحط جس میں باندیاں بِک گئیں واقع ہوا غالباً پانچا کال اُس کو کہتے تھے۔ میر النسب اور مولانا کا شیخ غلام شاہ کے پردادا میں ملتا ہے اس طرح محمد قاسم بن اسد علی بن غلام شاہ بن محمد بخش بن علاؤالدین بن محمد فتح بن محمد مفتی بن عبدالسمیع بن مولوی محمد ہاشم اور محمد یعقوب بن مملوک العلی بن احمد علی بن غلام شرف بن عبداللہ بن محمد فتح بن محمد مفتی بن عبدالسمیع بن مولوی محمد ہاشم اور میاں شیخ محمد بخش کے بھائی شیخ خواجہ بخش میرے والد اور شیخ کرامت حسین دیوبندی کے نانا ہوتے تھے جوانی میں دکن گئے وہاں نکاح کیا تھا۔ وہاں ایک بیٹا مولوی محمد ہاشم نام تھا یہاں اولاد پسری تھی اس سبب سے میرے والد کے نانا اُن کے چچا ہوتے ہیں اور اور انواع رشتے جیسے برادری میں ہوا کرتے ہیں باہم مرتبط ہیں۔ مولوی صاحب کے نانا مولوی وجیہ الدین صاحب نانوتوی فارسی بہت عمدہ جانتے تھے۔ اُردو کے شاعر تھے اور کچھ کچھ عربی سے بھی آگاہ تھے بڑے تجربہ کار اور پُرانے آدمی ہنگام آمدنی حکومت انگریزی سہارنپور میں وکیل ہوئے اور نہایت عزت واحترام اور تموّل سے گذران کی۔ نہایت طباع اور خوش فہم تھے اور چند پشت اوپر مولوی محمد ہاشم صاحب مرحوم میں ہمارے نسب جا ملتے ہیں۔ اور آگے نسب حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی میں جا پہنچتا ہے یہ مولوی محمد ہاشم زمان شاہجہان میں مقرب بادشاہی ہوئے اور نانوتہ میں مکان بنائے اور چند دیہات جاگیر تھے جو تبدل حکومات کے سبب اُن کی اولاد کے پاس

زندہ رہے۔ مولوی صاحب کے اور کوئی بھائی نہ تھا ایک بہن دیوبند میں اب زندہ موجود ہیں اور اُنکے
والد اور دادا صاحب کے بھی کوئی بھائی نہ تھا بھائی پیدا ہوئے مگر لڑکپن میں مر گئے اور چچا جوانی میں
مر گئے اور دادا کے بھائی تھے وہ کسی لڑائی میں جوان عمر شہید ہوئے اور اُوپر جو بھائی تھے اُن کی اولاد
بسری یہاں کوئی نہیں رہی دکن میں اُن کے اولاد ہوئی بقاعدہ معروف وہ بھی گویا ایک ہی سے تھے
غرضکہ چار پُشت تک مولانا متفرد ہوئے۔ جناب مولوی صاحب لڑکپن سے ذہین، طباع، بلند ہمت
تیز، وسیع حوصلہ، جفاکش، جری، چُست و چالاک تھے۔ مکتب میں اپنے سب ساتھیوں سے ہمیشہ
اوّل رہتے تھے۔ قرآن شریف بہت جلد ختم کر لیا خط اُسوقت سب سے اچھا تھا۔ نظم کا شوق اور حوصلہ تھا
اپنے کھیل اور بعض قصّے نظم فرماتے اور لکھ لیتے چھوٹے چھوٹے رسالے اکثر نقل کئے۔ جناب
مخدوم العالم حاجی امداد اللہ صاحب سے جو ربط نسب کا تھا حضرت مخدوم کی ننہال ہمارے خاندان میں
تھے اور بہن اُن کی یہاں بیاہی تھی اکثر نانوتہ تشریف لاتے تھے اُنکی خدمت میں حاضر ہوتے اور
نہایت محبت و اخلاص فرماتے جزو بندی کتاب کی حضرت سے ہم دونوں نے سیکھی اور اپنی لکھی ہوئی
کتابوں کی جلدیں باندھیں۔ ہمارے وطن میں ایک قضیہ پیش آیا شیخ تفضل حسین شیعہ مذہب ہو گئے تھے
اور ہماری جائداد کے شریک تھے۔ اُنہوں نے اور مولوی صاحب کے دادا شیخ غلام شاہ سے فساد ہوا اور شیخ
تفضل حسین مولوی صاحب کے ماموں میاں فصیح الدین کے ہاتھ سے زخمی ہو کر مر گئے ہر چند کہ اُس
مقدمہ میں خیریت رہی اور حاکم کی طرف سے کسی کو کچھ سزا نہ ہوئی۔ مگر بنائے مخاصمت کچھ پہلے سے اب
زیادہ ہو گئی تب یہ خوف ہوا کہ مبادا کوئی صدمہ مخالفوں کے ہاتھ سے اُن کو پہنچے اس لئے اُنکو دیوبند
بھیجدیا۔ یہاں مولوی مہتاب علی صاحب کا مکتب تھا شیخ کرامت حسین مرحوم کے گھر پر شیخ
نہال احمد پڑھتے تھے مولوی صاحب کو اُنھوں نے عربی شروع کرائی پھر سہارنپور اپنے نانا کے
پاس رہے وہاں مولوی محمد نواز صاحب سہارنپوری سے کچھ پڑھا۔ فارسی اور عربی
کی کتابیں اوّل کی کچھ حاصل کیں۔ اُسی زمانہ میں احقر کے والد مرحوم حج کو تشریف لیگئے۔ احقر
ایک برس کامل وطن رہا حفظ قرآن شریف پورا ہو گیا تھا مگر صاف نہ تھا صاف کرتا تھا مولوی صاحب

سنہ بارہ سو ستاون ہجری میں حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب اور جناب مولانا محمد یعقوب صاحب دہلوی نے کہ دونوں نواسے اور جانشین مولانا شاہ عبد العزیز کے تھے، جانک ارادہ ہجرت کا کیا ذی قعدہ میں شاید روانہ ہو گئے۔ دہلی میں لذحیہ ہو گیا۔ اور آپ صاحبان کے ساتھ ایک بہت قافلہ عرب کو روانہ ہوا۔ یہ دیکھکر حضرت والد مرحوم کو بھی حج کا دھیان ہوا خفیہ تدبیر رخصت اور سامان سفر کرتے رہے۔ آخر جب رخصت ایک سال کی مل گئی اور سرکار نے براہ قدر دانی آدھی تنخواہ بھی دی۔ رجب ۱۲۵۸ ہجری میں وطن سے روانہ ہوئے۔ اور اوّل ذی الحجہ کو مکہ پہنچے زیارت حرمین سے فارغ ہو کر برس دن میں پھر دہلی پہنچے اس وقت یہ سفر جلد طے ہونے میں عجیب سمجھا رخصت کے دن پورے ہو چکے تھے وطن نہ آسکے ذی الحجہ میں جب چھٹی سالانہ ہوئی وطن تشریف لائے اور مولوی صاحب کو دہلی ساتھ لے گئے ۱۲

مولوی صاحب تمام فضائل حمیدہ سے متصف تھے

سہارنپور سے وطن آئے اور اُن کے نانا کا انتقال اُس سال کے وبائی بخار میں معہ بہت سے
لوگوں کے ہوگیا تھا اُس زمانہ میں مولوی صاحب کا ساتھ رہا مولوی صاحب جیسے پڑھنے میں سب سے
بڑھکر رہتے تھے ہر کھیل میں خواہ ہوشیاری کا ہو یا محنت کا سب سے اوّل اور غالب رہتے تھے خوب یاد
ہے کہ اُس زمانہ میں ایک کھیل جوڑ توڑ نام ہم کھیلتے تھے اور بہت پُرانے مشاق لوگ اس کو عمدہ کھیلتے
تھے اور ہم نئے کھیلنے والے مات کھاجاتے تھے۔ مولوی صاحب نے جب اُس کا قاعدہ معلوم کرلیا
پھر یاد نہیں کسی سے مات کھایا ہو۔ بہت ہوا تو برابر رہے بلکہ ہر کھیل میں جو مرتبہ کمال ہوتا تھا
وہاں تک اُس کو پہنچا کر چھوڑتے۔ دروازہ مکان کا ایک دراز کوچہ تھا اور وحشتناک جگہ تھی اور وہاں
آسیب بھی مشہور تھا۔ مگر راتوں کو بہت بہت دیر سے بے تکلف گھر جاتے اور کچھ خوف نہ کرتے جب
والد مرحوم حج سے تشریف لائے اور وطن آئے تب مولوی صاحب سے کہا کہ میں تم کو ساتھ لیجاؤنگا۔
بعد اجازت والدہ کے دہلی روانہ ہوئے۔ ذی الحجہ سنہ اُنسٹھ کے آخر میں وطن سے چلے اور دوسری
محرم سنہ ساٹھ کو دہلی پہنچے چوتھی کو سبق شروع ہوئے۔ مولوی صاحب نے کافیہ شروع کیا اور احقر نے
میزان اور گلستان والد مرحوم نے میرے ابواب کا سُننا اور تعلیلات کا پوچھنا اُن کے سپرد کیا تھا
اور ہر جمعہ کی رات کو کہ چھٹی ہوتی تھی صیغوں اور ترکیبوں کا پوچھنا معمول تھا۔ یاد ہے کہ مولوی صاحب سب
میں عمدہ رہتے تھے۔ اُسی زمانہ میں ہمارے مکان سے قریب مولوی نوازش علی صاحب کی مسجد
میں طالبعلموں کا مجمع تھا اُن سے پوچھ پاچھ بحث شروع ہوئی مولوی صاحب کی جب باری آئی سب پر
غالب آئے اور جب گفتگو ہوتی اُس میں مولوی صاحب کو غلبہ ہوتا بلکہ ہم میں سے جو کوئی مغلوب معلوم ہوتا
مولوی صاحب سے مدد چاہتا یا مولوی صاحب خود اُسکو مدد دیتے پھر تو مولوی صاحب ایسے چلے کہ کسی کو
ساتھ ہونیکی گنجائش نہ رہی۔ معقول کی مشکل کتابیں میر زاہد۔ قاضی صدرا شمس بازغہ ایسا پڑھا کرتے
تھے جیسے حافظ منزل سُناتا ہے کہیں کہیں کوئی لفظ فرماتے جاتے اور ترجمہ تک نہ کہتے والد مرحوم کے
بعض شاگردوں نے کہا بھی کہ حضرت یہ تو کچھ سمجھتے نہیں معلوم ہوتے۔ جناب والد مرحوم نے فرمایا کہ میرے
سامنے طالب علم بے سمجھے چل نہیں سکتا۔ اور واقعی اُن کے سامنے بے سمجھے چلنا مشکل تھا وہ طرز عبارت
سے سمجھ لیتے تھے کہ یہ مطلب سمجھا ہوا ہے یا نہیں اور یہی حال جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی
رحمہ اللہ تعالیٰ کا تھا مولوی صاحب سے اُسی زمانہ سے دوستی اور ہمسبقی رہی آخر حدیث
جناب شاہ عبد الغنی صاحب مرحوم کی خدمت میں پڑھی اور اُسی زمانہ میں دونوں صاحبان نے
جناب قبلہ حاجی امداد اللہ صاحب دام ظلہ سے بیعت کی اور سلوک شروع کیا والد مرحوم نے

مولوی صاحب کو مدرسہ عربی سرکاری میں داخل کیا اور مدرس ریاضی کو فرمایا کہ اُن کے حال سے معترض نہ ہوجیو میں اُن کو پڑھالوں گا اور فرمایا کہ تم اقلیدس خود دیکھ لو اور قواعد حساب کی مشق کرلو۔ چند روز میں چرچا ہوا کہ مولوی صاحب معمولی مقالے دیکھ چکے اور حساب پورا کرلیا ازبسکہ یہ واقعہ نہایت تعجب انگیز تھا طلبہ نے پوچھ پاچھ شروع کی یہ کب عاری تھے ہر بات کا جواب باصواب تھا آخر منشی ذکاء اللہ چند سوال نئے کسی ماسٹر کے بھیجے ہوئے لائے وہ نہایت مشکل سوال تھے اُن کے حل کر لینے پر مولانا کی نہایت شہرت ہوئی اور حساب میں کچھ ایسا ہی حال تھا جب امتحان سالانہ کے دن ہوئے مولوی صاحب امتحان میں شریک نہ ہوئے اور مدرسہ چھوڑ دیا سب اہل مدرسہ کو علی الخصوص ہیڈ ماسٹر صاحب کو کہ اُس وقت میں مدرس اول انگریزی تھے نہایت افسوس ہوا۔ پھر مولوی صاحب نے مطبع احمدی میں تصحیح کتب کی کچھ مزدوری کر لی اور کتابیں معمولی تمام کر چکے تھے حدیث شاہ عبدالغنی صاحب کی خدمت میں پوری کی اس عرصہ میں والد مرحوم کا گیارھویں ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ کو بمرض یرقان قبل السابع انتقال ہوگیا۔ ایام مرض والد مرحوم کے ممتد نہ تھے گیارہ روز کل مرض رہا مگر چار پانچ روز بہت غفلت اور کرب رہا لخلخہ سونگھایا اور پنکھا کرنا ہر وقت تھا۔ ہم سو جاتے تھے اور مولوی صاحب برابر بیٹھے رہتے تھے۔ بعد انتقال مولانا والد مرحوم کے احقر اپنے مکان مملوک میں جو چیلوں کے کوچہ میں تھا جا رہا۔ مولوی صاحب بھی میرے پاس آ رہے کوٹھے پر ایک جھلنگا پڑا ہوا تھا اُس پر پڑے رہتے تھے۔ روٹی کبھی پکوا لیتے تھے اور کئی کئی وقت کھا لیتے تھے۔ میرے پاس آدمی روٹی پکانے والا نوکر تھا اُسکو یہ کہہ رکھا تھا کہ جب مولوی صاحب کھانا کھاویں سالن دیدیا کرو مگر بدقت کبھی اُسکے اصرار پر لے لیتے تھے ورنہ وہی روکھا سوکھا ٹکڑا چبا کر پڑ رہتے تھے۔ ایک سال کے قریب (بعد انتقال والد مرحوم) احقر دہلی رہا پھر اجمیر کی نوکری کے سبب دہلی چھوٹی اور مولوی صاحب سے جُدائی پیش آئی۔ مولوی صاحب چند روز اُسی مکان میں تنہا رہے پھر چھاپہ خانہ میں جا رہے۔ پھر دار البقا میں چند روز رہے اُس زمانہ میں جناب مولوی صاحب مولوی احمد علی صاحب سہارنپوری نے تحشیہ اور تصحیح بخاری شریف کی کہ پانچ چھے سیپارے آخر کے باقی تھے مولوی صاحب کے سپرد کیا مولوی صاحب نے اُس کو ایسا لکھا ہے کہ اب دیکھنے والے دیکھیں کہ اُس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے۔ اُس زمانہ میں بعض لوگوں نے کہ مولوی صاحب کے کمال سے آگاہ نہ تھے جناب مولوی احمد علی صاحب کو بطور اعتراض کہا تھا کہ آپ نے یہ کیا کام کیا کہ آخر کتاب کو ایک نئے آدمی کے سپرد

ف مولوی صاحب کا اقلیدس خود دیکھنا۔ ف مولوی صاحب کا حساب کے مشکل سوالوں کا حل کرنا۔ ف حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب سے حدیث پڑھنا۔ ف مولوی صاحب کا روکھی روٹی پر قناعت کرنا۔ ف مولوی صاحب کا بخاری پر تحشیہ کرنا۔

کیا اُس پر مولوی احمد علی صاحب نے فرمایا تھا کہ میں ایسا نادان نہیں ہوں کہ بدون سمجھے بوجھے
ایسا کروں اور پھر مولوی صاحب کا تحشیہ اُن کو دکھلایا جب لوگوں نے جانا اور وہ جگہ بخاری میں
سب جگہ سے مشکل ہے۔ علی الخصوص تائید مذہب حنفیہ کا جو اول سے التزام ہے اور اُس جگہ پر
امام بخاری نے اعتراض مذہب حنفیہ پر کئے ہیں اور اُنکے جواب لکھنے معلوم ہے کہ کتنے مشکل ہیں اب
جس کا جی چاہے اُس جگہ کو دیکھ اور سمجھ لے کہ کیسا حاشیہ لکھا ہے اور اُس حاشیہ میں یہ بھی التزام تھا کہ
کوئی بات بے سند کتاب کے محض اپنے فہم سے نہ لکھی جائے اُسوقت کی اکثر حکایات سُنی سُنائی
عرض کرتا ہوں کیونکہ پانچ برس تک پھر ملاقات مولوی صاحب سے نہیں ہوئی۔ جب احقر اجمیر گیا
مولوی صاحب اُسی مکان میں رہتے تھے اور بعض ایک دو آدمی اور رہتے تھے پھر اتفاق سے سب
متفرق ہو گئے اور مولوی صاحب تنہا رہ گئے مکان مقفل رہتا تھا۔ رات کو مولوی صاحب کواڑ اُتار کر
اندر جاتے تھے اور پھر کواڑ کو درست کر دیتے تھے اور صبح کو کواڑ اُتار کر باہر ہو جاتے تھے اور پھر کواڑ
درست کر دیتے تھے۔ چند ماہ اُسی ہو کے مکان میں گذر گئے۔ جس زمانہ میں مولوی صاحب میرے
پاس رہتے تھے مولوی صاحب کی صورت پہ جذب کی حالت برستی تھی بال سر کے بڑھ گئے تھے
نہ دھونا نہ کنگھی نہ تیل نہ کترے نہ درست کئے۔ عجب صورت تھی مولوی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے
ایک ہیبت عنایت کی تھی اُن کے سامنے بولنے کا ہر کسی کو حوصلہ نہ تھا باوجودیکہ نہایت خوش مزاج
اور عمدہ اخلاق تھے۔ اس لئے میں تو کچھ کہہ نہ سکا ایک اور دوست سے کہہ لایا تب بمشکل بال کتروا کر
درست کئے اور دُھلوائے جوئیں بہت ہو گئی تھیں اُن سے نجات ہوئی مزاج تنہائی پسند تھا
اس لئے کچھ عرض نہ ہو سکتا تھا۔ مولوی صاحب کو اوّل عمر سے اللہ تعالیٰ نے یہ بات عنایت فرمائی
تھی اکثر ساکت رہتے اس لئے ہر کسی کو کچھ کہنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا اور باوجود خوش مزاجی اور ظرافت کے
ترش رُو اور مغموم جیسی صورت بنائے رہتے اور اُن کے حال سے بھلا ہو یا بُرا نہ کسی کو اطلاع ہوتی
نہ آپ کہتے۔ یہانتک کہ بیمار بھی اگر ہوتے تب بھی شدت کے وقت کبھی کسی نے جان لیا تو جان لیا ورنہ
خبر بھی نہ ہوئی اور دوا کرنا تو کہاں۔ بعضے احباب کی زبانی سُنا ہے کہ چھاپہ خانہ میں جناب مولوی
احمد علی صاحب کے جب مولوی صاحب کام کیا کرتے تھے مدتوں یہ لطیفہ رہا کہ لوگ مولوی صاحب
کہکر پکارتے ہیں اور آپ بولتے نہیں کوئی نام لیکر پکارتا خوش ہوتے تعظیم سے نہایت گھبراتے
بے تکلف ہر کسی سے رہتے ابتک جو شاگرد یا مرید تھے اُن سے یارانہ کے طور پر رہتے اور کچھ
اپنے لئے صورت تعظیم کی نہ رکھتے۔ علماء کی وضع عمامہ یا کرتہ کچھ نہ رکھتے۔ ایک دن آپ

فرماتے تھے کہ اس علم نے خراب کیا ورنہ اپنی وضع کو ایسی خاک میں ملاتا کہ کوئی بھی نہ جانتا میں کہتا ہوں اس شہرت پر بھی کسی نے کیا جانا جو کمالات تھے وہ کس قدر تھے کیا اُن میں سے ظاہر ہوئے اور آخر سب کو خاک میں ہی ملا دیا اپنا کہنا کر دکھلایا۔ مسئلہ کبھی نہ بتلاتے حوالہ کسی پر فرماتے فتوے پر نام لکھنا اور مہر کرنا تو در کنار اوّل امامت سے بھی گھبراتے آخر کو اتنا ہوا کہ وطن میں نماز پڑھا دیتے تھے وعظ بھی نہ کہتے تھے جناب مولوی مظفر حسین صاحب مرحوم کاندھلوی نے اوّل وعظ کہلوایا اور خود بھی مجھکو سُنا اور بہت خوش ہوئے۔ جناب مولوی مظفر حسین کاندھلوی اس آخری زمانہ میں قدمار کے نمونہ تھے تقویٰ اللہ اکبر ایسا تھا اور اس سے وہ نسبت پیدا تھی کہ مشتبہ چیز اگر معدہ میں پہنچ گئی تو اُسی وقت قے ہو جاتی تھی اور اتباع سنت نہ ایسا دیکھا اور نہ ایسا سُنا۔ سبحان اللہ بیواؤں کے نکاح کی بنا ان اطراف میں اوّلاً اُن سے ہی ہوئی اور والد مرحوم نے اُسکو نہایت خوبصورتی سے اجرا فرمایا اور اُن دونوں بزرگواروں کے قدم بقدم حضرت مولانا نے اُسکو یوں شائع کیا۔ یہ اجرا ان صاحبان کے نامۂ اعمال میں تابقیامت رہے گا۔ اور ایک یہ کیا ہزاروں ... کی باتیں ایسی ہی ہیں۔ جناب مظفر حسین صاحب کی خدمت میں اُس زمانہ میں نیا تھا جبکہ حضرت مولوی صاحب دہلی تشریف لاتے تو والد مرحوم کے پاس ہمارے مکان میں فروکش ہوتے اور والد مرحوم جب وطن جاتے تو کاندھلہ ہو کر جاتے جب وطن سے لوٹتے کاندھلہ ٹھیر کر دہلی روانہ ہوتے اور یہی حال جناب حاجی امداد اللہ صاحب سے تھا تھانہ بھون میں آتے جاتے ملاقات کر آتے یا وہاں مقام ہی ہوتا سبحان اللہ کیا جلسہ تھا پیر محمد والی مسجد میں وہ گلزار تھا کہ شب و روز سوائے ذکر اور قال اللہ اور قال الرسول کچھ اور دھیان نہ تھا آخر شب میں ذکر جہر کا یہ رنگ ہوتا کہ غافل بھی جاگ اُٹھتے اور توفیق ذکر اللہ کی پاتے۔ غرضکہ یہ آنا جانا اور ملاقاتیں اُن صاحبان کی خدمت میں نیاز کے سبب ظاہراً ہوئی ورنہ جو لکھا ہوا تھا وہ ہر طرح ہوتا تھا۔ مولوی صاحب نکاح نہ کرتے تھے اور جناب بھائی اسد علی صاحب حضرت کے والد کو ادھر تو ترک نوکری اور اختیار درویشی کا رنج تھا اُدھر یہ فکر ہوئی کہ دیوبند رشتہ کیا تھا آخر جناب حاجی امداد اللہ صاحب کی خدمت میں عرض کیا۔ حضرت کے فرمانے سے نکاح پر راضی ہوئے مگر یہ شرط کی تمام عمر زوجہ کے نفقہ اور اولاد کی پرورش کے لئے کچھ کمانے کے مجھ سے متقاضی نہ ہوں۔ بیچاروں نے ناچار یہ شرط قبول کی نکاح ہو گیا۔ اب نوکری اگر آپ نے کی تو کیا کی کسی چھاپہ خانہ میں چار یا پانچ روپئے کی تصحیح کی خدمت قبول کی اور پھر مزاج میں مہمان نوازی اور سخاوت بھلا کیا

ذکر مولوی صاحب کی سخاوت کا حال

ذکر خواب اور اس کی تعبیر

ذکر دوسرے خواب

بچتا کہ گھر دیتے بلکہ جب وطن آتے اور یہاں مہمان آئے والدین کو دشواری ہوتی تب یہ کیا کہ بی بی
کا زیور اُس کی اجازت سے بیچکر صرف کر دیا۔ وہ ایسی تابعدار تھیں کہ والدین کی خدمت میں جو مشقت
اُٹھائی مولانا صاحب کی مزاجداری اُن کو علاوہ براں ہوئی اور والدین کی رضا کے لئے جب
ناخوش ہوتے تو اُن کو ہی کچھ کہہ لیتے۔ آخر میں اُن کے بڑے شکر گذار رہے اور اللہ جل شانہ
نے بہت کچھ عنایت فرمایا جو کچھ فتوح ہوتی اُن کے حوالے کر دیتے اور وہ اللہ کی بندی خدا
سلامت رکھے ایسی سخی اور دست کشادہ ہے کہ جناب مولوی صاحب کی مہمانداری
کو اُس کے باعث رونق تھی۔ کبھی یاد نہیں کہ کسی وقت کوئی آگیا ہو اور گھر میں کھانا نہ ملا ہو
بلکہ خود فرماتے کہ ہماری سخاوت احمد[1] کی والدہ کی بدولت ہے جو میں قصد کرتا ہوں وہ مہمان نوازی
میں اُس سے بڑھکر کرتی ہیں۔ چاول نانوتہ میں بہت پیدا ہوتے ہیں۔ مہمانوں سے فرماتے کہ ہم نے
تمہارے لئے چاول پکانے میں تکلف نہیں کیا بلکہ ہمارے گھر آمدنی اراضی کے یہی چاول ہوتے
ہیں وہی تمہارے آگے پکا کر رکھدیتے ہیں اور مہمانوں کے کھلانے میں مولوی صاحب کو کچھ دریغ نہ
ہوتا تھا۔ ایک بار دستر خوان پر کھچڑی کے ساتھ بہت ساگھی آیا دس پندرہ آدمی تھے جناب مولوی
رشید احمد صاحب نے فرمایا کہ اتنا گھی یہ فضول ہے اُس میں سے آدھا رکھ لیا اور آدھا گھر بھیج دیا
ایک بار مہمانوں کی کسی سواری کے لئے دانے کی ضرورت تھی چنے نہ ملے کہ دانہ دل کر دیویں گھر
میں کابلی چنے رکھے ہوئے تھے وہی دلوا کر دانہ دیدیا۔ مہمان نوازی مولانا پر ختم ہے۔ مجھے یاد ہے
کہ مولوی صاحب نے لڑکپن میں ایک خواب دیکھا تھا اُس کی تعبیر یہی تھی۔ یوں دیکھا تھا
کہ میں مرگیا ہوں اور لوگ مجھے دفن کر آئے تب قبر میں حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے اور کچھ
نگین سامنے رکھے اور کہا یہ اعمال تمہارے ہیں ان میں ایک نگین بہت خوشنما اور
کلاں ہے اُس کو فرمایا کہ یہ عمل حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کا ہے۔ ایام طالب علمی میں
مولوی صاحب نے ایک اور خواب دیکھا تھا کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ میں
سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں۔ جناب والد مرحوم سے ذکر کیا اُنھوں نے
فرمایا کہ تم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہوگا جس زمانہ میں نکاح ہوا اور والد کو یہ خیال
تھا کہ ابنائے زمانہ کی طرح جب فکر ہوگا آپ نوکری کر ہی لیں گے اور بعد گذرنے کتنی
مدت کے کچھ نہ کیا تب مایوس ہوگئے اور اُن کو اس امر کا بہت رنج تھا کہ اور بھائی بڑھکر نوکر
ہوگئے کوئی پچاس کا کوئی سو کا کوئی کم کوئی زیادہ۔ سب خوش و خرم ہیں اور اُن کا حال

[1] احمد مولانا مرحوم کے بڑے صاحبزادے کا نام ہے ۱۲۔

ویسا ہی اور آمدنی اراضی کی کفتی خرچ کو نہ ہوتی تھی جناب حاجی امداد اللہ صاحب مدظلہ سے شکایت کی کہ بھائی میرے تو یہی ایک بیٹا تھا اور مجھے کیا کچھ اُمیدیں تھیں کچھ کماتا تو ہمارا یہ افلاس دُور ہو جاتا تم نے اسے خدا جانے کیا کر دیا کہ یہ نہ کچھ کماتا ہے نہ نوکری کرتا ہے۔ حضرت اُس وقت تو ہنس کر چُپ ہو رہے پھر کہلا بھیجا کہ یہ شخص ایسا ہونے والا ہے کہ وہ سو پچاس والے سب اس کی خادمی کریں گے اور ایسی شہرت ہو گی کہ اسی کا نام ہر طرف پکارا جائے گا اور تم تنگی کی شکایت کرتے ہو۔ خدا تعالیٰ بے نوکری ہی اتنا کچھ دے گا کہ اُن نوکروں سے یہ اچھا رہے گا۔ جناب بھائی اسد علی صاحب کی ہی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے وسعت دی اور مولوی صاحب سے بہت خوش اُنھوں نے انتقال کیا۔ اور تصدیق اس پیشین گوئی کی اپنی آنکھ سے دیکھ گئے۔ قدر مریدوں کی پیر ہی پہچانے اور جو ایسی نظر رکھے وہی جانے۔ حضرت نے آخر میں ضیاء القلوب کی چند سطراں دونوں صاحبان کی تعریف میں لکھی ہیں نہایت درست ہیں۔ یوں حضرت نے اپنی کسرِ نفسی کو کام فرمایا ہے مگر اظہار مرتبہ ان دونوں صاحبان کا اُس سے منظور ہے اور خود احقر سے ارشاد فرمایا تھا اوّل حج میں جب حاضر خدمت ہوا تھا کہ مولوی رشید احمد صاحب میں اور مجھ میں کچھ فرق نہیں لوگوں کو یہاں آنے کی کیا ضرورت ہے۔ اور مولوی محمد قاسم کو فرمایا تھا کہ ایسے لوگ کبھی پہلے زمانہ میں ہوا کرتے تھے۔ اب مدتوں سے نہیں ہوتے اور اللہ تعالیٰ نے اس کمال پر یہ ضبط عنایت فرمایا کہ کبھی کوئی کلمہ خود ستائی کا یا کسی طرح کوئی صورت رعونت یا خود بینی کی خلوت جلوت تنہائی مجمع اپنے بیگانوں میں کبھی ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ اب اس سفر میں حضرت حاجی صاحب نے فرمایا تھا کہ مولوی صاحب کی تحریر و تقریر کو محفوظ رکھا کرو اور غنیمت جانو ہمارے افسوس یہ خبر نہ تھی کہ اس کے یہ معنی ہیں اور یہ واقعہ یوں اچانک آ جائے گا۔ چند بار شدت مرض ہو کر اللہ تعالیٰ نے شفا دی تھی اب کی بار بھی وہی خیال باندھ رکھا تھا کیا کیجیے جو باتیں رہ گئیں رہ گئیں اب سوائے افسوس کیا ہو سکتا ہے جو تحریریں ناتمام رہ گئیں اب بھلا کون اُنکو تمام کر سکتا ہے اور جن میں کچھ نقصان ہو گیا اُن کی تکمیل کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ بعد نکاح والد اکثر مکدر رہتے تھے اور آرزو کرتے تھے کہ کوئی پوتا ہوتا تو اُس سے امید نسل جاری ہونے کی بندھتی۔ اوّل کئی لڑکیاں ہوئیں جن میں سے دو زندہ اب ہیں۔ ایک بزرگ نے کہا کہ تم یہ آرزو کرتے ہو اور مولوی صاحب کو ناخوش رکھتے ہو اُن کو مکدر نہ کرو اللہ تعالیٰ تم کو بھی خوش کرے گا تب سے مولوی صاحب کی اکثر مزاجداری کرتے اور مہمانوں کی خدمت اور تواضع سے کسی طرح نہ گھبراتے تب اللہ تعالیٰ نے

ف حاجی امداد اللہ صاحب کی مولوی صاحب کے حق میں نیک پیشین گوئی۔

ف حاجی صاحب کا اپنی کتاب میں مولانا کا اعزاز لکھنا۔ ف حاجی صاحب کا مولوی صاحب کی ہم لوگوں کو تحریر و تقریر محفوظ رکھنے کا ارشاد۔

میاں احمد کو عنایت کیا۔ آج بحمدہ تعالیٰ میاں احمد جوان ہیں اٹھارہ برس کی عمر ہے اللہ تعالیٰ اپنے
والد کی مثل کرے آمین اور میاں ہاشم پیدا ہوئے آج اُن کی عمر آٹھ برس کی ہے یہ نام مولوی صاحب
کے والد کا رکھا ہوا ہے اِس عرصہ میں کئی لڑکے لڑکیاں پیدا ہوئیں اور چھوٹی ہی عمر میں چل بسیں اب
ایک لڑکی تین چار برس کی آخری اولاد ہے اللہ ان سب کو عمر و سعادت و خوبی نصیب کرے۔ اور
مولوی صاحب کا نام اُن کی نسل سے قائم رکھے۔ ہمارے بھائی اسد علی صاحب بڑے سیدھے
آدمی تھے حقہ بہت پیتے تھے مولوی صاحب کو حقہ سے نفرت تھی ایک بار حقہ بھرنے کو کہا مولوی
صاحب باپ کے تابعدار تھے حقہ بھر کر سامنے لا رکھا۔ جب لوگوں نے سُنا بہت ملامت کی۔
کہا میں کہکر خود نادم ہوا۔ پھر کبھی مولوی صاحب سے نہ کہا۔ والد سے اس بات پر اکثر تکدر رہتا تھا مولوی
صاحب مسجد میں رہتے رات کو مسجد میں سو رہتے کھانا مسجد میں کھاتے۔ پیر بھائی دو تین تھے اُنکو
کہا تھا کہ سب کھانا لایا کرو اور مل کر کھا لیا کریں گے۔ پا پیادہ چلتے جفاکشی کرتے اُن کو رنج ہوتا
مولوی صاحب ایسے جفاکش تھے اوّل میں جب ضرورت نہانے کی ہوتی تھی مسجد میں گرم پانی
ہوتا تھا اور تہجد کے وقت نہاتے مگر شرم کے سبب تالاب میں جاکر نہا لیتے یہ کڑا کڑا ہٹ کا جاڑا اور
پالا اور مولوی صاحب تالاب میں نہائیں مولوی صاحب نے ریاضتیں ایسی کی ہیں کہ کیا کوئی کریگا
اشغال دشوار جیسے حبس اور سہ پایہ مدت تک کرتے رہیں اور بارہ تسبیح اور ذکر ارہ کا دوام تھا ہی سر
کے بال شدت حرارت کے سبب اُڑ گئے تھے حرارت مزاج میں ایسی آگئی تھی کہ کسی صورت سے
فرو نہ ہوتی تھی کیونکہ یہ حرارت قلب کی تھی اور اُسکے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوئی یہی آخر مرض
کا باعث ہوئی اور اُسی میں آخر انتقال کیا۔ آمد معانی اور مضامین کی ایسی تھی یوں فرماتے تھے
کہ بعضی بار حیران ہو جاتا ہوں کہ کیا کیا بیان کروں۔ اور اکثر تقریر طویل کے سبب کہیں سے کہیں
نکل جاتے باقی احوال کو اللہ جانے باوجودیکہ کشف تمام تھا مگر کبھی زبان سے کچھ نہ فرماتے ادنیٰ
ادنیٰ اہل نسبت کے پاس بیٹھنے سے اثر ہوتا ہے مولانا کو یہ ضبط تھا کہ کبھی کچھ اثر ظاہر نہ ہوتا تھا۔
ایک بار مولوی صاحب نے میرٹھ میں مثنوی مولانا روم پڑھانا شروع کی دو چار شعر ہوتے اور عجیب و غریب
مضمون بیان ہوتے ایک صاحب کہ کچھ رنگ باطنی رکھتے تھے سُنکر یوں سمجھے کہ یہ اثر تبحر علمی کا ہے اور
چاہا کہ کچھ مولانا کو فیض باطنی دیا جائے درخواست کی کبھی تنہا ملئے۔ آپ نے فرمایا مجھے کار چھاپخانے
کا اور ہر ... طلبہ کا رہتا ہے تنہائی کہاں آپ جب چاہیں تشریف لائیں وہ صاحب ایک
روز تشریف لائے اور کہا کہ آپ ذرا میری جانب متوجہ ہوں اور خود آنکھ

بند کر کے مراقب ہوئے مولانا سبق پڑھا رہے تھے البتہ پڑھانا موقوف کر دیا مگر کبھی آنکھ کھلی اور کبھی قدرے بند۔ اُن کی طرف متوجہ ہوئے اُن کا یہ حال ہوتا تھا کہ کبھی قریب گرنے کے ہو جاتے تھے اور پھر سنبھل بیٹھتے تھے کچھ دیر یہ معاملہ رہا پھر وہ اُٹھکر نیچی نگاہ کئے چلے گئے پھر بہت معذرت کی مولانا کی کسر نفسی نے اُن کے کمال کو ہرگز ظاہر نہ ہونے دیا اور جو کچھ ظاہر ہوا میرے گمان میں بامر اللہ تھا ہرگز اپنی طرف سے اظہار کسی امر کا نہ فرماتے تھے۔ بات کہاں سے کہاں پہنچی جب احقر بنارس سے وطن کی طرف پہنچا اتفاق نانوتہ جانے کا نہ ہوا دیوبند میں اہل و عیال چھوڑ کر رڑکی چلا گیا وہاں کام نوکری کا کرنے لگا اتفاق گھر جانے کا نہ ہوا مولوی صاحب گھر تھے میں نے عرض کر بھیجا کہ ملنے کو جی چاہتا ہے اور مجھے فرصت نہیں خود پیادہ پا دو منزلہ طے کر کے احقر کے ملنے کو تشریف لائے اور ہمیشہ جب تک قوت تھی کبھی سواری کی طرف رُخ نہ تھا اُسی عرصہ میں غدر ہو گیا بعد رمضان احقر کو سہارنپور لینے کو تشریف لائے چند آدمی اور وطن دار ساتھ تھے اُس وقت راہ چلنا بدون ہتھیار اور سامان کے دشوار تھا جب احقر وطن پہنچا چند ہنگامے مفسدین کے پیش آئے جس میں مولانا کی کمال جرأت و ہمت ظاہر ہوئی اُسی زمانے میں ہمارے بھائی ہم عمر اکثر بندوق اور گولی لگانے میں مشق کرتے رہتے تھے ایک دن آپ مسجد میں سے آئے کہ ہم گولیاں لگا رہے تھے اور نشانے کی جائے پر ایک نیم کا پتا رکھا تھا اور اس کے گرد ایک دائرہ کھینچا تھا قریب سے بندوق لگاتے تھے گولیاں مٹی کی تھیں مولوی صاحب نے فرمایا کہ بندوق کیونکر لگاتے ہیں مجھے بھی دکھلاؤ کسی نے ایک فیر کیا اور قاعدہ نشانہ کا ذکر کیا تب بندوق ہاتھ میں لیکر فیر کی صاف گولی نشانہ پر لگی اور وہ سب مشاق کتنی دیر سے لگا رہے تھے دائرہ میں لگ جانے کو نشانہ پر پہنچا جاتے تھے اور یہ بات اتفاقی نہ تھی اپنی فہم سے حقیقت نشانہ بازی کی سمجھ کر بدن ایسی وضع پر سادھ لیا جو فرق ہو جانے کی وجہ تھی نہ ہوئی تیر اندازوں کو دیکھا ہے کہ سر سے پا تک ایک خط مستقیم ہو جاتے ہیں۔ حاصل یہ کہ اُس طوفان بے تمیزی سے سب لوگ گھبراتے تھے۔ ہم نے کبھی مولانا کو گھبراتے نہ دیکھا خبروں کا اُس وقت میں چرچا تھا چھوٹی بڑی سچی ہزاروں گپ شپ اُڑا کرتی تھیں۔ مگر مولوی صاحب اپنے معمولی کام بدستور انجام فرماتے تھے چند بار مفسدوں سے نوبت مقابلہ کی آگئی۔ اللہ رے مولوی صاحب ایسے ثابت قدم تلوار ہاتھ میں اور بندوقچیوں کا مقابلہ ایک بار گولی چل رہی تھی یکایک سر پکڑ کر بیٹھ گئے جس نے دیکھا جانا گولی لگی ایک بھائی دوڑے پوچھا کیا

ف: مولوی صاحب کا دو منزل پیادہ جانا اور احقر سے ملنا

ف: ایام غدر میں مولوی صاحب کی جرأت و ہمت

ف: مولوی صاحب کا نشانہ پر بندوق کا فیر لگانا

ف: مولانا کا ایام غدر میں نہ گھبرانا

ف: مولوی صاحب کا بندوقچیوں سے تلوار سے مقابلہ

ہوا فرمایا کہ سر میں گولی لگی عمامہ اُتار کر سر کو جو دیکھا کہیں گولی کا نشان تک نہ ملا اور تعجب یہ ہے کہ خون سے تمام کپڑے تر تھے انھیں دنوں ایک نے منھ در منھ بندوق ماری جس کے شنبھے سے ایک موچھ اور کچھ ڈاڑھی جل گئی اور کچھ قدرے آنکھ کو صدمہ پہنچا اور خدا جانے گولی کہاں گئی۔ اور اگر گولی نہ تھی تو اتنے پاس سے شنبھ بھی بس تھا مگر حفاظت الٰہی بر سر تھی کچھ اثر نہ ہوا۔ اس زخم کی خبر اجمالی بعض دشمنوں نے جو سُنی تو سرکار میں مخبری کی کہ تھانہ بھون کے فساد میں شریک تھے حالانکہ مولانا فسادوں سے کوسوں دُور تھے ملک و مال کے جھگڑے اگر سر رکھتے تو یہ صورت ہی کیوں ہوتی کہیں کے ڈپٹی یا صدر الصدور ہوتے اس لئے حاجت روپوشی کی ہوئی حضرت حاجی صاحب بھی ایسے ہی باعث سے روپوش ہو گئے تھے۔ ایام روپوشی میں ایک روز دیوبند تھے زنانہ مکان کے کوٹھے پر مردوں میں سے کوئی تھا نہیں زینہ میں آ کر فرمایا پردہ کر لو میں باہر جاتا ہوں عورتیں تو رُک نہ سکے باہر چلے گئے بعضے مرد بازار میں تھے اُن کو اطلاع کی وہ اتنے میں مکان پر پہنچے دو ڈسرکاری آدمیوں کی پہنچ گئی تھی اُنھوں نے آکر تلاشی لی ہر چند بظاہر مولوی صاحب کی تلاش نہ تھی مگر پھر خوف کی جگہ تھی اس کے بعد مسجد میں رہتے اور پھر کسی نے تعرض نہ کیا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے چند بار بچایا۔ اُس زمانہ کی کیفیات عجیب و غریب گذری ہیں لکھنا اُن کا طول ہے اُسی وقت میں دیوبند اور املیا وغیرہ مختلف جائے پر متفرق اوقات میں رہے۔ بوڑیہ۔ گنتھلہ۔ لاڈوہ۔ پنجلاسہ۔ جمنا پار کئی دفعہ گئے آئے آخر حضرت حاجی صاحب عرب کو روانہ ہو گئے احقر کو بعد اُن کے یہی سوجھی کہ تو بھی چل مولانا کی روپوشی محض عزیز و اقارب کے کہنے سے تھی ورنہ اُن کو اپنی جان کا کچھ خیال نہ تھا مولانا نے بھی ارادہ کیا اس روپوشی کی بلا کے سبب والدین نے بخوشی اجازت دیدی احقر بے سر و سامان تھا قلیل ساز و راہ بہم پہنچایا تھا مگر مولوی صاحب کی بدولت وہ سب راہ بخیر و خوبی طے ہوئی ہر چند مولوی صاحب بھی بے سامان تھے مگر بدولت توکل سب راہ بخیر و خوبی پوری ہوئی اور سب کام انجام ہو گئے کشتیوں کی راہ پنجاب ہو کر سندھ کی طرف کو گئے کراچی سے جہاز میں بیٹھے جمادی الثانی <u>۱۲۷۷ھ</u> بارہ سو ستتر میں روانہ ہوئے اور آخر ذی قعدہ میں مکہ معظمہ پہنچے بعد حج مدینہ شریف روانہ ہوئے اول سفر مراجعت کی اُسی مہینہ کے آخر میں جہاز میں بیٹھے ربیع الاول کے آخر میں بمبئی تک جمادی الثانی تک وطن پہنچے چاتی دفعہ کراچی سے جہاز بادبانی میں سوار ہوئے تھے رمضان کا چاند دیکھکر مولوی صاحب نے قرآن شریف یاد کیا تھا اول وہاں سُنایا اور جہاز میں عجیب حال تھا بعد

عید مکلہ بنچکر حلوائے مسقط خرید فرما کر شیرینی ختم دوستوں کو تقسیم فرمائی مولوی صاحب کا اس سے
پہلے قرآن یاد کرنا کسی کو ظاہر نہ ہوا تھا آہستہ آہستہ پڑھتے اور یاد کر لیتے اور حافظوں کے نزدیک
ٹھیرا ہوا ہے کہ بلند آواز سے یاد ہوتا ہے۔ بعد ختم مولوی صاحب فرماتے تھے کہ فقط دو سال
رمضان میں میں نے یاد کیا ہے اور جب یاد کیا پاؤ سیپارہ کی قدر یا کچھ اُس سے زائد یاد کر لیا اور جب
سُنا یا ایسا صاف سُنایا جیسے اچھے پُرانے حافظ۔ پھر تو اکثر بہت بہت پڑھتے۔ ایک بار
یاد ہے کہ ستائیس پارے ایک رکعت میں پڑھے۔ اگر کوئی اقتدا کرتا رکعت کر کر اس کو
منع فرما دیتے اور تمام شب تنہا پڑھتے رہتے۔ بعد زیارت حرمین شریفین ایک برس کچھ کم
و زیادہ میں وطن آئے مراجعت براہ بمبئی اور ناسک ہوئی۔ ریل ناسک تھی وہاں سے گاڑیوں
میں آئے پیچھے بعد تحقیقات سرکار نے مطالبہ عام اُٹھا دیا تھا چند خاص شخصوں کی نسبت جن پر
سرکار کا شبہ قوی تھا اشتہار جاری رہا پھر گھر پر اپنے رہے۔ غدر میں دہلی کا تو سب کارخانہ
درہم و برہم ہو گیا تھا مولوی احمد علی صاحب کا مطبع گیا گذرا تھا اُس زمانہ میں سوائے وطن
اور کوئی جگہ جانے کی نہ تھی کبھی وطن کبھی دیوبند رہتے تھے اسی وقت احقر نے حضرت سے بخاری قدرے
پڑھی پھر منشی ممتاز علی صاحب نے میرٹھ میں چھاپہ خانہ کیا مولوی صاحب کو پُرانی دوستی کے سبب
بُلا لیا وہی تصحیح کی خدمت تھی یہ کام برائے نام تھا مقصود اُن کا مولوی صاحب کو اپنے پاس رکھنا
تھا۔ احقر اُس زمانہ میں بریلی اور لکھنؤ ہو کر میرٹھ میں اُسی چھاپہ خانہ میں نوکر ہو گیا۔ منشی جی حج کو
گئے تھے اُس وقت میں ایک جماعت نے مسلم پڑھی احقر بھی اُس میں شریک رہا وہی زمانہ تھا
کہ مدرسہ دیوبند کی بنیاد ڈالی گئی۔ مولوی فضل الرحمٰن اور مولوی ذوالفقار علی صاحب اور
حاجی محمد عابد صاحب نے یہ تجویز کی کہ ایک مدرسہ دیوبند میں قائم کریں۔ مدرس کیلئے تنخواہ
پندرہ روپئے تجویز ہوئے اور چندہ شروع ہوا چند ہی روز گذرے کہ چندہ کو افزونی ہوئی اور
مدرس بڑھائے گئے اور مکتب فارسی اور حافظ قرآن مقرر ہوئے اور کتب خانہ جمع ہوا مولوی
محمد قاسم صاحب شروع مدرسہ میں دیوبند آئے اور پھر ہر طرح اس مدرسہ کے سرپرست
ہوئے مدرسہ کے احوال لکھنا یہاں طول لاطائل ہے سالانہ کیفیتوں سے یہ سب امر واضح
ہوجاتے ہیں ۱۲۸۵ھ میں مولانا کو حج کی پھر سوجھی چند رفقاء کو ساتھ لیکر حج کر آئے اور منشی
ممتاز علی صاحب بھی اُسی سال بقصد قیام عرب کو گئے مگر ایک سال بعد واپس آ گئے۔ پھر
مولوی صاحب دہلی گئے منشی جی کا چھاپہ خانہ دہلی میں ہوا منشی جی کے پیچھے میرٹھ میں مولوی محمد ہاشم صاحب

کے مطبع میں کام کیا اُس زمانہ میں پڑھانا اکثر تھا سب کتابیں بے تکلف پڑھاتے تھے اور اس طرح کے مضامین بیان فرماتے تھے کہ نہ کسی نے سُنے نہ سمجھے اور عجائب غرائب تحقیقات ہر فن میں بیان فرماتے جس سے تطبیق اختلافات اور تحقیق ہر مسئلہ کی بیخ و بن تک ہوجاتی تھی آج اُن کے فیض تعلیم کا اثر موجود ہے ہر چند ذرہ آفتاب کا کیا نمونہ مگر پھر اُسی جمال کا آئینہ ہے اور وہی اُس کے حوصلہ کی موجب اُس میں جلوہ گر ہے جو چاہیں دیکھ لیں اور اُنکی تحریرات تقریرات کو سُن لیں۔ مولوی صاحب نے اس عرصہ میں چند تحریرات کے بعضے جواب کسی سوال کے بعض فرمائش کسی دوست کی بعض اتفاقیہ اگرچہ مجموعہ اُن کا کثیر ہے مگر ایسے پریشان ہیں کہ اجتماع اُن کا مشکل ہے زیادہ تر فیض رسانی کی طرف اسی زمانہ میں توجیہ ہوئی مولوی صاحب سے پڑھنا نہایت ہی دشوار تھا۔ جو شخص طباع ہو اور پہلے سے اصل کتاب سمجھا ہوا ہو تب مولوی صاحب کی بات سمجھ سکتا تھا ہر چند مولوی صاحب نہایت ہندی کی چندی کر کر بیان فرماتے مگر پھر مشکل بات مشکل ہی ہوتی ہے۔ اسی زمانہ کے درمیان میں دہلی میں پادریوں کے وعظ کا چرچا تھا اور مسلمانوں میں سے بعضے بیچارہ اپنی ہمت سے اُن سے مقابلہ کرتے تھے کوئی اہل علم جن کا یہ کام تھا اس طرف توجہ نہ کرتا تھا مولوی صاحب نے اپنے شاگردوں کو فرمایا کہ تم بھی کھڑے ہوکر بازار میں کچھ بیان کیا کرو اور جہاں وہ لوگ بمقابلہ نصاری بیان کرتے ہیں اُن کی امداد کیا کرو آخر مباحثہ کی ٹھیری اور مولوی صاحب بے کسی صورت و شکل بنائے اور اپنا نام چھپا جا موجود ہوئے۔ ایک پادری تاراچند نام تھا اُس سے گفتگو ہوئی آخر وہ بند ہوا اور گفتگو سے بھاگا اُسی زمانہ سے مولوی منصور علی صاحب دہلوی سے جو فن مناظرہ اہل کتاب میں یکتا ہیں ملاقات ہوئی مولوی منصور علی صاحب بائبل کے گویا حافظ ہیں اور اُن کا طرز مناظرہ بھی جداگانہ ہے اب اُنہیں کے شاگرد بمقابلہ پادریوں کے دہلی میں وعظ کہا کرتے ہیں۔ اتفاقات تقریباً سنہ ۱۲۹۳ھ بارہ سو ترانوے ہجری میں چاند پور ضلع شاہجہاں پور میں کوئی تعلقہ دار ہے پیارے لال اصل ہندو کبیر پنتھی ہے اُس کو شاید میل نصرانیت کی طرف ہوا اُس نے ہندو پنڈت اور پادری نصاری اور علماء مسلمانوں کو جمع کرنا چاہا کہ باہم ایک گفتگو ہو۔ اور تحقیق مذہبی کا ایک میلہ قائم کیا اور میلہ خداشناسی اُسی کا نام رکھا بریلی اور وہاں کے اطراف کے لوگوں نے مولوی صاحب کو اطلاع کی مولوی صاحب نے سامان سفر درست کیا اور روانہ ہوئے۔ اور دہلی سے مولوی منصور علی صاحب کو بلوایا اور یہاں سے بعضے اور لوگ ساتھ

روانہ ہوئے شاہجہاں پور پہنچے اور وہاں سے اُس گاؤں میں پہنچے اوّل گفتگو کے باب میں
اور اُس کے وقت مقرر کرنے میں ایک بحث رہی پھر آخر گفتگو ہوئی طرز گفتگو کی نہ تھی بلکہ ہر شخص
اپنی باری پر کچھ بیان کرتا تھا ہر چند وقت مقید تھا مگر مولوی صاحب نے ابطال تثلیث و شرک
اور اثبات توحید ایسا بیان کیا کہ حاضرین جلسہ مخالف و موافق مان گئے۔ کیفیت اُس جلسہ
کی چھپی ہوئی ہے جو کوئی چاہے دیکھ لے مولانا کی تقریر اُس میں مندرج ہے۔ آخر میں
حسب عادت پادریوں نے بحث تقریر پیش کی پادری جب عاجز آتے ہیں یہی مسئلہ پیش
کیا کرتے ہیں مولانا نے اس مشکل مسئلہ کو ایسا بیان فرمایا کہ ہر عام و خاص کی سمجھ میں بخوبی آگیا۔
اگلے سال ۱۲۹۴ھ میں پھر اُس جلسہ کی خبر ہوئی۔ پھر مولانا تشریف لے گئے اس سال مجمع
ہنود میں ایک بہت بڑے پنڈت دیانند سرستی نام ور تھے ہر چند لوایجاد مذہب اُن کا
توحید اور انکار بت پرستی ہیں اور عام ہنود کی نسبت جداگانہ ہے مگر بید کے ایمان اور بعض
اور مسائل جیسے آواگون وغیرہ میں برابر ہیں تقریر اُس شخص کی اکثر الفاظ سنسکرت کے
ساتھ ملی ہوئی تھی اس لئے دشواری ہوئی مگر مولوی محمد علی صاحب جو بمقابلہ مذہب ہنود
مشہور ہیں اُنھوں نے کچھ اس کا جواب کہا۔ پھر مولانا نے بحث وجود اور توحید کا ذکر کیا اور ایسا
بیان کیا کہ حاضرین کو سوائے سکوت اُس کے استماع کے اور کام نہ تھا پھر کچھ گفتگو تحریف
کی ہوئی یہ بھی بحمد اللہ تعالیٰ الزام تحریف کا اُن کے اقرار سے ثابت ہوا حتیٰ کہ پادری لوگ عین
جلسہ میں سے ایسے بے سر و پا بھاگے کہ ٹھکانا نہ معلوم ہوا۔ اپنی بعض کتابیں بھی بھول گئے اس
جلسہ سے جناب کامیاب واپس آئے اور نصرت دین اسلام کہ تا بقیام قیامت منصور رہیگا اُن کی
ذات سے پوری ظاہر ہوئی اور ان دو سال کے دو جلسوں میں عام مخلوق نے جان لیا کہ یہ شخص کس
پایہ کا ہے اور فضل الٰہی کی کیا صورت ہوا کرتی ہے جز بتائید آسمانی نیست کا نقشہ ظاہر ہو گیا۔
حتیٰ کہ پادری بھی بول اُٹھے کہ اگر تقریر پر ایمان لایا جاتا تو یہ تقریر خوش ایسی لطیف اور دل میں
اثر کرنے والی ہے کہ اس پر ایمان لائے مگر ایمان جس کے نصیب میں ہے وہی اُس سے مشرف
ہوتا ہے ورنہ حق واضح ہے۔ کیفیت اس میلہ کی وہاں سے آکر مرتب ہو گئی تھی مگر اتفاق طبع کا
نہ ہو سکا۔ اب کہ مرض اور وقت آخر تھا طبع اُس کا شروع ہوا۔ اب امید ہے کہ ختم ہو کر مشتہر ہو
اور سب صاحب اُس سے مستفید ہوں۔ اُس وقت میں یہ سُنا تھا کہ غالباً
حاجت کسی تحریر کے پیش کرنے کی بھی ہوگی اُس پر مولوی صاحب نے وہیں بیٹھکر کچھ تحریر کیا تھا اور

اُس کا نام حجۃ الاسلام رکھا ہے وہ کتاب طبع ہو گئی ہے۔ پھر اُسی سال ارادہ جناب مولانا مولوی رشید احمد صاحب کا حج کو جانے کا تھا احقر بھی تیار ہوا اور چلتے میں مولانا کو بھی ساتھ لے ہی لیا اور مولوی صاحب کے ساتھ اور کچھ کتنے ہی معتقد و خادم آپ کے روانہ ہوئے شوال ۹۴ھ میں روانہ ہوئے اور ربیع الاول ۹۵ھ کے اول پھر اپنے وطن واپس آئے اس سفر میں تمام قافلہ علماء کا تھا اٹھارہ بیس مولوی فاضل ساتھ تھے اور عجیب لطف کا مجمع تھا حضرت کی زیارت سے اور اُن متبرک مکانوں کی زیارت سے مشرف ہو کر جب واپس ہوئے جدہ پہنچکر مولانا کو بخار ہو گیا یہ خیال ہوا کہ جدائی ایسے بزرگ اور بزرگ مقاموں اور پیادہ پا زیادہ چلنے کے سبب سے ہے اور نہ کچھ پہلے حج سے بھی طبیعت ناساز تھی جدہ پہنچتے ہی جہاز پر سوار ہو گئے اس جہاز کا لنگر اُٹھنے والا تھا اور دیگر جہازوں کی خبر عشرہ بلکہ دو ہفتہ تک کی تھی اس لئے یہ خیال کیا کہ پندرہ روز میں بمبئی جا پہنچیں گے اور اتنی تکلیف اُٹھالیں گے۔ واقعی اس جہاز میں اُتنی ہی تکلیف ہوئی جتنی جاتی دفعہ جہاز میں آسائش و راحت پائی تھی دو روز جہاز پر چڑھے ہوئے ہوئے تھے کہ مولانا کو دورہ صفراء کے معمولی ہوا اور بخار بھی۔ وہاں نہ جگہ راحت کی نہ دوا نہ کچھ تدبیر مرض کی شدت ہوئی ایک دن یہ نوبت ہوئی کہ ہم سب مایوس ہو گئے اور جہاز میں وبا تھی ہر روز ایک دو آدمی انتقال کرتے تھے۔ عدن پہنچے وہاں قرنطینہ ہو گیا۔ یعنی بہ سبب مرض نہ جہاز کے آدمی کنارہ پر اُتر سکے اور نہ شہر کے آدمی جہاز پر آسکے۔ بعدہٗ پھر مکلہ میں قدرے قیام کیا۔ وہاں سے البتہ لیمو بکنے آئے وہ لئے۔ تربوز اور گلاب اور ادویہ جہاز میں مل گئیں تھیں۔ جہاز کے ڈاکٹر نے کونین دی اور مرغ کا شوربا غذا کو کہا۔ وہاں مرغ کہاں میسر تھا آخر مرغ بھی اپنے پاس سے دیا۔ مولانا کو دورہ میں غذا سے نفرت مطلق ہو جاتی تھی اب کچھ رغبت شروع ہوئی۔ بمبئی ایسے پہنچے کہ بیٹھنے کی طاقت دشواری سے تھی۔ دو تین روز ٹھیر کر وطن کو روانہ ہوئے ہر چند موسم سرما تھا مگر جبل پور کے میدانوں میں دوپہر کو لو چلنے لگی اور مولانا کی طبیعت بگڑی خیر الحمد للہ اُس وقت نارنگی میوہ یہ چیزیں پاس تھیں کھلائیں پانی پلایا وطن پہنچنے کے بعد مرض رفع ہوا گو نہ طاقت آئی مگر کھانسی ٹھیر گئی اور کبھی کبھی دورہ سانس کا ہوتا زیادہ بولنا دیر تک کچھ فرمانا مشکل ہو گیا پھر اُس میں بھی کسی قدر تخفیف ہوئی۔ اسی سال شعبان میں رڑکی سے خبر ملی کہ پنڈت دیانند تشریف لائے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کے مذہب پر کچھ اعتراض مشتہر کئے ہیں۔ اہل رڑکی مولانا کو مجبور ہوئے کہ آپ تشریف لائیں۔ مولانا باوجود ضعف اور مرض کے تشریف لیگئے اور بہت سے خادم ساتھ ہوئے اور اطراف و جوانب سے بہت سی مخلوق مولانا کی تقریر کے اشتیاق میں جمع ہو گئی۔

بگروہ بندہ اللہ کا گفتگو پر یکانہ ہوا اینڈی بینڈی شرطیں کرتا تھا جس سے عاقلاں خود میدانند اُس کی نیت سمجھ میں آتی تھی آخر غرض وہ چلدیا اور مولانا نے وہاں ایک وعظ کہا اور اُس کے اعتراضوں کے جواب ذکر فرمائے۔ پھر واپس دیوبند تشریف لاکر رمضان وطن میں کیا اور اس عرصہ میں تحریر اُس تقریر کی شروع کی جو اُس کے جواب میں فرمائی تھی۔ اصل اعتراض اُس کا استقبال قبلہ پر تھا کہ یہ بُت پرستی ہے۔ اس رسالہ کا نام قبلہ نما ہے بہت بڑے حجم کا رسالہ ہے۔ پھر پنڈت دیانند کہیں پھر پھرا کر میرٹھ پہنچے اور وہاں وہی اُن کے دعوے تھے واقعی جس کو شرم نہ ہو جو چاہے سو کرے اتفاقاً جناب مولوی صاحب بھی اُن دنوں میرٹھ کا ارادہ فرمارہے تھے کہ وہاں سے بعضے صاحبوں نے بلانیکے بارہ میں تحریک کی غرض مولانا ہیں ہر چند مرض کے بقیہ اور ضعف کے سبب قوت نہ تھی مگر ہمت کرکے پہنچے تو وہ بہانہ وحیلہ کرکے وہاں سے کافور ہوگیا وہاں بھی اُس کا جواب دینے ہی مولانا نے کچھ بیان فرمایا اور پھر کچھ تحریر شروع کی جس کو مولوی عبد العلی صاحب نے بطرز جواب لکھا اور نام جواب ترکی بہ ترکی رکھا۔ پنڈت کے بعضے معتقدوں نے کچھ تحریر بجواب مولانا بے سر و پا لکھی تھی اور کچھ اوت پٹانگ مسلمانوں کے مذہب پر اعتراض کئے تھے یہ رسالہ اُس کے جواب میں ہے اور اس عرصہ میں چند بار جلد جلد وہی دورہ ہوا اور کئی بار صورت سانس کی سی ہوئی پھر اللہ جل شانہ نے تخفیف فرمادی۔ یوں خیال تھا کہ اب یہ مرض ٹھیر گیا خیر دورہ ہے ہر چند صحت اور نجات کی امید پوری نہ تھی کیونکہ علاج ہر قسم کے ہوئے صورت آرام کی نہ ہوئی یونانی طبیبوں نے ہر قسم کا علاج کیا ڈاکٹروں نے ہر طرح سے تدبیر کی ہندی ادویہ کشتے رس وغیرہ برتے مگر مرض رفع نہ ہوا دو برس اسی کیفیت پر گذر گئے کہ گاہ کچھ صورت تخفیف کی ہوکر قدرے طاقت آئی اور پھر دورہ سانس کا ہوا اور وہی صورت ضعف کی ہو گئی ایک روز کے مرض میں مدتوں کی طاقت سلب ہو جاتی تھی اور مولانا نے برخلاف عادت اس مرض میں جو علاج ہوا اُس کو قبول کیا جو دوا کھائی کھالی جو تدبیر کسی نے کی اُس کو کرلیا البتہ مزاج لطیف و نفیس تھا ویسی ہی دوا کو پسند فرماتے اور بعد عرض کرنے خدام کے جو دوا ہوتی استعمال فرمالیتے کئی بار مسہل بھی ہوا اسر دست تخفیف ہو جاتی تھی مگر جڑ مرض کی نہیں جاتی تھی حکیم مشتاق احمد صاحب دیوبندی آخر تک مصروف رہے اور ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن صاحب مظفر نگری نے علاج میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا تھا۔ مگر تقدیر سے چارہ نہیں اور موت کا کچھ علاج نہیں اور وقت مقدر ٹلتا نہیں اگر دوا اور تدبیر پر کام ہوتا بیشک مولانا کو صحت ہوتی وہ دوائیں مولانا کے لئے میسر ہوئیں کہ جو

ف: مولوی صاحب کا نام دیانند کا اور مولانا دہلوی صاحب کا وعظ فرمانا

ف: مولوی صاحب کا تقریر فرمانا اور مولوی عبد العلی کا جواب ترکی بترکی نام رکھنا

ف: مولوی صاحب کا بسبب مرض کبھی صحت پانا اور کبھی بیمار ہو جانا

اُمرا کو بھی شاید بدشواری میسّر آویں اور ویسا علاج ہوا کہ جو بادشاہوں کو بھی شاید ہی نصیب ہو کہاں
طمع اور خوف کی بات اور کہاں عقیدت قلبی۔ آخر کو صورت مرض کی یہ ہوئی کہ جناب مولوی احمد علی
صاحب کو فالج ہو گیا تھا اس میں سہارنپور تشریف لے گئے اور حافظ عبدالرحمٰن صاحب کو مظفرنگر
سے بلایا تھا اُسی روز گئے اور پھر شام کو ریل میں واپس آئے تکان کے سبب طبیعت علیل ہو گئی
مگر چند روز کے بعد صحت ہو گئی۔ جب کچھ قوت آئی علاؤالدین بندہ زادہ کی استدعا پر
کچھ پڑھانا بھی شروع کیا۔ بعد عصر کچھ ترمذی کی ایک دو حدیث ہوتی جب تک کھانسی نہ اُٹھتی
بیان فرماتے تھے اور جب کھانسی کم ہوتی تھی تب بھی ذرا ٹھیر کر بیان فرماتے اور جب شدت ہو جاتی
موقوف فرما دیتے پھر اسی عرصہ میں سہارنپور کا قصد کیا اور جناب مولوی احمد علی صاحب کو تخفیف
اصل مرض میں ہو گئی تھی مگر بخار اور ضعف شدید تھا۔ مولوی صاحب ٹھیرنے کے باعث ہوئے
دو ہفتہ وہاں قیام فرمایا اور اتنا قیام خلاف عادت تھا وہاں دورہ ہوا اور ساتھ ہی اُسکے
ذات الجنب بھی ہوا یہاں دوسرے دن خبر ہوئی اُسی روز حافظ انوارالحق صاحب روانہ ہوئے
اور صبح کو مولوی صاحب کو ریل میں لے آئے۔ مگر آئے کیا کہ سانس نہ آتی تھی ناچار فصد لی درد
موقوف ہوا پھر کچھ درد کا اثر معلوم ہوا اُسکے لئے جونک لگائی دو تین دن طبیعت صاف رہی۔ اس
عرصہ میں دہلی سے کچھ دوائیں مقوی آئی تھیں اُن کا استعمال ہوا ضعف نہایت تھا بات کرنی دشوار
تھی اُس میں حرارت کو شدت ہو گئی اور کبھی کبھی غفلت ہو جاتی تھی اوّل ایک مُلیّن دیا تھا رائے ہوئی
کہ پھر مُلیّن دیا جاوے۔ مُلیّن دیا دو دست ہو کر غفلت کو شدت ہوئی ظہر کے وقت تک جواب
دیتے تھے مگر ہوش نہ تھا یہانتک کہ نماز کے لئے کہا تو سوائے اچھا کے اور کچھ نہ کر سکے نہ تیمم کی
طرف توجہ ہوئی نہ نماز کی طرف تب ایک صورت یاس کی ہوئی۔ یہ منگل کا دن تھا آخر روز
میں وہ جواب بھی موقوف ہو گیا اور ایک تشنج کی آ۔ شروع ہوئی اس کو نزع اور یوں جانا کہ اب
وقت آخر ہے مگر وہ رات اور دن اور اگلی رات اور دوپہر جمعرات کے اسی کیفیت پر گذرے
اس وقت میں سب احباب امروہہ، مرادآباد، میرٹھ، سہارنپور، گنگوہ، نانوتہ وغیرہ سے جمع ہو گئے
تھے۔ چوتھی جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ بارہ سو ستانوے ہجری جمعرات کو بعد نماز ظہر اچانک دم آخر ہو گیا
اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ ایک قیامت ہو گئی گھر میں وسعت نہ تھی مدرسہ میں لاکر جنازہ
رکھا اور بعد غسل و کفن باہر شہر ایک قطعہ زمین کا حکیم مشتاق احمد صاحب نے خاص قبرستان
کے لئے اُسی وقت وقف کر دیا وہاں اوّل مولانا صاحب کو دفن کیا مغرب سے پہلے نماز

ہوئی باہر شہر کے میدان میں نماز ہوئی اتنا مجمع ان بستیوں میں کبھی دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا بعد مغرب دفن کیا اور اُس خزانۂ خوبی کو سپرد زمین کر دیا اور ہاتھ جھاڑ کر چلے آئے۔ مولوی صاحب کے انتقال کا سا غم والم کبھی نہیں دیکھا تھا ایک ماتم عام تھا ہر چند شور و غوغا اور سر پیٹنا اور کپڑے پھاڑنا نہ تھا کیونکہ بہ برکت صحبت مولانا جتنے لوگ تھے حدود شرعی سے باہر نہ ہوتے تھے مگر ایسا غم عام ہم نے دیکھا نہ سُنا اللہ تعالیٰ درجات عالی جنت میں نصیب فرمادے اور جوار خیر میں جگہ دے۔ جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی سلمہٗ کو منگل کے روز خبر کی بدھ کے دوپہر سے پہلے مولوی صاحب تشریف لائے اور جمعہ کے روز سہارنپور کو تشریف لے گئے مولوی صاحب کو یہ ایسا صدمہ ہوا ہے کہ اس سے زیادہ کیا متصور ہو مگر ایسے ضابط کہ سکوت اور نماز میں اکثر گذرتی رہی مولوی صاحب کی طبیعت پہلے سے بھی ناساز تھی۔ اب یہ صدمہ ہوا سہارنپور پہنچکر شنبہ کے روز جناب مولوی احمد علی صاحب کا انتقال ہو گیا یہ آفت پر آفت اور مصیبت پر مصیبت ہو گئی مگر مولوی صاحب کے صدمہ کے جذب اور مقابلہ میں یہ صدمہ بہت ہی کم ہو گیا ورنہ خدا جانے اس کا کتنا صدمہ ہوتا۔ جناب مولوی صاحب نے دو صاحبزادے چھوڑے ایک میاں احمد جن کی عمر اٹھارہ برس کی ہے شادی ہو گئی طالب علمی میں مصروف ہیں بحمد اللہ ذہن عمدہ طبیعت تیز مزاج سنجیدہ ہے مولانا کے قدم بقدم خدا تعالیٰ کرے اور ویسی ہی شہرت اور عزت خدا نصیب کرے اور صلاح و تقویٰ اور نشر علم و خیر اُن کی ذات سے فرماوے۔ چھوٹے صاحبزادے میاں محمد ہاشم آٹھ برس کی عمر بہت ذی ہوش مستقیم مزاج ہیں قرآن شریف حفظ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کمالات ظاہری اور باطنی نصیب فرماوے۔ اور تین صاحبزادیاں ہیں ایک بی بی اکرامن یہ سب سے میاں احمد سے بھی بڑی ہیں مولوی صاحب کی اوّل اولاد یہی ہیں نکاح اِن کا جناب مولوی صاحب نے میاں پیر جی مولوی عبد اللہ صاحب سے کیا ہے یہ احقر کے ہمشیرزادہ ہیں اور اولاد میں شاہ ابوالمعالی انبہٹوی کے ہیں اور مولوی انصار علی صاحب مرحوم کے بیٹے ہیں احقر سے اکثر کتابیں پڑھی ہیں اور جناب مولوی صاحب سے بھی پڑھا ہے نہایت عمدہ آدمی ہیں اُن کے تین لڑکیاں اس وقت موجود ہیں اللہ تعالیٰ اِن کی نسل میں برکت کرے مولوی صاحب کی سب اولاد میں صلاح و خوبی عام ہے اخلاق عمدہ مہمان نوازی عادت مستمرہ ہے۔ اِن سے چھوٹی بی بی رقیہ ہیں ان کا نکاح مولوی پیر جی

فرزند مولوی احمد علی صاحب کا انتقال

صاحبزادہ کا حال

ذکر صاحبزادیوں کا حال۔

محمد صدیق سے کیا ہے۔ یہ مولوی صاحب کے ماموں مولوی امین الدین صاحب مرحوم
کے نواسے ہیں اور اولاد میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں نہایت
نیک اور سنجیدہ مزاج ہیں ان کے ایک لڑکا ہے۔ جناب مولوی صاحب نے دونوں لڑکیوں
کا نکاح بالکل سنت کے موافق کیا بدون اطلاع کسی کے جمعہ کے روز بعد جمعہ نکاح کر دیا۔
البتہ جناب مولوی رشید احمد صاحب کو بلوالیا تھا اور اُن کو غالباً اطلاع فرمادی تھی
اور کسی کو خبر نہ تھی اور نہ کچھ جہیز وغیرہ کی فکر کی گئی مگر بعنایت خداوندی دونوں کے پاس زیور کپڑا
جیسے ہماری برادری میں ہوا کرتا ہے موجود ہے نہایت خوش وخورم گذران ہے اللہ کا شکر
اور احسان ہے۔ چھوٹی صاحبزادی بی بی عائشہ ان کی عمر چار برس کی ہے۔ مولوی صاحب کو
ان سے بہت محبت تھی بخلاف اَور اولاد کے مولوی صاحب ان کو پاس بٹھلا لیتے اور ان
سے باتیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ عمر وصلاح نصیب فرماوے۔ یہ اس عمر پر بہت ہوشیار اور خوش
مزاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور مزید فرماوے۔ جناب مولوی صاحب سے بہت سے لوگوں کو
نسبت شاگردی ہے مگر عمدہ اُن میں سے ایک مولوی محمود حسن صاحب فرزند کلاں مولوی
ذوالفقار علی صاحب دیوبندی ہیں اکثر کتابیں مدرسہ دیوبند میں پڑھیں اور حدیث مولانا
کی خدمت میں حاصل کی اور تکمیل وہاں ہوئی مدرسۂ دیوبند کی طرف سے اُن کو دستار
فضیلت اوّل بار باندھی۔ دوسرے مولوی فخر الحسن صاحب گنگوہی ہیں وارستگیٔ
مزاج میں مولانا کے قدم بقدم بلکہ کچھ بڑھکر ہیں عمدہ استعداد ہے اُنھوں نے بھی مدرسہ دیوبند
میں تحصیل کی ہے اور اوّل جناب مولوی رشید احمد صاحب سے تحصیل کی تھی۔ تیسرے مولوی
احمد حسن امروہی ان سے مولانا کو کمال محبت تھی نہایت عمدہ ذہن و ذکا اور اعلیٰ درجہ کی عمدہ
استعداد ہے اور جناب مولانا سے کمال مناسبت ہے اور ان صاحبوں کے علاوہ مولانا کے
بہت سے شاگرد ہیں۔ مولانا باوجود اجازت حضرت صاحب مخدوم مکرم وقبلہ ایک زمانہ تک کسی کو
بیعت نہ کرتے تھے پھر آخر بہت تاکید کی بعد چند لوگ بیعت ہوئے اور بہت سے اُن میں مخفی
صاحب حال ہیں۔ مگر مولوی صاحب نے کسی کو اجازت نہیں فرمائی اور اب آخر میں
بیعت سے انکار فرمادیتے تھے اگر کوئی طالب ہوا کچھ وظیفہ بتلا دیتے۔ جیسے مولانا
کے شاگرد اور مرید فدائی اور جان نثار خادم ہیں ایسے کہاں ہوتے ہیں حالانکہ مولانا سب کی ساتھ
دوستانہ اور برابری کا سا برتاؤ رکھتے تھے بلکہ تعظیم و تکریم سے گھبراتے تھے۔ بعد انتقال

جناب مولوی صاحب بہت سی تاریخیں اکثر صاحبوں نے نکالیں سب کا یہاں ذکر کرنا طول ہے اُن میں دو مادے پسند احقر ہوئے ہیں اُن کو ذکر کرتا ہوں۔ ایک خود احقر نے نکالا ہے کیا چراغ گل ہوا۔ اور اُس کو نظم بھی کیا ہے کئی طور پر۔ اور دوسرا مادہ نہایت عمدہ بنہایت پسندیدہ مولوی فضل الرحمٰن صاحب دیوبندی نے بھی نکالا ہے۔ وفات سرور عالم کا نمونہ ہے۔ مولوی صاحب نے ایک قطعہ نظم بھی فرمایا ہے جس کا یہ ایک مصرعہ ہے اور دونوں بزرگوں کی وفات کی تاریخ عبدالرحمٰن خان صاحب مالک مطبع نظامی کانپور نے نہایت عمدہ نکالی ہے یہ ہے رضی اللہ عنہما دائما اور احقر نے یہ مادہ اس کے لئے پایا ہے مصیبت پر آئی مصیبت فقط

آب دعا پر ختم کلام کرتا ہوں۔ یا اللہ یا رب یا کریم اپنے فضل عمیم و عنایت عام و تفضل تام سے ان حضرات کو اعلیٰ علیین میں مقام کرامت فرما اور ہم پس ماندوں کو اُن کے طریق مستقیم ہدایت پر استقامت نصیب فرما اسی پر زندہ رہیں اور اسی پر مریں اور اسی پر حشر ہو۔

آمین ثم آمین

سوالات برائے "سوانح عمری"

نوٹ: سوالات بالترتیب بنائے گئے مگر طلبہ کی آسانی کیلئے سوالات کے ساتھ اس صفحے کا نمبر بھی دیا گیا ہے جس میں اس سوال کا جواب موجود ہے۔

س: سوانح عمری کے مصنف کون ہیں؟ انہوں نے سوانح عمری کیوں لکھی؟ ان کا مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے عمر میں کتنا فرق ہے؟ ص۲

س: مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی پیدائش کس سال اور کس مہینے میں ہوئی؟ ص۲

س: مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا تاریخی نام کیا ہے؟ ص۲

س: مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ میں روابطِ اتحاد کیا تھے؟ ص۲

س: مولاناؒ کے والد گرامی قدر کا نام کیا تھا اور ان کی مشغولیت کیا تھی؟ ص۳

س: مولاناؒ نے بچپن میں کیا خواب دیکھا؟ اس کی تعبیر کس نے دی اور کیا دی؟ ص۳

س: مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کی بہن نے قحط کی بابت کیا خواب دیکھا تھا؟ ص۳

س: مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا نسب ذکر کریں۔ اور بتائیں کہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کا نسب کہاں ملتا ہے؟ ص۳

س: مولوی وجیہ الدین مولاناؒ کے کیا لگتے تھے؟ اور کس چیز کے ماہر تھے؟ ص۳

س: مولانا نانوتویؒ کا نسب خلفائے راشدین میں سے کس سے جا ملتا ہے؟ ص۳

س: مولوی محمد ہاشم کون تھے؟ اور کس کے زمانے میں مقرب شاہی ہوئے؟ ص۳

س: مولانا محمد قاسم صاحبؒ چار پشت تک متفرد کیسے رہے؟ ص۴

س: مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کن اوصاف کے حامل تھے؟ ص۴

س: مولانا کا اپنے ساتھیوں میں کیا درجہ تھا؟ ص۴

س: مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا خط یعنی لکھائی کیسی تھی؟ ص۴

س: مولانا محمد قاسم نانوتویؒ میں نظم کا شوق اور حوصلہ کب سے تھا؟ ص۴

س: حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے مولانا کا ربطِ نسب ذکر کریں۔ ص ۴

س: نانوتہ ان دونوں علماء نے کتاب کی جزبندی یعنی جلد سازی کس سے سیکھی؟ ص ۴

س: مولانا کے وطن میں شیخ تفضّل حسین کا کیا قضیہ پیش آیا؟ ص ۴

س: شیخ تفضّل حسین کس کے ہاتھ سے زخمی ہو کر مرے؟ ص ۴

س: مولانا کو دیوبند کیوں اور کس کے پاس بھیجا گیا؟ ص ۴

س: مولانا نے فارسی اور عربی کی اول کتب کی تعلیم کہاں اور کن سے حاصل کی؟ ص ۴

س: مولانا کے نانا جان کا انتقال کس وجہ سے اور کس سال ہوا؟ ص ۵

س: مولانا تعلیم اور کھیل میں کیسے تھے؟ ص ۵

س: بچپن میں مولانا کی بہادری کا کیا عالم تھا؟ ص ۵

س: مولانا مملوک علی نانوتویؒ نے مولانا محمد قاسمؒ کو اپنے ہمراہ تعلیم کیلئے کب لیا؟ ص ۵

س: مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اپنے وطن نانوتہ سے کس تاریخ کو روانہ ہوئے اور دہلی پہلی مرتبہ کس تاریخ کو پہنچے اور سبق کب شروع ہوئے؟ ص ۵

س: جب مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کافیہ پڑھتے تھے تو مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ آپ سے کن کتب کے لئے مراجعت کرتے تھے؟ ص ۵

س: دورانِ طالب علمی مولانا محمد قاسمؒ کی مناظرانہ صلاحیتوں کا کیا عالم تھا؟ ص ۵

س: مولانا نے میر زاہد قاضی صدرا وغیرہ معقول کی مشکل کیسے پڑھیں؟ ص ۵

س: مولانا نے حدیث کن سے پڑھی اور بیعت وسلوک کا تعلق کن سے جوڑا؟ ص ۵

س: مولانا مملوک العلیؒ نے دینی تعلیم مکمل ہونے پر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو کس مدرسہ میں داخل کروایا؟ اور وہاں کے استاد سے کیا کہا؟ ص ۵،۶

س: ریاضی میں مولانا کی مہارت کیسی تھی نیز مولانا نے اقلیدس کو کیسے حل کیا؟ ص ۶

س: منشی ذکاءاللہ کے پوچھے ہوئے سوالات کا مولانا نے کس طرح جواب دیا؟ ص ۶

س: کالج کے سالانہ امتحان میں مولاناؒ نے شرکت کی یا نہیں؟ ص۶

س: مولاناؒ نے سرکاری مدرسہ چھوڑنے کا سب سے زیادہ افسوس کس کو ہوا؟ ص۶

س: سرکاری مدرسہ چھوڑ کر مولانا نے کس مطبع میں ملازمت کی؟ ص۶

س: مولاناؒ نے حدیث شریف کی تکمیل کن کے پاس کی؟ ص۶

س: حضرت مولانا مملوک العلی کا انتقال کب ہوا؟ ص۶

س: استاد کی خدمت میں مولاناؒ کا کیا کردار تھا؟ ص۶

س: مولانا مملوک العلیؒ نانوتویؒ کی وفات کے بعد مولانا قاسم نانوتویؒ کا مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے ساتھ رہنا سہنا کیسا تھا؟ ص۶

س: مولانا یعقوب نانوتویؒ نے دہلی کب چھوڑی؟ اور اس کے بعد مولانا محمد قاسم صاحبؒ کہاں کہاں رہے؟ ص۶

س: مولاناؒ نے حاشیہ بخاری کن کے کہنے سے مکمل کیا؟ اور کب کیا؟ اور کیسا لکھا؟ ص۶

س: مولانا نانوتویؒ کے حاشیہ بخاری شروع کرنے پر لوگوں نے کیا کہا؟ اور مولانا احمد علی سہارنپوریؒ نے کیا جواب دیا؟ ص۷

س: بخاری شریف کے جس مقام کا مولاناؒ نے حاشیہ لکھا وہ مقام آسان ہے یا مشکل؟ اور اس میں خاص بات کیا ہے؟ ص۷

س: علمیت کے باوجود مولاناؒ کی سادگی کا ڈھنگ کیسا تھا؟ ص۷

س: مولانا کے چہرے میں ہیبت کا کیا عالم تھا؟ ص۷

س: مولانا کی سنجیدگی اور سکوت کا دوسروں میں کیا اثر تھا؟ ص۷

س: مولانا اپنی تعظیم سے خوش ہوتے تھے یا سادہ نام پکارنے سے اور کیوں؟ ص۷

س: مولانا کا اپنے شاگردوں اور مریدوں سے برتاؤ دوستانہ تھا یا سنجیدگی والا؟ ص۷

س: مولانا کی کوئی خاص وضع تھی یا نہیں؟ آپ کیسے رہتے تھے؟ ص۷

س: مولاناؒ نے اپنی شہرت کے حق میں کیا فرمایا؟ اس پر مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے کیا تبصرہ فرمایا؟ ص۸

س: فتوی دینے اور مسئلہ بتانے کے بارے میں مولانا کا طور طریقہ کیا تھا؟ ص۸

س: مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کے تقویٰ کا عالیشان ہونا ثابت کریں؟ ص۸

س: مولانا کا وعظؒ یعنی بیان سب سے پہلے کس ہستی نے کروایا؟ ص۸

س: بیواؤں کے نکاح کی ترغیب اس زمانے میں کن کن بزرگوں نے دی؟ ص۸

س: مولانا مملوک علی نانوتویؒ کے ساتھ مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے تعلقات کیسے تھے؟ ص۸

س: نکاح کے حوالے سے مولانا کا کیا رویہ تھا، اور کس کے کہنے سے نکاح کیا؟ ص۸

س: مولاناؒ نے نکاح کیلئے شرط کیا رکھی؟ ص۸

س: مولاناؒ نے نکاح کے بعد نوکری کیا کی؟ ص۸

س: سخاوت میں مولاناؒ اور ان کی اہلیہ محترمہؒ کا کیا حال تھا؟ ص۹

س: آخر میں مولاناؒ کا اپنی اہلیہؒ سے کیسا تعلق تھا؟ ص۹

س: مہمانوں کو چاول پیش کر کے مولاناؒ کیا فرماتے تھے؟ ص۹

س: مہمان کی سواری کیلئے دانہ نہ ملا تو مولاناؒ نے جانور کو کیا کھلایا؟ ص۹

س: ایام طالب علمی میں مولاناؒ نے کیا خواب دیکھے اور ان کی تعبیر کیا تھی؟ ص۹

س: نوکری نہ کرنے پر مولاناؒ کے والد صاحبؒ نے حاجی صاحبؒ سے شکایت کی تو حاجی صاحبؒ نے کیا جواب دیا؟ ص۱۰

س: حضرت حاجی صاحبؒ نے مولاناؒ کے حق میں کیا پیشگوئی کی تھی؟ ص۱۰

س: حاجی صاحب نے مولانا گنگوہیؒ کے بارے میں کیا فرمایا؟ اور حضرت نانوتویؒ کے بارے میں کیا؟ ص۱۰

س: مولاناؒ کی وفات پر مولانا یعقوب نانوتویؒ زیادہ پریشان کیوں ہوئے؟ ص ۱۰

س: مولانا کی اولاد کے بارے میں کچھ معلومات ذکر کریں ص ۱۱

س: آخر عمر میں مولاناؒ کے والدِ محترمؒ کا مولاناؒ سے کیا رویہ تھا؟ ص ۱۱

س: مولانا کی مسجد سے کتنی لگن تھی بیان کریں ص ۱۱

س: مولانا کی ریاضتیں کیسی تھیں؟ اور کونسا مرض وفات کا سبب بنا؟ ص ۱۱

س: مولانا میں معانی اور مضامین کی آمد کا کیا حال تھا؟ ص ۱۱

س: کشف اور احوال باطن میں مولاناؒ کا کیا حال تھا؟ ص ۱۱

س: کسی بزرگ نے آپ کو توجہ دینا چاہی تو کیا ہوا؟ ص ۱۲

س: جنگ آزادی کے دِنوں میں مولاناؒ کی علوِہمت کا کیا عالم تھا؟ ص ۱۲

س: نشانہ بازی میں مولاناؒ اپنے ساتھیوں پر کیسے فوقیت لے گئے؟ ص ۱۲

س: مولاناؒ گولیوں کا مقابلہ کس سے کرتے تھے؟ گولیاں لگنے کے بعد مولاناؒ کی کیا کیا کرامات ظاہر ہوئیں؟ ص ۱۲، ۱۳

س: مولانا کے زخم کی خبر لوگوں نے حکومت کو کیا کہہ کر پہنچائی؟ ص ۱۳

س: دورانِ زمانہ غدر اللہ تعالیٰ نے مولانا کی دشمنوں سے کس طرح حفاظت فرمائی؟ کچھ واقعات لکھیں ص ۱۳

س: مولانا نے روپوشی کن حالات میں اختیار کی؟ کن کے کہنے سے؟ ص ۱۳

س: مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے بعد حجاز کا سفر کیسے کیا اور کب کیا؟ ص ۱۴

س: مولاناؒ نے قرآن شریف کب حفظ کیا اور آپ کا طریق حفظ کیا تھا؟ ص ۱۳، ۱۴

س: دورانِ سفر مولاناؒ نے عید کس جگہ کی اور اس موقع پر کیا تقسیم کیا؟ ص ۱۴

س: مولانا کا حفظ قرآن کیسا تھا؟ اور تلاوت کا کیا معمول تھا؟ ص ۱۴

س: حجازؒ سے واپسی پر مولاناؒ کی کیا مصروفیت تھی؟ اس زمانہ حالات کیسے تھے؟ ص ۱۴

س: مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے آپ سے بخاری کس زمانے میں پڑھی؟ ص ۱۴

س: منشی ممتاز علی کون تھے، ان سے نانوتہ کے یہ دونوں عالم کیسے منسلک ہوئے؟ ص ۱۴

س: مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے حضرتؒ سے مسلم شریف کب پڑھی؟ نیز اکیلے پڑھی یا ساتھیوں کے ساتھ؟ ص ۱۴

س: دارالعلوم دیوبند کی بنیاد کب ڈالی گئی اور مدرس کیلئے تنخواہ کتنی تجویز ہوئی؟ ص ۱۴

س: مولانا محمد قاسمؒ دارالعلوم دیوبند کب تشریف لائے؟ دارالعلوم میں کیا کیا؟ ص ۱۴

س: مولاناؒ سفر حج کیلئے دوبارہ حجاز کب تشریف لے گئے؟ ص ۱۴

س: مولانا کا طرز تدریس کیا تھا؟ اور علوم سے مناسبت کیسی تھی؟ (۱) ص ۱۵

س: مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے اپنے طرزِ تدریس کی بابت کیا فرمایا؟ ص ۱۵

س: مولانا کے درس کو صحیح طور پر کون سمجھ سکتا تھا؟ ص ۱۵

س: مولانا کو فیض رسانی کی طرف توجہ کس زمانے میں ہوئی؟ ص ۱۵

س: مولانا کی تحریریں کس طرح تیار ہوئیں؟ ص ۱۵

س: مولانا سے پادری تاراچند پادری کیسے ذلیل ہوا؟ ص ۱۵

س: امام فن مناظرہ مولوی منصور علی سے حضرت کا تعلق کس زمانے میں ہوا؟ ص ۱۵

س: شاہجہانپور میں مباحثہ کب ہوا؟ اس کی مختصر تاریخ لکھیں۔ ص ۱۵

---

۱) مولانا کو ہر فن میں حیرت انگیز حد تک مہارت تھی علم تفسیر کی مہارت کے لئے دیکھئے "عمدۃ التفاسیر" "مناظرے کی مہارت کیلئے ان کے مباحثوں کو پڑھئے، اردو ادب دیکھنا ہو تو "قبلہ نما" میں دیکھو، علم کلام کی مہارت دیکھنی ہو تو "تقریر دلپذیر" کو دیکھو۔ اثر ابن عباسؓ کے تحت حضرتؒ نے شاذ کی جو بحث کی اس سے پتہ چلتا ہے کہ اصول حدیث پر بھی مولانا کی گہری نظر تھی۔ (دیکھئے تحذیر الناس طبع گوجرانوالہ ص ۸۲، ۸۳)

س: تحقیق مذہبی کے اس میلے یعنی جلسے میں بریلی اور شاہجہانپور کے مسلمانوں نے اہل اسلام میں سے گفتگو کرنے کے لئے کسے چنا؟ ص ۱۵

س: ہندؤوں، عیسائیوں سے گفتگو کیلئے اور کن علماء سے تعاون لیا گیا؟ ص ۱۵،۱۶

س: مولانا نے اس جلسہ میں کس موضوع پر بات چیت کی؟ ص ۱۷

س: عیسائی پادری مناظروں پریشان ہو کر کس مسئلہ کو چھیڑتے ہیں؟ اور مولاناؒ نے اس کا کیسا حل پیش کیا؟ ص ۱۶

س: شاہجہانپور میں حضرت کے کئے ہوئے بیانات کہاں ملتے ہیں؟ ص ۱۶

س: ۱۲۹۴ھ کے مباحثہ میں ہندؤوں کی طرف سے کس بڑے پنڈت کو دعوت دی گئی؟ اور اس کی تقریر میں اکثر الفاظ کس زبان کے تھے؟ ص ۱۶

س: پنڈت دیانند سرسوتی کے جواب کیلئے اس وقت کون سے مولوی صاحب سے مدد لی گئی جو بمقابلہ مذہب ہنود مشہور تھے؟ ص ۱۶

س: مولاناؒ نے کن موضوعات پر مجمع میں بات کی اور کس موضوع کی بنا پر عیسائی مشنری پادری منہ چھپا کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے؟ ص ۱۶

س: اس میلہ کا لوگوں پر کیا اثر ہوا، اور مولاناؒ کے بارے میں کو کیا پتہ چلا؟ ص ۱۶

س: مولاناؒ کی تقریر کے بارے میں پادریوں نے کیا کہا؟ ص ۱۶

س: مولانا کی کتاب ''حجۃ الاسلام'' کب اور کیوں لکھی گئی؟ موضوع کیا ہے؟ ص ۱۷

س: ۱۲۹۴ھ میں علماء کے قافلۂ حج کی روئیداد بیان کریں؟ ص ۱۷

س: درج ذیل عبارت میں حضرت سے کون مراد ہے؟ ص ۱۷

''حضرتؒ کی زیارت سے اور ان متبرک مکانوں کی زیارت سے مشرف ہو کر جب واپس ہوئے''۔

جواب: اس عبارت میں حضرت سے مراد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ ہیں۔

س: مولاناؒ کی دوران سفر طبیعت کیسی رہی؟ ص ۱۷

س: دورانِ سفر خوراک اور دوا کے حوالے سے کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا؟ ص ۱۷

س: وطن پہنچنے کے بعد مولاناؒ کی صحت کی معاملہ کیسا رہا؟ ص ۱۷

س: دیانند سرسوتی نے دوبارہ کب اور کس علاقے میں اسلام پر کیچڑ اچھالا؟ ص ۱۷

س: اہلِ علاقہ کے مدعو کرنے پر مولاناؒ کس حالت میں رڑکی پہنچے؟ اور آپ کے جانے سے خدام اور عوام پر کیا اثر ہوا؟ ص ۱۷

س: پنڈت دیانند سرسوتی کا اسلام پر بڑا اعتراض کیا تھا؟ اس کے جواب میں مولاناؒ نے کونسی کتاب لکھی؟ ص ۱۸

س: مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے رسالہ قبلہ نما کا موضوع کیا ہے؟ ص ۱۸

س: رڑکی کے بعد پنڈت کہاں پہنچا؟ اور مولانا کے پہنچنے پر اس کا کیا حال ہوا؟ ص ۱۸

س: جواب "ترکی بہ ترکی" کا جامع کون ہے اور اس میں مضامین کس کے ہیں؟ ص ۱۸

س: میرٹھ میں مولانا نانوتویؒ نے تقریر کے بعد جو تحریر شروع کی اس کو بطرزِ جواب کس نے لکھا اور اس کا نام کیا رکھا؟ ص ۱۸

س: مولاناؒ کے جواب میں پنڈت کے معتقدین نے کیا کیا؟ ص ۱۸

س: آخر عمر میں مولانا کو کس تکلیف دِہ مرض کا سامنا تھا؟ ص ۱۸

س: دورانِ بیماری مولانا کے علاج معالجے کی طرف کیسی توجہ دی گئی؟ ص ۱۸

س: بیماری میں مولانا کے علاج کا زیادہ شرف کس ڈاکٹر یا حکیم کو حاصل ہوا؟ ص ۱۸

س: مولانا کو ایسا علاج کیوں نصیب ہوا جیسا بادشاہوں کو نصیب نہیں ہوتا؟ ص ۱۹

س: سہارنپور میں مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کو کیا عارضہ لاحق ہوا؟ اور مولانا نانوتویؒ باوجود مرض کے کس کے ہمراہ بیمار پرسی کیلئے پہنچے؟ ص ۱۹

س: افاقہ کے دوران کن کے کہنے سے مولاناؒ نے درس ترمذی شروع کیا؟ اور ان دِنوں صحت کا کیا حال تھا؟ ص ۱۹

س: مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کی عیادت کیلئے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ دوبارہ گئے تو سہارنپور میں کتنی دیر قیام رہا؟ ص ۱۹

س: خلافِ عادت سفر میں لمبے قیام کی وجہ سے مولانا کو کن عوارض نے آگھیرا؟ ص ۱۹

س: سہارنپور واپسی کیلئے کون ہمراہ ہوا؟ واپس پہنچ کر سانس کی کیا حالت تھی؟ ص ۱۹

س: دہلی سے مقوی غذائیں کھانے سے طبیعت میں حرارت کا کیا اثر ہوا؟ اور کتنے دِن بے ہوشی کا سا عالم رہا؟ ص ۱۹

س: مولانا کے آخری دِنوں بیمار پرسی کیلئے لوگ کہاں کہاں سے آپہنچے؟ ص ۱۹

س: مولانا نے دارِ فانی سے کس تاریخ کو، کس دِن کو اور کس وقت رحلت فرمائی؟ ص ۱۹

س: جسدِ مبارک کو کہاں رکھا گیا؟ اور کیوں؟ ص ۱۹

س: اس موقع پر شہر سے باہر قبرستان کیلئے قطعہ زمین کس نے وقف کیا؟ ص ۱۹

س: مولاناؒ کا جنازہ کس وقت اٹھایا گیا؟ آپ کو کہاں دفنایا گیا؟ اس وقت مجمع عام کی کیا کیفیت تھی؟ ص ۱۹

س: مولانا کی صحبت میں رہنے والوں کی حدودِ شرعی کی اتباع کی بابت کیا حالت؟ ص ۲۰

س: مولانا رشید احمد گنگوہیؒ عیادت کیلئے کب تشریف لائے، کب واپسی فرمائی؟ ص ۲۰

س: مولانا مفتی رشید احمد گنگوہیؒ کی طرف سے صدمے کا ردِعمل کیا تھا؟ انہوں نے اپنا وقت کس چیز میں صرف کیا؟ ص ۲۰

س: مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کی وفات مولانا نانوتویؒ کے کتنے دِنوں بعد ہوئی؟ اور لوگوں کو زیادہ صدمہ کن کی وفات کا ہوا؟ ص ۲۰

س: مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے پیچھے کتنے صاحبزادے چھوڑے؟ مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے ان کے بارے میں کیا لکھا؟ ص ۲۰

س: مولانا کی کتنی صاحبزادیاں تھیں؟ ان کے کچھ حالات لکھیں ص ۲۰، ۲۱

س: مولاناؒ نے بیٹیوں کے نکاح کیسے کیے، دامادوں میں خاص چیز کیا مدنظر رکھی؟ ص ۲۱

س: قاری طیب صاحبؒ اور کراچی کے مولانا آصف قاسمی کا حضرتؒ سے کیا رشتہ(۱) ہے؟

س: مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے علاوہ مولاناؒ کے تین مشہور شاگردوں کے نام اور ان کے کچھ حالات ذکر کریں۔ ص ۲۱

س: بیعت کرنے اور اجازت و خلافت دینے میں مولاناؒ کا رویہ کیا تھا؟ اگر کوئی طلبگار بیعت کی درخواست کرتا تو کیا کرتے؟ ص ۲۱

س: مولاناؒ کے شاگردوں اور مریدوں کا مولانا کے ساتھ کیسا تعلق تھا؟ ص ۲۱

س: حضرت نانوتویؒ اور مولانا سہارنپوریؒ کے بارے میں کچھ تاریخیں ذکر کریں ص ۲۲

س: حضرت نانوتویؒ کے بارے میں اپنے تاثرات تحریر کریں۔

---

۱) قاری طیب صاحبؒ مولاناؒ کے بڑے صاحبزادے حافظ محمد احمدؒ کے بیٹے اور حضرت نانوتویؒ کے پوتے تھے، اور مولانا آصف قاسمیؒ انہی حافظ محمد احمد صاحبؒ کے پوتے ہیں تو حضرت نانوتویؒ کے پڑپوتے ہوئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلمۃ الاختتام

الحمد للہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں "مجموعہ رسائل قاسمیہ" جلد اول [آسان وعام فہم رسائل] پر شروع کیا ہوا کام کافی محنت کے بعد آج ۱۴ رذی الحجہ ۱۴۳۹ھ بروز اتوار موافق ۲۶ راگست ۲۰۱۸ء کو اختتام پذیر ہوا۔ اور اللہ کی مہربانی سے ہم اس قابل ہوئے کہ ایک قدیم اور نہایت قیمتی اور نایاب علمی سرمائے کو آپ کی خدمت میں پیش کریں۔

<u>رسائل کی کتابت کے بارے میں:</u>

اس مجموعہ میں حضرت نانوتویؒ کے جن رسائل کی لکھائی صاف تھی، عنوانات لگے ہوئے تھے جیسے "میلہ خداشناسی"، "مباحثہ شاہجہانپور" اور "تحفہ لحمیہ" ان کو کمپوز کرنے کے بجائے عکس لے کر چھاپا گیا ہے تاکہ قدیم نسخے اصل حالت میں محفوظ ہو جائیں اور جس کی لکھائی واضح نہ تھی جیسے رسالہ "اسرار الطہارۃ" جو دراصل ایک مکتوب ہے اس کا عکس بھی لگایا ہے اور اس کی منتخب عبارات کی کمپوزنگ بھی۔

کتاب "حجۃ الاسلام" کے ہمارے پاس تین نسخے ہیں ایک مطبع مجتبائی دہلی کا دوسرا کتب خانہ امدادیہ دیوبند کا تیسرا دارالاشاعت کراچی کا۔ آخری دونوں نسخے ایک جیسے ہیں ان پر حضرت شیخ الہندؒ کا مقدمہ اور انہی کے عنوانات ہیں۔ ہم نے ان میں سے کتب خانہ امدادیہ دیوبند کے نسخے کو لیا ہے کیونکہ اس کے صفحات کم ہیں، اور لکھائی زیادہ واضح ہے۔

مطبع مجتبائی دہلی کے نسخے میں عنوانات نہیں مگر اس میں ایک اضافہ ہے کہ تتمہ کے عنوان سے دس صفحے زیادہ ہیں۔ ان وجوہ کی بنا پر ہم نے مطبع مجتبائی کے مکمل نسخے کو ساتھ لگایا ہے چونکہ اس کی لکھائی واضح نہیں اس لئے اس کے تتمہ کے اضافی صفحات کو کمپوز کر کے بھی ساتھ لگا دیا ہے۔

محمد رضی

<u>مقدمہ کے بارے میں:</u>

مجموعہ کے شروع میں والد محترم مولانا محمد سیف الرحمٰن قاسم دامت برکاتہم کے قلم سے جو مقدمہ ہے اس میں مختلف حوالوں سے حضرت کے مقام کو سمجھا کر ثابت کیا گیا ہے کہ آپ عالم اسلام کے عظیم رہنما تھے عقیدۂ ختم نبوت سے بالخصوص آپ کو بہت عشق تھا۔ پھر بڑے افسوس کے ساتھ بتایا گیا کہ ان حقائق کے باوجود کچھ لوگ ایسے ہیں جو ختم نبوت کے اس عظیم مجاہد کو منکر ختم نبوت کہتے ہیں جس کی وجہ سے مرزائیوں کو جرأت ہوتی ہے اور وہ حضرت کو اپنا حامی بتاتے ہیں پھر حضرت کی مشتبہ عبارات کی آسان الفاظ میں وضاحت کی گئی ہے۔

<u>سوالات کے بارے میں:</u>

۱ اس مجموعہ میں ہر رسالے کے بعد اس سے متعلقہ سوالات دیئے گئے ہیں سوالات اس انداز سے دیئے گئے ہیں کہ رسالے کے مضامین کی اہمیت کا اندازہ ہو۔ سوالات کے ساتھ صفحات کے نمبر بھی درج ہیں تاکہ جوابات تلاش کرنے میں دشواری ہو نہ زیادہ وقت درکار ہو۔ اور یہ سب اللہ کی خاص توفیق سے ہوا ہے اس لئے کہنا پڑتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا ، وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَآ أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ ۔

<u>حضرت نانوتوی ؒ کی دیگر تصانیف کے بارے میں:</u>

امید ہے کہ تشنگانِ علم اس مجموعہ کے رسائل سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔ یہ علوم اسلامیہ کا عظیم سرمایہ ہیں ان شاء اللہ اس مجموعہ کے مطالعہ سے آپ کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔ حضرت نانوتوی ؒ کی جو اور تصنیفات ہیں خدا کرے وہ بھی اسی طرح یا اس سے بھی بہتر انداز میں جلد شائع ہوں دینی کتب کے ناشرین کو اس طرف توجہ کرنی چاہئے۔ اللہ ہمارا اور آپ کا حامی و ناصر ہو آمین۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ فقط

بندہ: محمد معاذ احمد غفر اللہ لہ

بروز اتوار ۱۴/۱۲/۱۴۳۹ھ موافق ۲۶/ اگست ۲۰۱۸ء

متعلم جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی حال وارد گوجرانوالہ